The preaching of Islam

دعوتِ اسلام

ٹی ڈبلیو آرنلڈ

ترجمہ
نعیم اللہ ملک

www.KitaboSunnat.com

نشریات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقيق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

دعوتِ اسلام

ٹی ڈبلیو آرنلڈ

ترجمہ : نعیم اللہ ملک

www.KitaboSunnat.com

نشریات

۴۰ اُردو بازار، لاہور۔فون: ۴۵۸۹۴۱۹۔۰۳۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۰ء

نام کتاب : دعوتِ اسلام

مصنف : ٹی ڈبلیو آرنلڈ

مترجم : نعیم اللہ ملک

کتابیات/اشاریہ: عبدالوحید، چیف لائبریرین، عابد قبال، لائبریرین
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون:32212991-32629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون 37320318 فیکس 37239884

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹرانسلیٹرز نوٹ

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، تلوار سے نہیں پھیلا

آج یورپ اور امریکا میں اسلام پر دہشت گردی اور پر تشدد دین ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے لیکن انگلستان کے شہرہ آفاق دانشور پروفیسر سر تھامس آرنلڈ نے، جو محمد اقبالؒ کے استاد تھے اور جن کی حیات اور کارناموں کو اس کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران ۱۸۹۶ء میں The Preaching of Islam (دعوت اسلام) لکھ کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ اسلام میں جبر واکراہ کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی یہ آفاقی دین تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے مبلغوں اور صوفیائے کرام نے نہایت پرامن طریقے سے اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلایا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی مصعبؓ بن عمیر نے اپنی والدہ سے کہا تھا: ''اے میری ماں! میں تجھے از راہ محبت یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' ماں نے جواب دیا: ''قسم ہے مجھے جگمگ کرتے روشن ستاروں کی! میں تیرے دین میں داخل ہونے کی ہرگز حماقت نہ کروں گی۔ میں تمہارے اور تمہارے معاملات سے بیزار ہوں اور اپنے آبائی مذہب پر پختگی کے ساتھ قائم ہوں۔'' لیکن اس بت پرست خاتون کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

اصل میں پیغمبر اسلامؐ نے صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی تھی جس میں اشاعت اسلام کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ چنانچہ مغرب کے عظیم مصنف اور مورخ پرنس کیتانی نے اس جماعت کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''یہی وہ لوگ تھے جو رسول اللہؐ کے حقیقی وارث اور آپؐ کی تعلیمات کے سچے امین تھے۔ آئندہ چل کر وہ اسلام کے داعی بننے والے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کی شب و روز کی صحبت اور حضورؐ کے ساتھ بے پناہ محبت اور عقیدت کے باعث ان میں ایک نیا انداز فکر اور ایک نیا شعور پیدا ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ اس قدر نرم خو، مہذب اور ارفع درجات کے حامل تھے کہ چشم فلک نے اس سے پہلے ایسے لوگ نہیں دیکھے تھے۔ اب ان کی حالت ہر لحاظ سے بہتر ہو گئی اور بعد کے زمانے میں انہوں نے سیاست دانوں اور سپہ سالاروں کی حیثیت سے مختلف معرکوں اور جنگوں میں بہترین تدبر اور دانش و حکمت کا مظاہرہ کیا جو اس بات کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ حضورؐ کے نظریات اور تعلیمات کی تخم ریزی نہایت عمدہ اور نفع بخش زمین میں ہوئی تھی جس سے ایسے آدمیوں کی جماعت تیار ہوئی جو اعلیٰ ترین اوصاف کی مالک تھی۔ قرآن کریم ان کو ازبر یاد اور ان کے سینوں میں محفوظ تھا، اس کے ساتھ ہی انہوں نے سرور کونینؐ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حکم کی نہایت احتیاط کے ساتھ حفاظت کی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ آں حضرتؐ کی اخلاقی میراث کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاسبان اور امین تھے۔ یہ لوگ شجر اسلام کی بیخ و بن ثابت ہوئے جس کے برگ و بار سے آنے والے برسوں میں محدثین، فقہا اور علما کی پہلی مقدس جماعت عالم وجود میں آنے والی تھی۔''

پروفیسر آرنلڈ کے نامور شاگرد محمد اقبالؒ نے خدا کی وحدانیت اور مساوات کے پیغام کو نہایت خوبی اور کمال مہارت کے ساتھ رسول کریمؐ کے ازلی دشمن ابو جہل کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے:

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ
از دمِ او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود
نوجواناں را ز دستِ ما ربود
پاش پاش از ضربتش لات و منات
انتقام از وے بگیر اے کائنات
مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست

ترجمہ: ہمارا سینہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے داغ داغ ہے
اس کے پھونک سے کعبے کا چراغ بجھ گیا
وہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی بات کرتا ہے
اس نے ہمارے ہاتھ سے نوجوان چھین لیے
اس کی ضرب سے لات و منات پاش پاش ہو گئے
اے کائنات! اس سے انتقام لے
اس کا مذہب ملک و نسب کی جڑ کاٹتا ہے
وہ قریش میں سے ہو کر عرب کی فضیلت کا منکر ہے
اس کی نظر میں اونچا نیچا سب برابر ہے
وہ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ جاتا ہے

امیدوار رحمت | مراکیوال، سیال کوٹ
نعیم اللہ ملک | موسم بہار ۲۰۱۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے ایڈیشن کا دیباچہ

میں ان اوراق کو نہایت تذبذب اور مختلف اندیشوں کے ساتھ شائع کر رہا ہوں کیونکہ اس کتاب میں جس موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے، وہ بہت وسیع ہے اور مجھے انتہائی نامساعد حالات میں اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑا ہے۔ ان حالات میں میں بس یہی توقع کر سکتا ہوں کہ مجھے اپنے مقصد میں بہت معمولی کامیابی حاصل ہوگی البتہ جب مجھے اس کام کے لیے بہتر ساز و سامان میسر آئے گا اور مزید مطالعے کے بعد اس کتاب کی خامیوں (سسلی میں اسلام کی اشاعت اور بے شمار مسلمان اولیا کی تبلیغی کوششیں) کو دور کرنے کا موقع ملے گا، اس وقت میں وہ خلا پر کرنے کے قابل ہوسکوں گا جو اس کتاب میں باقی رہ گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے برسوں میں میں تاریخ اسلام کے اس شعبے میں، جسے ماضی میں نظر انداز کیا گیا ہے، قابل ذکر اضافہ کر سکوں گا۔ اس نصب العین کے حصول کے لیے میں ان اسکالروں کی تنقید اور فروگذاشتوں کی تصحیح پر ان کا شکر گزار رہوں گا جس سے وہ مجھے اس کتاب کے مطالعے کے بعد آگاہ کریں گے۔ ان حضرات کی خدمت میں میں سینٹ آگسٹائن کے الفاظ میں یہ عرض کروں گا: ''جو شخص میری اس تحریر کو پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اسے خوب سمجھتا ہوں لیکن مصنف کا قول درست نہیں ہے بلکہ وہ واقعات کو اپنے ذاتی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور میری رائے کے خلاف چلتا ہے۔ جو شخص از راہ محبت اور خلوص دل سے ایسی بات کہے اور مجھے سمجھانے کی کوشش کرے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی تصنیف سے بہت سارا ثمر حاصل کر لیا ہے۔''

اس کتاب میں تاریخ کے جن ادوار کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان پر مجھے سند کا درجہ حاصل نہیں اور نہ ہی مجھے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فن پر کامل مہارت کا دعویٰ ہے۔ چونکہ اس کتاب میں درج کئی واقعات متنازع حیثیت اختیار کر چکے ہیں اس لیے میں نے تاریخی ماخذوں کا مکمل حوالہ دے دیا ہے کیونکہ میں نے مناسب سمجھا ہے کہ دھندلے پن، ابہام، لغزشوں اور خامیوں کے بجائے غلطیوں کے ارتکاب کو ترجیح دوں۔ میں نے ایسے حوالوں کو تلاش کرنے میں، جو مبہم اور ناکافی تھے، بے شمار صعوبتیں اٹھائی ہیں اور بہت سا وقت صرف کیا ہے۔ میری آرزو ہے کہ دوسرے لوگوں کو یہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ عام قارئین کی نظروں میں میں بظاہر قصوروار نظر آؤں گا اور ممکن ہے کہ وہ ان تفصیلی حوالوں کو ذوق خودنمائی پر محمول کریں لیکن غالباً میں نے ان اسکالروں کا خاصا وقت ضائع ہونے سے بچا لیا ہے جو کسی بیان یا واقعے کی صحت کی جانچ پڑتال اور اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے کے خواہش مند ہیں۔

اس کتاب میں عربی الفاظ کو انگریزی زبان کے سانچے میں ڈھالنے کی غرض سے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، وہ ۱۸۹۴ء میں جنیوا میں منعقد ہونے والی مستشرقین کی دسویں سالانہ بین الاقوامی کانگریس کے الفاظ کی دوسری زبانوں میں منتقلی کے لیے وضع کیے گئے اصولوں کے مطابق ہے البتہ آخری حرف تنیر کو نامنہاد اینگلو نارمن حروف میں سمو دیا گیا ہے۔ جغرافیائی ناموں کے سلسلے میں بیشتر صورتوں میں اس اسکیم کا شدت سے اطلاق نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں مجھے الفاظ کی اصل عربی ہیئت معلوم نہیں ہو سکی (مثال کے طور پر مکہ، مدینہ)۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ کثرت استعمال کے باعث یہ الفاظ باضابطہ قانون کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ یہ کتاب، جیسا کہ تمہید میں وضاحت کر دی گئی ہے، صرف مشنری کوششوں پر محیط ہے نہ کہ عقوبتوں اور ایذا رسانیوں کی تاریخ! (قارئین کو اس کتاب میں آرمینیا یا کریٹ بلکہ موجودہ صدی کے دوران ترک سلطنت کا کوئی تذکرہ نہیں ملے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عہد تبلیغی کوششوں کے اعتبار سے بانجھ ہے)۔ میں نے غیر جانبداری کے ساتھ تعصب سے بالاتر رہنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس ضمن میں عیسائی مورخ فرانتیس کے نصب العین پر عمل کیا ہے جس نے عثمانیوں کی کامرانیوں اور قسطنطنیہ کے سقوط کی تاریخ مرتب کی ہے۔ اس کا قول ہے: ”مورخ پر لازم ہے کہ وہ تاریخ اس غرض سے نہ لکھے کہ لوگ اسے نیک نامی کے ساتھ یاد کریں، نہ ہی اسے بغض و کینہ یا نفرت کے جذبات سے متاثر ہو کر یا کسی کی رضامندی حاصل کرنے کے خیال سے قلم اٹھانا چاہیے بلکہ اسے تاریخ نویسی محض تاریخ نگاری کی خاطر کرنی چاہیے تاکہ اہل علم اس کی تالیف کے صفحات کو طاق نسیاں پر رکھنے کے بجائے اس کو ہاتھوں ہاتھ لے کر اس کی خوب اشاعت کریں۔“

اس کتاب کی تیاری کے دوران اپنی لائبریریوں کو فراخدلی کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت دینے پر میں ہر ایکسی لینسی شہزادی باربرینی، ہز ایکسی لینسی دی پرنس چیگی، کلکتہ کے آرچ بشپ ریورانڈ ڈاکٹر پال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو تھلو، الہ آباد کے آرچ بشپ ریوراں فرانسس پیسکی، کیمبرج مشن دہلی کے ریوراں ایس ایس آلنٹ اور ڈاکٹر ولیمز لائبریری گورڈن اسکوائر لندن کے ٹرسٹیز کا بے حد ممنوں ہوں۔

میں بنگال سول سروس کے آنجہانی جیمز کینیڈی کا خاص طور پر شکر گزار ہوں جنھوں نے میری کتاب میں گہری دلچسپی لی اور میری رہنمائی کی۔ انہوں نے وسعت علمی اور گہرے مطالعے کی بنا پر مجھے وہ معلومات بہم پہنچائیں جن سے میں مکمل طور پر ناواقف تھا۔ اس علمی معاونت، علم سے ان کی بے پایاں محبت اور ہمدردانہ تعاون پر میں ان کا شکر گزار ہوں۔ مجھے کاونٹ او گو بلزانی کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جن کی امداد اور تعاون کے بغیر اس کتاب کے بعض حصے تشنہ رہ جاتے۔ آنجہانی پروفیسر رابرٹس اسمتھ بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مجھ میں شمالی افریقا کے کلیسا اور مسلم دور حکومت میں عیسائیوں کے حالات کے بارے میں تاریخ کا صحیح سمت میں مطالعہ کرنے کا ادراک پیدا کیا اور اس ضمن میں مجھے مفید مشورے دیے۔ ان کی وفات سے سامی زبان کے تمام اسکالروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور اس نقصان کی شدت میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب میں یہ سوچتا ہوں کہ اب میں ان کی فیاضانہ امداد اور حوصلہ افزائی کا محض ان کے تذکرے سے اعتراف کرسکتا ہوں۔

میں سر سید احمد خان بہادر کے سی ایس آئی، ایل ایل ڈی کے علاوہ اپنے فاضل دوست اور رفیق کار مولوی محمد شبلی نعمانی کا بے حد احسان مند ہوں جنھوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں اپنے وسیع ذخیرہ علم سے مجھے نہایت فیاضی کے ساتھ بہرہ مند کیا اور گراں قدر مشورے دیے۔ ان کے علاوہ میں اپنے سابق شاگرد مولوی بہادر علی ایم اے کا بھی سپاس گزار ہوں۔

آخر میں مجھے اپنی پیاری بیوی کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی امداد اور تعاون کے بغیر بے ہنگم اور منتشر مواد کے پریشان دفتر سے اس کتاب کا معرض وجود میں آنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمدردی اور تحسین ہی میری محنت کا بہترین صلہ ہے۔

علی گڑھ، ۱۸۹۶ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے ایڈیشن کا مقدمہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن کئی برسوں سے آؤٹ آف پرنٹ ہے اور اس کے نسخوں کے لیے اکثر استفسار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے کتاب کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر یہ نیا ایڈیشن تیار کیا ہے اور پچھلے سولہ برسوں کے دوران منظر عام پر آنے والے تازہ مواد کی روشنی میں کتاب پر نظر ثانی کی ہے، اس کے باوجود مجھے اب بھی یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے اس عرصے میں دنیا کی دس سے زیادہ مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے وسیع لٹریچر پر عبور حاصل کر لیا ہے۔ دین اسلام اور اس سے متعلقہ علوم کے مطالعے میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۰۶ء کے بعد اس کتاب میں زیر بحث آنے والے موضوعات سے متعلق اب تک پانچ تحقیقی جریدے شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

1 .Revue du Monde Musulman Publice Par la Mission Scientifique du Maroc (Paris 1906)

2. Der Islam Zeitschrift , fur Geschichte und Kultur des Islamischen Orients (Strassburg 1910)

3. Mir Islama (St. Petersburg 1912)

4. Die welt des Islams, Zeitschrift der deultschen Gesellschaft fur IslamKunde(Berlin 1913)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ سہ ماہی جریدہ دی مسلم ورلڈ، جس میں حالات حاضرہ، مسلمانوں کے لٹریچر اور افکار اور اسلامی ملکوں میں کرسچن مشنز کی پیشرفت کا جائزہ لیا جاتا ہے (لندن ۱۹۱۱ء)

اب عیسائیوں کی مشنری سوسائٹیاں بھی مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر بھرپور توجہ دینے لگی ہیں اور ان کی مطبوعات کو پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن کئی سال پہلے مکمل ہو جاتا لیکن اس سخت گیر پالیسی کی بدولت، جس کے تحت برٹش میوزیم لندن کے ریڈنگ روم کو شام سات بجے بند کر دیا جاتا ہے، ماسوائے ہفتے کے دن کے، کتابوں تک میری رسائی عملاً ناممکن تھی۔ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں تاخیر بھی اسی وجہ سے ہوئی ہے۔ لٹریچر آف سائنس یا فنون لطیفہ کے طالب علموں کے لیے ساؤتھ کینسنگٹن کی لائبریریاں ہفتے میں تین دن رات دس بجے تک کھلی رہتی ہیں لیکن اس ملک (برطانیہ) کی سب سے بڑی لائبریری، جو ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ہے، ریسرچ اسکالرز کے لیے صرف دن کے وقت کھلی رہتی ہے جس کی بنا پر اس لائبریری سے وہی طالب علم استفادہ کر سکتے ہیں جنہیں دن کو فرصت نصیب ہو۔ ان حالات میں میں اپنے ان دوستوں کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میری سہولت کے لیے یونیورسٹی آف لیڈن اور یونیورسٹی آف اٹرکٹ (پروفیسر وین سنک کے اثر ورسوخ کی وساطت سے) کی لائبریریوں اور Ecole des langues orientales vivantes, Paris سے کتابیں مستعار لے کر علمی کام میں میری معاونت کی۔ دی انٹرنیشنل ریویو آف مشنز کے ایڈیٹر مسٹر جے اے اولڈھم بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے مجھے All geme Missions - Zeitschrift کی وہ جلدیں عاریتاً فراہم کیں جو لندن میں دستیاب نہیں تھیں۔ میں ڈاکٹر ایف ڈبلیو تھامس کا خاص طور پر ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے مجھے انڈیا آفس لائبریری میں طویل دورانیوں تک مطالعے کی اجازت دی اور اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں لیون کیتانی کی گراں قدر اور معرکۃ الآرا تصنیف Annal dell Islam پڑھنے کو دی۔ بدقسمتی سے اس کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے اس لیے متوسط طبقے کے اسکالروں کی اس تک رسائی ممکن نہیں اور وہ اس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔

میں ان تمام اسکالروں کے قابل قدر مشوروں کا زیر بار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے پہلی دفعہ چھپنے کے بعد اس پر ریویو لکھے۔ اس ضمن میں میں پروفیسر گولڈ زیہر کا خاص طور پر سپاس گزار ہوں جن کی اس کتاب میں ہمدردانہ دلچسپی کے باعث میری حوصلہ افزائی ہوئی اور میں اپنا کام جاری رکھ سکا۔

لندن ۱۹۱۳ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

پہلا باب۔۔تمہید (صفحات ۱۵ تا ۲۳)

مشنری مذہب کی تعریف وتشریح، اسلام ایک مشنری دین کی حیثیت سے، اس کا دائرہ کار۔ قرآن حکیم میں دعوت اور ترغیب کا حکم اور تاکید، کفار کو تشدد یا طاقت کے ذریعے دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت، دعوت وتبلیغ کی تاریخ نہ کہ ایذا رسانی اور عقوبتوں کا تذکرہ۔

دوسرا باب

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ ایک داعی اسلام کی حیثیت سے (صفحات ۲۴ تا ۵۶)

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دین اسلام کی اشاعت کا طریق کار، اسلام کی ترویج اور اشاعت کے سلسلے میں آپؐ کی ابتدائی کوششیں، ہجرت سے پہلے مکہ میں آپؐ کی گفتگوئیں، اسلام قبول کرنے والوں کو سزائیں اور ایذا رسانی اور ہجرت مدینہ، مدینہ میں مسلمانوں کی حالت، اسلام کی قومی زندگی کا آغاز اور (اے) اہل عرب اور (بی) پوری دنیا کو اسلام کی دعوت، قرآن میں اسلام کو آفاقی دین قرار دینے کا اعلان جو ابتدا میں ابراہیم علیہ السلام کو تفویض کیا گیا تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک سیاسی تنظیم کے بانی کی حیثیت سے۔ ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت اور عربوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی کوششیں۔ اسلام کا نصب العین اور عرب کے دور جاہلیت کے تضادات۔

تیسرا باب

مغربی ایشیا کی عیسائی قوموں میں دین اسلام کی اشاعت (صفحات ۵۷ تا ۱۰۸)

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رحلت کے بعد عربوں کی فتوحات اور عرب نسل کا پھیلاؤ۔ مسیحی بدوؤں کا قبول اسلام۔ مسلمانوں کی ابتدائی کامیابیوں کے اسباب۔ عیسائیت پر قائم رہنے والوں کے ساتھ رواداری۔ شہروں کی آبادی۔ عیسائی فرقوں کے ساتھ مصالحت کے ضمن میں ہرقل کی ناکام کوششیں۔ شام اور فلسطین پر عربوں کی فتح۔ مسلمانوں کی رواداری۔ حضرت عمرؓ کا ضابطہ، جان ومال کی حفاظت اور فوجی خدمات سے استثنا کے عوض جزیے کی ادائیگی، مسلمانوں کے دور حکومت میں عیسائیوں کی حالت۔ اعلیٰ مناصب پر عیسائیوں کا تقرر اور نئے گرجا گھروں کی تعمیر۔ نسطوری کلیسائیت، عقلیت پسندی کا اثر۔ مسلم تہذیب کا مرعوب کن کردار،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیسائیوں کو عقوبتیں اور ایذا رسانی۔ تبدیلی مذہب کی کوششیں۔ اسلام قبول کرنے سے متعلق تفصیلات۔ صلیبی جنگیں لڑنے والوں کے قبول اسلام کا تذکرہ، آرمینیا اور جارجیا کے کلیسا۔

چوتھا باب

افریقا کی مسیحی قوموں میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۱۰۹ تا ۱۳۴)

مصر: عربوں کی فتح، قبطیوں کی طرف سے عربوں کا خیر مقدم اور بازنطینی حکمرانوں سے نجات دہندہ کے طور پر عربوں کا استقبال۔ مسلمانوں کے دور میں قبطیوں کی حالت۔ کلیسا میں بدعنوانیوں اور لاپروائی کی بدولت عیسائیوں کا قبول اسلام۔ نوبیا: اسلامی طاقتوں کے ساتھ تعلقات، عیسائیت کا بتدریج زوال۔ حبشہ: ساحل سمندر پر عربوں کی آمد۔ چودھویں صدی میں مشنری کوششیں۔ احمد گراں کا حملہ، قبول اسلام، حالیہ برسوں میں اسلام کو فروغ۔ شمالی افریقا: ساتویں صدی میں شمالی افریقا میں مسیحیت کی وسعت: عیسائیوں کو مبینہ طور پر مسلمان بنانا، وہ اسباب جن کی بنا پر جبری مسلمان بنانے کی تردید ہوتی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک، عیسائی کلیسا کا بتدریج زوال۔

پانچواں باب

اسپین کے عیسائیوں میں اسلام کو فروغ (صفحات ۱۳۵ تا ۱۴۸)

اسپین پر مسلمانوں کی فتح سے پہلے عیسائیت۔ یہودیوں اور غلاموں کی حالت زار، اسلام قبول کرنے والے ابتدائی لوگ، کلیسا کی کرپشن، عربوں کی رواداری اور عیسائیوں پر مسلمانوں کی تہذیب کا اثر، عیسائی عربی زبان کا مطالعہ کرتے اور ان کا لباس اور طرز معاشرت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے کی وجوہ، قرطبہ کے رضا کار شہید، تبدیلی مذہب کا دائرہ کار۔

چھٹا باب

ترکوں کے دور میں یورپ کی عیسائی اقوام میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۱۴۹ تا ۲۰۲)

ابتدائی ترک دور کی دو صدیوں کے دوران عیسائی رعایا کے ساتھ ترکوں کے تعلقات، محمد ثانی کی جانب سے یونانی کلیسا سے رواداری کا سلوک، عثمانی حکومت کے فوائد اور نقصانات۔ باجگزار بچے۔ نی کس ٹیکس۔ افراد کے مظالم۔ جبری تبدیلی مذہب کے اکا دکا واقعات۔ ترکوں کی طرف سے مذہب تبدیل کرانے کی کوششیں، وہ حالات جو اسلام کی اشاعت میں معاون ثابت ہوئے۔ یونانی کلیسا کی حالت زار۔ یونانی کلیسا میں اصلاح مذہب کی ناکام کوششیں، یونانی پادریوں کے مظالم، عثمانیوں کی اخلاقی برتری۔ عثمانیوں کی فتوحات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مرعوب کن کردار۔ عیسائی غلاموں کا قبول اسلام۔ البانیا میں اسلام۔ البانیا کی مہم۔ البانیا کے عوام کا خود مختار کردار۔ عیسائیت کا بتدریج زوال اور اس کے اسباب۔ سرویا میں سروین باشندوں کا ترکوں کے ساتھ اتحاد۔ قدیم سرویا کے سواد وسرے تمام علاقوں میں اشراف کا قبول اسلام۔ مونٹ نیگرو، بوسنیا اور بوگو مائیلز میں اسلام، عیسائیت کے مخالف بوگو مائیلن باشندوں اور مسلم عقاید کے درمیان مماثلت کے نکات۔ قبول اسلام، کریٹ میں نویں صدی میں تبدیلی مذہب۔ وینشین دور میں مظالم، کریٹ پر ترکوں کی فتح اور قبول اسلام۔

ساتواں باب

فارس اور وسط ایشیا میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۲۰۳ تا ۲۱۲)

عربوں کی یلغار سے پہلے فارس کی مذہبی حالت۔ آبادی کے مختلف طبقوں کی طرف سے عربوں کا خیر مقدم، قدیم مذاہب اور اسلام کے درمیان مشترک قدریں، رواداری، قبول اسلام، اسماعیلی اور ان کا مشنری سسٹم، وسط ایشیا اور افغانستان میں اسلام۔

آٹھواں باب

منگولوں اور تاتاریوں میں اسلام کا فروغ (صفحات ۲۱۳ تا ۲۴۲)

منگولوں کی فتوحات، منگولوں کو مطیع کرنے کے لیے بدھ مت، عیسائیت اور اسلام کے درمیان رقابت، منگولوں کا اصل مذہب، شمانزم کی تشریح، شمالی ایشیائی باشندوں کا یہ عقیدہ کہ انسان کے ارد گرد روحیں رہتی ہیں جو انسان کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہیں۔ منگولوں میں بدھ مت، عیسائیت اور اسلام کی بالترتیب اشاعت۔ اسلام کے فروغ کی راہ میں حائل مشکلات۔ بعض منگول حکمرانوں کا مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک۔ جن لوگوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔ پہلا مسلمان شہزادہ برکا خان۔ ایلخانوں کا قبول اسلام۔ چوغتے منگولوں کا قبول اسلام۔ سنہری غول کے دور میں اسلام کی تاریخ۔ ازبک خان۔ روسیوں کو مسلمان کرنے کی ناکام کوششیں۔ عہد حاضر میں روسی سلطنت میں اسلام کی اشاعت۔ سائبیریا کے تاتاریوں کا قبول اسلام۔

نواں باب

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۲۴۳ تا ۲۷۷)

مسلمان آبادی کی تقسیم۔ اسلام کی اشاعت میں مسلمان حکمرانوں کا کردار۔ راجپوتوں اور دوسری قوموں کا قبول اسلام۔ ہندوستان میں مسلمان مشنریوں کی کوششیں۔ جنوبی ہندوستان میں ابتدائی مسلمان مشنریوں کی روایات۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے دور میں جبری تبدیلی مذہب۔ موپیلاز۔ جزائر مالدیپ میں عربوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی بستیاں۔ مسلمان مشنریوں کی انفرادی جدوجہد۔ سندھ میں عربوں کی حکومت ، ان کی رواداری، انفرادی مشنریوں کا تذکرہ۔ کھوجوں اور بوہروں کا قبول اسلام۔ بنگال پر مسلمانوں کی حکومت۔ نچلی ذاتوں کا بڑے پیمانے پر قبول اسلام۔ حالیہ برسوں میں دین اسلام کا احیا۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مسلمان مشنریوں کا خصوصی تذکرہ۔ عہد حاضر کی دعوتی تحریکیں۔ اسلام کے فروغ کے لیے سازگار حالات۔ ہندوؤں کے ذات پات نظام کے مظالم۔ مسلمان صوفیوں کی ریاضت وغیرہ۔ کشمیر اور تبت میں اسلام کی اشاعت۔

دسواں باب

چین میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۲۷۸ تا ۲۹۲)

چین میں اسلام کی ابتدائی آگہی۔ چینیوں کا عربوں سے میل جول۔ چین میں اسلام کا پہلا تعارف۔ تانگ خاندان کے دور میں مسلمانوں کی حالت۔ منگولوں پر فتح کا اثر۔ منگ خاندان کے عہد میں اسلام۔ چینی مسلمانوں کے حکومت چین کے ساتھ تعلقات اور ان کی اشاعت اسلام کی جدوجہد۔

گیارہواں باب

افریقا میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۲۹۳ تا ۳۳۵)

عرب شمالی افریقا میں۔ بربروں کا قبول اسلام۔ عبداللہ بن یاسین کا مشن۔ سوڈان میں اسلام کا تعارف۔ اسلامی سلطنتوں کا عروج۔ مشنری تحریکوں کا تذکرہ۔ ڈین فوڈیو، عثمان العامرغنی، قدریہ، تجانیہ اور سنوسیہ۔ مغربی ساحل پر اسلام کی اشاعت۔ آشنتی، دھومے، مشرقی ساحل پر فروغ اسلام۔ مسلمانوں کی ابتدائی بستیاں۔ عہد حاضر میں جرمن مشرقی افریقا میں فروغ اسلام۔ گلا، صومالی، کیپ کوسٹ نوآبادی میں اسلام۔ افریقا میں مسلمان مبلغوں کا تذکرہ اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں میں ان کی مقبولیت کا طریق کار۔

بارہواں باب

ملائشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت (صفحات ۳۳۶ تا ۳۷۲)

ملائشیا اور انڈونیشیا کا عربوں اور ہندوستان کے ساتھ ابتدائی رابطہ۔ دعوت دین کا اسلوب۔ سماٹرا میں اسلام کی تاریخ۔ جزیرہ نما مالے میں اسلام کو فروغ۔ جاوا، مولوکا، بورنیو، سلیبس، فلپائن، جزائر سولو اور پاپوان میں اشاعت اسلام۔ مسلمان مبلغین، تاجر اور حاجی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں باب

خاتمہ کلام (صفحات ۳۷۲ تا ۳۹۰)

اسلام میں دعوتی تنظیموں کا فقدان۔ افراد کا ذاتی حیثیت سے جوش و خروش۔ مسلمان مشنری کون ہیں؟ مسلمان مبلغوں کی کامیابی کے اسباب۔ دین اسلام کی سادگی۔ اسلام میں عقلیت پسندی اور عبادات کی اہمیت۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ اسلامی حکومتوں کی رواداری۔ زمانہ قدیم اور عہد حاضر میں فروغ اسلام کے لیے موزوں حالات۔

پہلا ضمیمہ

الہاشمی کا الکندی کو دعوت اسلام کا خط۔ (صفحات ۳۹۱ تا ۳۹۷)

دوسرا ضمیمہ

مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مناظرانہ تحریریں۔ (صفحہ ۳۹۸)

تیسرا ضمیمہ

مسلم مشنری سوسائٹیاں۔ (صفحات ۳۹۹ تا ۴۰۰)

چوتھا ضمیمہ

جہاد۔ (صفحات ۴۰۱ تا ۴۰۶)

پانچواں ضمیمہ

وہ نو مسلم جنہوں نے براہ راست تبلیغ کے بغیر اسلام قبول کیا۔ (صفحات ۴۰۷ تا ۴۱۷)

پروفیسر سر تھامس واکر آرنلڈ ۔۔۔ حیات اور کارنامے از مترجم۔ (صفحات ۴۱۸ تا ۴۲۱)

منتخب کتابیات (صفحات ۴۲۲ تا ۴۳۵)

اشاریہ (صفحات ۴۳۶ تا ۴۶۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

تمہید

دسمبر ۱۸۷۳ء میں پروفیسر میکس ملر نے ویسٹ منسٹر ایبے میں مسیحی مشنوں کے دعائیہ جلسے میں جب سے لیکچر دیا ہے، اس وقت سے یہ علمی بحث چھڑ گئی ہے کہ دنیا کے چھ بڑے مذاہب کو تبلیغی اور غیر تبلیغی مذہبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہودیت، ہندومت اور زرتشت کے مذاہب غیر مشنری اور بدھ مت، عیسائیت اور اسلام مشنری مذاہب کے زمرے میں آتے ہیں۔ پروفیسر میکس ملر نے مشنری مذاہب کی خوب تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ مشنری مذہب سے مراد وہ مذہب ہے "جس میں اس مذہب کا بانی یا اس کے فوری جانشین حق و صداقت کی اشاعت اور کفار یا منکرین کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کو ایک مقدس فریضہ سمجھیں۔۔۔ مذہب پر ایمان رکھنے والوں کے دلوں میں سچائی کا جذبہ ہر وقت موجزن رہتا ہے اور انہیں اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے عقیدے اور قول و فعل کے ذریعے اس کا اظہار نہ کریں۔ وہ جب تک ہر انسان کو وہ پیغام نہیں پہنچا دیتے جسے وہ سچا سمجھتے ہیں اور جب تک انسانی خاندان کے تمام افراد اسے سچا پیغام تسلیم نہیں کرتے، اس وقت تک انہیں اطمینان قلب حاصل نہیں ہوگا"۔ (ملاحظہ کیجیے پندرہ روزہ ریویو کے جولائی ۱۸۷۸ء کے شمارے میں "مشنری مذاہب" کے عنوان سے مسٹر لائل کا آرٹیکل)۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیروکاروں میں اپنے دین کی صداقت کے بارے میں اس قدر ولولہ، شوق اور جوش و خروش پایا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر میں جہاں بھی گئے، انہوں نے اس سرزمین کے باشندوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اس طرح اسلام کے متعلق یہ دعویٰ بالکل جائز اور درست ہے کہ یہ دین مشنری مذاہب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی فہرست میں شامل ہے۔ اسی مشنری جوش و جذبے کی ابتدائی تاریخ، دعوت اسلام کی تحریک پیدا کرنے والی قوتیں اور دعوت کا اسلوب، یہی وہ موضوع ہیں جن پر اس کتاب کے اگلے صفحوں میں بحث کی جائے گی۔ آج روئے زمین پر بیس کروڑ مسلمان پھیلے ہوئے ہیں جو پچھلی تیرہ صدیوں میں دعوت اسلام کی کامیاب عملی جدوجہد کی گواہی دے رہے ہیں۔

عربوں کو دین اسلام کے نظریات سے سب سے پہلے ساتویں صدی عیسوی میں ایک ایسے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے روشناس کرایا جن کے پرچم کے نیچے منتشر عرب قبائل ایک قوم بن گئے تھے۔ اب عرب ایک نئی قومی زندگی کے بے پناہ ولولے اور جوش و خروش سے سرشار ہوگئے، ان میں ایک نئی روح پھونک دی گئی اور ان کی فوجوں میں ناقابل شکست عزم، حوصلہ اور قوت پیدا ہوگئی۔ یہی وہ عظیم جذبہ تھا جس کی بدولت انہوں نے دنیا کے تین براعظموں کو تسخیر کر کے یہاں بسنے والی قوموں کو مطیع کر لیا۔ شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقا اور فارس کی سلطنتوں نے سب سے پہلے عربوں کے سامنے سرِتسلیم خم کیا۔ پھر وہ مغرب کی جانب اسپین اور مشرق کی طرف دریائے سندھ کے اس پار تک جا پہنچے۔ اپنے دین کی صداقت پر پختہ ایمان رکھنے والے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام لیوا پیروکار آپ کی رحلت کے ایک سو سال بعد ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا بن گئے جو روم کے نقطۂ عروج کے زمانے کی سلطنت کے مقابلے میں کہیں زیادہ رفیع الشان اور وسیع تھی۔

اگرچہ آنے والے برسوں میں یہ عظیم سلطنت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی اور اسلام کی سیاسی قوت ماند پڑ گئی لیکن اس دین کی روحانی فتوحات کا سلسلہ بلا روک ٹوک جاری رہا۔ منگولوں کے غول نے جب بغداد کو تاراج کیا (۱۲۵۸ء) اور عباسی خاندان کی عظمت اور جلال کو خون میں نہلا دیا، جب لیون، کیسٹائل اور غرناطہ کے فرڈینینڈ نے اسپین میں اسلام کے آخری قلعے قرطبہ سے مسلمانوں کو زبردستی نکال دیا اور مسلمانوں نے عیسائی بادشاہ کو خراج دیا، عین اس وقت سماٹرا کے جزیرے میں اسلام کو فروغ حاصل ہو رہا تھا اور مجمع الجزائر ملایا میں اسے شاندار فتح اور کامیابیاں حاصل ہونے والی تھیں۔ اسلام کو سیاسی انحطاط کے دور میں جو عظیم الشان روحانی فتوحات حاصل ہوئیں، ان میں دو عظیم تاریخی کامیابیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کافر بربروں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ماننے والوں کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تو گیارہویں صدی میں فاتح سلجوق ترکوں اور تیرہویں صدی میں تاتاریوں نے مفتوح قوم کے دین کو قبول کر لیا۔ (میرے مرشد محمد اقبالؒ نے اس دور کی پوری تاریخ کو اس شعر میں سمو دیا ہے:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے (مترجم)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی وہ زمانہ ہے جب مسلمان مبلغ کسی دنیاوی طاقت کی امداد اور حمایت کے بغیر اسلام کا امن اور محبت کا پیغام لے کر افریقا، چین اور جزائر شرق الہند میں پہنچ گئے۔

دین اسلام آج مراکش سے لے کر زنجبار، سیرالیون سے لے کر سائبیریا اور چین اور بوسنیا سے لے کر نیوگنی تک دنیا بھر کے وسیع علاقوں تک پھیلا ہوا ہے اور اسلامی مملکتوں کے حدود سے باہر چین اور روس جیسے ملکوں میں بھی مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ دنیا کے کئی دوسرے ملکوں میں بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام لیوا تعداد میں مختصر ہونے کے باوجود دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور الحاد پرستوں کے درمیان رہ کر دین اسلام کی حقانیت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ لیتھونیا کے پولش زبان بولنے والے تاتاری النسل مسلمان ہیں جو کوونو، ولنو اور گروڈنو کے ضلعوں میں رہتے ہیں۔ یہ نوآبادی کیپ کے ڈچ زبان بولنے والے مسلمان اور وہ ہندوستانی قلی اور مزدور ہیں جو اسلام کی دولت کو لے کر جزائر غرب الہند، برٹش گیانا اور ڈچ گیانا میں آباد ہو گئے تھے۔ حالیہ برسوں میں بھی انگلستان، شمالی امریکا، آسٹریلیا اور جاپان میں کئی لوگ اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے ہیں۔

اس کرۂ ارض کے وسیع و عریض رقبے پر دین اسلام کی اشاعت کی کئی وجوہ ہیں جن کی نوعیت سماجی، سیاسی اور مذہبی ہے۔ لیکن اس پورے عمل میں سب سے زیادہ مؤثر عنصر، جس کی وجہ سے نہایت حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے ہیں، ان مسلمان داعیوں کی وہ انتھک کوششیں ہیں جو وہ اپنے آقا کی حیات طیبہ کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کی دعوت و اشاعت اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی غرض سے کر رہے ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں دین کی اشاعت کا فریضہ کسی پس اندیشی یا بعد کی سوچ کا نتیجہ نہیں بلکہ مسلمانوں کو یہ فریضہ شروع ہی میں سونپ دیا گیا تھا جس کا اندازہ قرآن حکیم کی ان آیات سے لگایا جا سکتا ہے جو یہاں ترتیب وار اور نزول کی تاریخ کے مطابق درج کی گئی ہیں:

اے رسولؐ! لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔ (سورہ النحل آیت ۱۲۶)

جن لوگوں نے انبیا کے بعد ورثے میں کتاب پائی (یہودی اور عیسائی) وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں۔

اس لیے ان کو بلایئے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے، جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ اور کہہ دیجیے کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ ہمارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا اور ہمیں اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ (سورہ الشوریٰ آیات ۱۳، ۱۴)

ایسے ہی احکام ان مدنی سورتوں میں پائے جاتے ہیں جو ایسے زمانے میں نازل ہوئیں جب رسول خداؐ کے زیر فرمان ایک بڑی فوج تھی اور آپؐ کی قوت اوج کمال پر تھی۔

وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اور (عرب کے وہ لوگ) جو ان پڑھ ہیں، ان سے پوچھیے کہ کیا تم خدا کے سامنے جھکتے ہو؟ اگر انہوں نے بات مان لی تو وہ بے شک ہدایت پر ہیں اور اگر انہوں نے نہ مانی تو آپ کا کام محض پیغام پہنچانا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خوب پہچانتا ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۹)

اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی کتاب کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہییں جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کریں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (سورہ آل عمران آیات ۹۹، ۱۰۰)۔

ہم نے ہر امت کے لیے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ چلتی ہے۔ پس اس بارے میں آپؐ سے کوئی نہ جھگڑے اور آپؐ اپنے پروردگار کی طرف بلائیں۔ بے شک آپؐ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور اگر لوگ آپؐ سے جھگڑیں تو کہہ دیجیے کہ جو تم کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ (سورہ الحج آیات ۶۶، ۶۷)۔

مندرجہ ذیل آیات سورہ توبہ سے نقل کی جاتی ہیں جن کی نسبت خیال ہے کہ وہ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھیں۔

اور اگر کوئی مشرک آپؐ سے پناہ مانگے تو آپؐ اس کو پناہ دے دیں تاکہ وہ خدا کا کلام سنے، پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔ (سورہ توبہ آیت ۶)

ان منکروں کی نسبت، جنہوں نے اپنے عہد و پیمان توڑے تھے اور جنہوں نے ''اللہ کی آیات کو تھوڑے مول کے بدلے بیچ ڈالا، اور لوگوں کو اس کے راستے سے روکا'' اور وہ جنہوں نے ''کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابتداری کی پروا کی اور نہ عہد و پیمان کی'' ان کے بارے میں کہا گیا ہے:

اگر وہ اب بھی توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ پس ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ (سورہ توبہ آیت ۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام ابتدا ہی سے نظریے اور عمل، دونوں اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے۔ چنانچہ رسول خداؐ کی سیرت مقدسہ اس کی روشن مثال ہے اور آپؐ خود مبلغین اسلام کے اس طویل سلسلے کے سرخیل ہیں جنہوں نے کفار کے دلوں میں اپنے دین کے لیے راہ پیدا کر لی ہے۔ اگر اسلام کے تبلیغی جوش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ثبوت تلاش کرنا ہو تو اسے کسی جابر شخص کی ایذا رسانی یا متعصب آدمی کے غیظ و غضب میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان مجاہد کا ایک خیالی تصویر کا بھی حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن دکھایا گیا ہے۔ (اسلامی فتوحات کی یہ غلط توجیہہ اور تاویل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ وہ جنگیں، جو دراصل کفار کے ملکوں میں اسلامی حکومت وسطوت قائم کرنے کے لیے لڑی گئی تھیں، ان سے غیر مسلموں کا تبدیل مذہب مقصود تھا۔ گولڈ زیہر نے سلطنت اسلام کی توسیع اور مذہب اسلام کی تبلیغ کے درمیان بہت خوبی سے تمیز کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیار عرب میں کفار کے ساتھ جو محاربہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی وصیت کی، اس میں انہوں نے کفار کو مسلمان بنانے پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس بات پر کہ ان کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کیا جائے جو بالفاظ دیگر حکومت الٰہیہ تھی۔ لہٰذا صدر اسلام کی اسلامی فتوحات کے دوران بھی مسلمان مجاہدین کا مقصد اولیں یہ نہیں تھا کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے بلکہ ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ ان کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا جائے۔ ''اسلام کی حقیقی روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ اور تاجر ہیں جنھوں نے اپنے دین کو نہایت خاموشی کے ساتھ دنیا کے ہر خطے میں پہنچایا ہے۔ تبلیغ دین کے یہ طریقے صرف اسی زمانے میں استعمال نہیں کیے گئے جب کہ سیاسی حالات نے جبر واکراہ کے استعمال کو ناممکن یا خلاف مصلحت بنا دیا تھا، چنانچہ قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں ایسے پر امن طریقوں کی سخت تاکید کی گئی ہے:

اور صبر کریں اس بات پر جو وہ کہتے ہیں اور ان سے وضعداری کے ساتھ الگ تھلگ رہ۔
اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے۔
(سورہ المزمل آیات ۱۰، ۱۱)۔

میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات (لوگوں کو) پہنچا دینا ہے۔ (سورہ الجن آیت ۲۳)

آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے تا کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔ (سورہ الجاثیہ آیت ۱۴)

مشرکین نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم نہ تو اس کے سوا کسی کو پوجتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم خدا کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام جانتے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کیا ہے۔ پھر کیا پیغمبروں پر اس کے سوا اور کوئی فریضہ ہے کہ وہ (لوگوں تک) صاف صاف پیغام پہنچا دیں؟۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو آپ کا کام صرف حکم کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (سورہ النحل آیت ۸۲)

اہل کتاب کے ساتھ، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے، جھگڑا مت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہت اچھا ہو۔ اور کہہ دیجئے کہ ہم اس پر جو ہم پر اتارا گیا ہے اور تم پر اتارا گیا ہے، ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اسی کو مانتے ہیں۔ (سورہ العنکبوت آیت ۴۵)۔

اگر وہ رخ پھیر لیں تو ہم نے آپؐ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ آپؐ پر صرف پیغام پہنچانا فرض ہے۔ (سورہ الشوریٰ آیت ۴۷)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگ، جو روئے زمین پر ہیں، ایک ساتھ ایمان لے آتے۔ کیا آپؐ لوگوں پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (سورہ یونس آیت ۹۹)

ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف مگر اس لیے کہ آپؐ خوشخبری دیں اور ڈرائیں۔ (سورہ سبا آیت ۲۷)

یہ ہدایات صرف مکی سورتوں ہی میں نہیں ہیں بلکہ ان سورتوں میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جو مدینے میں اتریں۔

دین کے معاملے میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۵۷)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کرو تو ہمارے پیغمبرؐ کا کام صرف صاف صاف حکم پہنچانا ہے۔ (سورہ تغابن آیت ۱۲)

کہہ دیجئے اے رسولؐ! کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور اگر وہ روگردانی کریں تو اس کا فرض وہ ہے جو اس پر ڈالا گیا اور آپ کا فرض وہ ہے جو آپؐ پر ڈالا گیا ہے۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور نہیں ہے رسولؐ پر کوئی ذمے داری مگر حکم کو صاف صاف پہنچا دینا۔ (سورہ النور آیت ۵۲)

کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تو صرف تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ (سورہ الحج۔ آیت ۴۸)۔

ہم نے آپؐ کو حق بتانے والا، لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو صبح و شام۔ (سورہ الفتح آیات ۸، ۹)۔

آپؐ (اب) بھی ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہیں اور بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے (پس اے پیغمبرؐ!) آپؐ کو چاہیے کہ ان کی (ان خیانتوں سے) درگزر کریں اور ان کی طرف سے اپنی توجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہٹالیں۔ بلاشبہ اللہ ان کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں۔ (سورہ المائدہ آیت ۱۶)

اگلے صفحات میں اس بات کی توضیح مقصود ہے کہ تبلیغ دین کے اس اعلیٰ تخیل کو تاریخ اسلام میں کس طرح عملی صورت دی گئی اور دعوت کے ان اصولوں کو مبلغین اسلام کیوں کر عمل میں لائے۔ قارئین کو یہ بات ابتدا ہی سے بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ کتاب اس جبر و اکراہ کی تاریخ نہیں ہے جس کا بعض مسلمانوں نے ارتکاب کیا بلکہ یہ اسلامی مشنوں کی تاریخ ہے۔ چنانچہ اس تالیف کی غرض و غایت ان اِکا دُکا واقعات کو قلمبند کرنا نہیں جو اسلام کی جبری اشاعت کے سلسلے میں تاریخ اسلامی کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یورپی مصنفین نے ایسے واقعات پر زور دیا ہے کہ ان کے فراموش ہونے کا کوئی امکان نہیں، اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ واقعات دعوت اسلام کی تاریخ کے زمرے میں نہیں آ سکتے۔ ہم شہنشاہ شارلیمین کی طرف سے بنوک شمشیر بپتسمہ دینے کے مقابلے میں قدرتی طور پر یہ توقع رکھیں گے کہ مسیحی مشنوں کی تاریخ میں سینٹ لیوڈگر اور سینٹ ولہڈ کی ان کوششوں کا زیادہ ذکر آئے جو انہوں نے سکسن قوم کو عیسائی بنانے میں صرف کیں۔ اسی طرح ڈنمارک میں مسیحی مذہب کے حقیقی مبلغ سینٹ انسگر اور اس کے جانشین تھے نہ کہ بادشاہ کنوٹ، جس نے اپنی سلطنت میں بت پرستی کی جبری طور پر بیخ کنی کی۔ اگرچہ ایبٹ گوٹفریڈ اور بشپ کرسچن کو فارس کی بت پرست قوم کو عیسائی بنانے میں کم کامیابی حاصل ہوئی، اس کے باوجود وہ ان مسیحی اخوان السیف اور دوسرے صلیبی جنگجوؤں کی نسبت مسیحی تبلیغی سرگرمیوں کے بہتر نمائندے تھے جنہوں نے اپنی مساعی کو آگ اور تلوار کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح اخوان المسیح کے جنگجو بہادروں نے لیوونیا کے باشندوں پر عیسائیت کو زبردستی ٹھونسا لیکن ہم اس ملک میں ان جنگجوؤں کے بجائے وورا ہبوں مین ہارڈ اور تھیوڈورک کو عیسائیت کا حقیقی مبلغ قرار دیں گے۔ یسوعی فرقے کے مبلغین نے بعض اوقات جو تشدد آمیز ذرائع استعمال کیے، ان سے سینٹ فرانسس زیویرؔ اور اسی فرقے کے دوسرے واعظوں کی عزت اور توقیر میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔ ۱۶۹۹ء میں جزیرہ امبونا کے راجاؤں کے نام ایک فرمان جاری ہوا کہ جب پادری دورہ کرتا ہوا ان کے پاس پہنچے تو ان کو چاہیے کہ بت پرستوں کی ایک خاصی تعداد اصطباغ پانے کے لیے حاضر رکھیں لیکن اس حکم سے ہم یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ ویلنا ٹائن کا درجہ اس جزیرے کے مسیحی مبلغ ہونے کی حیثیت سے کم ہو گیا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی تاریخ میں تبلیغی کوششوں میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے اور تبلیغی سرگرمی کے بعد جمود اور غفلت کا زمانہ آتا رہا ہے یا پر امن ذرائع کے بجائے جبر و اکراہ سے کام لیا گیا ہے اور الفاظ سے تبلیغ کے بجائے لوگوں کو زبردستی عیسائی بنایا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح تاریخ اسلام کے مختلف زمانوں میں بھی تبلیغ دین کے معاملے میں مد و جزر آتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ تبلیغ کا جوش و خروش دونوں مذہبوں کا نمایاں وصف رہا ہے اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاعت دین کی تاریخ کو بحث وتمحیص کا ایک الگ موضوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ مذہبی زندگی کے دوسرے مظاہر کو تحقیق وتمحیص کے دائرے سے خارج کر دیا جائے، بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ مذہبی زندگی کے تبلیغی پہلو پر، جس کی اپنی علیحدہ امتیازی خصوصیات ہیں، خاص توجہ مبذول کی جائے اور اگرچہ مسیحیت اور اسلام میں تبلیغ کے پرامن اور جبری طریقے بعض اوقات آپس میں خلط ملط ہوتے رہے ہیں، اس کے باوجود ان دونوں مذہبوں میں پرامن تبلیغ کی تاریخ کے مطالعے کو جبر واکراہ کے واقعات سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسیحی مذہب کی اشاعت میں ہمیشہ ایسے جبری طریقے اختیار نہیں کیے گئے جیسے کہ بادشاہ اولاف نے ملک ناروے کے جنوبی خطے دکن میں استعمال کیے تھے۔ جو لوگ عیسائی مذہب اختیار کرنے سے انکار کرتے، وہ انہیں قتل کر دیتا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا یا انہیں جلاوطن کر دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اس طریقے سے دکن کے پورے علاقے میں عیسائی مذہب پھیلا دیا۔ اس طرح سینٹ لوئیس کی نصیحت کو دین مسیح کی تبلیغ کا اصول نہیں بنایا گیا جس کا قول تھا: ''جب کوئی عیسائی مسیحی شریعت کی مذمت میں کوئی کلمہ سنے تو اس کو چاہیے کہ وہ مذہب کی حمایت میں تلوار کو اس طرح استعمال کرے کہ ساری کی ساری تلوار منکر دین کے پیٹ میں گھونپ دے''۔ اسی طرح اہل اسلام میں بھی ایسے مبلغین گزرے ہیں جنہوں نے دعوت اسلام میں صرف پرامن ذرائع اختیار کیے ہیں اور اموی خاندان کے آخری خلیفہ مروان کے اس وحشیانہ مقولے کو مشعل راہ نہیں بنایا جس نے بقول عیسائی مورخ سیورس یہ کہا تھا: ''اہل مصر سے جو شخص میرے دین میں داخل نہیں ہوتا، میری طرح عبادت نہیں کرتا اور میرے عقاید کی پیروی نہیں کرتا، میں اسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دوں گا۔'' اسی طرح خلیفہ المتوکل، الحاکم (خلیفہ مصر) اور ٹیپو سلطان کو اسلام کا مثالی مبلغ قرار نہیں دیا جا سکتا، نہ ہی ہم جاوا کے مولانا ابراہیم، ہندوستان کے خواجہ معین الدین چشتی" اور دوسرے بے شمار واعظین اور مبلغین کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔

گو کہ تبدیلی مذہب کے ان واقعات کے درمیان، جو جبر واکراہ یا پرامن تبلیغ کا نتیجہ ہیں، خطِ امتیاز کھینچا جا سکتا ہے، اس کے باوجود ان اسباب اور محرکات کا دریافت کرنا اتنا آسان نہیں جن سے کسی شخص کو تبدیلی مذہب کی ترغیب ہوئی۔ ٹھیک اسی طرح یہ معلوم کرنا بھی آسان نہیں کہ آیا مبلغ کے لیے محض دوسرے نفوس کی محبت محرک ثابت ہوئی اور آیا اس کے پیش نظر بھی تبلیغ دین کا وہی ارفع مقصد اور اعلیٰ تخیل موجود تھا جس کا اس باب کے پہلے پیرے میں ذکر آیا ہے؟ عیسائیت اور اسلام دونوں مذہبوں میں ہمیشہ ایسے مستعد اشخاص موجود رہے ہیں جن کے لیے ان کا مذہب ان کی زندگی کی اعلیٰ ترین حقیقت رہی ہے۔ روحانی معاملات میں ان کی گہری دلچسپی کا اظہار یوں ہوا کہ انہوں نے ان حقائق کو، جنہیں وہ عزیز رکھتے تھے، دوسروں تک پہنچانے میں بڑی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرمی کا ثبوت دیا اور جن مذہبی عقاید اور ضوابط کو وہ مکمل سمجھتے تھے، ان کو فتح یاب کرانے میں انہوں نے بڑے جوش وخروش دکھلایا۔ یہی مذہبی جوش وخروش اور یقین دنیا کی تمام تحریکوں کی روح رواں رہا ہے۔ بعض متین لوگ دین کے دائرے سے باہر تھے، انہوں نے مبلغین کی دعوت پر لبیک کہا اور نئے دین کو اسی جوش وخروش کے ساتھ قبول کیا۔ اس کے برعکس عیسائیوں کی طرح پیروان اسلام میں بھی بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے لیے مذہبی ادارے ان کی سیاسی حکمت عملی کے لیے محض آلہ کار یا اس سماجی تنظیم کا حصہ تھے جو ناخوشگوار ہونے کے باوجود ضروری اور ناگزیر تھے اور ان کے ذریعے ایسے مسائل کا آسان حل پیش کیا جاتا تھا جن کے بارے میں وہ خود سوچ بچار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کے افراد عیسائیت اور اسلام قبول کرنے والوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیت اور اسلام دونوں مذہبوں کے پیروؤں میں ایسے طریقوں سے اس قسم کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالات میں اضافہ ہوا ہے جن کو تبلیغ دین کے صحیح مقاصد اور غرض وغایت کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ تبلیغ کی تاریخ میں تبدیلی مذہب کے متعدد واقعات کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس کے پس پردہ حقیقی اسباب اور محرکات کے تجزیے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے تبلیغِ اسلام کی تاریخ میں مواد کی بے حد کمی پائی جاتی ہے۔ اسلامی لٹریچر میں تبدیلی مذہب کے اس قسم کے بہت کم واقعات ملتے ہیں جو عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر تبلیغ اسلام کی اس تاریخ میں ہر موقعے پر یہ دریافت کرنا ممکن نہ تھا کہ لوگوں نے اپنا مذہب سیاسی، سماجی یا معاشی اغراض سے تبدیل کیا یا محض دینی محرکات کی بنا پر! البتہ کہیں کہیں ان محرکات اور اسباب میں سے کسی ایک سبب کی طرف اشارہ مل جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ، داعی اسلام کی حیثیت سے

اس باب کو لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوانح حیات کے متعلق پہلے سے لکھی گئی بہت سی کتابوں میں ایک اور سوانح عمری کا اضافہ کیا جائے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کی حیات طیبہ کے صرف ایک خاص پہلو کا خصوصی مطالعہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آنحضرتؐ نے اسلام کی دعوت کیسے دی اور ایک پیغمبر کی حیثیت سے لوگوں تک نیا دین کیسے پہنچایا؟ اسلام کے بانی اور اس کے پہلے داعی کی زندگی سے ہم قدرتی طور پر یہ توقع کر سکتے ہیں کہ اس مطالعے سے آپؐ کی تبلیغی کوششوں کی اصلی اور حقیقی صورت ہم پر واضح ہو جائے گی۔ اگر ایک عام مسلمان کے لیے رسول کریمؐ کی زندگی اسوۂ حسنہ ثابت ہو سکتی ہے تو ایک مبلغ مسلمان کے لیے بھی وہ یقیناً ایک اعلیٰ نمونہ ثابت ہو گی۔ ہمیں توقع ہے کہ آپؐ نے دین اسلام کی اشاعت کے لیے جو طرز عمل اختیار کیا، اس سے ان لوگوں کو، جو آپؐ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، رہنمائی مل سکتی ہے۔ اس سے اس جوش و جذبہ کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا جو پیروانِ اسلام کے لیے محرک ثابت ہوا اور ان طریقوں کا علم ہو سکے گا جو آپؐ نے اپنا دین پھیلانے کے لیے اختیار کیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں دعوت کا مشنری جذبہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا خیال بعد میں پیدا ہوا ہو۔ اصل میں اسلام کی اشاعت کا خیال ابتدا ہی سے جاری و ساری تھا۔ اس ضمن میں اگلے صفحات میں اسلام کی تبلیغی کوششوں کا جو خاکہ پیش کیا جائے گا، اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ رسولِ خداؐ نے دعوت اسلام کا فریضہ کس طرح انجام دیا اور ایک مسلمان مبلغ کے لیے کیا نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ اس موقعے پر ہم رسول کریمؐ کی حیات مقدسہ کی ابتدائی تاریخ یا ان واقعات کا تذکرہ نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں گے جن کے زیر اثر آپؐ نے نشوونما پائی، نہ ہی ایک مدبر یا سپہ سالار کی حیثیت سے آپؐ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہاں پر ہم آپؐ کی سیرت کے صرف ایک پہلو یعنی داعیٔ اسلام کی حیثیت سے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطالعے پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے۔

جب ایک مدت دراز کی اندرونی کشمکش اور اضطراب کے بعد آنحضرتؐ کو اپنی رسالت اور مقدس مشن کا یقین ہو گیا تو آپؐ نے سب سے پہلے اہل خاندان کو دین حق کی دعوت دی۔ اس دعوت کی بنیاد ان حقائق پر تھی کہ خدا ایک ہے، بت پرستی ایک نجس اور قابل نفرت چیز ہے اور یہ کہ اپنے خالق کے سامنے سرِ تسلیم کرنا انسان کا فرضِ اولیں ہے۔ یہ وہ سادہ حقائق تھے جن کی اطاعت کا آپؐ نے دعویٰ کیا۔ سب سے پہلے آپؐ کی وفادار اور شفیق رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ انہوں نے پندرہ سال پہلے اپنے غریب قرابتدار (آنحضرتؐ) کے عقد میں آنے کی پیشکش کی تھی جو اس سے پہلے حضرت خدیجہؓ کے سرمائے سے ایک نمائندے کی حیثیت سے کامیاب طور پر تجارت کر چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے نکاح کے موقعے پر آپؐ سے یہ الفاظ کہے تھے: ''اے میرے عم زاد! مجھے آپؐ سے اس لیے محبت ہے کہ آپؐ میرے قرابتدار ہیں، آپؐ کی قوم کے لوگ حسنِ اخلاق کی وجہ سے آپؐ کی عزت و تکریم کرتے ہیں، آپؐ دیانتدار، بلند کردار اور راست گفتار ہیں''۔ (محمد بن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ صفحہ ۱۲۰)۔ حضرت خدیجہؓ نے رسول کریمؐ کو غربت اور افلاس سے چھٹکارا دلایا اور اس قابل بنا دیا کہ آپؐ اس سماجی رتبے کے مطابق زندگی بسر کر سکیں جس کے آپؐ اپنے عالی نسب کی بنا پر مستحق تھے۔ لیکن یہ مالی امداد اس وفا شعاری اور محبت آمیز جاں نثاری کے مقابلے میں ہیچ ہے جس سے آپ اپنے شوہر کی ذہنی پریشانی کو دور کرتی تھیں، دل شکستگی اور مایوسی کے عالم میں آپؐ کی ڈھارس بندھاتی تھیں اور اپنی شفقت آمیز ہمدردی سے آپؐ کی دل جمعی کا سامان بہم پہنچاتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ پچیس سال کی ازدواجی زندگی کے بعد ۶۱۹ عیسوی میں انتقال کر گئیں۔ جب کبھی دشمنوں نے آنحضرتؐ کو ستایا یا شک وشبہے نے آپؐ کے دل میں راہ پائی تو حضرت خدیجہؓ نے ہمیشہ آپؐ کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دیا، آپؐ کو تسلی تشفی دی اور آپؐ کی حوصلہ افزائی کی۔ رسول خداؐ کا ایک سیرت نگار لکھتا ہے: ''حضرت خدیجہؓ رسول کریمؐ پر ایمان لائیں اور خدا کی طرف سے جو پیغام آپؐ لائے تھے، اس کی تصدیق کی اور آپؐ کے کام میں ہاتھ بٹایا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے میں انہوں نے سبقت کی اور انہیں کے ذریعے خدا نے اپنے رسولؐ کا بوجھ ہلکا کیا۔ رسول کریمؐ جب بھی لوگوں کی تردید اور تکذیب سے غمگین ہو جاتے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپؐ کا رنج و غم دور کرتا اور سکون پہنچاتا۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی ڈھارس بندھاتیں، آپؐ کے غم واندوہ کو ہلکا کرتیں اور آپؐ کی تصدیق کرتیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے وہ آپؐ کے لیے لوگوں کی نفرت اور استہزا کو برداشت کرنا آسان بنا دیتیں۔''

(محمد بن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ، صفحہ ۱۵۵)۔

مومنین سابقین میں رسول کریمؐ کے لے پالک بچے زیدؓ اور علیؓ اور آپؐ کے یار غار ابوبکرؓ شامل تھے۔ آنے والے برسوں میں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں آپؐ اکثر فرمایا کرتے: ''ماسوائے ابوبکرؓ کے، میں نے جب کسی شخص کو دین اسلام کی طرف بلایا تو اس نے تردد، تذبذب اور پریشانی کا اظہار کیا۔ جب میں نے ابوبکرؓ کو اسلام کے متعلق بتایا تو انہوں نے نہ تو توقف کیا اور نہ ہی پریشان ہوئے۔'' ابوبکرؓ ایک دولت مند تاجر تھے اور ان کے کردار کی پختگی، دیانتداری، ذہانت اور لیاقت کی وجہ سے مکہ کے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ ان مسلمان غلاموں کو خریدنے اور آزاد کرنے پر صرف کر دیا جن کے آقا ان پر محض اس وجہ سے ظلم کرتے تھے کہ وہ جناب رسالت مآبؐ کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے۔ ابوبکرؓ کے اثر ورسوخ سے یہ پانچ اکابرین مومنین سابقین میں شامل ہو گئے۔ سعدؓ بن ابی وقاص، جو آگے چل کر فارس کے فاتح بنے۔ زبیرؓ بن العوام، جو رسول خداؐ اور آپؐ کی زوجہ محترمہؓ دونوں کے قرابتدار تھے۔ طلحہؓ، جنہوں نے زمانہ بعد میں اپنی شجاعت سے بڑا نام پیدا کیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، جو ایک مالدار تاجر تھے اور تیسرے خلیفہ عثمانؓ۔ حضرت عثمانؓ نے ابتدائے اسلام میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ایک دن ان کے چچا نے انہیں پکڑ کر باندھ دیا اور کہا: ''میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تم اس نئے دین کو، جس کی تم پیروی کرتے ہو، ترک نہیں کرو گے، اس وقت تک میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' اس پر حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا: ''خدا کی قسم! میں اس دین کو ہرگز ترک نہیں کروں گا۔'' جب ان کے چچا نے اسلام سے عثمانؓ کی پختہ وابستگی کو دیکھا تو انہیں چھوڑ دیا۔

مسلمانوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہونے لگا، خاص طور پر غلاموں اور غریبوں میں سے کئی افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح پیغمبر اسلامؐ اپنی رسالت کے ابتدائی تین برسوں میں اپنے پیروکاروں کی ایک مختصر سی جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب ان نجی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوئی تو اس سے آپؐ کی ہمت بندھی اور آپؐ نے تبلیغی کام کو اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ انجام دینے کا ارادہ کر لیا اور اسلام کی علانیہ دعوت دینے لگے۔ آپؐ نے اپنے خاندان والوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی: ''اہل عرب میں سے کسی شخص نے'' آپؐ نے فرمایا ''اپنی قوم کو وہ نعمتیں پیش نہیں کیں جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ میں تمہیں اس دنیا کی خوشی اور آخرت کی فلاح پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے؟'' سب لوگ خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ کمسن کے جوش میں پکار اٹھے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یارسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا۔'' اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔

اگر چہ اس مرتبہ آپؐ کو ناکامی ہوئی لیکن آپؐ نے انجام سے بے پرواہو کر ہمت نہ ہاری اور مختلف موقعوں پر بار باران کو اسلام کی طرف بلایا مگر انہوں نے آپؐ کے پیغام اور وعید کا استہزا اور حقارت سے جواب دیا۔

قریش مکہ نے ایک سے زیادہ مرتبہ آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب کو، جو آپؐ کے قبیلے بنو ہاشم کے سردار تھے، اس بات کی ترغیب دینے کی کوشش کی کہ وہ آپؐ کو قریش کے آبائی مذہب پر حملے کرنے سے روکیں۔ قریش نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپؐ اس کام سے باز نہ آئے تو وہ آپؐ کے خلاف زیادہ تشدد آمیز کارروائیاں کریں گے۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے سے اپیل کی کہ وہ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے کوئی مصیبت کھڑی نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: ''اگر لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور مجھ سے کہا جائے کہ میں اس کام کو ترک کردوں تو میں اس مشن کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ خدا اس دین کو غالب کردے یا میں اس کے حصول کی کوشش میں اپنی جان دے دوں۔'' یہ جواب سن کر ابو طالب پر رقت طاری ہوگئی اور وہ پکار اٹھے: ''اے میرے بھتیجے! جاؤ اور جو چاہو کہو، بخدا میں آپؐ کو ہرگز آپؐ کے دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

قریش مکہ نئے دین کی روز افزوں ترقی کو بے اطمینانی اور نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو اپنے فرضِ منصبی سے باز رکھنے کے لیے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے، دھمکیوں اور وعدے وعید سے کام لیا، آپؐ کی توہین کی اور دنیاوی عزت و وقار اور عظمت و سرفرازی کی پیشکش کی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ دشمنوں نے رسول کریمؐ کو بہت برا بھلا کہا اور جب آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قریش کی اس بدسلوکی کی خبر ملی تو اس سے نہ صرف ان کی عالی ہمت روح کو انتہائی رنج پہنچا بلکہ ان میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہمدردی کا ایسا قوی جذبہ پیدا ہوگیا کہ وہ بدترین دشمن سے ایک پرجوش مسلمان بن گئے۔ حضرت حمزہؓ کا واقعہ اس ہمدردی کی واحد مثال نہیں ہے جو بعض لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے مصائب کو دیکھ کر پیدا ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ، جو آخری فتح کے دن تک اپنے ایمان کا اعلان نہ کرسکے، خفیہ طور پر نئے دین کی حمایت کرتے تھے۔

جب قریش نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کررہے ہیں تو مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی نسبت سے نئے دین کے بارے میں مشرکین مکہ کی جارحیت بھی بڑھنے لگی۔ انہوں نے یہ محسوس کرلیا کہ نئی تعلیمات کی فتح کا مطلب یہ ہوگا کہ قومی مذہب اور قومی عبادت تباہ ہوجائے گی اور چونکہ وہ کعبے کے متولی تھے، اس لیے اپنے آبائی مذہب کی بربادی میں انہیں اپنی دولت اور اقتدار کی بربادی نظر آنے لگی۔ رسول کریمؐ ابو طالب کی حمایت سے محفوظ تھے اور بنو ہاشم کو اگرچہ نئے دین سے کوئی ہمدردی نہیں تھی لیکن عربوں کی شدید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبائلی عصبیت کی بنا پر وہ رسول خداؐ کے پشتی بان تھے جس کی وجہ سے کوئی شخص آنحضرتؐ کی جان پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود رسول کریمؐ کے دشمن آپؐ کو بدستور ایذائیں پہنچاتے اور آپ کی توہین کرتے رہے۔ لیکن غریبوں اور کمزوروں کو، جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں تھا، انتہائی ظلم وستم برداشت کرنا پڑتا تھا۔ ان کو کبھی قید کر دیا جاتا اور کبھی سخت اذیت دی جاتی تا کہ وہ اپنے نئے دین کو چھوڑ دیں۔ یہی وہ موقع تھا جب حضرت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ وہ افریقا کے غلام تھے جنہیں آنحضرتؐ نے ''حبشہ کا پہلا ثمر'' کہا تھا۔ (بلالؓ آج پورے عالم اسلام میں پہلے موذن کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں)۔ حضرت بلالؓ کو ہر روز نہایت بے دردی سے چلچلاتی دھوپ میں پشت کے بل لٹا دیا جاتا اور ان کے پیٹ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ تم اسی طرح یہاں پڑے رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرو۔ بلالؓ اس کے جواب میں صرف یہی کہتے: ''اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔'' دو مسلمان یہ اذیتیں برداشت نہ کر سکے اور جاں بحق ہو گئے۔ صرف چند ایک افراد اس آزمائش میں ثابت قدم نہ رہ سکے، باقی لوگوں کے دلوں میں قریش کی ایذا رسانی سے جوش ایمان کی آگ اور روشن ہوتی گئی۔ عبداللہؓ ابن مسعود نے کمال جرأت سے کام لے کر خود حرم کعبہ کے اندر قرآن حکیم کی چند آیات کی تلاوت کی۔ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اس سے پہلے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیروؤں میں کسی کو اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ قریش کے جو لوگ وہاں جمع تھے، انہوں نے ان پر حملہ کر دیا، ان کے منہ پر طمانچے مارے اور آخرکار بڑی مشکل سے انہیں روکا۔ عبداللہؓ ابن مسعود جب اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا: ''میں کل بھی اپنے دین کی علانیہ شہادت دینے کو تیار ہوں۔'' لیکن ان کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا: ''آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ آپ نے ان کے کانوں میں وہ الفاظ ڈال دیے جنہیں سننے سے انہیں نفرت تھی۔''

غالباً قریش کی مخالفت کی اسی شدت کے پیش نظر رسول کریمؐ نے اپنے عہد رسالت کے چوتھے سال حضرت ارقمؓ کے گھر میں اقامت اختیار فرمائی۔ ارقمؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی۔ ان کا مکان ایک ایسی مرکزی جگہ پر واقع تھا جہاں اکثر زائرین اور مسافروں کی آمد ورفت رہتی تھی۔ رسول خداؐ اس جگہ امن وامان کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرما سکتے تھے جو حق کی تلاش میں آپؐ کے پاس آتے تھے۔ وہ ایام، جب آنحضرتؐ حضرت ارقمؓ کے مکان میں فروکش تھے، مکہ میں دعوت اسلام کے اعتبار سے بہت اہم ہیں کیونکہ بہت سے لوگوں نے اسی زمانے میں دین اسلام کو قبول کیا۔

چونکہ آنحضرتؐ اپنے مظلوم اور بے کس پیروکاروں کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے بچانے سے قاصر تھے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے آپؐ نے ان کو حبشہ میں جا کر پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ عہد رسالت کے پانچویں سال (۶۱۵ عیسوی) گیارہ مرد اور چار خواتین سمندر پار کر کے حبشہ پہنچ گئے۔ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے ان لوگوں کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا۔ ان مہاجرین میں سے ایک شخص مصعبؓ بن عمیر تھے جن کے حالات زندگی اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہیں کہ انہیں دین اسلام قبول کرنے میں تلخ ترین آزمائش سے گزرنا پڑا کیونکہ انہیں ان لوگوں کی نفرت کا سامنا کرنا پڑا جن سے وہ محبت کرتے تھے اور جو کسی زمانے میں ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ ارقمؓ کے گھر میں اسلام کی تعلیمات کو سن کر مسلمان ہوئے تھے لیکن وہ اپنے اسلام لانے کا اعلان کرنے سے اس لیے خوفزدہ تھے کہ ان کا قبیلہ اور ان کی والدہ، جنہیں ان سے بڑی محبت تھی، نئے دین کی سخت مخالف تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو مصعبؓ کے تبدیلِ مذہب کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ لیکن مصعبؓ بھاگ نکلے اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قریش کو مہاجرین کے ساتھ اس درجہ عداوت تھی کہ انہوں نے حبشہ تک ان کا تعاقب کیا اور وہاں کے بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی جس کا مقصد یہ تھا کہ ان مہاجرین کو ملک سے نکال دیا جائے۔ بادشاہ نے جب مسلمانوں کی زبان سے ان کا حال سنا تو اس نے ان کو اپنی حفاظت سے محروم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب بادشاہ نے ان سے ان کے مذہب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کہا: ''اے بادشاہ! ہم جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے۔ ہم قابل نفرت کام کرتے تھے، قرابتداروں کے ساتھ قطع تعلق کر لیتے اور ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے۔ طاقتور کمزور کو ہڑپ کر جاتے۔ ہماری یہ حالت تھی کہ خدا نے ہمیں میں سے ایک شخص کو پیغمبرؐ بنا کر بھیجا جس کے حسب نسب، صداقت امانت اور پرہیزگاری سے ہم خوب واقف تھے۔ اس پیغمبرؐ نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں، خدا کے بجائے پتھر کے ان معبودوں اور بتوں کی پرستش چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آرہے تھے۔ اس پیغمبرؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، وعدہ ایفا کریں، والدین اور ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آئیں اور جرائم اور خون ریزی سے اپنا ہاتھ روکیں۔ آپؐ نے ہمیں برائی اور جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور صرف ایک خدا کی پرستش کرنے، نماز ادا کرنے، غریبوں کو خیرات دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔ ہم اس پیغمبرؐ پر ایمان لائے اور وہ ہمارے لیے اللہ کی طرف سے جو تعلیمات لائے ہیں، ان کی پیروی کی۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، ہمیں ایذائیں دیں، ہم کو عذاب دیا اور آزمائش میں ڈالا تاکہ ہم اپنے دین سے دست بردار ہو جائیں، بتوں کی پوجا پھر شروع کر دیں اور ماضی کی قابل نفرت زندگی کو دوبارہ اپنا لیں۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم و ستم کیا، ہم پر عرصہ حیات تنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوگئے تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لے لی۔ ہمیں آپ کے انصاف پر کامل بھروسا ہے اور ہمیں توقع ہے کہ ہم آپ کی حفاظت میں اپنے دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رہیں گے''۔ بادشاہ نے مہاجرین کی درخواست کو قبول کیا اور قریش کی سفارت بدحواس ہو کر واپس چلی گئی۔ (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ۔ صفحات ۲۱۹، ۲۲۰)۔ طبری نے اس مشن کا تذکرہ نہیں کیا اور کیتانی (صفحہ ۲۷۸) کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد کی اختراع ہے)۔ اسی اثنا میں مکہ میں قریش نے رسول کریمؐ کو دولت اور اقتدار کا لالچ دے کر آپ کو یہ ترغیب دی کہ آپؐ اسلام کی تبلیغ کو چھوڑ دیں لیکن یہ کوشش بھی بارآور ثابت نہ ہوسکی۔

مکہ میں حبشہ کی سفارت کے نتیجے کا بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا اور قریش نے اس سفارت سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ ایک ایسا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا جو اس سے پہلے پیغمبر خداؐ کا شدید ترین دشمن تھا اور بڑی مستقل مزاجی اور سرگرمی کے ساتھ آپؐ کی مخالفت کرتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جسے مسلمان بجا طور پر اپنا سب سے زیادہ خطرناک اور زہریلا دشمن سمجھتے تھے لیکن یہی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد صدر اسلام کی تاریخ میں ایک تابناک گوہر کی طرح چمکا۔ اس سے ہماری مراد عمرؓ بن الخطاب سے ہے۔ ایک دن وہ رسول کریمؐ پر غضبناک ہو کر آپؐ کے قتل کے ارادے سے شمشیر بکف گھر سے نکلے۔ راستے میں ایک رشتے دار ملا جس نے پوچھا: ''کہاں جاتے ہو؟'' عمر نے جواب دیا: ''میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاش میں ہوں تاکہ اس صابی (تارک مذہب) کو قتل کر دوں جس نے قریش میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ وہ انہیں احمق کہتا ہے، ان کے مذہب کو برا بھلا کہتا ہے اور ان کے معبودوں کی تحقیر کرتا ہے۔'' ''تم پہلے اپنے خاندان والوں کی تو خبر لو اور انہیں درست کرو۔'' عمر نے پوچھا: ''یہ میرے گھر والے کون ہیں؟'' ''تمہارا بہنوئی سعید اور تمہاری بہن فاطمہ جو اسلام قبول کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیروکار بن چکے ہیں۔'' یہ سن کر عمر دوڑتے ہوئے اپنی بہن کے گھر گئے اور دیکھا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک اور مسلمان خبابؓ سے قرآن حکیم کی ایک سورت پڑھ رہی ہیں۔ عمر اچانک کمرے میں داخل ہوئے اور پوچھا: ''یہ کیا آواز تھی جو میں سن رہا تھا؟'' ''کچھ نہیں تھا۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''نہیں تم کچھ پڑھ رہے تھے۔ اور میں نے سنا ہے کہ تم نے محمد کا دین اختیار کر لیا ہے؟'' عمر یہ کہہ کر سعیدؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو پکڑ لیا۔ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے فاطمہؓ درمیان میں آ گئیں اور کہنے لگیں: ''ہاں! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لا چکے ہیں، چاہو تو ہمیں مار ڈالو۔'' اس کشمکش میں فاطمہؓ زخمی ہو گئیں۔ عمرؓ نے جب اپنی بہن کے چہرے کو خون آلود دیکھا تو ان کا دل پسیجا اور کہنے لگے ''مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔'' فاطمہؓ نے قدرے تامل کے بعد یہ صحیفہ ان کے حوالے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا۔ اس میں قرآن مجید کی بیسویں سورت لکھی ہوئی تھی۔ جب عمر نے اس سورت کو پڑھا تو پکار اٹھے: ''کیا خوبصورت اور برتر کلام ہے!'' جوں جوں وہ پڑھتے گئے، ان کے دل پر ایمان کا غلبہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ پکار اٹھے: ''مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے چلو تا کہ میں آپ کو یہ بتا سکوں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔'' (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ صفحات ۲۲۵، ۲۲۶)

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا ایک ایسا واقعہ ہے جس نے اسلام کی تاریخ کا رخ بدل دیا اور اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ آنحضرتؐ نے ارقمؓ کا گھر چھوڑ دیا اور مسلمان کعبے کے سامنے علانیہ نماز ادا کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر رؤسائے مکہ کے دلوں میں خوف اور دہشت بیٹھ گئی۔ اب ان کا عاجزی اور انکساری سے زندگی بسر کرنے والے مظلوم اور حقیر گروہ سے نہیں، ایک ایسی طاقتور جماعت سے مقابلہ تھا جس میں روز بروز بااثر اور بارسوخ لوگوں کا اضافہ ہو رہا تھا اور جس نے ایک طاقتور غیر ملکی شہزادے کے ساتھ اتحاد قائم کر کے مکہ کی حکومت کے استحکام کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

قریش مکہ نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے شہر میں ابھرتی ہوئی اس نئی تحریک کی مزید ترقی کو روکنے کے لیے ایک منظم کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے بنو ہاشم کا، جو قرابتداری کی بنا پر رسول خداؐ کی حفاظت کرتے تھے، مقاطعہ کر لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان کے ہاں شادی بیاہ نہیں کریں گے، ان کی عورتوں سے شادی نہیں کریں گے اور نہ ہی اپنی عورتوں کو ان کے ساتھ بیاہیں گے، ان کے ہاتھوں کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے اور نہ ہی ان سے کوئی چیز خریدیں گے، غرض ان کے ساتھ کسی قسم کا لین دین نہیں کیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ بنو ہاشم تین سال تک شہر کے ایک حصے میں محصور رہے، ماسوائے ان مقدس مہینوں کے، جن میں پورے عرب میں جنگ بند رہتی تھی تا کہ امن کے زمانے میں حج کے سلسلے میں آنے والے لوگ مقدس کعبے کا طواف کر سکیں جو عرب قوم کا مذہبی مرکز تھا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موسم حج سے فائدہ اٹھا کر عرب کے ان مختلف قبیلوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے جو کعبے کی زیارت کے لیے مکہ اور اس کے قریبی میلوں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی کیونکہ آپؐ کا چچا ابولہب آپؐ کے پیچھے لگا رہتا اور بلند آواز سے چلاتا: ''یہ ایک مکار اور دغاباز شخص ہے جو تمہیں اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کر کے اپنے غلط عقاید کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے دور رہو اور اس کی باتوں پر کان نہ دھرو۔'' اس پر یہ لوگ آنحضرتؐ کو طعنے دیتے اور کہتے: ''آپؐ کے اپنے لوگ اور رشتے دار، جو آپؐ کو سب سے بہتر جانتے ہیں، آپؐ پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور آپؐ کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟'' آخر کار نبی کریمؐ اور آپؐ کے خاندان والوں نے جو تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں، ان کی وجہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریش کے بعض لوگوں کو ان سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور بنو ہاشم کا مقاطعہ ختم کر دیا گیا۔

اسی سال آپؐ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی جس سے رسول خداؐ کے دل پر غم اور حزن کے بادل چھا گئے۔ حضرت خدیجہؓ پچیس سال تک آپؐ کی معاون اور مشیر رہی تھیں، اس لیے ان کی وفات سے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپؐ کے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے اور آپ ایک طاقتور محافظ کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ کو پھر مشرکین مکہ کی بدسلوکی اور تحقیر کا سامنا کرنا پڑا۔

دس سال کی مسلسل دعوت اور تلقین کے بعد بھی جب مشرکین نے رسول کریم کا استہزا اور انکار ہی کیا اور آپؐ کو بہت کم کامیابی حاصل ہوئی تو آپؐ نے یہ قصد فرمایا کہ ایسے دوسرے لوگ تلاش کیے جائیں جو آپ کی بات سننے پر آمادہ ہوں۔ شاید ان کے ہاں دین کی تخم ریزی کے لیے زیادہ زرخیز زمین مل سکے۔ اس امید پر آپؐ طائف شہر تشریف لے گئے جو مکہ سے کوئی ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنحضرتؐ نے روسائے شہر کے ایک مجمع کے سامنے اپنے عقیدۂ توحید باری کی وضاحت کی اور خدا کے پیغمبر ہونے کے ناتے جو مشن آپؐ کو سونپا گیا تھا، اس کا تذکرہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اہل طائف آپؐ کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانی سے بچائیں۔ رسول خداؐ کے بلند دعووں (جو طائف کے بت پرستوں کے فہم و ادراک سے بالاتر تھے) اور آپ کی بے کسی کے درمیان چونکہ بظاہر کوئی مناسبت نظر نہیں آتی تھی، اس لیے طائف کے لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا، نفرت اور حقارت کا اظہار کیا اور آپؐ کو بے دردی سے پتھر مار مار کر شہر سے نکال دیا۔

طائف سے واپسی پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کامیابی کی امید پہلے سے بھی کم نظر آنے لگی تو آپؐ نے اپنے روحانی حزن و ملال اور دلی کرب کو حضرت نوحؑ کے ان لفظوں میں ادا فرمایا: ''اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے مگر بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے کو اوڑھ لیا اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔'' (سورہ نوح۔ آیات ۵ تا ۷)

رسول کریم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ حج کے موسم میں آپ مختلف عرب قبیلوں کی فرودگاہوں پر تشریف لے جاتے اور دین کے بارے میں ان سے گفتگو فرماتے تھے۔ بعض لوگ آنحضرتؐ کی باتوں کو لاپروائی سے سنتے اور بعض آپؐ کو حقارت سے مسترد کر دیتے۔ لیکن آنحضرتؐ کی تسلی اور دلجوئی کا سامان ایک ایسی جانب سے ہوا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ آپ کی ملاقات چھ یا سات آدمیوں کے ایک ایسے گروہ سے ہوگئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہیں آپؐ نے پہچان لیا کہ وہ مدینے سے آئے ہیں جسے اس وقت یثرب کہا جاتا تھا۔ ''تم کس قبیلے سے ہو؟'' آپؐ نے انہیں مخاطب ہو کر کہا۔ ''ہم قبیلہ خزرج سے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''کیا تم یہودیوں کے حلیفوں میں سے ہو؟'' ''ہاں''۔ ''کیا تم تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ نہ جاؤ گے تاکہ میں تم سے بات کروں۔'' ''ضرور''۔ انہوں نے جواب دیا۔ پھر یہ لوگ آپؐ کے پاس بیٹھ گئے اور آپؐ نے ان کو خدائے برحق کی خبر دی، اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ اب ایسا ہوا کہ خدا نے اسلام کے فروغ کے لیے عجب سامان پیدا کر دیا۔ اگرچہ اہل یثرب خود مشرک اور بت پرست تھے لیکن یثرب کے علاقے میں یہودی آباد تھے جو آسمانی صحیفے اور حکمت رکھتے تھے۔ یہود اکثر اوقات ان مشرکوں اور بت پرستوں کے ہاتھوں ظلم و ستم اٹھاتے تھے اور جب کبھی ان کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہودی انہیں کہتے: ''عنقریب ایک پیغمبر آنے والا ہے اور اس کے ظہور کا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ ہم اس پیغمبر کے ساتھ مل کر عاد اور ارم کی طرح تمہیں قتل کر دیں گے۔'' اب جب کہ خدا کا رسولؐ ان لوگوں سے باتیں کر رہا تھا اور انہیں خدائے برحق کی طرف بلا رہا تھا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''یقیناً یہ وہی رسولؐ ہے جس کے بارے میں یہودیوں نے ہمیں خبر دی ہے۔ آؤ جلدی کرو اور اس کے ساتھ شریک ہونے میں سبقت کرو۔'' سو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپؐ سے کہنے لگے: ''ہمارے اہل وطن مدت دراز سے ایک شدید اور ہلاکت آفریں خانہ جنگی میں مصروف ہیں۔ شاید اب اللہ تعالیٰ آپؐ اور آپؐ کی تعلیمات کی برکت سے ان کے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کر دے۔ لہٰذا ہم ان کو اسلام کی دعوت دیں گے اور انہیں اس دین سے آگاہ کریں گے جو ہم نے آپؐ سے سیکھا ہے۔'' چنانچہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر وطن کو لوٹ گئے۔ (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ۔ صفحات ۲۸۶، ۲۸۷)۔

یہ اہم واقعہ، جس نے رسول خداؐ کے مشن کا رخ بدل دیا، روایات میں اسی طرح مذکور ہوا ہے۔ اب آپؐ کی ایک ایسی قوم سے ملاقات ہو گئی جس کے دل و دماغ اپنے سابقہ حالات کی بنا پر آنحضرتؐ کی تعلیم کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھے اور جس کے موجودہ حالات، جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہوگا، رسول کریمؐ کے نصب العین کے لیے موزوں اور سازگار تھے۔

یثرب کا شہر مدت سے یہودیوں کے قبضے میں چلا آ رہا تھا۔ یہ یہودی کسی قومی مصیبت کے باعث اور شاید ہدریان کے مظالم سے تنگ آ کر اپنے وطن سے نکل آئے تھے۔ بعد میں دو جہاں گرد عرب قبیلے خزرج اور اوس بھی نقل مکانی کر کے یثرب پہنچ گئے اور یہود کی اجازت سے وہاں آباد ہو گئے۔ جوں جوں ان کی تعداد بڑھتی گئی، وہ یہودی حکمرانوں کے اختیارات چھینتے گئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یثرب کی حکومت مکمل طور پر ان کے ہاتھ آ گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض عربوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور بہت سے یہودی، جو پہلے یثرب کے مالک تھے، اب فاتح عربوں کے زیرنگیں رہنے لگے۔ چنانچہ نبی کریمؐ کے زمانے میں وہاں یہودیوں کی خاصی بڑی آبادی موجود تھی۔ اس طرح یثرب کے لوگ مسیح موعودؑ کے عقیدے سے واقف تھے اور مشرکین مکہ کے مقابلے میں، جو مسیح کے تصور سے قطعاً نا آشنا تھے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعوئے رسالت کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ تھے۔ قریش مکہ کے لیے آنحضرتؐ کی رسالت کا تصور اس لیے بھی ناگوار تھا کہ ان کی دنیاوی خوش حالی اور دوسرے قبیلوں پر ان کے اقتدار کا انحصار اس حقیقت پر مبنی تھا کہ وہ کعبے کے مقدس احاطے میں رکھے گئے بتوں کے قوی ذخیرے کے موروثی پاسبان تھے۔

یثرب شہر میں ایک مدت دراز سے پرانی دشمنی کی بنا پر بنوخزرج اور بنواوس کے درمیان خانہ جنگی چلی آ رہی تھی۔ اس سے شہر کے باشندے غیر یقینی صورت حال میں پریشانی اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان حالات میں کوئی بھی چیز، جو متحارب فریقوں کو مشترکہ مفاد کے رشتے میں منسلک کر دیتی، وہ شہر کے حق میں ایک بیش بہا نعمت ثابت ہوتی۔ جس طرح قرون وسطیٰ میں شمالی اٹلی کی جمہوری حکومتیں مخالف فریقوں کی طاقت کے درمیان توازن قائم کرنے اور ان کی تجارت اور عمومی بہبود کی خاطر خانہ جنگی سے بچنے کے لیے اپنے شہروں میں اعلیٰ انتظامی عہدے پر کسی اجنبی کو منتخب کر لیتی تھیں، اسی طرح اہل یثرب نے ایک اجنبی شخص کی آمد کو بدگمانی اور شک وشبے کی نظروں سے نہ دیکھا حالانکہ یہ بات قرین قیاس تھی کہ وہ حکومت کے خالی منصب پر ان کی رضامندی سے یا از خود قبضہ کر لے گا۔

اس کے برعکس اہل یثرب نے مدینے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اس کا ایک سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں نے قبول اسلام کو ان فسادات اور بدامنی کا علاج تصور کیا جس کی وجہ سے ان کا معاشرہ نقصان اٹھا رہا تھا۔ وہ اسلام سے یہ توقع رکھتے تھے کہ اس سے ان کی زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوگا اور بے لگام انسانی جذبات کو ایسے احکام خداوندی کا پابند بنا دے گا جو افراد کی تلون مزاجی سے بالاتر ہو۔ (کیتانی جلد اول صفحات ۳۳۴، ۳۳۵)۔

ان حقائق سے اس بات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے کہ رسول کریمؐ ہجرت کے آٹھ سال بعد کس طرح دس ہزار پیروکاروں کی قیادت کرتے ہوئے اس شہر (مکہ) میں داخل ہو گئے جہاں آپؐ نے دس برس تک تبلیغ اسلام کا کام کیا تھا لیکن آپؐ کو بہت تھوڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

لیکن ان باتوں کا تذکرہ ابھی پیش از وقت ہے۔ رسول خداؐ نے قبیلہ خزرج کے نومسلموں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپؐ ان کے ساتھ بذات خود تشریف لے جائیں لیکن انہوں نے آپؐ کو اس ارادے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت تک باز رکھا جب تک وہ بنو اوس کے ساتھ مفاہمت پیدا نہیں کر لیتے۔ ''ہم آپؐ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی قوم کے پاس واپس جانے دیجیے۔ اگر خدا نے ہم میں امن و امان پیدا کر دیا تو ہم آپؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوں گے۔ آپؐ اگلے سال موسم حج کو ملاقات کے لیے مقرر فرمائیے۔'' چنانچہ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور بہت سے لوگ اسلام لے آئے یہاں تک کہ یثرب میں مشکل ہی سے ایسا کوئی خاندان ہو گا جس میں رسول خداؐ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو۔

جب حج کا زمانہ پھر آیا تو یثرب کے ایک وفد نے، جس میں قبیلہ خزرج کے دس اور اوس قبیلے کے دو افراد شامل تھے، مقررہ جگہ پر آنحضرتؐ سے ملاقات کی، آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ اسے عقبہ کی پہلی بیعت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ بیعت عقبہ کے خفیہ مقام پر ہوئی تھی۔ اس بیعت کا متن یہ تھا: ''ہم خدائے واحد کے سوا کسی معبود کی پرستش نہیں کریں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے، بدکاری کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ہم تہمت لگانے اور افترا پردازی سے اجتناب کریں گے اور پیغمبر خداؐ ہم سے جو اچھی بات کہیں گے، ہم اس کی پیروی کریں گے۔'' یہ بارہ افراد اب اسلام کے داعی بن کر یثرب کو لوٹ گئے۔ یثرب کی سرزمین قبول اسلام کے لیے اس قدر سازگار تھی اور ان مبلغوں نے بھی اپنا کام اس قدر جوش و خروش کے ساتھ کیا کہ نیا دین تیزی کے ساتھ ایک گھر سے دوسرے گھر اور ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں پھیلنے لگا۔

اہل یثرب اپنے وطن کو لوٹے تو مصعبؓ بن عمیر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے انہیں اہل یثرب کی تحریری درخواست پر وہاں بھیجا تھا۔ یہ نوجوان مومنین اولین میں سے تھے اور ابھی ابھی حبشہ سے واپس آئے تھے۔ انہوں نے اعدائے دین کے ہاتھوں جو مظالم برداشت کیے تھے، اس سے ان میں نہ صرف متانت اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ انہوں نے یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ ظلم اور تعدی کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیے اور ان لوگوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے جو اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو سمجھے بغیر اس کی مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور یثرب کی سرزمین میں نخل اسلام کی تخم ریزی اور اسے ثمر بار کرنے کا مشکل فریضہ کامل بھروسے کے ساتھ مصعبؓ بن عمیر کو سونپ دیا۔ مصعبؓ نے اسعدؓ بن زرارہ کے گھر میں قیام کیا جہاں وہ مسلمانوں کو نماز اور تلاوت قرآن کے لیے جمع کرتے۔ وہ کبھی اسعدؓ اور کبھی بنوظفر کے ایک مکان میں مسلمانوں کو اکٹھا کرتے۔ بنوظفر کا گھر شہر کے ایک ایسے حصے میں واقع تھا جس میں بنوظفر اور عبدالاشہل کے خاندان اکٹھے رہتے تھے۔

اس زمانے میں سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر، عبدالاشہل خاندان کے سردار تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مصعبؓ اسعد کے ساتھ بنوظفر کے گھر میں بیٹھے چند نومسلموں کو درس دے رہے تھے اور جب سعد بن معاذ کو یہ پتا چلا تو اس نے اُسید بن حضیر سے کہا: ''ان لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دو جو ہمارے گھروں میں گھس کر ہمارے ناسمجھ لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ میں تمھیں تکلیف نہ دیتا لیکن اسعد کے ساتھ میری قرابتداری ہے جس کی وجہ سے میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔'' (وہ اسعد کی خالہ کے بیٹے تھے)۔ یہ سن کر اُسید نے نیزہ اٹھایا اور اسعد اور مصعبؓ کے پاس پہنچا اور ان سے چلا کر کہا: ''تم کیا کر رہے ہو؟ کیا ہمارے سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہو؟ اگر تمھیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو یہاں سے دور ہو جاؤ۔'' حضرت مصعبؓ نے آہستہ سے جواب دیا: ''نیچے بیٹھ کر میری بات سنو۔ اگر کوئی بات پسند آئے تو اسے قبول کر دو اور اگر پسند نہ آئے تو اسے چھوڑ دو۔'' اُسید نے اپنا نیزہ زمین پر گاڑ دیا اور سننے کے لیے بیٹھ گیا۔ مصعبؓ نے اسلام کے بنیادی عقاید بیان کیے اور قرآن مجید کی چند آیات پڑھیں۔ اُسید پر وجد طاری ہو گیا اور بیتاب ہو کر کہنے لگا: ''اس دین میں داخل ہونے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟''۔ مصعبؓ نے جواب دیا: ''غسل کر کے اپنے تئیں پاک کر دو اور یہ اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔'' اسید نے فوراً اس ہدایت پر عمل کیا، کلمہ شہادت پڑھا اور کہا: ''میرے علاوہ ایک اور شخص بھی ہے جس کو تمھیں راہ ہدایت پر لانا ہو گا۔ (ان کا اشارہ سعد بن معاذ کی طرف تھا)۔ اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کی پوری قوم اس کی پیروی کرے گی۔ میں اسے ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔''

یہ باتیں کر کے وہ ان سے رخصت ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد سعد بن معاذ خود وہاں پہنچ گئے۔ وہ اسعدؓ پر اس وجہ سے غضبناک ہو رہے تھے کہ انہوں نے اسلام کے مبلغوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ مصعبؓ نے سعد سے درخواست کی کہ وہ نئے دین کی تعلیمات کو سنے بغیر اسے برا نہ کہے۔ چنانچہ سعد ان کی بات سننے پر رضا مند ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کے الفاظ نے ان کے دل پر فوری اثر کیا اور وہ بھی اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔ سعدؓ جوش اسلام سے سرشار ہو کر اپنے قبیلے میں پہنچے اور ان سے کہنے لگے: ''اے عبدالاشہل کے بیٹو! بتاؤ، تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟''۔ ''آپ ہمارے سردار ہیں''۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''آپ ہم میں سب سے زیادہ عقلمند اور عالی نسب ہیں''۔ ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں''۔ سعدؓ نے جواب دیا ''جب تک تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاؤ گے، اس وقت تک میں تم سے کسی شخص کے ساتھ گفتگو نہیں کروں گا۔'' اور اس دن سے عبدالاشہل کی تمام اولاد نے اسلام قبول کر لیا۔ (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ، صفحہ ۲۹۱)۔

دعوت اسلام کے کام میں اس قدر جوش و خروش اور سرگرمی کا مظاہرہ کیا گیا کہ ایک سال کے اندر مدینے کے عربوں میں، ماسوائے قبیلہ اوس کی ایک شاخ کے، جو شاعر ابوقیس بن الاصلت کے اثر کی بنا پر اسلام سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ رہی، کوئی گھرانا ایسا نہ رہا جس میں چند افراد نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی تعداد نہ بڑھائی ہو۔

اگلے سال جب پھر حج کا موسم آیا تو ایک جماعت، جو ۷۳ افراد پر مشتمل تھی، اپنے ہم وطن مشرکین کے ساتھ یثرب سے مکہ آئی تا کہ رسول خدا کو اپنا پیغمبر اور ہادی تسلیم کر کے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کریں، آپؐ کو یثرب چلنے کی دعوت دیں تا کہ آپؐ دشمنوں کے غیظ و غضب سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ وہ تمام نومسلم، جو آنحضرتؐ سے حج کے دوران پہلے دو مرتبہ مل چکے تھے، اس اہم موقعے پر اپنے معلم حضرت مصعبؓ کے ہمراہ پھر مکہ آئے۔ مصعبؓ مکہ پہنچتے ہی نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو دعوت اسلام کے سلسلے میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کی تفصیل بتائی۔ روایت ہے کہ ان کی والدہ نے اپنے بیٹے کے مکہ آنے کی خبر سنی تو اسے یہ پیغام بھجوایا: ''آہ! اے نافرمان بیٹے، تو ایک ایسے شہر میں آیا ہے جہاں تیری ماں رہتی ہے اور تو اس سے ملنے نہیں آیا۔'' ''نہیں یقیناً نہیں۔'' انہوں نے جواب بھجوایا: ''میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کسی سے ملاقات کے لیے ہرگز اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔'' جب مصعبؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں عرض نیاز کر چکے اور آپؐ سے گفتگو کر چکے تو پھر اپنی ماں کے پاس پہنچے جو ان سے اس طرح مخاطب ہوئی: ''میرا خیال ہے کہ تم ابھی تک اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو۔'' مصعبؓ نے جواب دیا: ''میں رسول خداؐ اور اسلام کے سچے دین کا پیرو ہوں۔'' کیا تم ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھول گئے ہو جو تمہیں حبشہ میں اٹھانا پڑی تھیں اور اب پھر یثرب میں اٹھا رہے ہو؟'' ماں کی ان باتوں سے حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ وہ انہیں پھر قید کرنے کی فکر میں ہے لہٰذا انہوں نے بلند آواز میں کہا ''کیا تم ایک شخص سے جبراً اس کا دین چھڑانا چاہتی ہو؟ اگر تم نے مجھے قید کرنے کی کوشش کی تو جس شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھایا، میں اسے یقیناً قتل کر ڈالوں گا۔'' یہ سن کر ماں بولی: ''بس تو میری نظروں سے دور ہو جا۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر مصعبؓ کے دل پر گہرا اثر ہوا اور وہ کہنے لگے: ''اے میری ماں! میں تجھے از راہ محبت یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔'' لیکن ماں نے جواب دیا: ''قسم ہے مجھے جگمگ کرتے روشن ستاروں کی! میں تیرے دین میں داخل ہونے کی ہرگز حماقت نہیں کروں گی۔ میں تمہارے اور تمہارے معاملات سے بیزار اور اپنے آبائی مذہب پر پختگی کے ساتھ قائم ہوں۔''

قریش کی بدگمانی اور جارحیت سے بچنے کے لیے عقبہ کے مقام پر ایک خفیہ ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ایک سال پہلے مدینے کے نومسلم رسول خداؐ سے ملاقات کر چکے تھے۔ نبی کریمؐ کے ساتھ صرف ان کے چچا عباس تھے جو ابھی تک بت پرست تھے لیکن آنحضرتؐ نے انہیں اس راز میں شریک کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس خفیہ اجتماع میں آغاز سخن اس طرح کیا کہ پہلے تو اپنے بھتیجےؐ کی نسبت کہا کہ وہ ایک معزز خاندان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے چشم و چراغ اور اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ شریف ہیں۔ اس خاندان نے گو آپ کی تعلیمات کو قبول نہیں کیا لیکن اس نے آپؐ کو ہمیشہ دشمنوں سے بچایا۔ اب جب کہ آپؐ یثرب میں پناہ لینا چاہتے ہیں، اہل یثرب کو چاہیے کہ وہ اس ذمے داری کو قبول کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لیں اور اس بات کا پختہ ارادہ کر لیں کہ وہ اپنے عہد و پیمان سے نہیں ہٹیں گے اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔ اس پر براءؓ بن معرور نے، جو بنی خزرج سے تھے، کہا کہ ہم نے نبی کریمؐ کی حفاظت اور حمایت کا جو ذمہ اٹھایا ہے، اس میں ثابت قدم رہیں گے۔ پھر انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ آپؐ ہم سے چاہتے ہیں، اس کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

رسول کریمؐ نے پہلے قرآن مجید کی چند آیات پڑھیں اور پھر حاضرین پر زور دیا کہ انہوں نے خدائے واحد اور اس کے پیغمبرؐ کا جو اقرار کیا ہے، اس پر قائم رہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ وہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی اسی طرح حفاظت کریں جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس پر براءؓ بن معرور نے رسول خداؐ کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے کہا: ''ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور جس نے آپؐ کے واسطے سے ہم پر دین حق ظاہر کیا ہے، ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہم آپؐ کو اپنا ہادی اور رہنما تسلیم کرتے اور آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ ہم مرد میدان اور زرہ پوش ہیں، شجاعت اور جوانمردی ہمیں اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔''

چنانچہ سب نے باری باری رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔

جب قریش کو اس خفیہ کارروائی کی خبر پہنچی تو وہ مسلمانوں پر اور زیادہ مظالم ڈھانے لگے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کا مشورہ دیا اور فرمایا: ''یثرب چلے جاؤ کیونکہ اللہ نے تمہیں اس شہر میں بھائی دیے ہیں اور گھر دیا ہے جس میں تم پناہ لے سکتے ہو۔'' چنانچہ مسلمان دو دو تین تین کر کے خاموشی کے ساتھ یثرب پہنچ گئے جہاں ان کا سچے دل کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ یثرب میں ان کے دینی بھائی ان کی خاطر مدارت اور ضرورتیں پوری کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ دو ماہ کے اندر تمام مسلمان، ماسوائے ان لوگوں کے جو اسیری کی حالت میں تھے یا نظر بندی کی وجہ سے فرار نہیں ہو سکتے تھے، مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچ گئے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔

ان مسلمانوں میں صہیبؓ نامی مہاجر بھی شامل تھے جنہیں آنحضرتؐ کی طرف سے ''یونان کے پہلے پھل'' کا لقب عطا ہوا تھا۔ (صہیب ایک رومی غلام تھے، ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور انہوں نے تجارت کے ذریعے بڑی دولت جمع کر لی تھی)۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکہ کے لوگوں نے ان سے کہا: ''جب تم یہاں آئے تھے تو بالکل مفلس اور قلاش تھے۔ تم نے ہمارے ہاں رہ کر دولت پیدا کی ہے اور تم بہت خوشحال ہو گئے ہو۔ اور اب تم نہ صرف خود بلکہ اپنی املاک کو بھی یہاں سے لیے جا رہے ہو۔ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' اس پر صہیبؓ نے کہا: ''اگر میں اپنی تمام دولت یہاں چھوڑ جاؤں تو کیا تم مجھے ہجرت کرنے کی اجازت دو گے؟'' لوگ راضی ہو گئے اور صہیبؓ نے اپنے تمام مال اور دولت کو چھوڑ کر چھٹکارا پا لیا۔ جب آنحضرتؐ کو یہ ماجرہ سنایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''صہیب نے بڑا اچھا سودا کیا ہے۔''

رسول خداؐ نے اپنی روانگی میں توقف فرمایا (بلاشبہ اس نیت سے کہ مشرکین کی توجہ مسلمانوں کی طرف سے ہٹی رہے)۔ لیکن جب دشمنوں نے آپؐ کے قتل کی سازش تیار کر لی اور آپؐ نے اندازہ لگا لیا کہ مکہ میں زیادہ توقف کرنا ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا ہے تو آپؐ نے ایک تدبیر کر کے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی۔

یثرب میں نبی کریمؐ کی تشریف آوری کے بعد شہر کا نام مدینہ یا مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر قرار پایا۔ آنحضرتؐ کو سب سے پہلے ایک مسجد کی تعمیر کی فکر ہوئی جہاں مسلمان نماز ادا کر سکیں اور اکٹھے ہو سکیں۔ اس وقت تک وہ اس غرض کے لیے کسی ایک مسلمان کے گھر پر جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ابتدا میں نمازی بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور یہ قبلہ غالباً اس امید پر اختیار کیا گیا تھا کہ یہودی بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہودیوں کو مختلف طریقوں سے رضامند کرنے کی کوشش کی، ان کی اپنی مذہبی کتابوں کا بار بار حوالہ دیا، انہیں عبادت کرنے کی مکمل آزادی دی اور سیاسی لحاظ سے بھی انہیں مساوی حقوق دیے۔ لیکن یہودیوں نے آپؐ کے اس التفات کا نفرت اور استہزا سے جواب دیا۔ جب باہمی ملاپ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ یہودی آنحضرتؐ کو اپنا پیغمبر تسلیم نہیں کریں گے تو رسول کریمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ نماز کے وقت کعبے کو اپنا قبلہ بنا لیں۔ (سورہ بقرہ آیات ۱۴۴)۔ ماہ رمضان میں روزوں کی فرضیت بھی، جس کا سورہ بقرہ (آیات ۱۷۹ تا ۱۸۴) میں ذکر آیا ہے، بلاشبہ اس بات کی ایک اور علامت ہے کہ مسلمانوں نے یہودیوں سے قطع تعلق کر لیا تھا کیونکہ اس سے یوم الکفارہ کا روزہ منسوخ ہو گیا۔

قبلے کے رخ میں تبدیلی بظاہر معمولی واقعہ دکھائی دیتا ہے لیکن یہ واقعہ دور رس اہمیت کا حامل ہے۔ دراصل یہ اسلام کی قومی زندگی کا نقطہ آغاز ہے۔ اس واقعے کے نتیجے میں کعبہ، جو مکہ معظمہ میں واقع اور ایک نامعلوم زمانے سے تمام عرب قبائل کے لیے زیارت گاہ چلا آ رہا تھا، اب تمام اہل اسلام کا مذہبی اور روحانی مرکز بن گیا۔ اسی طرح حج کعبہ کی قدیم عرب رسم کو شعائرِ اسلام میں داخل کرنا بھی بے حد اہم واقعہ ہے۔ یہ وہ فریضہ ہے جس کا ہر مسلمان پر اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ ادا کرنا واجب ہے۔

قرآن حکیم میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں عربوں کو ان کے قومی جذبے کے واسطے سے متاثر کیا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اس نعمت الٰہی کو یاد رکھیں کہ آسمانی وحی خود ان کی زبان اور ان ہی کے ملک کے ایک شخص کے ہونٹوں سے ادا کی گئی ہے۔

ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اتارا تا کہ تم اسے سمجھ سکو۔ (سورہ الزخرف۔ آیت ۲)

اور ہم نے تم پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے تا کہ تم اہل مکہ (ام القریٰ، شہروں کی ماں) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈراؤ۔ (سورہ شوریٰ۔ آیت ۵)۔

اور اگر ہم قرآن کو کسی عجمی یا غیر عربی زبان میں اتارتے تو مشرکین یقیناً یہ کہتے، اس کے احکام کو اچھی طرح سے کھول کر بیان نہیں کیا جاتا۔ (اس لیے ہم اسے نہیں سمجھ سکتے)۔ (سورہ حٰم، آیت ۴۴)۔

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور یہ کلام عربی زبان میں ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں، تا کہ وہ خدا سے ڈریں۔ (سورہ الزمر۔ آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵)۔

اور ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ تم اس کے ذریعے پرہیز گاروں کو خوش خبری دو اور ہٹ دھری کرنے والوں کو ڈراؤ۔ (سورہ مریم آیت ۹۷)۔

لیکن اسلام کا پیغام صرف عرب کے لیے نہیں تھا بلکہ اس میں پوری دنیا شریک تھی۔ (جرمن پروفیسر زخاؤ، ایک مضمون میں، جو انہوں نے ۱۹۰۲ء میں عمرؓ بن الخطاب کی سیرت پر لکھا تھا (صفحات ۲۹۳، ۲۹۴) رقمطراز ہیں:

''پیغام الٰہی صرف عربوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اللہ کے احکام پوری کائنات کے لیے ہیں اور پوری نوع انسانی سے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسولؐ تھے اس لیے وہ اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ موقف ابتدائے اسلام ہی سے ان کے مذہب کا ایک لازمی حصہ رہا ہے۔'' گولڈ زیہر اور پروفیسر نولدیکی نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ (اسلام صفحہ ۲۵ WZKM جلد ۲۱ صفحہ ۳۰۷ بالترتیب)۔ جس طرح خدا ایک ہے، اسی طرح دین بھی ایک ہونا چاہیے تھا جس کی طرف پوری انسانیت کو دعوت دی جائے۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ وہ عالمگیر ہے اور تمام لوگوں اور قوموں پر حاوی ہے، اس کی عملی مثال اس مکتوب میں ملتی ہے جو رسول کریمؐ نے چھ ہجری (۶۲۸ عیسوی) میں اپنے زمانے کے عظیم حکمرانوں کو بھیجا تھا۔ اسی سال آپؐ نے قیصر روم ہرقل، فارس کے بادشاہ، یمن کے گورنر، مصر کے والی اور حبشہ کے بادشاہ کے نام خط بھیجے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ روایت ہے کہ آپؐ نے ہرقل کو جو خط لکھا، اس کی عبارت یہ تھی:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے، جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے، ہرقل شاہ روم کے نام۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو راہ ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ اسلام قبول کر لیں تو خدا آپ کو دگنا اجر دے گا اور اگر آپ دعوت اسلام سے منہ موڑیں گے تو آپ کی رعایا کے گناہ بھی آپ پر ہوں گے۔ اے اہل کتاب! اس دین کی طرف آئیں جو ہمارے اور آپ کے لیے موزوں ہے۔ اس دین کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پروردگار بنائیں۔ اے اہل کتاب! اگر تم انکار کرو گے تو آگاہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے۔''

جن لوگوں کو یہ دعوت نامہ بھیجا گیا، ان کے نزدیک یہ خط خواہ کتنا ہی نامناسب اور خلاف عقل ہو، لیکن اگلے برسوں میں پیش آنے والے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ اس خط میں محض خالی جوش کارفرما نہ تھا۔ (ان خطوط کی صحت پر شک کا اظہار کیا گیا ہے، دیکھیے کیتانی جلد اول، صفحہ ۷۲۵)۔ یہ مکاتیب، جو سلاطین کو بھیجے گئے، اسلام کے اس دعوے کا کھلا اعلان کرتے ہیں کہ یہ دین پوری دنیا کے لیے ہے اور یہ دعویٰ وہ ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر کیا گیا ہے:

یہ قرآن تو دنیا جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے اور تم کچھ مدت کے بعد اس کے پیغام کو پہچانو گے۔ (سورہ ص۔ آیات ۸۷، ۸۸)۔

بے شک یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے اور صاف صاف کلام ہے تاکہ پیغمبر ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے دل زندہ ہیں اور کافروں پر حجت پوری ہو۔ (سورہ یٰسین، آیات ۶۹، ۷۰)۔

بے شک ہم نے آپؐ کو پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (سورہ الانبیا آیت ۱۰۷)۔

برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن کو نازل کیا اپنے بندے پر تاکہ وہ پوری کائنات کو ڈرائے۔ (سورہ الفرقان۔ آیت ۱)۔

اور ہم نے آپؐ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (سورہ سبا آیت ۲۷)۔

اسی نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک اس بات کو ناپسند کریں۔ (سورہ الصف، آیت ۹)۔

ایک ایسی ساعت میں، جب رسول خداؐ پر یاس اور ناامیدی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور مکہ کے لوگ اپنے پیغمبرؐ کی بات سننے سے شدت کے ساتھ انکار کر رہے تھے، (سورہ النحل آیات ۲۳، ۱۱۴)، جب نومسلموں کو انتہائی اذیت دی جا رہی تھی تاکہ وہ اپنے دین سے منحرف ہو جائیں (سورہ النحل، آیت ۱۰) اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مسلمان اپنے دشمنوں کے غیظ وغضب سے بچنے کے لیے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے (سورہ النحل، آیت ۱۱۱) تو آزمائش کی اس گھڑی میں اللہ کی طرف سے یہ وعدہ آیا: ''اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ قائم کریں گے۔'' (سورہ النحل، آیت ۸۶)۔ یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کے باوجود بعض لوگوں نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ بانی اسلام کا ابتدا ہی سے یہ منشا تھا کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں: ''یہ خیال کہ اسلام کا ورثہ پوری دنیا کے لیے ہے، بعد میں پیدا ہوا۔ اگرچہ بہت سی احادیث اس خیال کی تائید میں ہیں تاہم پیغمبر اسلامؐ کے ذہن میں اگر یہ تصور آیا بھی تھا تو وہ دھندلا سا تھا کیونکہ آنحضرتؐ کی کل کائنات عرب تک محدود تھی اور نیا دین بھی اسی ملک کے لیے مخصوص تھا۔ اول سے آخر تک اہل عرب ہی کو اسلام کی دعوت دی گئی اور کسی دوسرے کو نہیں، صرف ان ہی سے خطاب کیا گیا۔۔۔ ایک عالمگیر مذہب کا بیج یقیناً بو دیا گیا تھا لیکن اگر وہ بار آور ہوا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حالات نے موافقت کی، اور اس کے بانیؐ کا یہ منشا اور ارادہ نہیں تھا۔'' (خلافت، لندن ۱۸۹۱ء صفحات ۴۳، ۴۴)۔ کیتانی بھی اسی رائے کے قائل ہیں۔(Annali Dell Islam جلد ۵ صفحات ۳۲۳، ۳۲۴)۔

نبی کریمؐ نے ان قرآنی آیات میں اسلام کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ دین پوری دنیا کے لیے ہے، اس کی جانب آپؐ کے ان الفاظ مبارکہ سے بھی اشارہ ملتا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت بلالؓ کے متعلق ''حبشہ کا پہلا پھل'' اور حضرت صہیبؓ کے بارے میں ''یونان کا پہلا ثمر'' کے الفاظ ادا فرمائے تھے۔ حضرت سلمانؓ، جو سرزمین فارس کے پہلے نومسلم ہیں، مدینہ میں ایک عیسائی غلام تھے جو ہجرت کے پہلے سال اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے اس سے بہت پہلے کہ مسلمان ملک گیری کا خواب دیکھیں، اس بات کو پوری طرح واضح کر دیا تھا کہ دین اسلام محض عرب نسل تک محدود نہیں ہے۔ آگے چل کر دعوت اسلام کے سلسلے میں مختلف مبلغوں کو دنیا کی تمام قوموں کے پاس بھیجنے کا ذکر آئے گا جس سے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ رسول خداؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: تم سب صبح سویرے میرے پاس آؤ۔ فجر کی نماز کے بعد، جیسا کہ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی، آپؐ کچھ دیر تک خدا کی حمد اور تسبیح و دعا میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپؐ صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور چند صحابہؓ کو ایک طرف روانہ کیا اور چند صحابہؓ کو دوسری طرف۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: ''خدا کے بندوں کے بارے میں خدا کے ساتھ خلوص اور سچائی کا برتاؤ کرو کیونکہ جس شخص کو لوگوں کے معاملات میں سے کوئی کام سپرد کیا جاتا ہے اور وہ بندوں کی بھلائی کا خیال نہیں رکھتا، خدا اس کے لیے جنت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ جاؤ مگر عیسیٰؑ ابن مریم کے ایلچیوں جیسا طرز عمل اختیار نہ کرنا کیونکہ وہ صرف ان لوگوں تک پہنچے جو ان کے قریب تھے اور انہوں نے دور دراز کے ملکوں میں رہنے والوں کو نظر انداز کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا۔'' پھر آنحضرتؐ کے مقرر کردہ مبلغوں میں سے ہر ایک شخص اس قوم کی زبان بولنے لگ گیا جس کی طرف وہ مامور ہوا تھا۔ جب نبی کریمؐ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''بندگان خدا کے متعلق اللہ کی طرف سے جو فرائض ان پر عاید ہیں، ان میں تبلیغ کا یہ کام سب سے عظیم فریضہ ہے۔'' (طبقات ابن سعد۔ اس واقعے کی سند مشکوک ہو سکتی ہے لیکن اس سے اس بات کا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلام کے تبلیغی کردار کا احساس شروع سے ہی موجود تھا)۔

اسلام کی آفاقیت کے دعوے کا ثبوت کہ وہ تمام انسانوں کی قبولیت کے لیے ہے، اس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہ آسمانی مذہب ہے جو اللہ کی طرف سے پوری انسانیت کے لیے آیا ہے اور اب لوگوں پر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے ذریعے، جو خاتم النبیین ہیں، (سورہ احزاب، آیت ۴۰) از سرنو منکشف ہوا ہے، جیسے کہ پہلی قوموں کو دوسرے انبیا کے واسطے سے دیا گیا تھا۔

سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر وہ الگ الگ ہو گئے اور اگر آپؐ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی حکم صادر نہ ہو چکا ہوتا تو جس بات میں وہ اختلاف رکھتے ہیں، اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ (سورہ یونس، آیت ۱۹)۔

آپؐ کہہ دیجیے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں۔ (سورہ احقاف، آیت ۹)۔

تمام لوگ ابتدا میں ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے انبیا کو بھیجا جو خوش خبری دیتے تھے اور ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ کتاب اتاری سچائی کے ساتھ تا کہ جس بات میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، اس کا فیصلہ کر دے۔ اور یہ لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لیے نہیں کہ ہدایت سے بے خبر تھے۔ نہیں! وحی الٰہی کے صاف احکام ان کے سامنے تھے، مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگے تھے، پس اللہ نے اپنی مہربانی سے ایمان والوں کو وہ سیدھی راہ بتا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۲۱۳)۔

پھر ہم نے آپؐ پر وحی بھیجی کہ پیروی کیجیے ابراہیمؑ کے طریقہ کی، ہر طرف سے ہٹا ہوا اور جو مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورہ النحل۔ آیت ۱۲۳)۔

کہہ دیجیے اے پیغمبر! کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی ہے، وہی صحیح دین ہے اور یہی ابراہیمؑ کی ملت ہے کہ ایک ہی خدا کا ہو جانا۔ (سورہ الانعام، آیت ۱۶۲)۔

اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ ہم پیروی کرتے ہیں ابراہیمؑ کے دین کی جس میں کجی کا نام نہیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیمؑ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ بیشک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہ تھا جو مکہ میں ہے، وہ برکت والا ہے اور اہل عالم کے لیے باعث ہدایت ہے۔"
(سورہ آل عمران، آیات ۹۵،۹۶)۔

اور کون ہے اچھے دین والا بہ نسبت اس شخص کے جس نے اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے، اور پیروی کی ابراہیمؑ کے دین کی جس میں کجی نہیں۔ (سورہ النسا، آیت ۱۲۵)۔

خدا نے تم کو چنا اور دین کے بارے میں تم پر کوئی تکلیف نہیں ڈالی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کی۔ خدا ہی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ (سورہ الحج، آیت ۷۸)۔

اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حالات معلوم کرنے کے لیے واپس مدینے چلتے ہیں۔ ہجرت کے بعد آپؐ کے مقام کا اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانے کے عرب معاشرے، خاص طور پر جزیرہ نما عرب کے اس حصے کے مخصوص حالات اور نوعیت کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ وہاں نہ تو کوئی باضابطہ انتظامیہ موجود تھی اور نہ ہی عدالتی نظام رائج تھا جو جدید دور کے طرز حکومت کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ ہر قبیلہ یا قبائلی گروہ ایک دوسرے سے الگ اور مکمل طور پر خود مختار تھا۔ اسی طرح ہر قبیلے کے افراد بھی پوری طرح آزاد تھے اور وہ صرف اپنے سردار کی قیادت اور اس کے اختیارات کو تسلیم کرتے تھے۔ قبیلے کا سردار رائے عامہ کی پابندی کرتا تھا لیکن ان باتوں کے باوجود قبیلے کا ہر فرد اس کے کسی فیصلے کو، خواہ وہ متفقہ ہی کیوں نہ ہو، رد کرنے میں آزاد تھا۔ اس کے علاوہ سردار کے منصب کی منتقلی کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں تھا۔ عام طور پر ہر قبیلے کے لوگ اس شخص کو سردار منتخب کرتے جو قبیلے کے سب سے امیر اور طاقتور ترین خاندان کا معمر ترین شخص ہوتا اور ذاتی طور پر ایسی شخصیت کا مالک ہوتا جس کی سب لوگ عزت کریں۔ اگر کسی قبیلے کی تعداد بڑھ جاتی اور وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا تو یہ تمام حصے الگ الگ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور مشترکہ دفاع یا کسی غیر معمولی اہمیت کی جنگی مہم جیسے خاص خاص موقعوں پر اکٹھے ہو جاتے۔ چنانچہ ہم بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مدینے میں جناب رسالت مآبؐ کس طرح اپنے ان پیروکاروں کی کثیر اور فروغ پذیر جماعت کے رہنما بن گئے جو آپؐ کو اپنا سربراہ سمجھتی تھی اور کسی دوسرے شخص کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اس سے نہ تو کسی شخص کو اپنی سلامتی کے بارے میں خدشہ پیدا ہوا اور نہ ہی کسی رئیس کو اپنے مسلمہ اختیارات کے چھن جانے کا ایسا اندیشہ لاحق ہوا جو قدیم یونان کے کسی شہر یا اسی طرز کی کسی دوسری منظم جماعت میں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس طرح رسول کریمؐ اپنی امت پر ایسے ہی دنیاوی اختیارات رکھتے تھے جیسا کوئی دوسرا خود مختار سردار! فرق صرف اتنا تھا کہ اہل اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاں دین کے رشتے نے خاندانی اور نسلی تعلقات کی جگہ لے لی۔

چنانچہ اسلام کم از کم نظریاتی اعتبار سے ایک مربوط سیاسی اور مذہبی نظام بن گیا اور اس کی یہ نوعیت اور خصوصیت ہمیشہ قائم رہی ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ خواہش تھی کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جائے اور آپؐ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن آپؐ نے اس کے ساتھ ہی ایک سیاسی نظام بھی قائم کیا جو مکمل طور پر جدید اور مخصوص کردار کا حامل تھا۔ شروع میں آپؐ کی صرف یہ خواہش تھی کہ آپؐ کے اہل وطن خدائے واحد یعنی اللہ پر ایمان لے آئیں البتہ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے شہر میں رائج قدیم نظام حکومت کو الٹ دیا اور قبائلی اشرافیہ کے بجائے، جس میں ممتاز خاندان کے سردار حکومت کا انتظام چلاتے تھے، ایک ایسی حکومت الٰہیہ قائم کی جس میں خلیفتہ اللہ علی الارض کی حیثیت سے امور مملکت کی باگ ڈور آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔

آنحضرتؐ کی رحلت سے پہلے تقریباً پورا ملک عرب آپؐ کی اطاعت قبول کر چکا تھا۔ وہ عرب جس نے اس سے پہلے کبھی ایک بادشاہ کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا تھا، اب اس میں اچانک ایک سیاسی اتحاد پیدا ہو گیا اور اس نے ایک خود مختار حکمران کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مختلف قسم کے سینکڑوں چھوٹے بڑے قبیلوں سے، جو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قوم تیار کر لی۔ ایک مشترک سربراہ کی قیادت میں ایک مشترک دین کے نظریے نے عرب کے مختلف قبائل کو ایک ایسے سیاسی نظام میں منسلک کر دیا جس نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اپنے مخصوص اوصاف پیدا کر لیے۔ یہ نتیجہ صرف ایک ہی زبردست اصول کے ذریعے پیدا ہو سکتا تھا اور وہ مشترک عربوں میں قومی زندگی کا اصول تھا۔ اس طرح عرب کی سرزمین پر پہلی مرتبہ عربوں کے قبائلی نظام کو، جسے کوکلیتاً توڑا نہ جا سکا، دینی اتحاد کے جذبے کے تابع کر دیا گیا۔ اس عظیم الشان کام میں بے نظیر کامیابی حاصل ہوئی اور جب رسالت مآب کا وصال ہوا تو عرب کے ایک بڑے حصے میں ایسا خدائی امن قائم ہو چکا تھا جس سے لوٹ مار اور انتقام لینے کے دلدادہ عرب قبائل قطعاً ناآشنا تھے۔ یہ دین اسلام ہی تھا جس نے ان قبائل کے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کر دیا تھا۔ (فان کریمر (۳) صفحات ۳۰۹، ۳۱۰)۔

جب کوئی مسلمان انتقال کر جاتا تو قرابتداروں کے حقوق نظر انداز کر دیے جاتے اور مرحوم ساتھی کا دینی بھائی متوفی کی پوری جائیداد کا وارث بن جاتا۔ لیکن جنگ بدر کے بعد، جب مسلمانوں کو متحد رکھنے کے لیے اس قسم کے مواخات کی ضرورت باقی نہ رہی تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اس قسم کا انتظام صرف اسی وقت ضروری تھا جب مسلمانوں کی تعداد مختصر تھی اور اسلام کی اجتماعی زندگی ایک انوکھی بات تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ورود مدینہ پر ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ مسلمانوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہونے لگا اور اس قسم کا سماجی نظام نا قابل عمل ہو گیا۔

یہ بات متوقع تھی کہ ایک جارح شہر میں رہائش اختیار کرنے والے مکہ کے مہاجرین پر مشتمل خود مختار جماعت کے فروغ کے نتیجے میں آخر کار لڑائیاں برپا ہو جائیں گی۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ سیرت کی تمام کتابیں ان لڑائیوں اور خوں ریز جنگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہیں جو مدینے کے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان ہوئیں۔ آخر آپؐ ۶۳۰ عیسوی (۸ ہجری) میں ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ان ہی کتابوں میں بہت سے دیگر قبائل کے ساتھ جارحانہ تعلقات کا بھی ذکر آیا ہے اور یہ سلسلہ ۶۳۲ عیسوی میں آپؐ کی رحلت تک جاری رہا۔

غزوات نبوی کا بیان اس کتاب کے دائرے سے باہر ہے لیکن یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ آنحضرتؐ جب مسلح پیروکاروں کے ایک گروہ کے سربراہ بن گئے تو آپؐ نے ہم میں سے بعضوں کے یقین کے برعکس دفعتاً ایک پرامن واعظ کے منصب کو چھوڑ کر نہ تو ایک متعصب مذہبی جنونی کا قالب اختیار کیا اور نہ ہی طاقت رکھنے کے باوجود دوسرے لوگوں کو بزور شمشیر تبدیلی مذہب کے لیے مجبور کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ولیم میور نے بھی بنو قریظہ کے قتل عام (۶ ہجری) کے تذکرے میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جن اسباب کی بنا پر جو طرز عمل اختیار کیا، وہ خالصتاً سیاسی تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے اس وقت تک لوگوں کو جبراً اسلام قبول کرنے یا دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونے والوں کو سزا دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔'' (میور (۲) جلد ۳ صفحہ ۲۸۲)۔

یورپی مصنفوں نے اکثر یہی لکھا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدینے کی طرف ہجرت کی تاریخ اور وہاں آپؐ کے حالات زندگی تبدیل ہونے کے بعد آپؐ بالکل نئے انداز میں ظاہر ہوئے۔ اب آپؐ وہ واعظ اسلام نہیں تھے جن کا کام پیغمبر خداؐ کی حیثیت سے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور انہیں اسلام کی حقانیت کا قائل کرنا تھا۔ بلکہ (نعوذ باللہ۔ مترجم) اب وہ ایک متعصب شخصیت ثابت ہوئے اور اپنی قوت اور تدبیر کے تمام ممکنہ وسائل کو کسی پس و پیش کے بغیر اپنی ذات اور رائے کو منوانے کے لیے استعمال کرنے لگے۔

لیکن یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینے میں آکر داعی اسلام کے منصب کو خیر باد کہہ دیا تھا یا یہ کہ جب ایک بڑا لشکر آپؐ کی سرکردگی میں جمع ہو گیا تو آپؐ نے منکرین کو اسلام کی طرف بلانا چھوڑ دیا تھا۔ محمد ابن سعد نے اپنی کتاب ''الطبقات'' میں کئی ایسے مکتوب درج کیے ہیں جو پیغمبر اسلامؐ نے مدینے سے مختلف قبائل عرب کے سرداروں اور دوسرے لوگوں کو بھیجے تھے۔ یہ خط ان مکاتیب کے علاوہ ہیں جو آپؐ نے عرب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حدود سے باہر غیر ملکی حکمرانوں کے نام روانہ کیے تھے اور جن میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اگلے صفحات میں آپ کو ایسی کئی مثالیں ملیں گی کہ آنحضرتؐ نے ایسے کئی قبیلوں کے پاس مبلغین کو بھیجا جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ بعض اوقات یہ کوششیں ناکام بھی ہوئیں لیکن اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ یہ کوششیں خالص تبلیغی تھیں اور یہ کہ دعوت اسلام میں کسی طرح کا جبر اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس قسم کی ناکام کوششوں کی ایک مثال وہ تبلیغی مشن ہے جو آپؐ نے چار ہجری میں دعوت اسلام کے سلسلے میں بنو عامر بن صعصعہ کی طرف بھیجا تھا۔ اس قبیلے کا سردار ابو براء عامر مدینے میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے حضورؐ کی تعلیمات کو سنا لیکن اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اسے نئے دین کی طرف قدرے رغبت ہوئی اور اس نے رسول خداؐ سے درخواست کی کہ چند مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کے لیے نجد بھیجا جائے۔ آنحضرتؐ نے اس مقصد کے لیے چالیس مسلمانوں کی ایک جماعت کو بھیج دیا۔ ان میں اکثر مدینے کے نوجوان تھے جو قرآن کی تلاوت کے ماہر تھے اور مطالعے اور عبادت کے لیے اکثر اوقات رات کو جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس پروانہ، راہداری کے باوجود، جو ابو براء عامر نے ان کی سلامتی اور امان کے لیے دیا تھا، ان کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا اور ان میں سے صرف تین آدمی بھاگ کر اپنی جانیں بچا سکے۔ (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہ، صفحہ ۶۴۸)۔

بہرحال جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں تو مختلف قبیلوں کے افراد، خاص طور پر ان قبیلوں کے لوگ جو مدینے کے قرب و جوار میں رہتے تھے، روز بروز اسلام کی طرف کھنچتے چلے آئے اور ان کی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ کے پیروکاروں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اور ''آنحضرتؐ ان مختلف قبیلوں کے وفدوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے، ان کی شکایتوں پر فوری توجہ دیتے اور دانائی اور حکمت کے ساتھ ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے میں سبقت کرتے، آپؐ انہیں انعام کے طور پر زمینیں عطا کرتے۔ ان باتوں سے آپؐ ہر دلعزیز ہو گئے اور ایک عظیم اور فیاض شہنشاہ کی حیثیت سے جزیرہ نما عرب میں آپ کی شہرت پھیل گئی۔'' (میور (۲) جلد ۴، صفحات ۱۰۷، ۱۰۸۔ نیز ملاحظہ کیجئے کیتانی جلد اول صفحہ ۶۶۳)۔

''اگرچہ رسول کریمؐ کا وعظ نہایت دل نشین تھا اور خود اسلام کی تعلیمات بھی بہت اچھی تھیں لیکن مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا، اس میں اسلامی فتوحات کا بڑا دخل تھا۔ قبائل عرب کے ساتھ تعلقات میں آنحضرتؐ نے جس حسن سلوک، رواداری اور مصلحت اندیشی کا ثبوت دیا، اس سے بھی اسلام کی تیز رفتار اشاعت میں بڑی مدد ملی۔''

بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ کسی قبیلے کا ایک آدمی مدینے میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہ اسلام ہوا اور پھر داعی اسلام بن کر اپنے وطن کو لوٹا تا کہ اپنے بھائیوں کو بھی اسلام کا حلقہ بگوش بنائے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ سن پانچ ہجری میں پیش آیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

بنوسعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر نبی کریمؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے مسجد نبویؐ کے دروازے پر پہنچ کر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کی اگلی ٹانگ کو باندھ دیا۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا جہاں رسول اکرمؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس نے قریب جا کر پوچھا: ''آپ میں سے عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟'' ''ابن عبدالمطلب میں ہوں!'' حضورؐ نے جواب دیا۔ ''کیا آپؐ ہی محمد ہیں؟'' ''ہاں!'' آپؐ نے جواب دیا۔ ''اگر آپ برا نہ منائیں تو میں آپؐ سے چند اہم سوال پوچھوں؟'' ''نہیں، جو دل میں آئے پوچھو!'' پیغمبر خداؐ نے جواب دیا۔ ''میں آپؐ کو قسم دیتا ہوں اللہ کی جو آپ کا خدا ہے اور ان لوگوں کا خدا ہے جو آپؐ سے پہلے گزرے ہیں اور آپؐ کے بعد آنے والے ہیں، کیا واقعی اللہ نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر ہماری طرف بھیجا ہے؟'' رسول خداؐ نے جواب دیا: ''ہاں قسم ہے اللہ کی۔'' پھر وہ شخص بولا: ''میں آپؐ کو قسم دیتا ہوں اللہ کی جو آپ کا خدا ہے اور ان لوگوں کا خدا ہے جو آپؐ سے پہلے گزرے ہیں اور آپؐ کے بعد آنے والے ہیں، کیا واقعی اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اسی کو پوجیں اور کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں؟ اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے؟'' آں حضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں قسم ہے اللہ کی۔'' پھر اس شخص نے حضورؐ سے تمام فرائض اسلام، نماز، روزوں اور حج وغیرہ کے متعلق کیے بعد دیگرے کئی سوال کیے اور پہلے کی طرح ہر بار رسول خداؐ کو قسم دلائی۔ آخر میں اس نے کہا: ''میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ میں ان تمام احکام کی پیروی کروں گا اور آپؐ نے جن باتوں سے روکا ہے، ان سے پرہیز کروں گا اور ان میں ذرہ بھی کمی بیشی نہیں کروں گا۔'' پھر وہ واپس مڑ گیا، اپنا اونٹ کھولا اور اپنے قبیلے میں واپس چلا گیا۔ جب اس کے قبیلے کے لوگ جمع ہو گئے تو اس نے سب سے پہلے جو الفاظ کہے، وہ یہ تھے: ''لات اور عزیٰ بیکار چیزیں ہیں۔'' اس پر اہل قبیلہ پکار اٹھے: ''اے ضمام! اپنی زبان کو روکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم برص، جذام یا جنون میں مبتلا ہو جاؤ۔'' ''تم پر خدا کا غضب ہو!'' ضمام نے جواب دیا: ''بخدا وہ نہ تو ہمیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان کیونکہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس کے ذریعے اس نے تم کو گمراہی سے نجات دلائی ہے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں آپؐ کے پاس اللہ کے اوامر و نواہی لایا ہوں۔'' جناب ضمامؓ کی ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے قبیلے کا کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ (محمد ابن اسحاق،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیرت رسول اللہؐ صفحات ۹۴۳، ۹۴۴۔ یہ قصہ مشکوک روایت پر مبنی ہے۔ دیکھیے کیتانی جلد اول صفحہ ۶۱۰)۔

اسی قسم کا ایک اور داعی اسلام عمرو بن مُرہ تھا جس کا تعلق مدینے اور بحر احمر کے درمیان علاقے میں رہنے والے قبیلے بنو جہینہ سے تھا۔ انہوں نے سن پانچ ہجری میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"ہمارے ہاں ایک بت تھا جس کی ہم پوجا کرتے تھے اور میں اس کا محافظ تھا۔ جب میں نے رسول خداؐ کے بارے میں سنا تو میں نے اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس مدینہ چلا گیا۔ وہاں میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور آپؐ حلال وحرام کے متعلق جو احکام لائے تھے، ان پر ایمان لے آیا۔ اس موقعے پر میں نے یہ اشعار کہے تھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سچا ہے اور میں پتھر کے بتوں کو ترک کرنے میں سبقت کرنے والا ہوں۔ میں نے ترک وطن پر کمر باندھی اور راستے کے نشیب وفراز کو طے کیا تاکہ اس ذات گرامیؐ سے جا ملوں جو اپنی ذات اور خاندان کے لحاظ سے سب لوگوں سے افضل ہے اور اس خدا کا پیغمبر ہے جس کا تخت بادلوں کے اوپر ہے۔'' نبی کریمؐ نے عمرؓ و کو اسلام کی تبلیغ کے لیے ان کے قبیلے کی طرف روانہ کیا اور انہیں اپنے مقصد میں اس قدر شاندار کامیابی حاصل ہوئی کہ ماسوائے ایک شخص کے، قبیلے کے سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (طبقات ابن سعد (الیس) ۱۱۸)۔

صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد جب اہل مکہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تو مکہ کے بہت سے لوگ، جن کو عہد رسالت کے شروع میں رسول خداؐ کی تعلیمات کو سننے کا موقع ملا تھا اور جن میں سے کئی لوگ بے پناہ اثر ورسوخ رکھتے تھے، مدینے آ کر مسلمان ہو گئے۔

اہل مکہ کے ساتھ جنگ وجدل کا سلسلہ مسلسل جاری رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو قبیلے مکہ کے جنوب میں رہتے تھے، وہ اب تک اسلام سے ناآشنا اور نئے دین کے حلقہ اثر سے مکمل طور پر باہر رہے۔ لیکن صلح حدیبیہ کی بدولت جنوبی عرب کے ساتھ آمد ورفت ممکن ہو گئی چنانچہ یمن کی شمالی سرحد کے پہاڑی علاقے سے بنو دوس قبیلے کی ایک مختصر جماعت آنحضرتؐ سے ملاقات کے لیے مدینے آئی۔ نبی کریمؐ کی بعثت سے پہلے بھی اس قبیلے کے چند ایسے اشخاص تھے جنہوں نے ایک ایسے مذہب کی جھلک دیکھی تھی جو اس زمانے کی مروجہ بت پرستی سے بالاتر تھا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ کائنات کا ضرور کوئی خالق ہے البتہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ خالق کون ہے؟ جب رسول کریمؐ کا اس خالق کے پیغمبر کی حیثیت سے ظہور ہوا تو اس قبیلے کا ایک شخص، جس کا نام طفیل بن عمرو تھا، آنحضرتؐ سے یہ دریافت کرنے مکہ آیا کہ اس کائنات کا بنانے والا کون ہے؟۔

ہر چند کہ قریش مکہ نے طُفیل کو اس بات سے خبردار کر دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گفتگو کا اثر بہت خطرناک ہے، اس کے باوجود ایک دن جب آنحضرتؐ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کے بعد لوٹے تو طفیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کے پیچھے پیچھے آپؐ کے مکان پر پہنچ گئے۔ حضورؐ نے طفیلؓ کو اسلام کے احکام بتائے اور طفیلؓ نئے دین کے جوش و خروش کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوگئے۔ جب وہ واپس گھر پہنچے تو صرف اپنے باپ اور اپنی بیوی کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوئے اور قبیلے کے دوسرے لوگ بت پرستی کا آبائی مذہب چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے دل شکستہ ہو کر وہ دوبارہ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بنو دوس کے حق میں بددعا کیجیے۔ لیکن رحمت اللعالمینؐ نے ان کی ہمت بڑھائی اور انہیں جدوجہد جاری رکھنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا ''اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ اور ان کو دین اسلام کی طرف بلاؤ مگر ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو''۔ اس کے ساتھ ہی نبی کریمؐ نے دعا کی اور فرمایا: ''خدایا! بنو دوس کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر''۔ طفیلؓ کو اپنی تبلیغ میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ ساتویں ہجری میں جب وہ مدینے میں آئے تو ان کے قبیلے کے ستر اسی خاندان ان کے ہمراہ تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ آں حضرتؐ جب فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے تو طفیلؓ نے لکڑی کے اس ٹکڑے کو آگ لگا دی جس کو ان کے قبیلے کے لوگ بت کے طور پر پوجتے آئے تھے۔ (محمد ابن اسحاق: سیرت رسول اللہؐ صفحات ۲۵۲ تا ۲۵۴)۔

ساتویں ہجری میں مزید پندرہ قبیلوں نے رسول خداؐ کی اطاعت قبول کر لی اور سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد جب اسلام کا غلبہ یقینی ہوگیا اور عرب کے وہ قبائل جو یہ کہہ کر اب تک الگ تھلگ رہے تھے: ''محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور آپؐ کے قبیلے کو آپس میں لڑنے دو۔ اگر آپؐ فتح یاب ہوئے تو بیشک وہی سچے ہیں۔'' اب یہ قبیلے بھی تیزی کے ساتھ نئے دین میں داخل ہوگئے۔ (کیتانی جلد دوم صفحہ ۲۴۱)۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے ابتدائے اسلام میں حضورؐ کو سخت اذیتیں پہنچائی تھیں۔ لیکن آپؐ نے نہایت تحمل، بردباری اور عفو سے کام لے کر ان کو معاف کر دیا اور انہیں اسلامی برادری میں مناسب مقام دیا۔ اس سے اگلے برس حضرت عروہؓ بن مسعود کی شہادت کا واقعہ پیش آیا جو طائف شہر کے سرداروں میں سے تھے۔ جب مسلمانوں نے شہر طائف کا محاصرہ کیا، اس وقت وہ یمن کی طرف گئے ہوئے تھے۔ طائف کا محاصرہ اٹھنے کے تھوڑی دیر بعد وہ سفر سے واپس آگئے۔ دو سال پہلے وہ حدیبیہ کے مقام پر سرور عالمؐ سے ملاقات کر چکے تھے اور حضورؐ کی عظمت کا نقش ان کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ اب انہوں نے مدینے میں آ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کے سینے میں اسلام کا ایسا جوش موجزن ہوا کہ انہوں نے واپس طائف جانے کا قصد کر لیا تاکہ اہل وطن کو بھی دولت اسلام سے مالا مال کریں۔ حضورؐ نے انہیں اس خطرناک مہم سے روکنا چاہا مگر عروہؓ واپس طائف چلے گئے جہاں انہوں نے برسرعام اعلان کیا کہ انہوں نے بت پرستی ترک کر دی ہے۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ بھی ان کی پیروی کر کے مسلمان ہو جائیں۔ جس وقت وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی تلقین کر رہے تھے، ایک تیر آ کے انہیں لگا جس نے کاری زخم پہنچایا۔ مرتے وقت انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کو شہادت کا رتبہ بخشا ہے۔ غالباً ایک برس کے بعد رسول کریمؐ کے ایک اور صحابیؓ نے یمن میں تبلیغ اسلام کی جدوجہد کی جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس واقعے کی تفصیل یوں ہے کہ سرور عالمؐ نے الحارث اور مسروح اور حمیر کے نعیم بن عبد کلال کو اس مضمون کا خط لکھا: ''تم پر سلامتی ہو جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور عیسیٰؑ کو اپنے کلمات کے ساتھ پیدا کیا۔ یہود کہتے ہیں: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں اللہ تین میں سے ایک ہے اور عیسیٰؑ خدا کا بیٹا ہے۔'' رسول اللہؐ نے یہ گرامی نامہ عیاش بن ابی المخزومی کے ہاتھ بھیجا اور ان سے فرمایا ''جب تم ان کے شہر میں پہنچو تو رات کے وقت شہر میں ہرگز داخل نہ ہونا بلکہ صبح تک انتظار کرنا۔ اس کے بعد نہایت احتیاط کے ساتھ وضو کر کے دو رکعت پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو، دوستانہ انداز میں تمہارا خیر مقدم ہو اور تم نقصان سے محفوظ رہو۔ پھر میرا خط اپنے دائیں ہاتھ میں لینا اور اسے اپنے داہنے ہاتھ سے ان لوگوں کے دائیں ہاتھ میں دینا اور وہ اس کو قبول کر لیں گے۔ پھر ان کے سامنے ان آیات کی تلاوت کرنا: ''اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے، باز رہنے والے نہ تھے (وہ دلیل یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھے جن میں صحیح اور درست احکام ہوں۔ اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی (اختلاف میں پڑھ کر) متفرق ہو گئے۔ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیمؑ حنیف کے دین پر، اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین سب دوزخ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ ہے اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ (سورہ البینہ۔ آیات ۱ تا ۸) جب تم ان آیات کی تلاوت کر چکو تو ان لوگوں سے کہنا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر ایمان لے آئے ہیں اور میں ان پر ایمان لانے والا پہلا شخص ہوں۔'' اور جو اعتراض وہ تم پر کریں گے، تم اس کا جواب دے سکو گے، اور جو بھی چمکیلی کتاب وہ تمہارے سامنے پڑھیں گے، اس کی چمک جاتی رہے گی۔ اور جب وہ غیر زبان میں بولیں تو ان سے کہنا: ''اس کا ترجمہ کرو۔'' اور ان سے کہنا: ''اللہ میرے لیے کافی ہے۔'' میں اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے کام ہمارے لیے اور تمہارے کام تمہارے لیے۔ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ خدا ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور ہم سب کو اس کے پاس جانا ہے۔'' اب اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان سے ان کی تین لکڑیوں کے بارے میں پوچھنا جن کے سامنے وہ سجدہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک لکڑی تو اثل یعنی جھاؤ کی ہے جس پر سفید اور زرد داغ ہیں۔ دوسری لکڑی میں بید کی طرح گانٹھیں ہیں اور تیسری آبنوس کی مانند سیاہ ہے۔ ان لکڑیوں کو باہر نکالنا اور انہیں بازار میں جلا دینا۔'' عیاشؓ کا بیان ہے:''چنانچہ میں نبی کریمؐ کے فرمان کی تعمیل کے لیے روانہ ہوگیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ لباس فاخرہ پہنے ایک جشن منا رہے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے میں جب آگے بڑھا تو دیکھا کہ تین دروازوں پر تین بڑے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پردہ اٹھایا اور درمیانی دروازے سے داخل ہو گیا اور دیکھا کہ لوگ ایک عمارت کے صحن میں جمع ہیں۔ میں نے ان سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں رسول خدا کا فرستادہ ہوں۔ اور میں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ انہوں نے میری بات قبول کی اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔'' (طبقات ابن سعد، جلد دوم، صفحہ ۵۶)۔

سن نو ہجری میں بنو عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ بنو کلاب کا ایک وفد، جو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کا ایک صحابی ضحاکؓ بن سفیان ہمارے ہاں آیا تھا، اس نے ہمیں قرآن اور اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا اور اس کی تبلیغ کے نتیجے میں ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۸۵)۔ اسی قبیلے کی ایک اور شاخ بنو رؤاس بن کلاب اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص عمروؓ بن مالک کی کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ عمروؓ مدینے جا کر مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر وہ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے اور ان کی ترغیب سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۸۶)۔

اسی سال ایک نو مسلم واصلہؓ بن الاسقع نے اپنے قبیلے والوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے وہ خود ہادی برحقؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے والد نے انہیں حقارت کے ساتھ جھڑکتے ہوئے کہا:'' خدا کی قسم! اب میں تمہارے ساتھ ایک لفظ تک نہیں بولوں گا۔'' ماسوائے ان کی بہن کے، جس نے انہیں نبی کریمؐ کی خدمت میں واپس مدینے جانے کے لیے زادِ راہ دیا، پورے قبیلے کا ایک بھی شخص مسلمان نہ ہوا۔ (طبقات ابن سعد، جلد دوم۔ صفحہ ۹۱)۔ سن نو ہجری کو ''عام الوفود'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس سال عرب کے بہت سے قبیلوں اور شہروں نے اظہار اطاعت کے لیے اپنے وفود کو پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں مدینے بھیجا تھا۔ عرب معاشرے کا قدیم نظام خونی رشتے کی بنیاد پر استوار تھا لیکن اب اخوت اسلامی سے اہل عرب میں سماجی اتحاد کا ایک نیا اصول جاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا جس نے قبائلی عصبیت کے جذبے کو کمزور کر دیا۔ جب کوئی شخص اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام کی نئی برادری میں شامل ہوتا تو اس سے عربوں کی معاشرت کا ایک بنیادی قاعدہ ٹوٹ جاتا۔ چونکہ اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آئے، اس لیے قبائلی نظام ڈھیلا پڑ گیا اور اہل اسلام کی اس قومی زندگی کے سامنے اس کی گرفت کمزور ہو گئی جس میں نہ صرف مذہبی جوش وخروش بلکہ قومی اتفاق اور اتحاد کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ چنانچہ عرب قبائل نہ صرف اس وجہ سے رسول کریمؐ کی اطاعت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے کہ آپؐ بلادِ عرب کی سب سے بڑی فوجی طاقت کے سربراہ تھے بلکہ وہ اس خیال سے بھی مسلمان ہو گئے کہ آپؐ سماجی زندگی کے ایک ایسے نظریے کے معلم تھے جس نے قبائلی اتحاد کے دوسرے تمام رشتوں کو غیر موثر اور کمزور کر دیا تھا۔ (سپرینگر۔ جلد سوم۔ صفحات ۳۶۰، ۳۶۱)۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے زمانے کی معاشرتی بدنظمی کے مقابلے میں قومی اتحاد اور وحدت کا ایسا جذبہ اور باہمی حقوق وفرائض کا ایسا احساس اور شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جس سے عرب قوم ناآشنا تھی۔ (کیتانی جلد دوم۔ صفحہ ۴۳۳)۔ اس طرح اسلام نے ان تمام عرب قبیلوں کو رشتہ اتحاد میں منسلک کر دیا جو اس سے پہلے ایک دوسرے سے دست بگریبان چلے آرہے تھے۔ اس عظیم کنفیڈریشن کا دائرہ کار جوں جوں وسیع ہوتا گیا، عرب کے کمزور قبیلے اس میں شامل ہوتے گئے۔ قبائل عرب کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں رسول خداؐ کے اس وعدے کا بار بار ذکر آتا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جائے گی۔ ''افسوس! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رحلت فرما گئے۔'' سرکار دوعالمؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کی خبر سن کر عرب قبیلے کا ایک شخص چلّا اٹھا: ''جب تک آپؐ زندہ تھے، میں اپنے دشمنوں سے مامون اور محفوظ تھا۔'' اور اس فریاد کی گونج یقیناً پورے دیار عرب میں سنی گئی ہوگی!

کئی عرب قبائل کی اسلام کے ساتھ وابستگی سرسری اور سطحی تھی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد وہ اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حالات میں ان کا قبول اسلام مذہبی جوش یا روحانی بیداری کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ سیاسی مقاصد یا جبر وتعدی کے دباؤ سے مسلمان ہوئے تھے اور اس رو میں بہہ نکلے تھے جس نے اب ایک عظیم الشان قومی تحریک کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد اپنا نفع نقصان سوچ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، ان میں دین کا وہ جوش اور ولولہ نظر نہیں آتا جو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے سچے مومنوں کی تعداد میں اضافہ کیا، جن کے سینوں میں دین کی حقیقی تڑپ موجود تھی اور وہ دعوت اسلام اور اپنے بھائیوں کی تعلیم وتلقین میں اپنی جانیں دینے کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔

''یہی وہ لوگ تھے جو رسول اللہؐ کے حقیقی وارث اور آپؐ کی تعلیمات کے سچے امین تھے۔ آئندہ چل کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اسلام کے داعی بننے والے تھے۔پیغمبر اسلامؐ کی شب و روز کی صحبت اور آپؐ کے ساتھ بے پناہ محبت اور عقیدت کے باعث ان میں ایک نیا انداز فکر اور ایک نیا شعور پیدا ہو چکا تھا۔صحابہ کرامؓ اس قدر نرم خو، مہذب اور ارفع درجات کے حامل تھے کہ چشم فلک نے اس سے پہلے ایسے لوگ نہیں دیکھے تھے۔اب ان کی حالت ہر لحاظ سے بہتر ہو گئی اور بعد کے زمانے میں انہوں نے سیاست دانوں اور سپہ سالاروں کی حیثیت سے مختلف معرکوں اور جنگوں میں بہترین تدبر اور دانش و حکمت کا مظاہرہ کیا جو اس بات کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ حضورؐ کے نظریات اور تعلیمات کی تخم ریزی نہایت عمدہ اور نفع بخش زمین میں ہوئی تھی جس سے ایسے آدمیوں کی جماعت تیار ہوئی جو اعلیٰ ترین اوصاف کی مالک تھی۔قرآن پاک ان کو ازبر یاد اور ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے سرور کونینؐ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حکم کی نہایت احتیاط کے ساتھ حفاظت کی۔واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اخلاقی میراث کے پاسبان اور امین تھے۔یہ لوگ اس شجر اسلام کی بیخ و بن ثابت ہوئے جس کے برگ و بار سے آنے والے برسوں میں محدثین، فقہا اور علما کی پہلی مقدس جماعت عالمِ وجود میں آنے والی تھی۔" (کیتانی جلد دوم صفحہ ۴۲۹)۔

صحابہ کرامؓ جیسے مخلص اور صاحب اوصاف اشخاص کے بغیر اسلام کی وسیع تحریک کبھی متحد نہیں رہ سکتی تھی، خاص طور پر دین اسلام کے بانی کی رحلت سے پہنچنے والے صدمے کو وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسلام نے عرب کے بت پرست ملک میں ایک بالکل نئی تحریک چلائی تھی اور اسلام اور جاہلیت دونوں معاشروں کے عقاید اور خیالات ایک دوسرے سے متضاد اور متناقض تھے۔(پروفیسر گولڈزیہر کی عالمانہ تصنیف حیات محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پہلی جلد میں اس نکتے کو نہایت تفصیل اور خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔کسی دوسری کتاب میں اسلام کے اس پہلو کی اس قدر صراحت نہیں کی گئی۔یہ تفصیلات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں)۔عرب معاشرے میں اسلام کی اشاعت کا صرف یہ مطلب نہ تھا کہ چند وحشیانہ رسوم و عادات کو مٹا دیا جائے بلکہ اس کا نصب العین قدیم خیالات اور تصورات کو مکمل طور پر تبدیل کرنا تھا۔

اوپر بیان کیے گئے واقعات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لایا ہوا دین اور آپؐ کی تعلیمات تبلیغی نوعیت کی ہیں جن کے ذریعے عقاید اور عمل کی نئی راہیں وا کی گئی ہیں۔ممکن ہے کہ اس زمانے کے حالات ایک نئی سیاسی جماعت کی تشکیل کے لیے سازگار ہوں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانے کا معاشرہ حضورؐ کی دینی تعلیمات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس عہد کے لوگ صرف یہ انتظار کر رہے تھے کہ کوئی شخص آئے اور ان کی دلی آرزوؤں کو الفاظ کا جامہ پہنائے۔۔۔وہ شوق انتظار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا جو عربوں میں ناپید تھا۔ کم سے کم وسطی عرب میں تو انتظار کا یہ جذبہ سرے سے موجود ہی نہ تھا جسے حضورؐ نے پہلے پہل اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا تھا۔ یہ لوگ ایک نئے معلم کا وعظ سننے کے لیے کسی صورت میں تیار نہیں تھے، خاص طور پر ایک ایسے شخص کا وعظ جو رسول اللہؐ کا لقب رکھتا تھا اور جس کی گفتگو ان کے فہم وادراک سے بالا تھی۔

اس کے علاوہ تمام مسلمانوں کی باہمی مساوات اور عام اخوت عرب اور عجم کی تفریق کو جائز روا نہیں رکھتی تھی اور اسی طرح ایک آزاد شخص اور غلام کے درمیان کوئی امتیاز نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا نظریہ تھا جس سے ان مغرور عربوں کی قبائلی عصبیت پر براہ راست زد پڑتی تھی کیونکہ ان کے نزدیک ذاتی عزت ان کے آباء واجداد کی شہرت پر موقوف تھی۔ اسی بنا پر وہ خوں ریز لڑائیوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتے تھے اور ان کی روح اسی میں مسرور رہتی۔ آنحضرتؐ کی تعلیمات کے بنیادی اصولوں سے عربوں کے ان عقاید اور خیالات پر فی الواقع کاری ضرب پڑتی تھی جو ان کو بہت عزیز تھے۔ لیکن اس کے برعکس ایک نومسلم کو یہ تلقین کی جاتی تھی کہ وہ ان باتوں کو اخلاق حسنہ اور اعلیٰ اوصاف تصور کرے جنہیں وہ اس سے پہلے نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا آیا تھا۔

ایام جاہلیت کے عربوں کے نزدیک دوستی اور دشمنی کی مثال اس قرض کی تھی جسے سود کے ساتھ ادا کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے میں فخر محسوس کرتے تھے اور جو شخص اس کے برعکس عمل کرتا، اسے کمزور اور حقیر تصور کیا جاتا تھا:

کامل مرد تو وہی ہے جو صبح وشام دوستوں کو نفع

اور دشمنوں کو نقصان پہنچانے کے متعلق سوچتا رہتا ہے

ایسے لوگوں کو رحمت اللعالمینؐ کی زبان مبارک سے یوں خطاب کیا گیا "برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو" (سورہ المومنون۔ آیت ۹۶)۔ "یعنی چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے اور بے شک اللہ بخشنے والا ہے۔" (سورہ النور۔ آیت ۲۲)۔ "اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (سورہ آل عمران۔ آیات ۱۳۳،۱۳۴)۔

رسول خداؐ نے جب شروع میں عربوں کو پیغام الٰہی سنایا تو انہوں نے نماز کا مذاق اڑایا۔ چنانچہ فرائض رسالت کی ادائیگی میں سب سے زیادہ دشوار کام جو آنحضرتؐ کو پیش آیا وہ یہ تھا کہ ان کے دلوں میں اپنے خالق کی تعظیم وتکریم کا جذبہ پیدا کریں اور اپنے پیدا کرنے والے کے بارے میں ان کے ذہنی رویے کو تبدیل کریں۔ یہ جذبہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب میں بھی موجود تھا لیکن عرب کے بت پرست لوگ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نا آشنا تھے۔ ہر لحاظ سے خود کفیل لیکن مذہبی جذبے سے تہی دست یہ لوگ قومی تفاخر کے احساس سے سرشار تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کی طبیعتوں میں رسول خداؐ کی تعلیمات پر کان دھرنے کا بہت کم میلان پایا جاتا تھا۔ وہ ایسے رسولؐ کی باتیں کیوں کر سن سکتے تھے جو یہ فرماتے تھے: ''اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' (سورہ الحجرات۔ آیت ۱۳)۔ ان کی آزادی پر اسلام جو پابندیاں عاید کرتا تھا، وہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ ایام جاہلیت کے عرب شراب، عورت اور موسیقی کے بے حد دلدادہ تھے اور رسول خداؐ نے اپنے سخت احکام جاری کر کے ان میں سے ہر ایک پر سخت پابندیاں لگا دی تھیں۔

غرض اسلام ابتدا ہی سے ایک تبلیغی دین رہا ہے جو دلوں کو مسخر کر کے لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا کر اسلامی برادری میں داخل کرتا ہے۔ اسلام کا جو مسلک شروع میں تھا، وہ آج تک اسی مسلک پر قائم ہے۔ آئندہ صفحات میں ناظرین کو اس حقیقت سے روشناس کرانا ہی ہمارا نصب العین ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

مغربی ایشیا کی عیسائی قوموں میں اسلام کی اشاعت

جس لشکر کو نبی کریمؐ نے شام کی مہم کے لیے مقرر فرمایا تھا، آپؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسے حدودِ شام کی طرف روانہ کر دیا۔ بلادِ عرب کی مضطرب اور مخدوش حالت کے پیش نظر بعض مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا لیکن خلیفۂ رسولؐ نے یہ کہہ کر ان لوگوں کو خاموش کر دیا: ''میں رسول کریمؐ کے کسی حکم کو واپس نہیں لوں گا۔ مدینہ چاہے درندوں کا شکار ہو جائے لشکرِ اسلام آنحضرتؐ کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرے گا۔'' یہ لشکر کشی ان حیرت انگیز عسکری مہموں کی پہلی کڑی تھی جس میں عربوں نے شام، فارس اور شمالی افریقا کو پامال کر دیا، ایران کی قدیم سلطنت کو تہ و بالا کر دیا اور رومیوں سے ان کی سلطنت کے کئی بہترین صوبے چھین لیے۔ ان عسکری مہموں کی تاریخ کو قلمبند کرنا اس کتاب کے دائرے سے باہر ہے مگر اس لحاظ سے کہ عرب فاتحین کے نقشِ قدم پر دینِ اسلام بھی پھیلتا چلا گیا، ان حالات اور کوائف کو دریافت کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کے وسیع امکانات پیدا ہو گئے۔

ایک عظیم مورخ (ڈولنگر صفحات ۵، ۶) نے اس مسئلے کو، جو اس وقت ہمیں درپیش ہے، بڑی خوبی کے ساتھ ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''کیا یہ خالص مذہبی جوش یعنی دین کا ولولہ تازہ تھا جو پہلی بار اپنی پاکیزگی میں ظاہر ہوا اور جس کی بدولت عربوں کو ہر معرکے میں فتح نصیب ہوئی اور انہوں نے ناقابل یقین مختصر مدت میں ایک ایسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت قائم کر دی جس کی مثال روئے زمین پر آج تک نہیں دیکھی گئی تھی؟'' لیکن ایسی کوئی شہادت موجود نہیں جس سے یہ صورت حال ثابت ہو سکے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت مختصر تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنہوں نے اپنی مرضی اور دلی یقین کے ساتھ رسول خداؐ اور آپؐ کی تعلیمات کو قبول کیا تھا۔ اس کے برعکس بیرونی دباؤ یا دنیوی فوائد کی امید میں مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہونے والے لوگ بہت زیادہ تھے۔ خالدؓ بن الولید نے، جو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے، نہایت خوبصورت پیرائے میں کہا تھا: ''اللہ نے ہمارے دلوں کو تسخیر کیا اور ہمیں بالوں سے پکڑ کر رسول اللہؐ کی پیروی کرنے پر مجبور کر دیا۔'' ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ ان کے اور بہت سے دوسرے قریش کے تبدیل مذہب میں طاقت اور ترغیب دونوں قسم کے محرکات شامل تھے۔ ایک مشترکہ قومیت کا احساس تفاخر بھی اس ضمن میں بہت موثر ثابت ہوا کیونکہ دوسری قوموں کے مقابلے میں اس زمانے کے عربوں میں برتری کا احساس غالباً زیادہ قوی تھا اور اسی وجہ سے ہزاروں لوگوں نے اپنے ہم قوم نبیؐ اور آپؐ کے دین کو بیرونی انبیا پر ترجیح دی۔ اس سے بھی زیادہ پرزور کشش اس خیال میں مضمر تھی کہ نئے دین کی خاطر لڑنے سے بھاری مال غنیمت ہاتھ آئے گا اور اپنے بے آب و گیاہ اور پتھریلے صحراؤں کے بجائے، جہاں انہیں ادنیٰ روزی میسر تھی، فارس، شام اور مصر کے زرخیز اور شاداب ممالک حاصل ہوں گے۔''

یہ عظیم الشان فتوحات، جن کی بدولت عرب سلطنت کی بنیادیں استوار ہوئیں، یقیناً اسلام کو پھیلانے کی غرض سے کیے جانے والے کسی جہاد کا ہرگز نتیجہ نہیں تھیں۔ لیکن ان فتوحات کے بعد عیسائیوں نے اس کثرت سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا کہ لوگوں نے بسا اوقات یہ سمجھا کہ ان فتوحات کی غرض و غایت اشاعت اسلام ہی تھی۔ چنانچہ عیسائی مورخوں نے تلوار کو اسلامی تبلیغ کا آلہ کار سمجھ لیا اور تبلیغ اسلام کی کامیابی سے اہل اسلام کی حقیقی اور خالص سرگرمی ماند پڑ گئی۔ عربوں کی جو فوجیں بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کی سرحدوں میں داخل ہوئیں، ان کے دلوں میں لوگوں کو مسلمان بنانے کا کوئی جذبہ موجود نہ تھا بلکہ اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب فوجوں کے دل و دماغ میں مذہبی خیالات اور احساسات کو بہت کم دخل تھا۔ (کیتانی ایس ایس اورینٹل، جلد اول، صفحہ ۳۶۵۔ میلانو ۱۹۱۱)۔ عرب فتوحات کی صحیح توجیہہ یہ ہے کہ بھوک اور افلاس نے ایک صاحب ہمت اور طاقتور قوم کو مجبور کر دیا کہ وہ لق و دق ریگستان کو چھوڑ کر اپنے خوش نصیب ہمسایوں کے زرخیز و شاداب ملکوں پر چڑھ دوڑے۔ (کیتانی نے تاریخ اسلام جلد دوم صفحات ۸۵۱، ۸۵۲ میں نہایت قابلیت کے ساتھ عربی فتوحات کی تعبیر و تشریح اس طرح کی ہے کہ یہ فتوحات دراصل سامی اقوام کی ہجرت کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں)۔ لیکن وہ چیز جس نے اسلامی تحریک میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کی، وہ مدینے کی حکومتِ الٰہیہ تھی جس کو رسول خداؐ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے قائم کیا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کے سینے نبی کریمؐ کی تعلیم و تلقین کے خزینے تھے اور جن کی حرارت دینی اور اخلاقی برتری نے باوجود ان عربوں کی بے پروائی کے، جن کی اسلام کے ساتھ وفاداری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائے نام تھی، اسلام کو ایک سرکاری مذہب کی حیثیت سے زندہ رکھا۔ (پرنس کیتانی اپنی تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۴۵۵ اور جلد پنجم صفحہ ۵۲۱ میں لکھتے ہیں: ''مدینے میں مسلمانوں کی ایک خاصی بڑی مرکزی جماعت بن گئی تھی۔ اس میں مختلف عناصر شامل تھے مگر ان میں اہل مدینہ کی تعداد غالب تھی۔ اس جماعت کے افراد نے اسلام کو پورے خلوص کے ساتھ قبول کیا تھا اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ اس نئے دین کی تعلیمات پر عمل کریں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اسی میں نیکوکاری اور خیر و برکت ہے)۔'' غرض دین اسلام جس تیزی سے دنیا میں پھیلا، اس کے اسباب ہمیں فاتح افواج کے تاریخی واقعات میں نہیں، مفتوحہ اقوام کے حالات و کوائف میں تلاش کرنے چاہئیں۔

قبائل عرب کی نقل و حرکت چونکہ قوی تھی، اس لیے حملہ آور فوجوں کا جن سرحدی علاقوں سے گزر ہوا، وہاں کے بہت سے عرب قبیلے بھی فطری طور پر ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔ لہٰذا یہ بات ہمارے لیے باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی بدوی بھی اس زبردست تحریک کی تند و تیز رو میں بہہ نکلے اور ان عرب قبیلوں نے، جو صدیوں سے عیسائی چلے آرہے تھے، اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرلیا۔ ان میں فلسطینی صحرا اور جنوبی شام میں آباد بنوغسان کا قبیلہ بھی شامل تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں کہا گیا تھا: ''وہ زمانہ جاہلیت میں سردار اور اسلامی دور میں دمکتے ہوئے ستارے تھے۔'' (مسعودی جلد چہارم صفحہ ۲۳۸)۔ قادسیہ کی جنگ (۱۴ ہجری) کے بعد، جس میں ایرانی لشکر نے رستم کی قیادت میں شکست فاش کھائی، دریائے فرات کے دونوں کناروں پر آباد بدوی قبائل سے تعلق رکھنے والے بہت سے عیسائی مسلمان سپہ سالار کے پاس آئے اور کہنے لگے ''جو قبیلے ہم سے پہلے اسلام لے آئے، وہ ہم سے زیادہ عقل مند تھے۔ اب جب کہ رستم مارا گیا ہے، ہم نیا دین قبول کرتے ہیں۔'' (میور، تاریخ خلافت، صفحات ۱۲۱، ۱۲۲)۔ اسی طرح شمالی شام کی فتح کے بعد بہت سے بدوی قبیلے کسی قدر تامل کے بعد رسول کریمؐ کے پیروکاروں میں شامل ہوگئے۔ (کیتانی جلد سوم صفحہ ۸۱۴)۔

تبدیلی مذہب کے معاملے میں جبر و تشدد کا ہرگز عمل دخل نہیں تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں اور عرب مسلمانوں کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ خود آں حضرتؐ نے کئی عیسائی قبیلوں کے ساتھ معاہدے کیے تھے جن کی رو سے آپؐ نے عیسائیوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اور اس بات کی ضمانت دی تھی کہ وہ اپنے مذہبی معاملات میں آزاد رہیں گے اور اہل کلیسا کے پرانے حقوق اور اختیارات بدستور قائم رہیں گے۔ (کیتانی جلد دوم صفحات ۲۶۰، ۲۶۹، ۳۵۱)۔ اسی قسم کی دوستی کا رشتہ پیغمبر اسلامؐ کے پیروکاروں اور قدیم مذاہب پر کاربند عربوں کے درمیان قائم تھا جس میں سے بہت سے لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے مسلمانوں کو ان کی فوجی مہموں میں مدد دی اور نئی حکومت کے ساتھ اس وفاداری کا ثبوت دیا جس طرح انہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے رسول خداؐ کی وفات کے فوراً بعد اس فتنہ ارتداد سے علیحدگی اختیار کی تھی جس میں مرتدوں نے پورے عرب میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ (کیتانی صفحات ۹۲۷، ۹۳۷ نیز جلد سوم صفحہ ۲۵۳)۔ باور کیا جاتا ہے کہ جب ہرقل نے بازنطینی سلطنت کی سرحدوں پر آباد عیسائی قبیلوں کو ان کی سرحدوں کی محافظت کا معاوضہ دینے سے انکار کر دیا تو ان عیسائیوں نے، جو ریگستانی سرحد کے محافظ تھے، اپنی قسمت کو حملہ آور مسلمان فوج کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا (کیتانی صفحات ۱۱۱۲ تا ۱۱۱۵)۔

۱۳ ہجری میں جنگ جسر (پل کا معرکہ) میں جب عرب سراسیمگی کے عالم میں دریائے فرات اور ایرانی لشکر کے درمیان گھر گئے اور قریب تھا کہ ان کی فوج تباہ ہو جاتی، اس وقت بنو طے کا ایک عیسائی سردار لپک کر آگے بڑھا اور ایک دوسرے عرب کے ساتھ مل کر امیر لشکر مثنیٰ کے دوش بدوش ایرانیوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا اور کشتیوں کے اس پل کی حفاظت میں سینہ سپر ہو گیا جس کے ذریعے عرب سپاہ منظم طریقے سے پسپا ہو سکتی تھی۔ اس داغ کو دھونے کے لیے جب تازہ دم فوج بھرتی کی گئی تو ہر سمت سے کمک کے لیے لوگ آنے لگے۔ ان میں بنو نمر کا وہ عیسائی قبیلہ بھی شامل تھا جو بازنطینی سلطنت کے حدود میں آباد تھا۔ چنانچہ جنگ بویب (۱۳ ہجری) میں اس آخری یلغار سے ذرا پہلے، جس سے میدان جنگ کا نقشہ عربوں کے حق میں بدل گیا، مثنیٰ گھوڑے پر سوار ہو کر عیسائی سردار کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''ہم اور تم ایک نسل سے ہیں، چلو میں حملہ کرتا ہوں، تم بھی میرے ساتھ حملہ کرو۔'' غرض ان دونوں کے طوفانی حملے سے ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی فتوحات کی شاندار فہرست میں ایک اور فتح کا اضافہ ہو گیا۔ اس معرکے میں جن لوگوں نے داد شجاعت دی، ان میں ایک اور صحرائی قبیلے کا ایک نوجوان بھی شامل تھا جو اپنے چند اسپ فروش ساتھیوں کے ہمراہ عین اس وقت میدان جنگ میں نمودار ہوا جب عرب فوج لڑائی کے لیے صفیں درست کر رہی تھی۔ ان لوگوں نے جنگ میں اپنے ہم قوم عربوں کا ساتھ دیا اور جب خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی تو یہ عیسائی نوجوان ایرانی لشکر کے قلب میں جا گھسا اور ان کے سپہ سالار کو قتل کر کے اس کے آراستہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا فاتحانہ انداز میں مسلمانوں کی صفوں میں واپس آیا۔ ''میں بنو تغلب میں سے ہوں، میں وہ ہوں جس نے عجمی سپہ سالار کو قتل کر دیا ہے۔'' (میور۔ خلافت صفحات ۹۰ تا ۹۴)۔

یہ نوجوان جس قبیلے کے انتساب پر فخر کرتا تھا، وہ ان قبائل میں سے تھا جنہوں نے عیسائی مذہب پر قائم رہنا پسند کیا تھا جب کہ عراق کے دوسرے قبیلے مثلاً بنو نمر اور بنو قضاعہ مسلمان ہو گئے تھے۔ بنو تغلب نے ۹ ہجری میں رسول خداؐ کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی تھی۔ اس سفارت کے مشرک افراد نے تو اسلام قبول کر لیا لیکن باقی ماندہ عیسائیوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے وہ لوگ اپنے قدیم مذہب پر قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنے کے مجاز تھے البتہ وہ اپنے بچوں کو عیسائی بنانے کے لیے بپتسمہ نہیں دے سکتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ عام طور پر عیسائی عربوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتے تھے اور یہ شرط آپؐ کے طرز عمل کے قطعی منافی ہے کیونکہ عیسائیوں کو یہ اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کریں مگر انہیں تبدیلی مذہب کے لیے مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بنوتغلب کے عیسائی خاندانوں نے یہ شرط معاشی عزائم کے تحت خود تجویز کی ہوگی۔ (کیتانی جلد دوم، صفحہ ۲۹۹ نیز ڈیل ہاؤسن جلد چہارم صفحہ ۱۵۶)۔ چونکہ ایک مدت دراز تک اس قبیلے میں عیسائی مذہب زندہ رہا اس لیے ظاہر ہے کہ اس شرط پر عمل درآمد نہیں ہوا تھا۔ جب یہ قبیلہ تبدیلی مذہب پر راضی نہ ہوا تو خلیفہ عمرؓ نے ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کی ممانعت کردی اور حکم دیا کہ انہیں مذہبی امور میں بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے لیکن اگر قبیلے کا کوئی فرد خود اسلام قبول کرنا چاہے تو ان کی طرف سے مزاحمت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی وہ ایسے بچوں کو بپتسمہ دے سکیں گے جو مسلمان ہو چکے ہوں۔ (طبری صفحہ ۲۴۴۸)۔ ان لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جزیہ ادا کریں جو غیر مسلموں پر عاید کیا جاتا تھا۔ (جزیے سے متعلق تمام دستیاب تاریخی مواد کے تنقیدی جائزے کے لیے ملاحظہ کیجیے کیتانی جلد پنجم صفحہ ۳۱۹، پہلی صدی ہجری میں مصر میں مسلمانوں کی حکومت کے لیے دیکھیے بیل صفحہ ۱۶۷ نیز بیکر صفحہ ۸۱)۔ ان عیسائیوں نے جزیے کی ادائیگی کو اپنے لیے باعث تحقیر سمجھا جو جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں غیر مسلموں پر ٹیکس کے طور پر لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے یہ درخواست کی کہ انہیں اسی قسم کا ٹیکس ادا کرنے کی اجازت دی جائے جو مسلمانوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جناب عمرؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی چنانچہ وہ جزیے کے بجائے دوگنا صدقہ یا خیرات دیتے تھے۔ (کیتانی کا خیال ہے کہ یہ کہانی بعد میں وضع کی گئی ہے جس کا مقصد یہ تاثر قائم کرنا تھا کہ اس عیسائی قبیلے کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا)۔ یہ وہ ٹیکس تھا جو مسلمانوں کی اراضی اور مال مویشی پر عاید کیا جاتا تھا۔ (لیمنس نے اس قبیلے کے بارے میں عرب مورخین کے کام کو نہایت عمدگی سے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے نیز ملاحظہ ہو کیتانی، جلد چہارم، صفحہ ۲۲۷)۔ مسلمانوں کو یہ بات خاص طور پر ناگوار گزرتی تھی کہ عرب قوم میں سے کوئی شخص عیسائیت پر وفاداری کے ساتھ قائم رہے۔ قبیلہ تنوخ کے اکثر لوگ ۱۲ ہجری میں مسلمان ہوگئے اور انہوں نے کئی دوسرے عیسائی قبیلوں کے ساتھ مل کر خالدؓ بن الولید کی اطاعت قبول کرلی۔ (کیتانی، جلد دوم، صفحہ ۱۱۸۰)۔ لیکن ان میں سے بعض لوگ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک قدیم عیسائی مذہب پر قائم رہے۔ خلیفہ مہدی (۱۵۸ سے ۱۵۹ ہجری) نے ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا تھا جو حلب کے نواح میں آباد تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ ابھی تک عیسائی ہیں تو اس نے غضب میں آکر ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ یہ لوگ، جن کی تعداد پانچ ہزار تھی، مسلمان ہوگئے ماسوائے ایک شخص کے جس نے شہادت کو ترک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب پر ترجیح دی۔ (Barhebraeus) (۳) صفحات ۱۳۴، ۱۳۵)۔ شمالی عرب کے عیسائی عرب قبائل میں سے دینِ مسیح کیسے غائب ہوگیا؟ اس کے بارے میں اکثر تفصیلات ناپید ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر طرف سے مسلمانوں میں گھرے ہوئے تھے اور ''پر امن عمل'' کے نتیجے میں غیر محسوس طور پر مسلمانوں میں جذب ہو گئے تھے۔ اگر اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں انہیں جبراً مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی تو ان میں سے بعض لوگ عباسی خلفا کے زمانے تک کیسے عیسائی رہ سکتے تھے؟ (کیتانی، جلد دوم، صفحہ ۸۲۳)۔

خالدؓ بن الولید نے حیرہ کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی بہت رغبت دلائی لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ یہ شہر تاریخ عرب کے نہایت مشہور شہروں میں سے تھا اور اسلام کے اس بہادر سپوت کا یہ خیال تھا کہ ان لوگوں کو رسول عربی ﷺ کی امت میں داخل کرنے کے لیے صرف اتنا یاد دلانا ہی کافی ہوگا کہ ان لوگوں میں عربی خون دوڑ رہا ہے۔ چنانچہ جب شہر کے قلعہ بند لوگوں نے امیر فوج کے پاس اپنی سفارت بھیجی تا کہ شرائط طے کر کے شہر کو اس کے حوالے کر دیا جائے تو خالدؓ بن الولید نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟ عربی ہو یا عجمی؟'' اس پر وفد کا ترجمان عدی بولا: ''نہیں! ہم خالص النسل عرب ہیں اور ہم میں سے دوسرے وہ پردیسی ہیں جو عرب بن چکے ہیں۔'' خالدؓ: ''اگر تم عرب ہوتے، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو تم ہماری مخالفت نہ کرتے۔'' عدی: ''ہمارے قول کے ثبوت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ہم خالص عربی زبان بولتے ہیں۔'' خالدؓ: ''تم سچ کہتے ہو۔ اب تم ان تین باتوں سے سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ (۱) ہمارا دین اختیار کر لو۔ اس صورت میں تمہارے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ چاہے تم اٹھ کر کسی اور ملک میں چلے جاؤ، چاہو تو اپنے ہی ملک میں رہو۔ یا (۲) جزیہ ادا کرو۔ یا (۳) لڑائی یا جنگ کرو۔ بخدا میں تمہارے پاس ایسے لوگ لایا ہوں جو مرنے کی اس سے زیادہ آرزو رکھتے ہیں جتنی کہ تم زندگی کی تمنا کرتے ہو۔'' عدی: ''نہیں! ہم تمہیں جزیہ دیں گے۔'' خالدؓ: ''تم بڑے بدنصیب ہو۔ کفر ایک ایسا بیابان ہے جس میں انسان اپنا راستہ کھو دیتا ہے۔ اور وہ عرب احمق ہے جس کو دو رہبر ملیں جن میں سے ایک عرب ہو اور دوسرا عجمی اور وہ عرب کو چھوڑ کر غیر عرب کو اپنا راہبر بنائے۔'' (طبری جلد اول صفحہ ۲۰۴۱)۔

نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مناسب انتظام کیا گیا تھا۔ چونکہ پورے پورے قبیلے تیزی کے ساتھ مسلمان ہو رہے تھے اس لیے اس بات کی احتیاط لازم تھی کہ عقاید اور عبادات کی تلقین میں ایسی غلطیاں سرزد نہ ہونے پائیں جن کا اندیشہ فطری طور پر ناقص التعلیم نومسلموں کی حالت میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ عمرؓ نے ہر ملک میں معلم مقرر کیے جن کا فرض یہ تھا کہ وہ نومسلموں کو قرآن حکیم کی تعلیم دیں اور انہیں احکام دین سمجھائیں۔ قاضیوں کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ سب مسلمانوں کی، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان، نگرانی کریں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دیکھیں کہ یہ لوگ نماز کے لیے اور خاص طور پر نماز جمعہ اور ماہ رمضان میں حاضر ہوتے ہیں یا نہیں؟ نومسلموں کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کوفہ میں یہ خدمت جس معزز عہدے دار کے سپرد تھی، وہ سرکاری خازن تھا۔ (مروج الذہب از مسعودی جلد چہارم، صفحہ ۲۵۶)۔

پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین اور ان کے بعد آنے والی نسلوں نے مسیحی عربوں کے ساتھ جس رواداری کا سلوک کیا، اس کی **مذکورہ بالا مثالوں سے ہم یقینی طور پر یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ** جن عیسائی قبیلوں نے اسلام قبول کیا تھا، **انہوں نے آزادی اور اپنی مرضی سے اس دین کو اختیار کیا تھا۔**

ابتدائی برسوں میں عربوں نے کسی شخص کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر بدسلوکی روا نہیں رکھی اور نہ ہی انہوں نے کسی کو مذہب تبدیل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ ابتدائی فتوحات کے بعد اسلامی عہد حکومت میں عیسائی عربوں نے ایسی مذہبی آزادی کی راحت پائی جو انہیں کئی نسلوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ (تاریخ اسلام از کیتانی جلد پنجم صفحہ ۴)۔ آج کل کے عیسائی عرب، جو مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں، اس رواداری کی زندہ شہادت ہیں۔ لینرڈ Layard نے لکھا ہے کہ بحیرہ مردار کے مشرق میں الکرک کے قریب عیسائی عربوں کی ایک خیمہ گاہ پر جب اس کا گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ عیسائی عرب لباس اور آداب معاشرت میں مسلمان عربوں سے کسی طرح مختلف نہیں تھے (سرہیز ی لینرڈ کی کتاب Adventures in Persia and Babylonia جلد اول، صفحہ ۱۰۰ لندن، ۱۸۸۷ء، نیز آرہارٹ مین کی اسلام جلد دوم صفحہ ۱۳۷)۔ کوہ سینا کے راہبوں نے برک ہارٹ Burkhardt کو بتایا کہ پچھلی صدی تک بدوی عیسائیوں کے کئی خاندان ابھی باقی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا آخری فرد ایک بڑھیا عورت تھی جس کا ۱۷۵۰ء میں انتقال ہوا اور اسے عیسائی راہبوں کے ایک باغ میں دفن کیا گیا۔ (برک ہارٹ (۲) صفحہ ۵۶۴)۔

بنوغسان کا مشہور قبیلہ، جو خالص عربی النسل تھا اور جس نے چوتھی صدی کے آخر میں عیسائیت کو قبول کیا تھا، اب بھی اپنے مذہب پر قائم ہے۔ اس قبیلے کے لوگوں نے کوئی دو سو سال پہلے رومی کلیسا کی اطاعت قبول کر لی اور اس وقت سے وہ مذہبی عبادات اور رسوم میں عربی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ (ڈبلیو جی پال گریو: Essays on Eastern Questions صفحات ۲۰۶ سے ۲۰۸۔ لندن ۱۸۷۲ء)۔

اگر ہم اہل بادیہ سے صرف نظر کرتے ہوئے اس رویے پر غور کریں جو شہروں اور غیر عرب آبادی نے نئے دین کے بارے میں اختیار کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بعد لوگوں نے تیزی کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ بازنطینی سلطنت کے مشرقی صوبوں کے بڑے بڑے شہروں کے عیسائی باشندے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے اور ان کی بڑی تعداد اب بھی عیسائی ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہور اسلام سے ایک سو سال پہلے جسٹینین رومی سلطنت میں اتحاد پیدا کرنے میں بظاہر کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد اس سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس وقت صوبوں اور دارالسلطنت کے درمیان ایک مشترکہ قومی جذبہ پیدا کرنا بے حد ضروری تھا۔ ہرقل نے کوشش کی کہ شام کو مرکزی حکومت کے ساتھ دوبارہ منسلک کر دے اور اسے اس مقصد میں کسی قدر کامیابی بھی ہوئی تھی لیکن بدقسمتی سے اس نے مصالحت کے لیے جو طریقے اختیار کیے، ان سے اختلاف رفع ہونے کے بجائے ان میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ اب قومی جذبہ پیدا کرنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی ولولہ اور جوش پیدا کیا جائے۔ چنانچہ اس نے دین مسیح کی اس طریقے پر تفسیر و تشریح کرنے کی کوشش کی کہ مخالف فرقوں کے درمیان باہمی مناقشے مٹ جائیں اور جو لوگ مذہب سے منحرف ہو چکے ہیں، ان کو دوبارہ قدامت پسند کلیسا اور مرکزی حکومت کے ساتھ متحد کر دے۔ ۴۵۱ء میں Chalcedon کے مقام پر عیسائی علما کی کونسل کا جو اجلاس ہوا، اس میں یہ اعلان کیا گیا کہ ''حضرت عیسیٰ'' کی دو فطری صفات کو اس طریقے سے تسلیم کیا جائے کہ ان میں کوئی اختلاط، تبدیلی، تقسیم یا علیحدگی نہیں ہے۔ ان کی فطرتوں کا جو اختلاف ہے، وہ ان کے اجتماع سے باطل نہیں ہو جاتا بلکہ ان کی ہر فطرت کے خواص برقرار ہیں اور ایک ذات اور ایک وجود میں موجود ہیں مگر اس طرح نہیں کہ یہ خواص دو ہستیوں میں منقسم یا الگ الگ ہوں بلکہ وہ ایک بیٹا ہے، اکلوتا، کلمۃ اللہ۔'' لیکن مونوفزائٹ فرقے کے لوگوں نے کونسل کے اس اعلان کو مسترد کر دیا کیونکہ وہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ مسیح کی ذات میں صرف ایک فطرت ہے، یہ ذات مرکب ہے جس میں تمام ربانی اور انسانی صفات شامل ہیں لیکن وہ وجود، جس میں یہ صفات موجود ہیں، اس میں دوئی نہیں ہے بلکہ وہ ایک مرکب وحدت ہے۔ اس فرقے کے لوگوں کو مصر، شام اور بازنطینی سلطنت کے باہر دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ چنانچہ قدامت پسندوں کے ساتھ اس مسئلے پر دو صدیوں تک گرما گرم مباحثہ جاری رہا۔ آخر ہرقل نے عیسیٰ کی ذات کی وحدت کو تسلیم کرنے کے نظریے کے ذریعے دونوں فرقوں میں مصالحت کرانا چاہی۔ اس عقیدے کا مفہوم یہ تھا کہ مسیح کی فطرتوں کی دوئی کو تسلیم کرتے ہوئے عیسیٰ کی حقیقی زندگی میں ذات کی وحدت کو قائم رکھا جائے، اس لیے کہ ایک واحد ذات میں حرکت و عمل کے دو سلسلے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ مسیح، جو ابن اللہ ہیں، ایک ہی ذریعے اور وسیلے سے انسانی اور ربانی دونوں قسم کے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلمہ مجسم میں ایک ہی مشیت کارفرما ہے (آئی اے ڈونر: A system of christian Doctrine جلد سوم، صفحات ۲۱۵، ۲۱۶۔ لندن۔ ۱۸۸۵ء۔

جے سی رابرٹسن: History of the Christian Church جلد دوم، صفحہ ۲۲۶ لندن، ۱۸۷۵ء)۔

لیکن ہرقل کا بھی وہی انجام ہوا جو صلح کرانے والے بیشتر لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ اس کی مصالحتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوششوں کے نتیجے میں نہ صرف مناظرے کی آگ اور بھڑک اٹھی بلکہ لوگوں نے قیصر پر الحاد کا الزام لگا دیا اور اسے دونوں فریقوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑا۔

لوگوں کے دلوں میں فی الواقع ایسی ناراضی پیدا ہو چکی تھی کہ اس بات کو باور کرانے کے لیے ٹھوس وجوہ موجود ہیں کہ رومی سلطنت کے جو صوبے ہرقل کے عہد حکومت میں فتح ہوئے، وہاں کی قدامت پسند رعایا کے اکثر لوگ عربوں کے بہی خواہ تھے کیونکہ وہ قیصر کو بے دین سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے اور اس بات سے خائف تھے کہ مبادا وہ ان پر مذہب کے بارے میں تشدد کرے اور عیسیٰؑ کی ذات میں صرف ایک فطرت کے عقیدے کو ان پر زبردستی ٹھونس دے۔ (اس قسم کے اندیشے بے بنیاد نہ تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ۶۲۷ء میں ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد قیصر جب ملک شام سے گزرا تو اس نے مونوفزائٹ فرقے کے لوگوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا۔ دیکھیے میخائل دی ایلڈر کی جلد دوم صفحہ ۴۱۲ نیز کیتانی جلد دوم صفحہ ۱۰۴۹۔ کانسٹنز دوم (۶۴۲ء سے ۶۶۸ء) تفصیل کے لیے دیکھیے میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحہ ۴۴۳)۔ چنانچہ عیسائیوں کے اس فرقے نے ان نئے عرب آقاؤں کا بڑے شوق اور جوش سے خیر مقدم کیا جنہوں نے ان سے مذہبی آزادی اور رواداری کا وعدہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قیصر کے مذہبی تشدد کے فوری اندیشے سے بچنے کے لیے وہ اپنے مذہب اور قومی آزادی کو خطرے میں ڈالنے پر رضامند ہو گئے۔

انطاکیہ کے یعقوبی اسقف میخائل دی ایلڈر نے، جس نے بارہویں صدی کے نصف ثانی میں ایک تاریخ لکھی تھی، اپنے فرقے کے اس فیصلے کو سراہا ہے اور کہا ہے کہ عربوں کی فتوحات میں خدا کا ہاتھ کارفرما تھا۔ اس نے یہ رائے اس وقت قائم کی جب مشرقی کلیساؤں کے پیروکار پانچ سو سال تک اسلامی حکومت کا تجربہ کر چکے تھے۔ ہرقل کے مذہبی تشدد کا حال بیان کرنے کے بعد اس نے لکھا ہے: ''خدائے مکافات جو قادر مطلق ہے، انسانی حکومتوں کو جس طرح چاہتا ہے، تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، اعلیٰ منصب عطا کرتا ہے۔ اس خدا نے رومیوں کے ظلم اور سرکشی کو دیکھا جنہوں نے اپنی پوری مملکت میں ہمارے گرجا گھروں اور خانقاہوں کو لوٹ لیا تھا اور ہمارے ساتھ انتہائی بے رحمی کا سلوک کیا تھا۔ اسی خدا نے جنوب کی سمت سے اسماعیلؑ کے بیٹوں کو بھیجا تا کہ ان کے ذریعے ہمیں رومیوں کے مظالم سے نجات دلائے۔ کیتھولک فرقے کے جو گرجے ہم سے چھین کر کلسیدونیوں کو دے دیے گئے تھے، عرب فتوحات کے بعد بھی انہی کے قبضے میں رہے جس سے ہمیں کچھ نقصان پہنچا۔ جب شہروں کے باشندوں نے عربوں کی اطاعت قبول کر لی تو فاتحین نے ہر ایک فرقے کے پاس وہ گرجا گھر رہنے دیے جو اس وقت ان کے قبضے میں تھے۔ (اس وقت حمص اور حران کے بڑے گرجے ہم سے چھین لیے گئے تھے)۔ اس کے باوجود ہمارے لیے اس بات میں کم فائدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھا کہ ہمیں رومیوں کے مظالم سے نجات مل گئی اور ان کے غیظ وغضب سے امن نصیب ہوا۔''
(میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحات ۴۱۲، ۴۱۳)۔ میخائل کے ایک سو سال بعد ابن العبری نے بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے)۔

مسلمانوں کا لشکر جب اردن کی وادی میں پہنچا اور ابو عبیدہؓ نے فحل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑ دیے تو اس ملک کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو لکھا: ''اے مسلمانو! اگرچہ بازنطینی ہمارے ہم مذہب ہیں، اس کے باوجود ہم تمہیں ان پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی زیادہ پاسداری کرتے ہو، ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو، بے انصافی اور ظلم سے احتراز کرتے ہو اور ہمارے اوپر تمہاری حکومت ان کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے گھروں اور ہمارے مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔'' (فتوح الشام از ازدی صفحہ ۹۷)۔ اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر کے باشندوں نے فصیل کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور تمہارے انصاف کو یونانیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔ (فتوح البلدان از بلاذری صفحہ ۱۳۷)۔

عربوں نے ۶۳۳ء سے ۶۳۹ء تک معرکہ آرائی کر کے جب رومی فوجوں کو ملک شام سے بتدریج نکال دیا تو اس زمانے میں اہل شام کے ویسے ہی خیالات اور جذبات تھے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے۔ اور ۶۳۷ء میں جب اہل دمشق نے عربوں کے ساتھ عہد و پیمان باندھنے کی ایک مثال قائم کر دی اور اس طرح لوٹ مار سے مامون و محفوظ ہو گئے اور دوسری موافق شرائط تسلیم کر لیں تو شام کے باقی شہروں نے بھی ان کی پیروی کرنے میں خاصی مستعدی کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ حمص، شیزر، منبج اور دوسرے شہروں نے بھی عربوں کے ساتھ معاہدے کر لیے اور ان کے باج گزار بن گئے۔ اسی طرح کی شرائط پر بیت المقدس کے اسقف اعظم نے بھی شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ لوگ قیصر کے جبر و اکراہ سے خائف تھے اس لیے جب مسلمانوں نے مذہبی رواداری اور آزادی کا وعدہ کیا تو ان کا یہ وعدہ لوگوں کو رومی سلطنت اور عیسائی حکومت کے تعلق کے مقابلے میں زیادہ دلکش نظر آیا۔ اور جب ان کے دلوں سے حملہ آور فوج کا خوف و ہراس دور ہو گیا تو وہ عرب فاتحین کی طرف مائل ہو گئے۔ (کیتانی جلد سوم صفحہ ۸۱۳، جلد پنجم صفحہ ۳۹۴)۔

بازنطینی سلطنت کے ان صوبوں کو، جن کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا، ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں اپنے مونوفزائٹ اور نسطوری عقاید کی وجہ سے کئی صدیوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں بالکل آزاد تھے۔ اگر ان پر چند پابندیاں عاید تھیں لیکن ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مقابل مذاہب کے پیروکاروں کی باہمی کشمکش کا انسداد ہو سکے یا اس مذہبی جنون اور تعصب کو روکا جائے جو مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ناپسندیدہ تھا اور جسے مذہبی رسوم کی اشتعال انگیز نمائش سے شہ ملتی تھی۔ (گوتھیل نے اپنی کتاب ''مصر میں ذمی اور مسلمان'' میں مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں مسلم حکومت میں بسنے والے غیر مسلموں کی حالت کا نقشہ پیش کیا ہے)۔ ساتویں صدی کی تاریخ میں اس قسم کی مذہبی آزادی ایک عجوبہ تھی اور اس کی وسعت کا اندازہ ان شرائط سے ہوسکتا ہے جن کو اہل اسلام نے بلاد مفتوحہ کے حق میں منظور کیا۔ ان شرائط کا خلاصہ یہ تھا کہ عرب حکام اطاعت گزاری اور جزیے کی ادائیگی کے عوض رعایا کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور انہیں مذہبی آزادی دیں گے۔ (بلاذری صفحات ۷۴،۷۴، ۱۱۶، ۱۲۱)۔

ان معاہدوں کی صحیح تفصیلات کو ان باتوں سے علیحدہ کرنا آسان نہیں جن کا بعد میں اضافہ ہوا۔ یہ عہد نامے حرف بہ حرف صحیح ہوں یا نہ ہوں لیکن ان سے بہر حال اس تاریخی روایت کا پتا چلتا ہے جو دوسری صدی ہجری کے مسلمان مورخین کے نزدیک قابل قبول تھی۔ اگر اس روایت کے خلاف کوئی شہادت موجود ہوتی تو اس صورت میں اس روایت کو مشکل ہی سے تسلیم کیا جاسکتا تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی مثال کے طور پر ہم وہ شرائط نقل کرتے ہیں جو بیت المقدس کو خلیفہ عمرؓ بن الخطاب کے حوالے کرتے وقت لکھی گئی تھیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المومنین نے ایلیا کے باشندوں کو عطا کی ہے۔ یہ امان ان کی جان و مال اور ان کے گرجا گھروں اور صلیبوں کے لیے ہے۔ ان کی ساری ملت، چاہے وہ بیمار ہوں یا تندرست، سب شامل ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گرایا جائے گا۔ ان کے معبدوں، ان کے ملحقات، ان کی صلیبوں اور ان کی جائیدادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔ (اس دستاویز پر بحث کے لیے دیکھیے کیتانی، جلد سوم، صفحہ ۹۵۲ نیز طبری جلد اول، صفحہ ۲۴۰۵)۔

بیت المقدس کے باشندوں پر جو ٹیکس لگایا گیا اس کی شرح یہ تھی: دولت مندوں پر پانچ دینار، متوسط طبقے کے لوگوں پر چار دینار اور غریبوں پر تین دینار۔ حضرت عمرؓ نے اسقف کے ہمراہ مقامات مقدسہ کی زیارت کی اور روایت ہے کہ جب وہ دونوں کنیسۃ القیامت میں تھے تو نماز کا وقت ہوگیا۔ لاٹ پادری نے جناب عمرؓ سے کہا کہ وہ کنیسہ ہی میں نماز ادا کرلیں۔ لیکن امیر المومنینؓ نے دور اندیشی سے کام لے کر انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو ہوسکتا ہے کہ اہل اسلام آئندہ یہ دعویٰ کردیں کہ یہ ایک اسلامی معبد ہے۔

حضرت عمرؓ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو حسن سلوک کرتے تھے، وہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے بعض عیسائی جذامیوں کے لیے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس مد میں خوراک اور نقدی بیت المال یعنی سرکاری خزانے سے ملتی تھی۔ (بلاذری صفحہ ۱۲۹)۔ جناب عمرؓ نے ذمیوں کو اپنی آخری وصیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی یاد رکھا اور اپنے جانشین کو اس کے اعلیٰ منصب کے فرائض یاد دلاتے ہوئے ذمیوں کے بارے میں بھی ہدایت کی اور کہا: ''میں اہل الذمہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت میں ہیں۔ ان کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا گیا ہے، اس کو پورا کرو اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔'' (ابن سعد جلد سوم صفحہ ۲۴۶)۔

بعد میں آنے والی ایک نسل نے حضرت عمرؓ کی طرف سے چند ایسے سخت قوانین منسوب کیے جن سے عیسائیوں کی مذہبی آزادی پر زد پڑی لیکن ڈی جوج اور کیتانی نے اس بات کو واضح انداز میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ قوانین اور شرائط زمانہ مابعد کی اختراع ہیں۔ بعض علمائے متاخرین نے، جن کے عہد میں رواداری کم تھی، ان قوانین کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ بہرحال ان قوانین کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ ان سے مسلمان حکمرانوں کی عیسائی رعایا کی مذہبی حالت کے متعلق رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جناب عمرؓ کے نام بھیجی گئی اس دستاویز کی عبارت یوں ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فلاں شہر کے عیسائیوں کی طرف سے عمرؓ بن خطاب کے نام۔ جب آپ نے ہماری طرف پیش قدمی کی تو ہم نے آپ سے اپنے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے، اپنے مال کے لیے اور اپنے ہم مذہبوں کے لیے امان کی درخواست کی اس شرط پر کہ ہم اپنے شہر یا اس کے مضافات میں کوئی نیا دیر، گرجا، حجرہ یا خانقاہ تعمیر نہیں کریں گے۔ (بعض فقہا کی رائے ہے کہ اس قانون کا اطلاق دیہات یا چھوٹی بستیوں پر نہیں ہوتا جہاں گرجوں کی تعمیر کی ممانعت نہیں ہے۔ (ہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۱۹)۔ اور ایسی عمارت میں سے اگر کوئی عمارت گر پڑے گی تو ہم اس کی مرمت نہیں کریں گے۔ اور ان کو جو مسلمانوں کے محلوں میں واقع ہوں گی، از سر نو تعمیر نہیں کریں گے۔ ہم اہل سلام کو دن یا رات کے وقت اپنے گرجوں میں داخل ہونے سے منع نہیں کریں گے اور ان کے دروازوں کو مسافروں اور راہ گیروں کے لیے کھلا رکھیں گے۔ ہم ہر مسلمان مسافر کو اپنے گھروں میں جگہ دیں گے، تین دن تک اسے مہمان رکھیں گے۔ ہم کسی جاسوس کو اپنے گرجوں یا گھروں میں پناہ نہیں دیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دشمن کو اپنے ہاں چھپائیں گے۔ ہم اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھوائیں گے۔ (اس سوال پر علما کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض مالکی علما نے اسے ممنوع لیکن امام ابو حنیفہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس بارے میں امام شافعیؒ سے دو رائیں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قرآن کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ ایسا کرنا اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اسے ناجائز قرار دیا جائے کیونکہ انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ غیر مسلم ابھی تک پاک صاف نہیں ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔ یہ دونوں بیان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ابن حنبلؒ نے اس بارے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ (بیلن صفحہ ۵۰۸)۔ ہم عیسائی مذہب کی نمائش نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو اپنا مذہب قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی دعوت دیں گے۔ ہمارا کوئی عزیز اگر اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو ہم اسے قبول اسلام سے نہیں روکیں گے۔ ہم مسلمانوں کی عزت کریں گے اور جب بھی وہ ہماری محفلوں میں آئیں گے تو ہم احتراماً کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم اپنے لباس میں مسلمانوں کی نقل نہیں کریں گے، نہ ٹوپی میں، نہ عمامے میں، نہ جوتی میں اور نہ مانگ نکالنے میں۔ ہم مسلمانوں کے مخصوص جملوں اور فقروں کو استعمال نہیں کریں گے۔ (مثلاً وہ کلمات جو مسلمان باہمی میل ملاقات کے وقت آپس میں استعمال کرتے ہیں) اور نہ ہی ان کے القاب اختیار کریں گے۔ ہم زین پر سوار نہیں ہوں گے اور نہ ہی کمر میں تلوار باندھیں گے۔ ہم ہتھیار نہیں رکھیں گے اور نہ ہی ان کو لگائیں گے اور نہ ہی اپنی انگوٹھیوں پر عربی عبارتیں کندہ کرائیں گے۔ ہم شراب نہیں بیچیں گے۔ ہم اپنی پیشانی کے بال مونڈا کریں گے۔ ہم اپنا ہی طرز لباس برقرار رکھیں گے۔ جہاں کہیں ہم ہوں، ہم اپنی کمر میں پٹیاں لگائیں گے، اپنے گرجاؤں پر صلیب کی نمائش نہیں کریں گے اور نہ ہی اپنی صلیبوں اور مقدس صحیفوں کو مسلمانوں کے محلوں یا بازاروں میں دکھائیں گے۔ (قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں کہ عیسائی لوگ اس بات کے مجاز ہیں کہ سال میں ایک مرتبہ (اپنی عید کے موقع پر) صلیبیں لے کر نکلیں گے مگر علم کے ساتھ نہیں اور وہ بھی شہر کے باہر، نہ کہ شہر کے اندر جہاں مساجد ہیں۔ کتاب الخراج صفحہ ۹۸۲)۔ ہم اپنے گرجاؤں کے ناقوس ہلکے بجائیں گے۔ (ناقوس لکڑی کے اس مستطیل ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر ڈنڈے کے ساتھ ضرب لگائی جاتی ہے) اور کسی مسلمان کی موجودگی میں اپنی نماز بلند آواز سے نہیں پڑھیں گے۔ ہم کھجور کی شاخوں یا اپنی مورتیوں کو قطار در قطار بازاروں میں سے نہیں گزاریں گے۔ اپنے مردوں کی تدفین کے وقت ہم بلند آواز سے دعائیں نہیں مانگیں گے اور نہ ہی روشن شمعیں لے کر مسلمانوں کے محلوں اور بازاروں میں سے گزریں گے۔ ہم ایسے غلام نہیں رکھیں گے جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکے ہوں، نہ ہی مسلمانوں کے گھروں کی جاسوسی کریں گے۔ ہم کسی مسلمان کو زدوکوب نہیں کریں گے۔ ہم اپنی طرف سے اور اپنے ہم مذہبوں کی جانب سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان سب باتوں کی پابندی کریں گے اور اس کے بدلے میں آپ کی حفاظت اور حمایت حاصل کریں گے۔ اور اگر ہم عہد نامے کی کسی شرط کو توڑیں تو ہم آپ کی حفاظت سے محروم ہو جائیں گے اور آپ کو اختیار ہوگا کہ ہمارے ساتھ دشمنوں اور باغیوں جیسا سلوک کریں۔ (گوتھیل صفحات ۳۸۲ تا ۳۸۴۔ یہاں پر اس دستاویز کے مختلف متن دیے ہوئے ہیں)۔

اس دستاویز کا ذکر سب سے پہلے ابن حزم نے کیا ہے جس نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی۔ اس دستاویز کی دفعات زمانہ مابعد کے تشدد آمیز طرز عمل کا پتا دیتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے قواعد وضوابط پر باقاعدگی کے ساتھ عمل درآمد نہیں ہوتا تھا بلکہ ان دفعات پر صرف متعصب لوگوں کے مذہبی جوش اور مطالبے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صورت میں عمل کیا جاتا تھا۔ اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں عیسائیوں کے لیے مذہبی پابندی کے بارے میں شکایت کرنے کی بہت کم گنجائش تھی۔ یہ سچ ہے کہ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کی حالت میں جزیہ دینا ان کو سخت ناگوار تھا لیکن اس کی مقدار اس قدر قلیل تھی کہ اس کو بار تصور نہیں کیا جاتا تھا، خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ جزیے کی ادائیگی سے عیسائی لوگ اس فوجی خدمت سے بری الذمہ ہو جاتے تھے جو اہل اسلام کے لیے لازمی تھی۔ شروع میں جزیہ ہر قسم کے خراج کو کہتے تھے جس کی ادائیگی عرب سلطنت کی غیر مسلم رعایا پر لازم تھی۔ لیکن جب نئے حکمرانوں نے اپنا مالیاتی نظام درست کیا تو جزیے کا لفظ اس ٹیکس کے لیے استعمال ہونے لگا جو رعایا سے فی کس کے حساب وصول کیا جاتا تھا۔ (اس بات کی شہادت موجود ہے کہ جب عربوں نے بازنطینیوں کے کئی ملک فتح کر لیے تو انہوں نے وہاں کے مالیاتی بندوبست کو بدستور برقرار رکھا۔ جزیے سے اگر وہ ٹیکس مراد ہے جو رعایا سے فی کس شرح سے وصول کیا جاتا تھا تو یہ تعریف فقہائے متاخرین کی اختراع ہے جو صدر اسلام کے حقیقی حالات و کوائف سے ناواقف تھے۔ (کیتانی جلد چہارم صفحہ ۶۲۰، جلد پنجم صفحہ ۴۴۹ نیز ایچ ہیمنز کی کتاب ''زید بن ابی'')۔ اسلام قبول کرنے میں عیسائیوں کے لیے کسی قدر مالی فائدہ یقینی تھا لیکن اگر کسی نے محض جزیے سے بچنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دین اس کے دل میں راسخ نہ ہوگا۔ لیکن قبول اسلام کے بعد اب وہ جزیے کے بجائے ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے کا پابند تھا جو کئی اقسام کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد پر نافذ تھی۔ (گولڈز یہر جلد اول صفحات ۵۰ تا ۵۷، ۴۲۷ تا ۴۳۰ کیتانی جلد پنجم صفحہ ۳۱۱)۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب مالی مشکلات نے عرب حکومت کو مجبور کیا کہ وہ نو مسلموں سے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بدستور جزیہ وصول کرتے رہیں تو ان کے اس طرز عمل سے مفتوحہ رعایا کے لیے جزیے سے بچنے کی غرض سے تبدیل مذہب میں کوئی کشش باقی نہ رہی۔ (کیتانی جلد پنجم صفحات ۴۲۲، ۴۳۲)۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ریاست کو جب کبھی سرمائے کی ضرورت پیش آتی تو رعایا کے غیر مسلم طبقے کو اس کے مالی جبر کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا تھا۔

عرب فاتحین نے جزیے کی جو شرحیں پہلے پہل مقرر کیں، وہ یکساں عاید تھیں۔ (بلاذری صفحات ۱۲۴، ۱۲۵)۔ چنانچہ ان کی فروعات کے متعلق امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ (اے وون کریمر جلد اول صفحات ۶۰، ۴۳۶)۔ ذیل کی تفصیلات کتاب الخراج سے ماخوذ ہیں جس کو قاضی ابو یوسف نے ہارون الرشید (۷۸۶ء سے ۸۰۹ء) کی درخواست پر لکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ عباسی دور خلافت میں مسلمان حکام کا ان ہی ضوابط پر عمل رہا ہوگا۔ جزیے کی شرح دولت مندوں کے لیے ۴۸ درہم سالانہ (ایک درہم تقریباً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچ پینی کے برابر ہے) اور متوسط لوگوں کے لیے ۲۴ درہم سالانہ تھی۔ غریبوں سے، جن میں دستکار اور کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور شامل تھے، صرف بارہ درہم وصول کیے جاتے تھے۔ یہ جزیہ جنس کی شکل میں بھی ادا ہو سکتا تھا، مثلاً مویشی، مال تجارت، گھریلو اسباب یہاں تک کہ سوئی سلائی تک زروسیم کے عوض قبول کی جاتی تھی البتہ سور، شراب اور مردہ جانور جزیے میں نہیں لیے جاتے تھے۔ جزیہ صرف تندرست مردوں پر عاید ہوتا تھا، عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ (بیل صفحہ ۱۷۳)۔ ایسے تنگ دست جن کی گزر بسر خیرات پر تھی اور ایسے سن رسیدہ مفلس جو کام کاج سے معذور تھے، جزیے کی ادائیگی سے بری تھے۔ اسی طرح اندھے، لنگڑے لولے، لاعلاج مریض اور دیوانے بھی (بشرطیکہ وہ دولت مند نہ ہوں) جزیے سے مستثنیٰ تھے۔ یہی حالت عیسائی عالموں اور راہبوں کی تھی۔ اگر ان کی گذر اوقات امیروں کی خیرات پر ہوتی تو وہ جزیے سے مستثنیٰ رہتے۔ لیکن اگر وہ صاحب ثروت اور آسودہ حال ہوتے تو ان سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ جزیہ وصول کرنے والے عاملوں کو خاص ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ نرمی سے کام لیں اور عدم ادائیگی کی صورت میں بدسلوکی اور جسمانی سزا دینے سے گریز کریں۔ (ابو یوسف صفحات ۶۹ تا ۷۱)۔

بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ عیسائیوں پر جزیہ محض اس لیے لگایا جاتا تھا کہ انہیں اسلام سے انکار تھا۔ اصل میں جزیے کی ادائیگی میں وہ لوگ بھی دوسرے ذمیوں کے ساتھ شریک تھے جو اپنے مذہب کی وجہ سے فوجی خدمات انجام دینے سے قاصر تھے اور جزیہ کے عوض مسلمان حکام ان کی حفاظت کرتے تھے۔ چنانچہ جب حیرہ کے باشندوں نے جزیے کی مقررہ رقم ادا کی تو انہوں نے اس بات کی خاص طور پر وضاحت کر دی کہ انہوں نے یہ رقم اس شرط پر دی ہے کہ ''مسلمان اور ان کا امیر ہمیں ظالموں کی تعدی سے بچائے گا، خواہ وہ ظالم مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔'' (طبری صفحہ ۲۰۵۵)۔ اسی طرح جب حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے گردونواح میں واقع بعض شہروں کے ساتھ معاہدہ کیا تو انہوں نے اس عہد نامے میں لکھا تھا: ''اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا لیکن اگر ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکیں تو اس صورت میں تم پر جزیہ واجب الادا نہیں ہوگا۔'' (طبری صفحہ ۲۰۵۰)۔ مسلمان اس شرط کو کس قدر واضح طور پر تسلیم کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا۔ قیصر روم ہرقل نے عساکر اسلام کی روک تھام کے لیے ایک لشکر عظیم جمع کیا تو مسلمانوں نے بھی آنے والے معرکے کے لیے تمام فوجوں کو اکٹھا کر لیا۔ ان حالات میں عرب سپہ سالار ابو عبیدہؓ نے شام کے تمام مفتوحہ شہروں کے گورنروں کو تحریری حکم بھیجا کہ ان شہروں سے جزیے کی جو رقوم وصول ہوئی تھیں، وہ انہیں واپس کر دی جائیں۔ انہوں نے ان شہروں کے باشندوں کو بھی لکھ بھیجا: ''ہم نے جو رقم تم سے لی تھی، اس کو ہم واپس کرتے ہیں کیونکہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لشکر جرار ہمارے مقابلے کے لیے آ رہا ہے۔ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اس کی رو سے ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے مگر اب یہ بات ہماری طاقت سے باہر ہے اس لیے ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا، اسے واپس کرتے ہیں۔ اگر ہم فتح یاب ہوئے تو اپنے آپ کو سابق معاہدے کی شرائط کا پابند سمجھیں گے۔'' چنانچہ اس حکم کے مطابق بیت المال سے بھاری رقمیں واپس کر دی گئیں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو دعائیں دیں اور کہا: ''خدا تم کو دوبارہ ہمارا حاکم بنائے اور تم کو رومیوں پر فتح یاب کرے۔ اگر تمہاری جگہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس کو بھی چھین لیتے۔'' (ابو یوسف، صفحہ ۸۱)۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، جزیہ صرف تندرست مردوں سے اس فوجی خدمت کے عوض لیا جاتا تھا جو ان کے مسلمان ہونے کی صورت میں ان پر لازم ہوتی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جب کوئی عیسائی قوم یا قبیلہ اسلامی فوج میں داخل ہوتا تو اسے جزیے کی ادائیگی سے مستثنٰی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ انطاکیہ کے قرب و جوار میں آباد عیسائی قبیلے الجراجمہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان باندھا اور وعدہ کیا کہ وہ اس شرط پر کہ ان سے جزیے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور مال غنیمت میں سے انہیں مناسب حصہ دیا جائے گا، مسلمانوں کے حلیف اور دوست بن کر میدان جنگ میں ان کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ (بلاذری صفحہ ۱۵۹)۔
سن ۲۲ ہجری میں جب عرب فاتحین کے قدم بڑھتے بڑھتے شمالی ایران تک جا پہنچے تو وہاں کے ایک سرحدی قبیلے کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاہدہ کیا گیا جس کے مطابق اس قبیلے کے لوگوں کو فوجی خدمات کے عوض جزیے کی ادائیگی سے بری الذمہ قرار دے دیا گیا۔ (طبری صفحہ ۲۶۶۵)۔

جزیے کی منسوخی کے واقعات ہمیں ان عیسائیوں کے ہاں بھی ملیں گے جو ترکوں کی بری یا بحری فوج میں ملازم تھے۔ مثال کے طور پر مگارس کے باشندے، جو البانیا کے عیسائیوں میں تھے، اس شرط پر جزیے کی ادائیگی سے مستثنٰی تھے کہ وہ مسلح افراد کی ایک جماعت مہیا کریں جو جبل ستھران اور گرانیہ کے ان دروں کی حفاظت کرے جہاں سے خاکنائے کورنتھ کو راستہ جاتا تھا۔ اسی طرح وہ عیسائی جو ترک فوج کے ہراول کے طور پر کام کرتے تھے، سڑکوں کی مرمت کرتے اور پل بناتے تھے، نہ صرف خراج کی ادائیگی سے بری تھے بلکہ حکومت نے انہیں زمینیں بھی دے رکھی تھیں جو ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنٰی تھیں۔ (مارسگلی جلد اول صفحہ ۸۶۔ وہ انہیں ''مسلمان'' کہتا ہے)۔ ہائیڈرا کے عیسائی باشندے بھی سلطان کو براہ راست کوئی ٹیکس نہیں دیتے تھے اور اس کے بجائے ترک بحری بیڑے کے لیے ۲۵۰ تنومند آدمیوں کی ایک جماعت مہیا کرتے تھے جن کے تمام اخراجات مقامی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ (فنلے جلد ششم صفحات ۳۰ تا ۳۳)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنوبی رومانیہ کے باشندے جو ارماتولی کہلاتے تھے (آرنلڈ صفحہ ۲۰۵) سولھویں اور سترھویں صدی میں ترک فوج کا ایک طاقتور عنصر تھے۔ اسی طرح البانیا کے کیتھولک فرقے کا عیسائی قبیلہ مردی، جو سقوطری کے شمالی پہاڑوں میں آباد تھا، اس شرط پر ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھا کہ وہ جنگ کے زمانے میں ایک مسلح دستہ دیا کرے گا۔ (ڈی لاجون کر صفحہ ۱۴)۔ اسی اصول کے مطابق یونانی عیسائی، جو ان نہروں کی نگرانی پر مقرر تھے جن کے ذریعے قسطنطنیہ میں پانی آتا تھا (تھامس اسمتھ صفحہ ۳۲۴) یا شہر کے بارود خانے کی حفاظت پر مامور تھا، اپنی خدمات کے صلے میں جزیے کی ادائیگی سے بری الذمہ تھے۔ اس کے برعکس جب مصر کے مسلمان کاشتکاروں کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تو اس کے عوض ان پر اسی قسم کا ٹیکس لگایا گیا جو عیسائیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ (ڈی لاجون کر صفحہ ۲۶۵)۔

چونکہ عیسائیوں کا مال و جان محفوظ تھا اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل تھی، اس لیے عیسائی قوم خاص طور پر شہروں کے باشندوں نے اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں بڑی خوش حالی اور آسودگی کی زندگی بسر کی۔

امیر معاویہؓ (۶۶۱ء سے ۶۸۰ء) نے عیسائیوں کی بڑی تعداد کو ملازم رکھا اور ان کے حکمران خاندان کے دوسرے افراد نے بھی ان کی پیروی کی۔ (لے مینس صفحہ ۱۳)۔ چنانچہ ان کے عہد میں بہت سے عیسائی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ مثال کے طور پر ایک عیسائی عرب، جس کا نام الاخطل تھا، ان کا درباری شاعر تھا۔ اسی طرح دمشق کے سینٹ جان کا باپ خلیفہ عبدالملک (۶۸۵ء سے ۷۰۵ء) کا مشیر تھا۔ خلیفہ معتصم (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء) کی ملازمت میں دو عیسائی بھائی تھے اور امیر المومنین کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔ ان میں سے ایک کا نام سلمویہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عہدہ آج کل کے وزیر خارجہ کے برابر تھا اور کوئی شاہی فرمان اس وقت تک مستند تصور نہیں ہوتا تھا جب تک کہ اس پر اس کے دستخط ثبت نہ ہوتے تھے۔ دوسرے بھائی کا نام ابراہیم تھا جس کی تحویل میں مہر خلافت رہتی تھی۔ وہ بیت المال یا سرکاری خزانے پر مامور تھا۔ یہ عہدہ ایسا تھا جس کی مالی نوعیت کے باعث گمان ہو سکتا تھا کہ اس پر کوئی مسلمان مقرر کیا جاتا لیکن خلیفہ کو ابراہیم کے ساتھ ذاتی طور پر اتنا انس تھا کہ جب وہ بیمار ہو گیا تو خلیفہ خود اس کی عیادت کے لیے گیا اور اس کی موت کا اسے اس قدر صدمہ ہوا کہ ابراہیم کی تدفین کے روز خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کا جنازہ شاہی محل میں لایا جائے اور تمام عیسائی رسوم باضابطہ طور پر بڑی متانت سے ادا کی جائیں۔ (ابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۱۶۴)۔

خلیفہ عبدالملک نے الرہا (اڈیسہ) کے ایک عیسائی عالم اتھاناسیس کو اپنے بھائی عبدالعزیز کا اتالیق مقرر کیا۔ عبدالعزیز جب مصر کا گورنر بنا تو اتھاناسیس بھی اپنے شاگرد کے ساتھ مصر چلا گیا جہاں اس نے بڑی دولت جمع کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس چار ہزار غلاموں کے علاوہ بہت سے گاؤں، مکان اور باغات اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پتھروں کی طرح'' بے اندازہ سونا چاندی تھی۔ جب فوج کے سپاہیوں کو تنخواہ ملتی تو اس کے بیٹے ہر ایک سپاہی سے ایک دینار وصول کرتے۔ مصر میں فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اتھاناسیکس نے مصر میں اکیس سالہ قیام کے دوران کس قدر دولت جمع کی ہوگی۔ (میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحہ ۴۷۵)۔

آٹھویں صدی کے آخر میں ایک عیسائی شخص ابونوح الانباری موصل کے گورنر ابومصعب کا معتمد خاص تھا اور اپنے اثر و رسوخ کو عیسائیوں کے حق میں استعمال کرتا تھا۔ (ماری بن سلیمان صفحہ ۷۱۔ ابونوح الانباری نے دوسری اصولی کتابوں کے علاوہ قرآن مجید کے رد میں بھی لکھا تھا۔ (رائٹ صفحہ ۱۹۱)۔

خلیفہ معتضد (۸۹۲ء سے ۹۰۲ء) کے عہد میں انبار کا گورنر عمر بن یوسف ایک عیسائی تھا۔ خلیفہ نے اس کے تقرر کی اس بنا پر منظوری دی کہ اگر ایک عیسائی کسی عہدے کا اہل ہے تو اسے اس منصب پر مامور کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک یہودی، مسلمان یا زرتشتی کی نسبت ایک عیسائی پر اعتماد کرنے کے لیے زیادہ معقول وجوہ موجود ہیں۔ (ماری بن سلیمان صفحہ ۸۴)۔ الموفق نے، جو اپنے بھائی معتمد کے عہد خلافت (۸۷۰ء سے ۸۹۲ء) میں سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا، فوج کا انتظام اسرائیل نامی عیسائی کے سپرد کر رکھا تھا۔ اسی طرح ایک اور عیسائی مالک بن الولید خلیفہ معتضد کے معتمدوں میں شامل تھا، بعد میں آنے والے خلیفہ مقتدر (۹۰۸ء سے ۹۳۲ء) کے زمانے میں وہ فوج کے دفتر کا نگران تھا۔ (ہلال الصابی صفحہ ۹۵)۔

خاندان بویہ کا بادشاہ عضد اللہ ۹۴۹ء سے لے کر ۹۸۲ء تک جنوبی فارس اور عراق کا حکمران رہا۔ اس کا وزیراعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی تھا۔ (ابن الاثیر جلد نہم صفحہ ۱۶)۔ ایک طویل مدت تک حکومت کے دفاتر، خاص طور پر خزانے کے محکمے میں عیسائیوں اور ایرانیوں کی بھرمار رہی۔ (فان کریمر جلد اول صفحات ۱۶۷، ۱۶۸ نیز لے مینس صفحہ ۱۱)۔ مصر میں بھی ایک عرصے تک یہ حال رہا جہاں اس قسم کے عہدوں پر عیسائیوں کی مکمل اجارہ داری رہی۔ ریناڈ وصفحات ۴۳۰، ۵۴۰)۔ طب کا شعبہ خاص طور پر عیسائیوں کے قبضے میں رہا اور انہوں نے اس پیشے سے بہت دولت کمائی اور اعلیٰ گھرانوں میں ان کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص جبرئیل ایک نسطوری عیسائی تھا۔ اپنی جائیداد سے اس کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ درہم تھی۔ اس کے علاوہ اسے ہر سال دو لاکھ اسی ہزار درہم دیے جاتے تھے۔ (فان کریمر جلد دوم صفحات ۱۸۰، ۱۸۱)۔ تجارت اور سوداگری سے بھی عیسائیوں نے بڑی دولت جمع کر لی تھی۔ اصل میں ان کی اسی دولت اور ثروت کی وجہ سے عام لوگوں کے دلوں میں حسد اور لالچ پیدا ہوتا تھا اور جنونی لوگ اس جذبے سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم قوموں کو تقریباً مکمل خودمختاری حاصل تھی کیونکہ حکومت نے ان کے اندرونی معاملات کا انتظام خود ان کے ہاتھ میں دے رکھا تھا اور ان کے اپنے مذہبی پیشوا ان کے باہمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ (فان کریمر جلد اول صفحہ ۱۸۳)۔ ان کے گرجا گھروں اور خانقاہوں کے معاملوں میں بالعموم دخل نہیں دیا جاتا تھا ماسوائے بڑے شہروں کے جہاں بعض عبادت گاہوں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کارروائی پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام کی اشاعت سے مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ اور عیسائیوں کی تعداد میں کمی آگئی تھی۔

ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب عربوں نے دمشق کو فتح کر لیا تو وہاں کے گرجا گھر فاتحین اور مقامی عیسائیوں کے درمیان اس عذر کی بنا پر برابر برابر تقسیم کر دیے گئے کہ ایک مسلمان سپہ سالار شہر کے مشرقی دروازے سے بہ نوک شمشیر داخل ہوا تھا لیکن مغربی دروازے پر شہر کے گورنر نے دوسرے جرنیل کے سامنے پرامن طریقے سے اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن تاریخی تحقیق نے اس روایت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ تاریخی دستاویزات کی چھان بین اور عمارت کے نقشے کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اور مسلمان سینٹ جان کے بڑے گرجے کو مشترکہ طور پر ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ (کیتانی جلد سوم صفحات ۳۵۰، ۳۸۷)۔ ان مورخین کا کہنا ہے کہ یہ صورت حال اسی برس تک برقرار رہی۔ اگر ان کے بیان کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کم از کم اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ عیسائی لوگ شروع ہی سے اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں مکمل طور پر آزاد تھے۔

دارالاسلام میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے تھے یا نہیں؟ اس مسئلے پر فقہائے اسلام کی رائے میں اختلاف ہے۔ حنفی مکتبہ فکر، جو زیادہ لبرل ہے، اس کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کے علاقوں میں گرجا گھر اور عبادت گاہیں تعمیر کرنا غیر قانونی ہے لیکن اگر پہلے سے موجود عبادت گاہیں تباہ یا منہدم ہو جائیں تو ان کی مرمت جائز ہے اور دیہات اور چھوٹی بستیوں میں، جہاں شعائر اسلام ظاہر نہ ہوں وہاں نئے گرجے اور صومعے تعمیر کیے جا سکتے ہیں۔ حنبلی، جن میں رواداری بہت کم ہے، کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے علاقوں میں نہ تو نئے گرجا گھر تعمیر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی منہدم شدہ عبادت گاہوں کی مرمت ہو سکتی ہے۔ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ ذمیوں کے حقوق اور مراعات ان کے ساتھ طے پائے جانے والے معاہدوں کے مطابق مختلف ہو سکتی ہیں۔ ذمی ان شہروں میں، جو طاقت کے ذریعے حاصل کیے گئے ہیں، نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر اس سلسلے میں کوئی نیا معاہدہ طے پا جائے تو اس صورت میں نئی عبادت گاہیں تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ (گوتھیل صفحات ۳۶۰، ۳۶۱ نیز گولڈزیہر جلد ۲۸ صفحات ۶۷۳، ۶۷۴)۔ مگر مسلمان فقہا کی دوسری بہت سی آرا کی طرح ان کے ان احکام کو بھی واقعات سے بہت کم واسطہ رہا ہے۔ (اسلامی فقہ کے لٹریچر میں نظریاتی کردار کے موضوع پر سنوک ہرگرونج کا مضمون دیکھیے)۔ فقہا خواہ اس بارے میں متفق الرائے ہوں کہ ذمی مسلمانوں کے بسائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے کسی نئے شہر میں عبادت گاہیں نہیں بنا سکتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان حکام نے قبطیوں کو قاہرہ کے نئے دارالحکومت میں گرجے تعمیر کرنے کی اجازت دی تھی۔ (گوتھیل صفحہ ۳۶۳)۔ دوسرے شہروں میں بھی عیسائیوں کو نئے گرجے اور خانقاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔ خلیفہ عمر ثانیؒ نے، جن کا عہد خلافت پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہے (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء) حکم دیا کہ وہ تمام گرجے مسمار کر دیے جائیں جو نئے تعمیر ہوئے تھے۔ (اس میں شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا اس عدم رواداری کو عمر ثانیؒ سے منسوب کرنے کا ثبوت موجود ہے یا نہیں؟)۔ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد انتہا پسند خلیفہ متوکل (۸۴۷ء سے ۸۶۱ء) کو پھر اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ وہ اس فرمان کو دوبارہ جاری کرے۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے گرجوں کی تعمیر کے بارے میں جو ممانعت تھی، اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا تھا۔ (جرنل ایشیاٹک سلسلہ چہارم جلد ۱۸، ۱۸۵۱ء، صفحات ۴۳۳، ۴۵۰ نیز طبری جلد سوم صفحہ ۱۴۱۹)۔ نئے گرجوں کی تعمیر کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن کا عیسائی اور مسلمان مورخوں نے تذکرہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر عبدالملک کے عہد حکومت (۶۸۵ سے ۷۰۵) میں شہر الرہا کے ایک دولت مند عیسائی اتھاناسئس نے اپنے آبائی شہر میں ایک عمدہ گرجا گھر تعمیر کیا جسے حضرت مریمؑ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ اس نے بپتسمہ دینے کے لیے بھی ایک علیحدہ عمارت تعمیر کروائی جہاں حضرت مسیحؑ کی وہ تصویر رکھی گئی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ شاہ ابجر کو بھیجی گئی تھی۔ اس نے فسطاط میں دو شاندار گرجے بنوائے اور مصر کے دوسرے شہروں میں بھی گرجے اور راہبوں کے لیے خانقاہیں تعمیر کروائیں۔ (میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحہ ۴۶۷ نیز رنادو صفحہ ۱۸۹)۔ مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مروان (عبدالملک کا بھائی) کے چند عیسائی ملازموں نے اسلامی حکومت کی اجازت سے حلوان میں ایک گرجا گھر تعمیر کیا اور اسے سینٹ جان کے نام سے موسوم کیا حالانکہ اس شہر کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی تھی۔ (یوتی خیوس Eutichius جلد دوم صفحہ ۳۶۱۔ نیز سیویروس (صفحہ ۱۳۹) کا خیال ہے کہ یہ دو گرجے تھے)۔ ۷۱۱ عیسوی میں خلیفہ الولید (۷۰۵ء سے ۷۱۵ء) کے حکم پر انطاکیہ میں یعقوبی فرقے کا ایک گرجا تعمیر کیا گیا۔ (فان کریمر (۱) جلد دوم صفحہ ۱۷۵)۔ یزید ثانی کی حکومت کے پہلے سال (۷۲۰ عیسوی) انطاکیہ کا یعقوبی اسقف مار الیاس بہت سے پادریوں اور راہبوں کے ساتھ بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ انطاکیہ میں داخل ہوا اور ایک نئے گرجے کا افتتاح کیا جو اس نے وہاں بنوایا تھا۔ اگلے سال اس نے انطاکیہ ضلعے کے ایک گاؤں سرمدہ میں ایک اور گرجے کا افتتاح کیا اور اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تو وہ اس کا اپنا ہی حریف ایک عیسائی فرقہ تھا جس نے خلقدونیہ Chalcedon کی مذہبی مجلس کے عقاید اختیار کر لیے تھے۔ (میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحات ۴۹۰، ۴۹۱)۔ اگلے خلیفہ کے دور میں خالد القسری نے، جو ۷۲۴ء سے لے کر ۷۳۸ء تک عراق عرب اور عراق عجم کا گورنر تھا، ایک گرجا گھر تعمیر کرایا تاکہ اس کی ماں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو عیسائی تھی، اس میں عبادت کر سکے۔(ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۸۵)۔۷۵۹عیسوی میں نصیبین کے مقام پر ایک گرجا کی عمارت تکمیل کو پہنچی جس پر ایک نسطوری بشپ سپرین نے ۵۶ ہزار دینار صرف کیے تھے۔ (Ellias of Nisibis صفحہ ۱۲۸)۔اسی صدی میں ابو سرجہ کا گرجا تعمیر ہوا جو قدیم قاہرہ کے پرانے رومی قلعے میں بنایا گیا تھا۔(اے جے بٹلر کی کتاب The Ancient Coptic Churches of Egypt جلد اول صفحہ ۱۸۱۔ اوکسفرڈ ۱۸۸۴ء)۔خلیفہ المہدی کے عہد حکومت (۷۷۵ء سے ۷۸۵ء) میں بغداد میں ایک گرجا ان عیسائی قیدیوں کے لیے بنوایا گیا جو بازنطینی سلطنت کے ساتھ جنگوں میں پکڑے گئے تھے۔(یاقوت حموی جلد دوم صفحہ ۶۶۲)۔بغداد ہی میں ایک اور گرجا گھر ہارون الرشید کے دور حکومت (۷۸۶ء سے ۸۰۹ء) میں سمالو کے ان باشندوں نے تعمیر کیا جو خلیفہ کی اطاعت اختیار کر کے اس کی رعایا میں شامل ہو گئے تھے۔(یاقوت حموی صفحہ ۶۷۰)۔ہارون ہی کے عہد میں بصرہ کے نسطوری لاٹ پادری سرجیس نے اس شہر میں ایک گرجا تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کی (ماری بن سلیمان صفحہ ۷۳) حالانکہ بصرے کی بنیاد حضرت عمرؓ نے ۶۳۸ء میں ڈالی تھی۔(ایشوک آف روم صفحہ ۲۶۶)۔اسی طرح بابل میں ایک شاندار گرجا تعمیر ہوا اور اس میں دانیال اور حزقیل نبیوں کے تابوت رکھے گئے۔(یونی خیوس جلد دوم صفحہ ۱۵۸)۔جب خلیفہ المامون (۸۱۳ء سے ۸۳۳ء) مصر میں تھا تو اس نے اپنے دو درباریوں کو اجازت دی کہ المقطم کی پہاڑی پر، جو قاہرہ کے قریب ہے، ایک گرجا گھر بنائیں۔اسی خلیفہ کی اجازت سے ایک دولت مند عیسائی نے، جس کا نام بکام تھا، مصر میں بورہ کے مقام پر کئی خوبصورت گرجے بنوائے۔(یونی خیوس جلد دوم صفحہ ۸۸)۔نسطوری اسقف تیموتھیس (المتوفی ۸۲۰ عیسوی) نے تکریت میں ایک گرجا اور بغداد میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔(فان کریمر (۱) جلد دوم صفحات ۱۷۵،۱۷۶)۔ دسویں صدی عیسوی میں فسطاط میں ابو سیفین کا خوش نما قبطی گرجا تعمیر ہوا۔(بٹلر: Ancient Coptic Churches of Egypt جلد اول صفحہ ۷۶)۔فاطمیہ مصر کے ساتویں حکمران الظاہر (۱۰۲۰ء سے ۱۰۳۵ء) کے عہد میں جدہ میں ایک نیا گرجا گھر تیار ہوا۔عباسی خلیفہ المستضی (۱۱۷۰ء سے ۱۱۷۸ء) کے دور میں بھی کئی نئے گرجے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔(ایشوک آف روم صفحہ ۳۴۳)۔۱۱۷۸ عیسوی میں فسطاط میں ایک گرجا گھر تعمیر ہوا اور اسے مریم عذرا کے نام سے منسوب کیا گیا۔(ابو صالح صفحہ ۹۲)۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے عیسائی کلیسا کی ترقی پر کوئی زد نہیں پڑی بلکہ نسطوری فرقے کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ جب یہ فرقہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا تو اس کی مذہبی زندگی میں ایک حیرت انگیز جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔فلورنس کے ایک راہب نے، جس کا نام رکولوس ڈی مونٹ کروس تھا، تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے شروع میں مشرقی ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ چنانچہ وہ اس مذہبی آزادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا، جو نسطوریوں کو اسلامی مملکت میں حاصل تھی، ان لفظوں میں تذکرہ کرتا ہے "مجھے عربوں کی قدیم اور مستند تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ نسطوری محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوست تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے۔ چنانچہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے خلفا کو حکم دیا کہ وہ نسطوریوں کی بہت عزت و توقیر کریں۔ اور عرب لوگ آج تک اس حکم کی پابندی کرتے ہیں۔" (لارنٹ صفحہ ۱۲۸)۔ اس سے پہلے اس فرقے کے بیشتر لوگ ایرانی سلطنت میں پائے جاتے تھے جہاں شاہان عجم کبھی تو ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور کبھی بدسلوکی کرتے لہٰذا ان کی زندگی اضطراب اور تزلزل کی حالت میں بسر ہو رہی تھی۔ خاص طور پر جب ایران اور روم کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تو ان پر اس بدگمانی کی بنا پر سختی کی جاتی تھی کہ وہ ایران کے عیسائی دشمنوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ لیکن مسلمان خلفا کے زمانے میں ان کو اپنے وطن میں ایسا امن و امان نصیب ہوا کہ انہوں نے بیرونی ملکوں میں پوری طاقت کے ساتھ اپنی تبلیغی کوشش تیز کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے چین اور ہندوستان کی طرف اپنے مشنری روانہ کر دیے اور آٹھویں صدی میں ان دونوں ملکوں میں وہاں کے مذہبی عہدے دار عیسائیوں نے اپنے قدم جما لیے۔ اس کے بعد انہوں نے عیسائی مذہب کو ایشیا کے دوسرے سرے تک پھیلا دیا اور گیارہویں صدی تک تاتاریوں میں سے بہت سے لوگوں کو عیسائی بنا لیا۔ (جے لابورٹ صفحہ ۳۷۔ پیرس ۱۹۰۴ء)۔

اگر دوسرے عیسائیوں نے ایسی سرگرم کوششوں کا مظاہرہ نہیں کیا تو اس میں مسلمانوں کی کوئی قصور نہیں تھا۔ اسلامی حکومت نے تو سب کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اس کے علاوہ وہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے پر ظلم و ستم کرنے سے روکتی تھی۔ (ای فان ڈوب شٹز صفحات ۳۹۰، ۳۹۱)۔ پانچویں صدی میں ایک نسطوری بشپ برسومانے فارس کے بادشاہ سے کہا کہ نسطور ایرانیوں کا دوست ہے اور اس کے عقاید بھی ان کے مذہب سے قریب ہیں چنانچہ اس نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ قدامت پسند کلیسا کے خلاف ایک سخت مہم شروع کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کلیسا کے ۷۸۰۰ پادریوں اور ان کے ساتھ بہت سے عیسائی عوام کو ذبح کر دیا گیا۔ (میخائل دی ایلڈر جلد دوم صفحات ۴۳۹، ۴۴۰)۔ اس فرقے کے خلاف اسی قسم کی ایک اور ظالمانہ کارروائی خسرو ثانی کے عہد میں کی گئی۔ جب قیصر ہرقل نے ایران پر حملہ کیا تو یعقوبی فرقے کے ایک عیسائی نے شاہ ایران کو بہکایا اور کہا کہ قدامت پسند فرقے کے عیسائی ہمیشہ اپنے ہم مذہب بازنطینیوں کی طرف مائل رہیں گے۔ (ماکن صفحہ ۱۳۹، پیرس ۱۹۰۴ء)۔ لیکن اہل اسلام، جو مذہبی رواداری کے اصول پر کاربند تھے، ایسی بے انصافیوں کو ہرگز روا نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنی تمام عیسائی رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کریں۔ ان کے عدل و انصاف کی ایک مثال یہ ہے کہ فتح مصر کے بعد یعقوبی فرقے کے عیسائیوں نے بازنطینی حکام کے اخراج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آرتھوڈکس عیسائیوں کے گرجا گھروں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد میں جب ان عبادت گاہوں کے اصلی مالکوں نے اپنا حق ملکیت ثابت کر دیا تو مسلمانوں نے ان کے کلیسا واپس دلوا دیے۔ (رنا ڈو: صفحہ ۱۶۹)۔

اس مذہبی آزادی [illegible] نے ابتدائی دور میں عیسائی رعایا کو دے رکھی تھی، اس عام خیال کی [illegible] ہم اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جبر و اکراہ کے علاوہ [illegible] اسباب کو تلاش کریں [illegible] تبدیل مذہب کا موجب ہوئے۔

لیکن بدقسمتی سے اس موضوع کے متعلق تفصیلات دستیاب نہیں اور ہمیں مجبوراً قیاس ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ (فان کریمر نے کیا خوب لکھا ہے: ''ہم عرب مورخوں کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں سے قدیم اسلامی عہد کے بارے میں ہمارے لیے سیاسی اور فوجی معلومات کے ذخیرے جمع کر دیے ہیں جو ایسے جامع اور مکمل ہیں جیسے کہ بارہ سو سال پہلے جامع اور مکمل ہو سکتے تھے۔ لیکن اس یادگار زمانے کی اندرونی تاریخ کا ہلکا سا خاکہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جس سے اس جنگ کا پتا چل سکے جو ایک نئے اور ناپختہ مذہب (اسلام) کی ایک دوسرے قدیم اور ترقی یافتہ مذہب (عیسائیت) کے ساتھ ہوئی تھی۔'' فان کریمر (۲) صفحات ۱،۲)۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں، جب مذہبی مناظرے زوروں پر تھے، بعض ایسے صاحب فکر بھی موجود ہوں جن کے دل و دماغ اپنے انداز فکر کی بنا پر اسلامی عقاید قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ مثال کے طور پر آٹھویں صدی کے ایران کے دو شہریگان یعنی زمیندار، جو عیسائی کہلاتے تھے لیکن یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک بشر اور خدا کے نبی تھے۔ (تھامس آف مارگا جلد دوم صفحہ ۳۰۹)۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ لوگ نسطوری فرقے کے پادریوں کے لیے خاصی زحمت کا باعث بنے جو انہیں قدامت پسندی کے راستے پر لانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ (تھامس آف مارگا جلد دوم صفحات ۳۱۰، ۳۲۴)۔ یہ لوگ اپنے عقاید کے اعتبار سے عیسائیت کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب تھے اور جب عربوں نے ایران کو فتح کر لیا تو ان کے قبول اسلام سے نومسلموں کی تعداد میں غالباً بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہوگا۔

بہت سے عیسائی علما کا خیال ہے (ملاحظہ کیجیے میکلنٹوخ اینڈ اسٹرانگ انسائیکلو پیڈیا جلد ششم صفحہ ۲۲۰ نیز جیمز فری مین کلارک کی کتاب Ten Great Religions صفحہ ۷۵ لندن ۱۸۳۳ء) کہ اس زمانے میں مشرقی کلیسا کی اخلاقی اور روحانی پستی سے لوگوں کے دل عیسائیت سے برگشتہ ہو گئے تھے اور وہ لوگ ایک پاکیزہ روحانی فضا کی جستجو میں اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے تھے جو ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ ان تک پہنچا تھا۔ (چنانچہ ایک مسلم مورخ نے شہنشاہ ہیراقلیس سے یہ بات منسوب کی ہے: ''ان کا مذہب نیا دین ہے جس کی وجہ سے ان میں تازہ جوش وخروش پایا جاتا ہے۔'' (طبری صفحہ ۲۱۰۳)۔ مثال کے طور پر ڈین ملمین نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال کیا ہے کہ ''ان ملکوں میں عیسائیت کی کیا حالت تھی جن پر اسلام کا سب سے پہلے حملہ ہوا؟ حالت یہ تھی کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کا مخالف تھا اور مسیحی علما مذہبی عقاید کے نہایت دقیق اور مابعد الطبیعیاتی مسئلوں پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ آرتھوڈوکس، نسطوری، یعقوبی اور یونیکس کے پیروکار انتہائی دشمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر ظلم و ستم کر رہے تھے اور مذہبی اختلافات کی خرابیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ بجائے اس کے کہ تمام عیسائی فرقے مل کر عیسائیت کی حمایت اور حفاظت کرتے، وہ اپنے مخالفین کو اہل اسلام کے زیر نگیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے ایمان کو ان مسلسل مباحثوں نے متزلزل کر دیا تھا لہٰذہ اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ہزاروں لوگوں نے ان متواتر مناظروں سے پریشان اور بیزار ہو کر توحید الٰہی کے سیدھے سادے عقیدے میں کیوں پناہ لی حالانکہ انہیں اس کے ساتھ ہی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی رسالت کا بھی اقرار کرنا پڑا۔ (History of Latin Christianity جلد دوم، صفحات ۲۱۶، ۲۱۷)۔

کیتانی کا بھی یہی خیال ہے کہ مشرقی کلیساؤں کے پیروکاروں میں اسلام کی اشاعت اس وجہ سے ہوئی کہ وہ لوگ ان موشگافیوں سے تنگ آ گئے تھے جو یونانی طرز فکر نے عیسائیت میں داخل کر دی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اہل مشرق صاف اور سادہ نظریات کو پسند کرتے ہیں لہٰذہ مذہبی نقطہ نظر سے یونانی تہذیب عیسائیت کے لیے ایک آفت اور مصیبت ثابت ہوئی جس نے حضرت عیسیٰ کی سادہ اور اعلیٰ تعلیمات کو ایک ایسے مذہب میں تبدیل کر دیا جس کے عقاید انسانی فہم سے بالاتر اور شکوک و شبہات سے پر تھے۔ اس غیر یقینی صورت حال نے لوگوں کے دلوں میں یاس اور نا امیدی پیدا کر دی اور ان کے مذہبی عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ آخر کار جب انہیں یہ خبر ملی کہ عرب کے صحرا میں ایک نئی وحی اتری ہے تو یہ مسخ شدہ مسیحیت، جو اندرونی اختلافات سے پارہ پارہ ہو چکی تھی، جس کے بنیادی عقاید متزلزل تھے اور جس پر شکوک و شبہات کی وجہ سے مایوسی چھائی ہوئی تھی، ایک ایسے نئے دین کی دلفریبی کا مقابلہ نہ کر سکی جس نے ان کے تمام شکوک دور کر دیے تھے۔ چنانچہ مشرق کے عیسائیوں نے حضرت مسیح کو خیر باد کہہ کر خود کو پیغمبر عرب کی باہوں میں ڈال دیا۔''

(کیتانی جلد دوم صفحات ۱۰۴۵، ۱۰۴۶)۔

اسی طرح کینن ٹیلر اپنے مقالے (وہ مقالہ جو ۷ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو وولور ہیمپٹن چرچ کانگریس میں پڑھا گیا) میں لکھتے ہیں: ''اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ اسلام، جو در اصل یہودی مذہب کی ایک اصلاح شدہ صورت ہے، افریقا اور ایشیا میں تیزی کے ساتھ کیوں پھیلا۔ افریقا اور شام کے عیسائی علما نے حضرت عیسیٰ کے دین کی جگہ دقیق اور دشوار مابعد الطبیعیاتی فلسفیانہ مسائل پیدا کر دیے تھے۔ اپنے زمانے کی بدکاری کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے یوں کوشش کی کہ تجرد کی آسمانی خوبیوں کی تلقین اور کنوارے پن کے ملکوتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصف کی ستائش کریں۔ ترک دنیا تقدیس کی راہ ٹھہری اور گندگی راہبوں کا خاصہ! لوگ عملی طور پر مشرک تھے کیونکہ وہ شہیدوں، ولیوں اور فرشتوں کے ایک جم غفیر کی پرستش کرتے تھے۔ معاشرے کے اعلیٰ طبقے مردانہ اوصاف سے عاری اور بدعنوان تھے اور متوسط درجے کے لوگ ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے۔'' (بازنطینی سلطنت کے ظالمانہ مالیاتی نظام کے بارے میں دیکھیے گفرورر کی بازنطینی تواریخ جلد دوم، صفحات ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۸۹ تا ۳۹۱، ۴۵۰)۔ باقی رہے غلام، ان کو نہ تو اس دنیا میں فلاح و بہبود کی امید تھی اور نہ ہی آخرت میں! اسلام نے گویا ایک خدائی جھاڑو سے ان تمام توہمات اور خرافات کو خس و خاشاک کی طرح صاف کر دیا۔ اسلام خالی خولی مذہبی مناظروں کے خلاف ایک بغاوت اور تجرد کے خلاف، جسے تقدس کا تاج سمجھا جاتا تھا، ایک مردانہ وار احتجاج تھا۔ اسلام نے مذہب کے بنیادی اصولوں کو پیش کیا یعنی خدا کی وحدانیت، عظمت، رحمت اور عدالت کا اعلان کیا اور کہا کہ صرف اسی کی ذات اطاعت اور تسلیم و رضا کی مستحق اور سزاوار ہے۔ اسلام نے یہ اعلان بھی کیا کہ انسان اپنے اعمال کا ذمے دار اور جواب دہ ہے اور آخرت میں یوم الحساب آنے والا ہے جہاں گنہگاروں پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ اس نے نماز، روزے، زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کو فرض قرار دیا اور مصنوعی قسم کی نیکیوں اور مذہبی دجل و فریب کی سختی سے تردید اور بگڑے ہوئے انسانی جذبات اور مذہبی مباحثوں کی لفظی باریکیوں کی مذمت کی۔ اسلام نے مردانگی کو رہبانیت کی جگہ دی، غلاموں کو نجات کی امید دلائی، بنی نوع انسان کو اخوت کا درس دیا اور انسانی فطرت کے بنیادی حقائق کا اعتراف کیا۔

اسلام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بازنطینی پادریوں کے اندازِ فکر کے خلاف ایک ردعمل تھا۔ ''ظہور اسلام گویا اس بدسلوکی کا ردعمل تھا جو بازنطینی قیصر جسٹینین نے نوع انسانی کے ساتھ بالعموم اور اس کلیسا کے ساتھ بالخصوص روا رکھی تھی جس کا روحانی پیشوا اور دنیاوی حاکم ہونے کا وہ مدعی تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے، جو جسٹینین کی وفات کے چھ سال بعد ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے، اپنی تعلیم و تلقین سے ایسی کامیابی حاصل کی جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی تھی۔ اس کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جو قومیں بازنطینی سلطنت کے حدود میں رہتی تھیں، ان کے دلوں میں اس ظلم و ستم کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی جس کی ابتدا قیصر باسل Basil نے کی تھی۔'' (گفرورر کی بازنطینی تواریخ جلد دوم صفحہ ۴۳۷)۔ یہ پادری قیصر روم کے دربار کو عرش معلیٰ کی ایک نقل سمجھتے تھے اور قیصر کو نہ صرف زمین پر تمام عیسائیوں کا حاکم اعلیٰ جانتے تھے بلکہ اسے ان کا مذہبی پیشوا بھی تصور کرتے تھے۔ (گفرورر کی بازنطینی تواریخ جلد دوم صفحات ۲۹۶ تا ۳۰۶، ۳۳۷)۔ جسٹینین کے عہد میں اس کلیسائی نظام نے ایک استبداد کی صورت اختیار کر لی جس کے آہنی شکنجے میں پادری اور عوام سختی کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ قسطنطنیہ میں کلیسا اور سلطنت دونوں کے بارے میں جو عام بے اطمینانی اور ناراضی پائی جاتی تھی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے ۵۳۲ء میں جسٹینین کی حکومت کے خلاف ایک کھلی بغاوت کی شکل اختیار کر لی جو ۳۵ ہزار آدمیوں کے قتل کے بعد فرو ہو سکی۔ باغیوں کی جماعت نے، جو سبز پوش کہلاتے تھے، سرکس یعنی تماشا گاہ میں قیصر کے ظلم و جور کے خلاف تشدد آمیز احتجاج کیا اور پکار کر کہا: ''عدل و انصاف دنیا سے اٹھ گیا ہے اور کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ ہم یہودی ہو جائیں گے یا یونانی بت پرستی کو دوبارہ اختیار کر لیں گے۔'' (گفرورر کی بازنطینی تواریخ، جلد دوم صفحات ۴۴۲ تا ۴۴۴)۔ ایک صدی گزرنے کے بعد بھی بے چینی اور بے اطمینانی کے وہ اسباب دور نہ ہو سکے جو بغاوت کی صورت میں ظاہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ بازنطینی حکومت نے اس قدر سختی سے کام لیا کہ ۵۳۲ء جیسی بغاوت دوبارہ برپا ہونے کا سد باب ہو گیا اور باغی لوگ روپوش ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ۵۶۱ء میں چند خفیہ بت پرست پکڑے گئے اور ان کو سزائیں بھی دی گئیں۔ (گفرورر کی بازنطینی تواریخ جلد دوم صفحہ ۴۴۵)۔ لیکن اس قسم کے باغیوں کو دارالحکومت سے دور زیادہ حفاظت میسر آئی۔ چنانچہ ملحدوں اور دوسرے لوگوں نے، جو بازنطینی سلطنت اور کلیسا سے متنفر تھے، مشرق میں پناہ لے لی اور یہی وہ علاقے ہیں جہاں ان باغیوں اور ملحدوں کے روحانی بچوں نے، جو ایک سو سال پہلے اپنے مسیحی دین کو کسی اور مذہب سے تبدیل کرنا چاہتے تھے، مسلمان فوجوں کا خیر مقدم کیا۔

اس کے علاوہ جب پوری اسلامی سلطنت، خاص طور پر شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں میں عربی زبان عام طور پر رائج ہو گئی اور مفتوحہ اقوام کے بہت سے افراد نے دو سو برس کے عرصے میں فاتحین کے آداب واطوار بتدریج اختیار کر لیے اور ان کی قومی زندگی میں شیر و شکر ہو گئے تو ان حالات میں بہت سے ذمیوں کی مذہبی اور فکری زندگی نے یقیناً اسلام کا اثر قبول کر لیا ہو گا۔ بہت ممکن ہے کہ معتزلہ کی اس عقلی تحریک نے، جو دوسری صدی سے پانچویں صدی ہجری تک پورے زور و شور سے جاری رہی، عیسائی علما کو متاثر کیا ہو اور ان کو ایسے مذہب سے برگشتہ کر دیا ہو جس کے دینی عقاید کا اس زمانے میں یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ناممکن بات کو محض اس لیے واجب الیقین سمجھا جائے کہ وہ ناممکن ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے ایک مسلمان مصنف نے ایک قبطی عیسائی کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کیا ہے جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مشرق کے دوسرے عیسائی فرقوں کا عام انداز فکر کیا تھا۔ قبطی نے کہا: ''میرے نزدیک عیسوی دین کی صحت اور صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں اس کے عقاید کو باہم متناقض پاتا ہوں اور وہ ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اور انسانی عقل ان کو رد کرتی ہے۔ ان کے باہمی اختلاف اور تضاد کی وجہ سے لوگ ان سے بھاگتے ہیں، نہ تو غور و خوض سے ان کو تقویت ملتی ہے اور نہ ہی بحث و مباحثے سے ان کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور نہ عقلی اور حسی دلائل سوچ و بچار اور تحقیق کے بعد ان کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے باوجود میں نے دیکھا ہے کہ بہت سی قوموں اور عظیم الشان بادشاہوں نے، جو معرفت اور صائب رائے کے مالک تھے، ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیروی کی ہے اور ان پر ایمان لائے ہیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اگر عیسائی عقاید کو ان کے باہمی تناقض کے باوجود قبول کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے معجزوں اور کرامتوں کا مشاہدہ کیا ہے جس سے وہ ان کی پیروی کرنے مجبور ہو گئے ہیں۔" (مسعودی جلد دوم، صفحہ ۳۸)۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ لوگ جو اپنے زمانے کے عقلی رجحانات کے اثر سے نصرانیت کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، ان کو معتزلہ کے عقاید میں بہت سی ایسی باتیں ملی ہوں گی جو دونوں مذہبوں میں مشترک تھیں۔ جہاں تک اجزائے ایمان اور دوسرے دینی مسائل کا تعلق ہے، انہوں نے دین کی تبدیلی کو اس قدر سختی سے محسوس نہیں کیا ہوگا جتنا کہ ان کے بارے میں گمان ہوسکتا ہے۔ قطع نظر ان متعدد بنیادی عقاید کے، جو ان لوگوں کے ذہن میں موجود ہوں گے جنہیں رسول عربیؐ کی تعلیم سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے، بہت سے ایسے مشترکہ مسائل بھی ہیں جو دمشق میں اموی عہد میں اور بعد کے زمانے میں بھی مسیحی اور مسلمان علما کے باہمی گہرے تعلقات سے براہ راست پیدا ہوئے کیونکہ اس بات کی صریح شہادت موجود ہے کہ بازنطینی علما اسلامی عقاید کی باضابطہ تشکیل وتدوین پر اثر انداز ہوئے تھے۔ چنانچہ عربی زبان میں اسلامی عقیدے کی جو قدیم ترین صورت اور ترتیب ہے اس کا یوحنا دمشقی اور دوسرے نصرانی علما کے دینی رسائل سے مقابلہ اور موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ (فان کریمر (۲) صفحہ ۸)۔ اسی طرح قدیم ترین عربی تصوف، جس کا میلان خالص زہد کی طرف تھا (اور جو زمانہ مابعد کے اس تصوف سے جداگانہ تھا جس نے وحدت الوجود کا عقیدہ اختیار کیا) زیادہ تر مسیحی فکر کے اثر سے پیدا ہوا۔ (فان کریمر صفحہ ۵۴ اور) ۳ (صفحہ ۳۲ نیز نکلسن صفحہ ۲۳۱)۔ اس اثر کا پتا خاص طور پر بعض ایسے معتزلہ علما کے نظریات سے بھی چلتا ہے جو بازنطینی عالموں کے طریقے پر خدا کی ذات وصفات کی بحث میں منہمک ہوگئے تھے۔ (محمد بن الہذیل کی نسبت، جو علمائے معتزلہ میں سے تھا اور خلیفہ المامون کا استاد تھا، کہا گیا ہے کہ اس نے تین ہزار آدمیوں کو مسلمان کیا تھا۔ (احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ صفحات ۲۶، ۱، ۷)۔ مسلمانوں کے فرقہ قدریہ نے اپنے عقیدۂ قدر کو غالباً عیسائیوں ہی کے اس مسلک سے براہ راست اخذ کیا تھا کہ انسان اپنے افعال واعمال میں خود مختار ہے۔ اسی طرح مرجیہ نے، جس نے دائمی عذاب جہنم سے انکار کیا، ان کا یہ عقیدہ بھی، جو عام مسلمانوں کے خلاف تھا، مشرقی کلیسا کی تعلیم کے ساتھ عملی مطابقت رکھتا تھا۔ (فان کریمر (۲) صفحات ۳، ۷، ۸، سی ایچ بیکٹ جلد ۲۶، ۱۹۱۲ء)۔ دوسری طرف کفار کو مسلمان بنانے میں اسلام کے راسخ العقیدہ علما نے جو اثر ورسوخ دکھایا، اس کی شہادت اس روایت سے ملتی ہے کہ جب عظیم امام احمد بن حنبلؒ نے انتقال کیا تو ان کے ارشاد وہدایت سے بیس ہزار عیسائی، یہودی اور مجوسی مسلمان ہو چکے تھے۔ (ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۵)۔ اسی طرح حنبلی فقہ کے ایک اور مشہور فقیہہ ابوالفرج ابن الجوزی (۱۱۱۵ء سے ۱۲۰۱ء) نے، جو اپنے زمانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مقبول واعظ اور کثیر التصنیف عالم تھے، فخریہ کہا تھا کہ ان کے ہاتھ پر بھی اسی قدر یعنی بیس ہزار افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ (وسٹن فیلڈ: صفحہ ۱۰۳)۔

اس کے علاوہ افواج اسلام کی وسیع اور بے نظیر کامیابی نے بھی ان مسیحی قوموں کے ایمان کو متزلزل کر دیا جو اہل اسلام کی محکوم بنیں اور جنہوں نے اسلامی فتوحات میں خدا کے ہاتھ کو کارفرما دیکھا۔ (میخائل دی ایلڈر، جلد دوم صفحات ۴۱۲، ۴۱۳، نیز کیتانی جلد پنجم صفحہ ۵۰۸۔ کیتانی لکھتے ہیں: "عربوں نے یونانیوں اور ایرانیوں پر جو فتوحات حاصل کیں، وہ محض عرب قوم کی فتح وظفر نہ تھی جو اسے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں پر حاصل ہوئی بلکہ مشرقی اقوام کے نزدیک، جو ہر بات میں خدا کا ہاتھ کارفرما دیکھتے ہیں، یہ فتوحات اسلام کی فتوحات تھیں جو اسے مجوسیوں اور خاص طور پر عیسائیوں کے مذاہب کے مقابلے میں حاصل ہوئیں)۔" وہ دنیا کی خوش حالی اور اقبال مندی کو خدا کی مہربانی کا نتیجہ سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ رب الافواج صرف ان ہی لوگوں کو فتح و کامرانی عطا کرتا ہے جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی کامیابی میں انہیں اسلام کی حقانیت کی دلیل نظر آئی۔

اسلامی اخوت، جس کی رو سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی تصور ہوتے ہیں، اسلام کا ایک ایسا اعلیٰ اصول تھا جس میں لوگوں کے لیے بے انتہا کشش پائی جاتی تھی۔ کئی نسلوں تک عرب لوگ اپنے اسی نسبی افتخار کے زعم میں اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ نومسلموں کو فرماں روا قوم کے اختیارات اور امتیازات نہ ملنے پائیں۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب نومسلم مختلف عرب قبیلوں کے ساتھ موالی کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے تو اس طرح انہوں نے ملت اسلامی میں اپنے لیے ایک مسلمہ درجہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے آخر تک اسلامی اخوت کے اصول نے نومسلموں کو ان کا حقیقی مرتبہ دلا دیا تھا اور اسلامی سلطنت میں اسے کم سے کم اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ (گولڈزیہر، جلد اول، ابواب تین اور چار)۔

لیکن اسلامی عہد میں عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ ایسی رواداری کا سلوک نہیں ہوا جس قسم کی رواداری ان کے ساتھ ابتدائے خلافت میں روا رکھی گئی تھی۔ مسلمانوں کے مفادات کے پیش نظر بعض اوقات غیر مسلموں (یا ذمیوں) پر ایسی تکلیف دہ شرائط اور پابندیاں عاید کر دی گئی تھیں جن کا مقصد اہل اسلام کو اعلیٰ معاشرے میں فائدہ پہنچانا تھا۔ کئی خلفا نے کوشش کی کہ ذمیوں کو سرکاری عہدوں سے محروم کر دیں لیکن ان کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہوئیں۔ خلیفہ المنصور (۷۵۴ء سے ۷۷۵ء) خلیفہ المتوکل (۸۴۷ء سے ۸۶۱ء) المقتدر (۹۰۸ء سے ۹۳۲ء) اور مصر کے فاطمی خلیفہ الامر کے علاوہ مملوک سلاطین نے بھی چودھویں صدی میں اس ضمن میں کئی فرمان جاری کیے۔ (اس قسم کا آخری فرمان عیسائیوں کی طرف سے قاہرہ شہر کو جلانے کی سازش منظر عام پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنے کے بعد جاری کیا گیا۔(ڈی گینس، جلد چہارم، صفحات ۲۰۴، ۲۰۵، گوتھیل صفحہ ۳۵۹ نیز جرنل ایشیا ٹک، چوتھا سلسلہ جلد ۱۸، ۱۸۵۱ء صفحات ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۳، ۴۸۴، ۴۹۱)۔لیکن ان احکام کا بار بار جاری ہونا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس پالیسی میں نہ تو کوئی تسلسل تھا اور نہ ہی ایسے متعصبانہ احکام کی تعمیل میں کسی مستعدی سے کام لیا جاتا تھا۔واقعہ یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی عہدیدار اپنی سختی اور گستاخانہ برتاؤ سے عوام میں ناراضی پیدا کر دیتے تھے (اسیمانی، جلد سوم نیز رینارڈو، صفحات ۴۴۲، ۶۰۳، ۶۰۷) یا عوام کا تعصب پھوٹ پڑتا تھا جس سے حکومت ایسا تشدد کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی جو اسلامی حکومت کی عمومی روح کے منافی تھا اور اس قسم کے احکام بہت جلد خود بخود کالعدم ہو جاتے تھے۔

دیسی عیسائی آبادی کے ساتھ سختی کا برتاؤ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد (۷۸۶ء سے ۸۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے۔اس نے عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک مخصوص لباس پہنا کریں اور جن سرکاری عہدوں پر وہ مامور ہیں، مسلمانوں کے لیے خالی کر دیں۔ پہلے حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدنامے کے کم سے کم ایک حکم کی بہت پابندی ہوئی تھی۔ یہ احکام کسی مذہبی جذبے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اس زمانے کے ملکی حالات ان کے مقتضی ہوئے۔اسلامی حکومت میں عیسائیوں نے اکثر اوقات اس وجہ سے نقصان اٹھایا ہے کہ بیرونی عیسائی حکومتیں مسلمان فرمانرواؤں کے ساتھ بے ایمانی اور بدعہدی کرتی تھیں اور اس موقعے پر بھی یہ بازنطینی قیصر نائسفورس کی عہد شکنی اور بدعہدی تھی جس کی وجہ سے کسی عیسائی کا نام سنتے ہی ہارون الرشید کی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔(ولیم میور: The caliphate صفحہ ۴۷۵)۔اسلامی ملکوں میں عیسائیوں کے ساتھ جب بھی بدسلوکی ہوئی ہے، اس کا بڑا سبب یہی رہا ہے کہ غیر ملکی عیسائیوں یا اسلام کے دشمنوں کی سازشوں اور بے جا دخل اندازی سے عیسائی رعایا کی وفاداری مشکوک ہو جاتی تھی یا عیسائی مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کر کے یا اپنے وحشیانہ برتاؤ سے مسلمانوں کے دلوں میں دشمنی ڈال دیتے تھے۔لیکن مذہبی تعصب بھی بسا اوقات اس بدسلوکی کا باعث ہوا ہے۔مثلاً خلیفہ المتوکل کے عہد (۸۴۷ء سے ۸۶۱ء) میں عیسائیوں کو دبانے کے لیے بڑے سخت اقدامات کیے گئے۔گزشتہ خلفا کے دور میں عقلی تحریکوں اور آزادخیالی کے رجحان کو جو غلبہ حاصل ہو رہا تھا، جب راسخ العقیدہ لوگوں میں اس کے خلاف سخت ردعمل ہوا تو المتوکل نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو ان لوگوں کا حامی و ناصر ظاہر کر کے میدان عمل میں اتر آیا۔اگرچہ معاشرے کے اعلیٰ طبقے ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے لیکن اکثر عوام الناس انہی لوگوں سے وابستہ تھے۔(فون کریمر (۳) صفحہ ۲۴۶)۔یہ لوگ اسی جور وستم کا انتقام لینا چاہتے تھے جو انہوں نے گزشتہ دو خلفا کے عہد میں برداشت کیا تھا (ولیم میور (۱) صفحات ۵۰۸، ۵۱۶، ۵۱۷)۔چنانچہ المتوکل نے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے معتزلہ پر سختی شروع کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی، خلق قرآن کے مسئلے پر مزید بحث کو قطعاً روک دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے، وہ ملحد ہے۔ اس نے شیعان علیؓ کو قید خانے میں ڈال دیا اور ان کو زدوکوب کیا، کربلا میں امام حسینؓ کے روضے کو مسمار کر دیا اور اس مقام کی زیارت کی ممانعت کر دی۔ المتوکل کی طرف سے جب ملحدوں پر ظلم وستم ہوا تو لامحالہ عیسائیوں کو بھی ان کا حصے دار بننا پڑا۔ چنانچہ گزشتہ زمانے میں ذمیوں کے امتیازی لباس کے بارے میں جو احکام جاری ہوئے تھے، المتوکل نے ان پر سختی سے عمل کیا اور حکم دیا کہ سرکاری دفاتر میں عیسائیوں کا تقرر نہ کیا جائے۔ اس نے جزیے کی رقم کو دوگنا کر دیا اور ان کو مسلمان غلاموں سے خدمت لینے یا مسلمانوں کے حمام استعمال کرنے سے روک دیا۔ غرض خلیفہ نے اس قسم کی سختیوں اور پابندیوں سے عیسائیوں کو بہت تنگ کیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس عہد میں سب سے زیادہ مظالم نسطوری فرقے پر ہوئے جس کے مورخین لکھتے ہیں کہ اس قسم کا تشدد، جو المتوکل کے ساتھ مخصوص تھا، ان کے لیے یہ ایک نئی چیز تھی۔ اور جب اس خلیفہ کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی اس کے تشدد اور سخت گیری کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ المتوکل کے ایک جانشین خلیفہ المقتدر (۹۰۸ء سے ۹۳۲ء) نے ان احکام کو از سر نو جاری کیا کیونکہ نصف صدی گزرنے کے بعد یہ ضوابط بظاہر متروک ہو چکے تھے۔

عوام کے مذہبی تعصب سے جو ہنگامے برپا ہوئے تھے، ان میں یہود اور نصاریٰ کی عبادت گاہیں تباہ ہو جاتی تھیں اور اس قسم کے جور و تعدی کے خوف سے بہت سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا تھا۔ (ماری بن سلیمان، صفحہ ۱۱۴)۔ لیکن اس قسم کا ظلم وستم اسلام کے اصول رواداری کے خلاف اور اس تعلیم کے منافی تھا جو ذمیوں کے بارے میں از روئے روایات رسول خداؐ کی طرف سے منسوب کی جاتی ہے۔ (یہ حدیث متعدد صورتوں میں ملتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق نبی کریمؐ نے فرمایا ''جس شخص نے کسی ذمی پر، جس سے ہمارا معاہدہ ہے، ظلم کیا اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا تو میں اس کو ملزم ٹھہراؤں گا۔'' (بلاذری صفحہ ۱۶۲)۔ یحییٰ بن آدم نے صفحہ ۵۴ میں اس حدیث میں ''قیامت کے دن تک'' کے الفاظ کا اضافہ کیا۔ ''جس کسی نے اس ذمی پر تشدد کیا جس نے جزیہ ادا کیا ہو اور اطاعت قبول کی ہو، اس شخص کا دشمن میں ہوں گا۔'' (جیوئش انسائیکلو پیڈیا جلد ششم صفحہ ۱۶۵)۔ عیسائی مورخ الماکن نے صفحہ ۱۱ پر یہ حدیث درج کی ہے: ''جو کوئی ذمیوں کو ایذا پہنچاتا ہے، وہ مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔'' متعصب اور جنونی لوگوں نے غیر مسلموں کی تذلیل کے لیے جابرانہ احکام پر عمل کرنے کی بے سود کوشش کی۔ ''علما اس صورت حال پر غور کرتے تھے، خاموشی کے ساتھ روتے اور کراہتے تھے لیکن حکمران، جو ان دراز دستیوں کو روکنے کی طاقت رکھتے تھے، ان کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔'' (جرنل ایشیاٹک جلد ۱۹ صفحہ ۱۰۹ پیرس ۱۸۵۲ء نیز دیکھیے آرم کو تھیل: سرکاری عہدوں پر ذمیوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقرر کے سلسلے میں فتویٰ جلد ۲۶ صفحہ ۲۰۳)۔ جو قواعد اور ضوابط متعصب ملا لوگ غیر مسلموں کو دبانے کے لیے وضع کریں، وہ ایسے قوانین نہیں ہیں کہ ان کو سول حکومتوں کے عمل درآمد کے لیے معیار قرار دیا جا سکے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے لوگ سمجھ نہیں سکے اور اسی غلط فہمی کی بنا پر اسلامی حکومت میں عیسائیوں کے مصائب کی مبالغہ آمیز تصویریں ان مصنفوں کے قلم سے تیار ہوئیں جنہوں نے غلطی سے یہ بات فرض کر لی تھی کہ چند مسلمان علما کے بنائے ہوئے قوانین پر مستقل طور پر عمل ہوتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس قسم کے ہنگامے اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مامور عیسائیوں کی طرف سے اپنے عہدے کے ناجائز استعمال کی وجہ سے بھی برپا ہوتے تھے۔ یہ عیسائی عہدے دار مسلمانوں پر ظلم کر کے ان کے دلوں سے اپنے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا کر لیتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو لوٹتے اور انہیں تنگ کرتے تھے، ان کے ساتھ بڑی سختی اور گستاخی سے پیش آتے تھے اور ان سے ان کی زمینیں اور دولت چھین لیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کی شکایتیں خلیفہ المنصور (۷۵۴ء سے ۷۷۵ء) المہدی (۷۷۵ء سے ۷۸۵ء) المامون (۸۱۳ء سے ۸۳۳ء) المتوکل (۸۴۷ء سے ۸۶۱ء) المقتدر (۹۰۸ء سے ۹۳۲ء) اور ان کے بہت سے جانشینوں کے سامنے پیش ہوئیں۔ (بیلن صفحات ۴۳۵ سے ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۵۶، ۴۴۲ سے ۴۶۱، ۴۷۹، ۴۸۰)۔ عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی طرف سے اس وجہ سے بھی متنفر کر لیا تھا کہ وہ عباسی خلفا کے مخبر تھے اور اموی خاندان کے طرف داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کراتے تھے۔ (بیلن صفحہ ۴۳۵)۔ بعد میں صلیبی جنگوں کے دوران یہ الزام لگایا گیا کہ وہ صلیبیوں کے ساتھ باغیانہ خط و کتابت رکھتے تھے۔ (بیلن صفحہ ۴۷۸)۔ ان وجوہ کی بنا پر عیسائیوں پر ایسی سخت پابندیاں لگا دی گئیں جن کو از روئے انصاف مذہبی نوعیت کی بنا پر ایذا رسانی نہیں کہا جا سکتا۔

محکوم لوگوں کی زندگی میں جس نسبت سے دشواریاں بڑھ گئیں، اسی نسبت سے ان میں اپنی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی ترغیب میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جب کبھی اسلامی حکومت کو سرمائے کی ضرورت پیش آتی اور یہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی، تو محکوم رعایا پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا دیا جاتا۔ اس سے غیر مسلموں کی حالت خراب ہوتی گئی اور اسی نسبت سے قبول اسلام کے واقعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ متاخر زمانے کے عیسائی مورخین کی کتابیں جن افسوس ناک اور رسوا کن واقعات سے بھری پڑی ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ عیسائی کلیسا اپنے پیروؤں میں ایمان اور اخلاق کی وہ قوت پیدا کرنے میں ناکام رہا تھا جس کی بدولت وہ ناموافق حالات کی سختی کو برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا اور جیسا کہ نسطوری فرقے کے ایک مورخ نے لکھا ہے، ترک مذہب کے اسباب یہ تھے کہ لوگ مذہبی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرائض کی ادائیگی سے غافل ہو گئے تھے اور پادریوں کی زندگی فاسقانہ تھی۔ (دسویں صدی کے آخر میں عیسائیوں پر جو ستم روا ہوا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کو جس طور پر ترک کیا، ماری بن سلیمان (صفحات ۱۱۵،۱۱۱،۲۰۱) نے اس کی وجہ ان لفظوں میں بیان کی ہے: ''یعنی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اپنے مذہبی فرائض سے غافل ہو گئے اور ان کے گرجاؤں کے پادری اور مقدس مقامات کے متولی فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے تھے۔'')۔

عیسائی آبادی میں جو کمی واقع ہوئی، اس کا ایک اور سبب یہ تھا کہ بہت سی عیسائی عورتیں جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آ گئی تھیں اور ان کو حرم سراؤں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی، وہ اپنے باپ کے مذہب پر پرورش پاتی تھی۔ ایک اور سبب یہ ہوا کہ عیسائی غلام کو اپنے مہربان آقا کی طرف سے ہمیشہ اس بات کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اسلام قبول کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی منظم کوشش ہمارے علم میں نہیں آئی جس کا مقصد غیر مسلم آبادی کو بہ جبر مسلمان بنانا ہو اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے باضابطہ ظلم و تعدی کا پتا چلا ہے جس سے عیسائی مذہب کی بیخ کنی مراد ہو۔ اگر خلفائے اسلام ان دونوں طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ بھی اختیار کر لیتے تو وہ عیسائیت کو اپنی مملکت سے اسی آسانی سے مٹا سکتے تھے جس آسانی سے فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے مسلمانوں کو اسپین سے نکال دیا تھا، یا جس طرح شاہ لوئی چہاردہم نے پروٹسٹنٹ فرقے کو فرانس میں قانوناً جرم قرار دیا تھا یا جس طرح یہودیوں کو ساڑھے تین سو برس تک انگلستان میں داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ ایشیا میں جس قدر مشرقی کلیسا موجود تھے، ان کا باقی مسیحی دنیا سے مکمل طور پر قطع تعلق ہو چکا تھا اور مغرب کے عیسائی ملکوں میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو ان کی حمایت میں انگلی تک اٹھا سکتا کیونکہ مشرقی کلیساؤں کو ملحد اور اصلی مذہب سے منحرف سمجھا جاتا تھا۔ غرض ان کلیساؤں کا آج کے دن تک زندہ رہنا ہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلامی حکومتوں نے ان کے ساتھ بالعموم رواداری کا سلوک روا رکھا تھا۔ (مصر کے خلیفہ الحاکم (۹۹۶ء سے ۱۰۲۰ء) نے فی الواقع تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ مصر کو چھوڑ کر بازنطینی علاقے میں چلے جائیں۔ لیکن ان کی منت سماجت پر خلیفہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ (مقریزی (ا) صفحہ ۱۹۱)۔ الحاکم کے لیے اپنے حکم کو نافذ کرنا ایسے ہی ممکن تھا جس طرح سلیم اول (۱۵۱۲ء سے ۱۵۲۰ء) جیسے تندخو سلطان کے لیے آسان تھا۔ سلطان سلیم نے اپنی مملکت سے تمام مذہبی اختلافات کو یک قلم ختم کرنے کے لیے چالیس ہزار شیعوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اگر وہ اپنے منصوبے کی تکمیل چاہتا تو وہ عیسائیوں کو بھی نیست و نابود کر سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے ارادے سے باز رہا تو اس نے یقیناً مذہبی رواداری کے اس عام اصول کی پاسداری کی جو مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے بارے میں اختیار کر رکھا تھا۔ (فیئلے جلد پنجم صفحات ۲۹، ۳۰)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی فتوحات کے زمانے میں مغربی ایشیا میں جو قدیم کلیسا موجود تھے، ان میں ڈیڑھ لاکھ نسطوری اس وقت بھی پائے جاتے ہیں۔(سلمر نال صفحہ ۲۶۸)۔ اور اگر دوسرے عیسائی کلیسا اپنی تبلیغی کوششوں سے انہیں اپنے مذہب میں نہ لے آتے تو ان کی تعداد اور بھی زیادہ ہوتی۔ کالڈی عیسائیوں کی تعداد، جو رومی کلیسا کے تابع ہیں، ستر ہزار ہے۔ ۱۸۹۸ء میں نسطوری بشپ مار جونان کئی پادریوں اور پندرہ ہزار نسطوریوں کے ساتھ رومی آرتھوڈوکس کلیسا میں شامل ہو گیا تھا اور بعض نسطوری ایسے بھی تھے جو پروٹسٹنٹ ہو گئے تھے۔(سلمر نال صفحہ ۲۵۴)۔ انطا کیہ کا یعقوبی اسقف اس قدیم کلیسا کے تقریباً اسی ہزار افراد کا مذہبی پیشوا ہے جب کہ یوسف یعقوبیوں کے پچیس ہزار خاندان شام کے کیتھولک لاٹ پادری کے زیر فرمان ہیں۔(سلمر نال صفحات ۲۵، ۲۶)۔ یونانی آرتھوڈوکس کلیسا میں سے ۲۸۸۳۶ خاندان انطاکیہ کے اسقف اور پندرہ ہزار سے زیادہ بیت المقدس کے لاٹ پادری کے تابع ہیں۔ یونانی کیتھولک عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار ہے (سلمر نال صفحہ ۳۳۵) جب کہ مارونی کلیسا کے پیرو تین لاکھ ہیں۔ یہ کلیسا ۱۱۸۲ء سے رومن کیتھولک چرچ کے ساتھ وابستہ ہے۔(سلمر نال صفحہ ۳۸۴)۔

یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے کہ یہ متفرق اور منتشر مذہبی فرقے جنگ کی تباہ کاریوں، وباؤں اور قحط کے باوجود ایک عرصہ دراز سے اب تک زندہ وسلامت ہیں۔ ان لوگوں کی بود وباش ایک ایسے ملک میں رہی ہے جو صدیوں تک مسلسل میدان کارزار بنا رہا ہے اور جس پر ترک، تاتاری اور صلیبی یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔(فان کریمر صفحات ۴۹۰ تا ۴۹۲)۔ اس کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اسلامی قانون کی رو سے انہیں اس بات کی ممانعت تھی کہ وہ اپنی تعداد کی کمی کو اپنے مذہب کی اشاعت کے ذریعے پورا کر سکیں۔ لیکن اسلامی فتوحات سے پہلے ہی ماسوائے نسطوریوں کے، مشرقی عیسائیوں میں اشاعت مذہب کا جوش مفقود ہو چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جوشِ تبلیغ کے بغیر کسی عیسائی فرقے کے لیے صحت مند زندگی بسر کرنا محال ہے۔ اس کے علاوہ یہ رائے بھی ظاہر کی گئی ہے کہ کئی دوسرے اسباب نے بھی عیسائیوں کی آبادی کو بڑھنے نہیں دیا مثلاً راہبوں کا اصول تجرد یعنی شادی بیاہ سے اجتناب، جو مشرقی ملکوں میں بہت عام تھا، عیسائیوں میں صرف ایک بیوی کرنے کا دستور اور خوف وخطرے کا احساس، پھر محکومی کی ذلت نے بھی نصاریٰ کی تعداد کو محدود رکھا۔(ایچ ایچ ملمین جلد دوم صفحہ ۲۱۸)۔

قبول اسلام کے جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہمارے پاس تفصیلی معلومات موجود نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب عیسائی ملکوں پر پہلے پہل عربوں کا تسلط ہوا تو بہت سے عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ مثال کے طور پر اس قدیم زمانے میں عراق میں جو عیسائی مسلمان ہوئے، ان کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خراج کی وہ آمدنی جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں دس اور بارہ کروڑ درہم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان تھی، کوئی پچاس سال بعد عبدالملک کے زمانے میں گھٹ کر صرف چار کروڑ درہم رہ گئی۔ اگرچہ محاصل میں یہ کمی زیادہ تر جنگوں اور بغاوتوں میں بربادی اور تباہ کاری کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عیسائیوں نے نہایت کثرت سے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ جزیے کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو گئے تھے۔ (فان کریمر جلد اول صفحہ ۱۷۲)۔

اس زمانے میں خراسان کے بہت سے عیسائی بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ بات اس خط سے واضح ہوتی ہے جو اس عہد کے ایک عیسائی مذہبی پیشوا نسطوری بطریرک ایشوعیبہ سوم نے شہر اردشیر کے مطران شمعون کو لکھا تھا۔ چونکہ ہمارے ہاں پہلی صدی ہجری کے عیسائیوں کی دستاویزیں بہت کم دستیاب ہیں اور اس خط سے اسلام کی پرامن اشاعت کی قوی شہادت ملتی ہے نیز زمانہ حال کے مورخین نے اس تحریر کی طرف بہت کم توجہ دی ہے، اس لیے یہاں اس کو مکمل صورت میں نقل کرنا مناسب ہے۔ اسقف ایشوعیبہ لکھتا ہے: ''کہاں ہیں تیرے بیٹے؟ اے باپ جو اپنے بیٹوں سے محروم ہو گیا ہے۔ کہاں ہیں شہر مرو کے وہ بزرگ لوگ جنہوں نے نہ تلوار دیکھی نہ آگ اور نہ ہی کوئی اذیت اٹھائی، اس کے باوجود وہ محض اپنے نصف مال کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور احمقوں کی طرح سچے راستے سے بھٹک کر بے دینی کے غار میں سر کے بل جا گرے جہاں ہمیشہ کا عذاب ہے۔ وہ سب نیست و نابود ہو گئے اور صرف دو پادری (جو برائے نام پادری تھے) کفر کے بھسم کرنے والے شعلوں سے اس طرح بچ سکے جیسے بھڑکتی آگ سے دو جلتی ہوئی لکڑیاں نکال لی جائیں۔ افسوس، صد افسوس! اتنے ہزار لوگوں میں سے، جو عیسائی کہلاتے تھے، ایک شخص بھی سچے دین کے لیے اپنا خون بہا کر خدا کے حضور سرخرو نہ ہو سکا۔ کہاں ہیں کرمان اور تمام فارس کے مقدس عبادت خانے؟ یہ دنیا میں شیطان کی آمد نہ تھی اور نہ ہی شاہان عالم کے فرمان تھے یا والیانِ ملک کے احکام تھے جنہوں نے ان کو برباد کر دیا، بلکہ یہ تو ایک چھوٹے سے حقیر بھوت کی کمزور پھونک تھی، جس کو ان بھوتوں نے کسی عزت کے لائق نہ سمجھا جنہوں نے اسے اس کے پیغام کے ساتھ بھیجا تھا، اور نہ ہی بہکانے والے شیطان نے اسے فریب دینے والی کوئی ایسی قوت دی تھی جس کا اس نے تمہارے ملک میں مظاہرہ کیا ہو، بلکہ اس نے اپنے حکم کے محض ایک اشارے سے تمہارے فارس کے تمام گرجاؤں کو مسمار کر دیا ہے۔ اور عرب، جن کو اس وقت خدا نے دنیا کی بادشاہت دے رکھی ہے، اگرچہ وہ تم میں رہتے ہیں، جیسا کہ تم جانتے ہو، لیکن وہ مسیحی دنیا پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس وہ ہمارے مذہب کی رعایت کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور ولیوں کی تعظیم کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں پر بخشش کرتے ہیں۔ اس کے باوجود تمہارے مرو کے باشندوں نے ان عربوں کے پاس خاطر سے اپنا دین چھوڑ دیا؟ حالانکہ عربوں نے، جیسا کہ خود عرب کے لوگ کہتے ہیں۔'' ان کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا تھا بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سے یہ کہا تھا کہ اگر وہ اپنے مال کا نصف حصہ دے دیں تو وہ اپنے دین پر صحیح سلامت قائم رہ سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا جس سے ابدی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس دنیائے فانی کے مال ومتاع کے نصف حصے کے ساتھ چمٹے رہے۔ وہ دین جس کو تمام قوموں نے اپنا خون دے کر خریدا اور اب بھی اپنے خون سے اسے خریدتی ہیں، اور اس طرح حیات جاودانی حاصل کرتی ہیں، تمہارے مرو کے باشندے اس کو اپنے مال کے نصف حصے بلکہ اس سے بھی قلیل متاع پر فروخت کرنے کے لیے رضامند ہو گئے۔'' (سیمانی، صفحات ۱۳۰، ۱۳۱)۔

خلیفہ عمر ثانی کا عہد خلافت (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء) اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ ان کے زمانے میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے ایک باقاعدہ تحریک نہایت سرگرمی سے شروع کی اور مفتوحہ قوموں کو اسلام کی ہر طرح ترغیب دی بلکہ ان کو زر و مال بھی عطا کیا۔ روایت ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے ایک عیسائی فوجی افسر کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے ایک ہزار دینار دیے تھے۔ (ابن سعد طبقات صفحہ ۲۵۸)۔ انہوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کے نام احکام جاری کیے کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خراسان کے گورنر الجراح بن عبداللہ نے چار ہزار افراد کو مسلمان بنایا۔ (ابن سعد طبقات صفحہ ۲۸۵)۔ روایت ہے کہ انہوں نے بازنطینی قیصر لیو سوم کو بھی ایک خط لکھا جس میں اسے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ (محبوب المنبیجی صفحہ ۳۵۸)۔

حضرت عمر ثانیؒ نے ۷۰۰ عیسوی کے ان احکام کو بھی منسوخ کر دیا جو اس مقصد سے جاری ہوئے تھے کہ بیت المال میں سرمائے کی قلت نہ ہونے پائے اور جن کے مطابق نو مسلم جزیے کی ادائیگی سے بری نہیں ہوتا تھا بلکہ بدستور سابق جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔ اگر کوئی ذمی جزیے کی سالانہ ادائیگی سے ایک دن پہلے اپنے مذہب کو خیر باد کہہ دیتا یا عین اس وقت، جب اس کی ادا کردہ رقم ترازو میں تل رہی ہو، اسلام قبول کر لیتا تو جزیے کی رقم اس نو مسلم کو واپس کر دی جاتی۔ (ابن سعد طبقات جلد پنجم ۲۶۲)۔ خلیفہ نے زمین کے مسلمان مالکوں سے خراج کی وصولی بند کر دی اور اس کے بجائے ان پر عشر لگا دیا جو خراج کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ اگرچہ مالی اعتبار سے یہ احکام بہت تباہ کن تھے لیکن نیک نفس خلیفہ کے نقطۂ نظر سے بہت کامیاب رہے کیونکہ ان کے اجرا کے بعد بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ (آگسٹ ملر صفحہ ۴۴۰)۔

بہرحال ہمیں یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ عیسائی لوگ محض اس قسم کے دنیاوی فوائد اور اغراض کے لیے اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے۔ اسی صدی میں یوحنا دمشقی نے جو متنازع کتابیں لکھیں، ان سے ہمیں اس مذہبی حمیت اور سرگرمی کا پتا چلتا ہے جس کی بدولت مسلمان مسیحی دین کی بنیادوں کو دلیل و برہان کے ذریعے کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان مکالموں میں مسلمان علما کے مناظرانہ انداز کو پوری صراحت کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمایاں اوراس قسم کی اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا گیا ہے: ''اگر کوئی مسلمان تم سے پوچھے۔'' ''اگر مسلمان یہ کہتا ہے۔۔۔تو تم اسے بتاؤ۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عیسائیوں کو ہمسایہ مسلمانوں کے ان اعتراضات کے فوری جواب سے آگاہ کرنا چاہتا ہے جو وہ عیسائی مذہب کے خلاف اٹھاتے تھے۔ (مائن صفحات ۱۳۳۶ تا ۱۳۴۸)۔ اور یہ بات عین قرین قیاس ہے کیونکہ اس جلیل القدر عیسائی عالم کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ اپنی تحریروں میں اسلام کی معذرت یا حمایت میں کچھ کہے۔ یوحنا دمشقی کے شاگرد بشپ تھیوڈوز ابوقرہ نے بھی مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ انداز میں کئی متنازع مکالمے قلمبند کیے۔ (مائن صفحات ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۴۸، ۱۵۴۸ تا ۱۵۶۱)۔ ان مکالموں میں وہ تمام مسائل زیر بحث آئے ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں اختلاف تھا۔ ان مکالموں میں سابق دستور کے مطابق مسلمان مناظر سب سے پہلے اعتراض اٹھاتا ہے۔ اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں کس سرگرمی اور جوش کے ساتھ اسلام کی حمایت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ابوقرہ لکھتا ہے: ''بنو ہاجرہ (مسلمان) کے تمام خیالات اور ان کا تمام تر مذہبی جوش اس بات کے لیے وقف ہوتا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ (عیسیٰؑ) کی الوہیت کا انکار کریں اور وہ اپنی ساری کوششیں اس مقصد کے لیے صرف کرتے ہیں۔'' (مائن صفحہ ۱۵۵۷)۔ ایک نسطوری بطریرک، جس کا نام تیموتھیس تھا، خلیفہ الہادی اور خلیفہ ہارون الرشید کے درباروں میں مذہبی مناظرے کیا کرتا تھا۔ اس نے ان مناظروں کی تفصیلات کو ایک کتاب میں قلمبند کیا تھا جو اَب ضائع ہو چکی ہے۔ (عمرو بن مطائی صفحہ ۶۵)۔ تیموتھیس اپنے کلیسا کے بہت سے بااثر عہدیداروں کے مقابلے میں اسقف کے منصب کے لیے منتخب ہوا تھا۔ اس کے مخالفین میں مرو کا مطران جوزف بھی شامل تھا۔ اس نے تیموتھیکس کے خلاف خلیفہ مہدی (۷۷۵ء سے ۷۸۵ء) پر زور ڈالنے کی کوشش کی لیکن خلیفہ نے جوزف کو قبول اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ جوزف نے اپنا مذہب ترک کر دیا اور اس کے صلے میں بہت سا انعام واکرام پایا۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے اسے بصرہ میں ایک سرکاری عہدے پر مقرر کر دیا۔ (عمرو بن مطائی: صفحہ ۷۲)

اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کے جن واقعات کا دعوت اسلام کے ضمن میں صفحات بالا میں تذکرہ ہوا ہے، وہ اپنی تفصیلات کے اعتبار سے بہت تشنہ ہیں۔ ان سے تبلیغی کوششوں کا پتا تو چلتا ہے لیکن ترویج اسلام کے متعلق کوئی ٹھوس حقائق منظر عام پر نہیں آتے۔ دعوت اسلام کے سلسلے میں سب سے قدیم دستاویز کا تعلق خلیفہ المامون (۸۱۳ء سے ۸۳۳) کے عہد سے ہے۔ یہ دستاویز ایک خط کی صورت میں ہے جو خلیفہ کے ایک چچازاد بھائی نے اپنے ایک عیسائی دوست کو، جو عالی نسب عرب خاندان سے تھا اور خلیفہ المامون بھی اس کی بڑی توقیر کرتا تھا، لکھا تھا۔ (رسالہ عبداللہ بن اسماعیل الہاشمی الی عبدالمسیح بن اسحاق الکندی صفحات ۱ تا ۳۷،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لندن: ۱۸۸۵ء)۔ اس خط میں ہاشمی نے اپنے دوست کندی سے اسلام قبول کرنے کی استدعا کی ہے اور ایسے محبت آمیز کلمات اور ایسی زبان استعمال کی ہے جس سے اس بات کی واضح شہادت ملتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمان، ملت مسیحی کے ساتھ کس قدر رواداری سے پیش آتے تھے۔ اشاعت اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس خط کو ایک منفرد اور بے مثال درجہ حاصل ہے، اس لیے ہم نے اس خط کو اس کتاب کے ایک ضمیمے میں مکمل صورت میں نقل کر دیا ہے۔ اسی خط سے پتا چلتا ہے کہ خلیفہ المامون نے ایک مرتبہ امرا کے ایک مجمع سے خطاب کیا اور نہایت حقارت آمیز لفظوں میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیاوی فوائد اور ذاتی اغراض کے لیے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی مثال ان منافقین کی سی تھی جنہوں نے بظاہر رسول خداؐ کی دوستی کا دعویٰ کیا تھا لیکن خفیہ طور پر آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے تاہم جس طرح اللہ کے رسولؐ نے بدی کا بدلہ نیکی سے دیا تھا، اسی طرح خلیفہ نے بھی اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بھی ان منافقوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور بردباری سے پیش آئے گا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کے درمیان انصاف کر دے۔ (کندی صفحات ۱۱۱ تا ۱۱۳)۔ المامون کی زبان سے جو شکایت بیان ہوئی، وہ اس لحاظ سے دلچسپ اور قابل توجہ ہے کہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ نومسلموں سے بے غرض اور خالص ایمان کی توقع کی جاتی تھی اور جب ان کی خود غرضی اور نازیبا اغراض کا انکشاف ہوتا تھا تو وہ انتہائی ملامت کے سزاوار ٹھہرتے تھے۔

المامون خود بھی اسلام کی اشاعت میں بہت سرگرم تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی قلمرو کے دور دراز صوبوں مثلاً ماوراالنہر اور فرغانہ کے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ (بلاذری صفحہ ۴۳۰)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں کو زبردستی مسلمان کر کے اپنی شاہانہ سطوت کا ناجائز استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ جب یزداں بخت، جو فرقہ مانویہ کا ایک پیشوا تھا، بغداد میں آیا اور اس نے مسلمان علما کے ساتھ مناظرہ کیا تو اس میں وہ لاجواب ہو گیا۔ یزداں بخت غالباً اس موقعے پر بغداد آیا تھا جب المامون نے تمام مذاہب کے پیشواؤں کو ایک مجلس میں طلب کیا تھا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ دشمنان اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے دلیل و برہان سے نہیں، تلوار کے زور سے کامیابی حاصل کی ہے۔ چنانچہ اس مجلس میں علمائے اسلام نے اپنے دین سے اس الزام کو دور کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ مسلمان علما نے اپنے دعوے کو تسلی بخش طور پر ثابت کر دکھایا ہے۔ (احمد بن یحییٰ المرتضیٰ کی کتاب شرح الملل والنحل۔ برٹش میوزیم)۔ المامون نے یزداں بخت کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن یزداں بخت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا: ''اے امیر المومنین! میں نے آپ کی نصیحت سنی اور آپ کی تمام باتوں کو بھی سنا۔ لیکن آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو لوگوں کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔'' بجائے اس کے کہ خلیفہ اپنی کوشش کی ناکامی پر ناراض اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خفا ہوتا، اس نے یزداں بخت کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ مقرر کر دیا تا کہ وہ متعصب لوگوں کی توہین و تحقیر سے محفوظ و مامون رہے۔ (کتاب الفہرست جلد اول صفحہ ۳۳۸)۔

عیسائی مورخوں نے چند ایک واقعات کے حوالے دیے ہیں جن میں کلیسا کے بعض عہدیداروں کے قبول اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نویں صدی کے وسط میں جب بحرین کے اسقف جارج کو کسی جرم کی پاداش میں اپنے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا تو اس نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ (ابن العبری (ا) جلد ۳۔ صفحہ ۱۹۴)۔ اس واقعے کا بھی ذکر آیا ہے کہ فارس کے مطران جبرائیل کا بھائی دسویں صدی عیسوی کے وسط میں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جب نسطوری کلیسا کے اسقف کے عہدے کے لیے انتخاب کا وقت آیا تو اس موقعے پر یہ کہا گیا تھا کہ جبرائیل اس منصب کے اہل نہیں کیونکہ اس کا بھائی مسلمان ہو چکا ہے۔ (ماری بن سلیمان صفحات ۱۰۱، ۱۱۳۔ ۱۱۴)۔

اسی صدی کے شروع میں بیت جارمی کے نسطوری بشپ تھوڈور نے اسلام قبول کر لیا۔ کلیسا کے جس مورخ نے یہ واقعہ لکھا ہے، اس نے اس سلسلے میں جبر و اکراہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اگر اسے جبراً مسلمان بنایا گیا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا ذکر کرتا۔ (ابن العبری (ا) جلد سوم صفحہ ۲۳۰)۔ چند سال بعد (۹۶۲ء سے ۹۷۹ عیسوی کے درمیان) آذربائیجان کا یعقوبی اسقف فیلوزینس Philoxenos بھی مسلمان ہو گیا۔ (ابن العبری (ا) جلد سوم صفحہ ۲۴۸)۔ اگلی صدی کے سن ۱۰۱۶ء میں تکریت کے یعقوبی فرقے کے پیشوا اگناتھیئس نے، جو ۲۵ برس تک مطران رہ چکا تھا، بغداد جا کر خلیفہ القادر کی موجودگی میں اسلام قبول کر کے اپنا نام ابو مسلم رکھ لیا۔ (ابن العبری (ا) جلد سوم صفحات ۲۸۸ تا ۲۹۰: الیاس ساکن نصیبین صفحات ۱۵۳، ۱۵۴)۔ یہ شخص بیس سال کے بعد مرنے سے پہلے پھر عیسائی ہو گیا۔ انطاکیہ کے یعقوبی بطارکہ کی تاریخ میں سولہویں صدی میں رونما ہونے والے ایسے ہی دو اور واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص، جس کا نام یوشع تھا، ۱۵۱۷ء میں مسلمان ہو گیا لیکن بعد میں اسلام ترک کر کے فرار ہو کر قبرص چلا گیا جو اس زمانے میں وینس والوں کے قبضے میں تھا۔ یہ شخص توبہ کے خیال سے ازراہ انکسار گرجا گھر کے دروازے کے سامنے اوندھا لیٹ گیا تا کہ گرجا کے اندر باہر جانے والے لوگ اس کے جسم کو روند سکیں۔ دوسرے شخص کا نام نعمت اللہ تھا جس کا زمانہ ۱۵۶۰ء کے قریب ہے۔ اس نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا لیکن بعد روم میں جا کر پوپ گریگوری سیزدہم کے سامنے جا کر اپنے ارتداد کی توبہ چاہی۔ (ابن العبری (ا) جلد دوم صفحات ۸۴۷، ۸۴۸)۔ اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی زندگی کا تذکرہ لکھ جاتا جس سے اس کے مذہبی خیالات کی نشو و نما کا پتا چل سکتا تو یہ بات بے حد دلچسپ ہوتی۔ عیسائی مورخ (ابو الفرج ابن العبری) نے مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے متعلق بداخلاقی کا اشارہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے لیکن جب تک ہمارے پاس اس الزام کے ثبوت میں کوئی دوسری شہادت موجود نہ ہو، اس قسم کا الزام مشکوک اور مشتبہ قرار دیا جائے گا۔ نصیبین کے الیاس نے، جو اس یعقوبی بطریرک کا ہم عصر تھا، اس بارے میں کسی بد اخلاقی کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی نسطوری مورخ ماری بن سلیمان (صفحات ۱۱۵، ۱۱۶) نے ایسا کوئی الزام لگایا ہے۔ اگر چہ وہ اسے اس بات کا مجرم قرار دیتا ہے کہ اس نے گرجا گھروں کے مقدس برتن اور سامان آرائش کو لوٹ لیا تھا لیکن جیسا کہ پروفیسر رائٹ نے Syriac Literature کے صفحہ ۱۹ میں مرو کے یوسف کے بارے میں لکھا ہے: ''ابن العمری نے اس بدقسمت شخص سے جو برائیاں منسوب کی ہیں، ہمیں ان پر یقین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے جیسے کوئی رومن کیتھولک اپنے کسی ہم مذہب پادری کے تبدیل مذہب کا حال لکھے جو پروٹسٹنٹ ہو گیا ہو، پھر وہ اس پر کوئی الزام عاید کرے تو وہ الزام لامحالہ مشتبہ ہو جائے گا۔ اگر ان دوسر برآوردہ عیسائی عہدیداروں کے تبدیل مذہب کا تذکرہ ہم تک پہنچا ہے جو دو مخالف فرقوں میں معزز منصب رکھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیسائیت میں ممتاز اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کے برعکس جو لوگ گمنام تھے، ان کے حالات قلمبند نہیں ہوئے۔ ابن العمری کلیسا کی تاریخ کو جوں جوں اپنے زمانے کے قریب لاتا ہے، وہ اس قسم کے نومسلموں کے بارے میں زیادہ تفصیلات درج کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اس نے یعقوبی فرقے کے کئی بشپس کے سلسلے میں، جنھوں نے بارہویں صدی کے وسط میں عیسائیت کو چھوڑ کو اسلام قبول کر لیا تھا، خراسان کے ایک شہر کے بشپ ہارون کا ذکر کیا ہے جسے ایک اخلاقی لغزش ثابت ہونے پر سزا سنائی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ تبدیلی مذہب پر پچھتایا اور چاہا کہ اسے اسقف کے منصب پر بحال کر دیا جائے۔ جب اسے اس بات میں ناکامی ہوئی تو قسطنطنیہ میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوئی اور اس نے یعقوبی کلیسا کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا۔ بعد میں اس نے ''بغیر کسی وجہ کے'' دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس نے پھر توبہ کی اور زندگی کے آخری ایام جبلِ لبنان کے مارونی عیسائیوں میں بسر کیے۔ (ابن العمری (ا) جلد دوم صفحہ ۵۱۸)۔ تیرہویں صدی کے وسط میں ابن العمری کا ایک ہم عصر دانیال خابور کا بشپ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے دنیوی علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اس نے کوشش کی کہ اسے حلب کا اسقف بنا دیا جائے لیکن جب اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو وہ عیسائیت کو ترک کر کے مسلمان ہو گیا۔ اس سے تمام عیسائی بہت رنجیدہ اور شرمسار ہوئے: ''اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے جلد ہی اپنی غمزدہ امت کی تسکین اور تسلی کا سامان کر دیا اور ان سے شرم و عار کے داغ کو دھو دیا کیونکہ چند مہینوں کے بعد وہ کم بخت ایک کارواں سرائے میں ذلت کی موت مر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا نام و نشان بھی مٹ گیا اور قدرت نے اسے ہمارے درمیان سے اٹھا لیا۔ چنانچہ اب کسی شخص کو معلوم نہیں کہ اس کا مسکن کہاں ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابن العبری جلد دوم صفحہ ۲۱۷)۔

لیکن عکہ کا بشپ یاق وادتری (۱۲۱۶ء سے ۱۲۲۵ء) اس بات کی گراں قدر شہادت فراہم کرتا ہے کہ تبدیل مذہب کے یہ واقعات شاذ و نادر نہ تھے۔ ارض مقدس (فلسطین) میں اسے مشرقی کلیسا کا جو ذاتی تجربہ ہوا، اس کی بنا پر وہ لکھتا ہے کہ ''جھوٹے نبی کی جھوٹی ترغیب (نعوذ باللہ۔۔۔ مترجم) اور لذات نفسانی کی دل کشی اور دل فریبی نے کلیسا کو کمزور کر دیا ہے اور اپنے دام فریب میں بری طرح گرفتار کر لیا ہے بلکہ اسے شدید زخمی کر دیا ہے۔ مسیحی کلیسا انحطاط پذیر ہو چکا ہے اور اس کی مثال اس دلہن کی ہے جو خوبصورت لباس میں ملبوس ہو اور پھر نجاست کے ڈھیر کو گلے لگا لے۔'' (تاریخ مشرق باب ۱۵ صفحہ ۴۵)۔

اب تک ایسے مسیحی فرقوں کا بیان ہوا ہے جو اسلام کے دائرہ اثر میں آئے۔ وہ مشرق کا آرتھوڈوکس کلیسا ہے یا ملحدوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اس سے پیدا ہوئیں۔ لیکن گیارہویں صدی کے آخر میں شام اور فلسطین کی عیسائی آبادی میں ایک اور تازہ عنصر کا اضافہ ہوا۔ یہ عنصر لاطینی کلیسا کے ان کثیر التعداد صلیبیوں کا تھا جو بیت المقدس کی ریاست یا دوسری ریاستوں میں، جنہیں صلیبیوں نے قائم کیا تھا، آباد ہو گئے تھے اور جو دو صدیوں سے مخدوش حالت میں زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس عرصے میں ان نو آباد عیسائیوں میں سے، جو بیرونی ملکوں سے آئے تھے، بعض لوگ کبھی کبھی اسلام قبول کرتے رہے۔ مثال کے طور پر پہلی صلیبی جنگ میں جرمنی اور لومبارڈ (شمالی اٹلی) کا ایک گروہ، جس کی قیادت ریناڈ نامی سردار کر رہا تھا، اصل لشکر سے جدا ہو گیا اور سلجوقی سلطان ارسلان نے انہیں ایک قلعے میں محصور کر دیا۔ ریناڈ اور اس کے ذاتی ملازموں نے اس بہانے کہ وہ قلعے سے نکل کر دشمن پر دھاوا بول رہے ہیں، اپنے بدقسمت ساتھیوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ وہ ترکوں سے جا ملے اور ان کے ہاں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ (De Guignes ii Second Partie P. 15)۔

دوسری بدقسمت صلیبی جنگ کی تاریخ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش کرتی ہے جو بدرجہ غایت قابل توجہ ہے۔ سینٹ ڈینس کے ایک راہب اودو نے، جس نے شاہ فرانس لوئیس ہفتم کے ذاتی چپلین کی حیثیت سے اس کے ہمراہ اس صلیبی جنگ میں شرکت کی تھی اور بعد میں اس کی چشم دید روئیداد قلمبند کی تھی، اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے: ''صلیبی مجاہدین جب بری راستے سے ایشیائے کوچک میں بیت المقدس کی طرف سفر کر رہے تھے تو انہیں فریجیا کے پہاڑی دروں میں ترکوں کے ہاتھوں شکست فاش کھانا پڑی (۱۱۴۸ء) اور وہ بڑی مشکل سے اطالیہ کی بندرگاہ تک پہنچ سکے۔ جو لوگ یونانی تاجروں کو منہ مانگی رقمیں ادا کر سکے، انطاکیہ کے لیے جہازوں میں سوار ہو گئے۔ لیکن بیماروں، زخمیوں اور زائرین کے انبوہ کثیر کو دغاباز یونانی حلیفوں کے رحم و کرم پر اطالیہ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ لوئیس نے یونانیوں کو پانچ سو مارک اس شرط پر دیے کہ وہ زائرین کی حفاظت کے لیے سپاہ مہیا کریں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے اور اس وقت تک بیماروں کی تیمارداری کریں گے جب تک وہ سفر کرنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔ لیکن صلیبیوں کا لشکر جیسے ہی اطالیہ سے روانہ ہوا، یونانیوں نے ترکوں کو زائرین کی بے کسی اور بے بسی سے آگاہ کر دیا اور خود چپ چاپ ان کی مصیبتوں کا تماشا دیکھنے لگے۔ قحط، بیماری اور دشمن کے تیروں نے ان بدنصیب لوگوں کی چھاؤنی میں ہلاکت اور تباہی پھیلا دی۔ مایوسی کے عالم میں تین یا چار ہزار آدمیوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ترکوں نے انہیں گھیرے میں لے کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور فتح کو مکمل کرنے کے لیے ان کے کیمپ کا رخ کر لیا۔ اگر ان کی حالت زار کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل نرم نہ ہو جاتے اور وہ ان پر ترس نہ کھاتے تو باقی لوگوں کی سلامتی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ غرض مسلمانوں نے بیماروں کی تیمارداری کی اور مفلسوں اور فاقہ کشوں کے ساتھ کشادہ دلی اور فیاضی کا سلوک کیا۔ بعض مسلمانوں نے وہ فرانسیسی سکے خرید لیے جو یونانیوں نے زائرین سے زبردستی یا فریب دے کر حاصل کیے تھے اور پھر ان کو محتاج عیسائیوں میں تقسیم کر دیا۔ زائرین کے ساتھ غیر مذہب والوں نے جو حسن سلوک کیا تھا، جب زائرین نے اس کا مقابلہ اپنے ہم مذہب یونانیوں کی بے رحمی سے کیا جو ان سے بیگار لیتے تھے، ان کو مارتے پیٹتے تھے اور ان کی رہی سہی پونجی کو بھی ان سے چھین چکے تھے تو ان کو دونوں قوموں کے طرز عمل میں اس قدر تفاوت نظر آیا کہ بہت سے عیسائی اپنی خوشی اور رضا مندی سے رضا کارانہ طور پر اپنے نجات دہندوں کے دین کے حلقہ بگوش ہو گئے۔'' یہ قدیم مورخ آگے چل کر لکھتا ہے: ''عیسائی اپنے ہم مذہبوں کو چھوڑ کر، جنہوں نے ان کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کیا تھا، ان کافروں (ترکوں) کے پاس امن و امان کے ساتھ چلے گئے جنہوں نے ان پر رحم کھایا تھا۔ اور ہمارے سننے میں آیا ہے کہ جب ترکوں نے کیمپ سے کوچ کیا تو تین ہزار سے زیادہ عیسائی ان کے ہمراہ ہو لیے اور ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ چنانچہ مہربانی دغابازی کے مقابلے میں زیادہ ظالم ثابت ہوئی۔ ترکوں نے ان کو روٹی دی لیکن ان سے ان کا ایمان چھین لیا۔ اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ ترکوں نے صرف اس خدمت پر قناعت کی جو عیسائی لوگ انجام دیتے تھے اور انہوں نے ان میں سے کسی شخص کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا۔''

(Odo de Diogilo-De ludovici VII . Itinere. Migne Pair , lat, tome. excv 1243)۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات بڑھتے گئے اور اس کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے دلوں میں اپنے حریفوں کے اوصاف اور محاسن اخلاق کی قدر دانی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہ وہ نمایاں وصف ہے جو صلیبی جنگوں کے متاخر مورخوں کو متقدم مورخین سے ممتاز کرتا ہے۔

(Guizot: Histoire de la Civilisation en Europe P. 234)۔

اس کے علاوہ ارض مقدس میں آباد ہونے والے فرانکس نے بہت سے مشرقی رسوم و آداب اختیار کر لیے تھے۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب باتیں ایسی تھیں جن سے عیسائیوں کے مذہبی خیالات متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی اثر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ بہت سے عیسائی سرداروں نے دین اسلام کے بارے میں رواداری کا انداز اختیار کر لیا اور یہ انداز فکر اور روش وہ ہے جس کی ارباب کلیسا نے بڑی سختی کے ساتھ مذمت کی۔ بارہویں صدی کا ایک شامی امیر عثمان بن منقذ ایک مرتبہ صلح کے زمانے میں بیت المقدس گیا اور وہاں اس نے نائٹ ٹمپلرز Night Templers (عیسائیوں کی مذہبی اور نیم عسکری جماعت۔۔۔ مترجم) کے ہاں قیام کیا جو ان دنوں مسجد اقصیٰ پر قابض تھے۔ انہوں نے عثمان کو مسجد کے قریب گرجے کا ایک حصہ نماز پڑھنے کے لیے دے دیا۔ اسی اثنا میں ایک صلیبی جنگجو تازہ وارد ہوا جس نے اپنے ہم مذہبوں کی اس قسم کی رواداری کو نہایت قبیح فعل قرار دیا اور عثمان کی نماز گزاری میں دخل دینا چاہا لیکن نائٹ ٹمپلرز اس خلل اندازی سے بہت ناراض ہوئے۔ (عثمان بن منقذ صفحہ ۹۹)۔ صلیبی جنگجوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جب بھی امن کا وقفہ ہوتا تو وہ دوستانہ ماحول میں برابری کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مذہبی معاملوں پر آزادانہ تبادلہ خیالات کرتے کیونکہ یہ مذہب ہی تھا جو صلیبیوں کو ارض مقدس میں لے آیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اکثر حالت جنگ میں رہتے تھے۔ جب خود عیسائی علما نے مسلمانوں کے ساتھ ذاتی میل ملاپ کے بعد ان کے دین کے بارے میں زیادہ منصفانہ رائے قائم کی اور نئے طرز عمل نے لوگوں کے دلوں کو ڈگمگا دیا، جس سے طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے تو ان حالات میں یہ بات باعث تعجب نہیں کہ بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہوں۔ (Prutz PP 266-267)۔ چنانچہ بارہویں صدی میں عیسائی تارکین مذہب کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کا ذکر صلیبیوں کی کتب آئین میں ہونے لگا جن کو بیت المقدس کا نام نہاد ضابطہ قوانین کہا جاتا ہے۔ اس ضابطے کے مطابق بعض حالتوں میں ان کی ضمانت قبول نہیں کی جاتی تھی۔

(Assises de Jerusalem tome II - P 325)۔

اگر ہم ان مسلمانوں کا حال دریافت کر سکتے جنہوں نے لوگوں کو مسلمان بنانے میں اپنی ہمت صرف کی تو یہ بات ہماری دلچسپی کا موجب ہوتی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کوششوں کے بارے میں کوئی یادداشت نہیں چھوڑی۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ان لوگوں میں عظیم صلاح الدین کا نام سرفہرست ہے۔ صلاح الدین کے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ اپنے مہمانوں کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتا اور ان کو قبول اسلام کی ترغیب دیتا تھا۔ (بہاء الدین: صفحہ ۲۵)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین کی حسن سیرت اور شجاعت نے اس کے ہم عصر عیسائیوں کے دلوں پر ایک عجیب افسوں طاری کر دیا تھا اور بعض عیسائی بہادروں کے لیے اس کی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ وہ اپنے مذہب اور اپنے لوگوں کو چھوڑ کر اہل اسلام میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ اس قسم کی مثال ایک انگریز ٹمپلر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سینٹ البنس کے رابرٹ کی ہے جس نے ۱۱۸۵ء میں عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں صلاح الدین کی ایک پوتی سے شادی کر لی۔ (Roger Hoveden Vol II-PP 307-308)۔
دو سال بعد صلاح الدین نے فلسطین پر حملہ کر دیا اور حطین کے مقام پر عیسائی لشکر کو شکست فاش دے دی۔ جنگ میں جو لوگ قید ہوئے ان میں بیت المقدس کا بادشاہ گائی بھی شامل تھا۔ لڑائی کے موقعے پر اس کے چھ نائٹ ''جن کے سر پر شیطانی روح سوار تھی'' بادشاہ کو چھوڑ کر سلطان کے لشکر میں بھاگ آئے اور یہاں اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے۔ (Benedict of Peterborough, Vol II, PP 11-12)۔ اسی زمانے میں سلطان صلاح الدین اور شہر طرابلس کے حاکم ریمنڈ سوم کے درمیان یہ سمجھوتا ہو گیا کہ ریمنڈ اپنے پیروکاروں کو عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے گا لیکن ریمنڈ کی اچانک موت کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل نہ ہو سکا۔ (Benedict of Peterborough: Voll II, PP. 20-21)۔

جب بیت المقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور صلاح الدین نے ارض مقدس میں کئی فتوحات حاصل کر لیں تو ان باتوں نے یورپ کو تیسری صلیبی جنگ برپا کرنے پر انگیختہ کیا۔ اس جنگ کا سب سے بڑا واقعہ شہر عکہ کا محاصرہ ہے جو ۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۱ء تک جاری رہا۔ اس لڑائی میں قحط اور بیماری کی وجہ سے عیسائی لشکر کو جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان سے مجبور ہو کر بہت سے عیسائیوں نے اپنے لشکر کو چھوڑ دیا اور فاقہ کشی سے نجات پانے کے لیے مسلمانوں کی لشکر گاہ میں چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ صلیبی جنگجوؤں کی فوج میں واپس چلے گئے لیکن کئی لوگوں نے اپنی قسمت کو اہل اسلام سے وابستہ کر لیا۔ بعضوں نے اپنے سابق دشمنوں کی ملازمت اختیار کر لی لیکن وہ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ (ہمیں بتایا گیا ہے کہ) یہ لوگ اپنے نئے مسلمان آقاؤں سے خوش تھے اور بعض اسلام قبول کر کے اچھے اور نیک مسلمان ثابت ہوئے۔ (ابوشامہ صفحہ ۱۵۰)۔ ان عیسائیوں کے ترک مذہب کا تذکرہ اس مورخ نے بھی کیا ہے، جو اس صلیبی جنگ میں رچرڈ اول کے ہمراہ تھا۔ وہ لکھتا ہے: ''ہمارے بعض آدمی (جن کے مقدر کا حال رنج و تاسف کے بغیر نہ تو کہا جا سکتا ہے اور نہ سنا جا سکتا ہے) قحط کی سختی سے تنگ آ کر اپنی جان بچانے کے لیے دین و ایمان کو غارت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب مصیبت کا بڑا حصہ ختم ہو گیا تو وہ ہم کو چھوڑ کر ترکوں کے پاس چلے گئے اور انہوں نے اپنے دین کو ترک کرنے اور مرتد ہونے میں بھی تامل نہ کیا۔ اپنی حیات دنیوی کو چند دن اور بڑھانے کے لیے انہوں نے کلمات کفر کہہ کر جاودانی ہلاکت کو خریدا اور ان کا یہ فعل خسارے کا سودا ثابت ہوا۔ یہ ایک ایسا شرمناک فعل تھا جو ہر قسم کی سزا اور عقوبت سے بڑھ کر ہے۔ افسوس! نادان آدمی، جو نادان حیوان کی مانند ہے، وہ اس موت سے بھاگتا ہے، جس کا آنا ناگزیر ہے اور وہ ابدی ہلاکت سے خوف نہیں کھاتا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Chronilces and Memorials of the reign of Richard I , London 1864)۔

اس عہد کے بعد جو عیسائی اپنا مذہب چھوڑ گئے تھے، ان کا ذکر ان سیاحوں کی تحریروں میں بکثرت آتا ہے جنھوں نے ارض مقدس اور دوسرے مشرقی ملکوں کا سفر کیا تھا۔ سینٹ لوئیس جب مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور اس نے اپنی رہائی کے لیے تاوان کی رقم ادا کرنے کا جو حلف اٹھایا (۱۲۵۰عیسوی) تو اس موقع پر حلفیہ کلمات کے تجویز کرنے والے وہ لوگ تھے جو پہلے پادری تھے مگر اب مسلمان ہو چکے تھے۔ (Joinville P.238)۔ تاوان کی ادائیگی کا قصہ ہنوز جاری تھا کہ ایک اور مرتد فرانسیسی باشندہ آیا جو پروونس میں پیدا ہوا تھا اور اس نے بادشاہ کو ایک تحفہ پیش کیا تھا۔ بیت المقدس کے بادشاہ جان نے ۱۲۱۹ء میں جب دمیاط پر چڑھائی کی تھی تو اس مہم میں وہ اس کے ہم رکاب تھا۔ لیکن بعد میں اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی اور ایک مسلمان عورت کے ساتھ شادی کر کے اس ملک میں ایک امیر کبیر شخص بن گیا۔ (Joinville P. 262)۔ جو عیسائی زائرین ارض مقدس میں جاتے تھے، ان کے مسلمان ہونے کا خطرہ اس قدر شدید تھا کہ فرانس میں نائٹ ٹیمپلرز کے سردار اموری دی لاروش نے تقریباً ۱۲۶۶ عیسوی میں ایک ''یادداشت'' لکھی جس میں پاپائے روم اور فرانس اور سسلی کے سفیروں سے درخواست کی گئی کہ وہ ایسے لوگوں کو سمندر پار کر کے فلسطین جانے سے روکیں جو نادار یا بوڑھے ہوں یا ہتھیار اٹھانے کے قابل نہ ہوں کیونکہ اس قسم کے لوگ یا تو مارے جاتے ہیں یا گرفتار ہو جاتے ہیں یا اپنا دین ترک کر کے مرتد ہو جاتے ہیں۔ (ماس لاتری: (۱) جلد دوم صفحہ ۲۷)۔ لوڈولف دی سوشم، جس نے ۱۳۳۶ء سے لے کر ۱۳۴۱ء عیسوی تک ارض مقدس کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ اسے شہر حبرون میں تین مرتد ملے تھے۔ وہ منڈن کے علاقے سے آئے تھے اور اب ویسٹ فالین کے ایک سردار کی ملازمت کر رہے تھے جس کو سلطان اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کے ہاں بڑا اعزاز حاصل تھا۔ (لوڈولف دی سوشم صفحہ ۱۷)۔

ان متفرق اور منتشر واقعات سے بلاشبہ ایسے کئی اور عیسائیوں کا پتا چلتا ہے جو مسیحیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے بارے میں کوئی تحریری بیان یا یادداشت ہم تک نہیں پہنچی۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی کے آخر تک قاہرہ شہر میں ۲۵ ہزار عیسائی مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن بطوطہ جلد اول صفحہ ۱۱)۔ اسی طرح مشرق کی لاطینی سلطنت کے خاتمے کے بعد ارض مقدس کے شہروں میں بھی اس قسم کے اور کئی لوگ ہوں گے۔ لیکن اس عہد کے مسلمان مورخوں کو سلاطین کے کارناموں اور حکمران خاندانوں کے انقلابات کے بیان سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ گمنام افراد کے تبدیل مذہب کی طرف توجہ مبذول کر سکیں۔ اور جہاں تک میں دریافت کر سکا ہوں، انہوں نے عیسائیوں کے قبول اسلام کا اتنا ہی کم تذکرہ کیا ہے جتنا اپنے ہم مذہب اشخاص کا، جنھوں نے مسیحی دین اختیار کر لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمیں ان ہر دو قسم کے واقعات کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیسائی مورخوں پر بھروسا کرنا پڑتا ہے۔لیکن ان مورخوں کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہو گیا ہوتو وہ اس کا بہت تفصیل کے ساتھ اور ہمدردی کے لہجے میں ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو گیا ہوتو اس قسم کے واقعات کی شہادت بڑی ناپسندیدگی سے دیتے ہیں اور نومسلموں کے تبدیلی مذہب کے محرکات اور اغراض کو بدترین انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یہ امکان کہ کوئی عیسائی نیک نیتی سے مسلمان ہو سکتا ہے، ان مصنفوں کے تصور سے باہر ہے۔ اگر اس قسم کا خیال ان کے دل میں گزرا ہوتو ان کو اس بات کی بہت کم جرأت ہوگی کہ اس کا علانیہ اظہار کریں اور اپنے آپ کو ارباب کلیسا کے غیظ وغضب کا نشانہ بنائیں۔

تبدیلی مذہب کے اس قسم کے واقعات کا بہت کم تذکرہ ہوا ہے۔ اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جس کو فیرفان ہائمن ڈورف نے بیان کیا ہے۔ وہ ۱۵۶۵عیسوی میں قاہرہ میں تھا۔ اس نے ایک جرمن اسکالر کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے جس نے لائپزگ کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ وہ لکھتا ہے: ''جن دنوں میں قاہرہ میں مقیم تھا، انہی ایام میں ایک جرمن، جس کا نام یوستوس اسٹیفن تھا اور شہر ہاملنسی کا رہنے والا تھا، ہمارے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا۔ اس نے عیسائیت کو چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کرلیا اور اسی سلسلے میں اپنا ختنہ بھی کرایا۔ وہ ایک عالم شخص تھا اور ہم سے اکثر کہا کرتا تھا کہ اس نے ایک مدت تک وٹن برگ اور لائپزگ میں تعلیم پائی ہے۔ جب ہم نے اس سے تبدیلی مذہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہے گویا اس میں ایک عجیب روح کارفرما ہے جس کے اشارے کے بغیر نہ تو وہ کچھ کر سکتا ہے اور نہ ہی کچھ سوچ سکتا ہے۔ اس شخص کے انکار نے ہمارے دلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا کر دیے اور سچ بات تو یہ ہے کہ اسی شخص کے کردار نے ہمیں فرار پر مجبور کیا۔ اسی دن ایک یہودی کو شہر میں ایک جلوس کی صورت میں پھرایا گیا جس نے چندروز قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اور سپاہیوں نے ہم سے کہا کہ اسی طرح اسٹیفن کا بھی جلوس نکالا جائے گا۔''

(Christophori Haimendor Itinerarium Aegypi, P.42, Nomimbergae, 1620)۔

مندرجہ بالا تاریخی مصادر سے ان تبلیغی کوششوں کا بہت کم پتا چلتا ہے جو تبدیلی مذہب کا باعث ہوئیں۔ اسی طرح ہمیں ان سے مذہب تبدیل کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں بھی بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات قبول اسلام کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ ارتداد کی سزائے موت سے بچنا چاہتے تھے۔ یورپ کے سیاح اس قسم کے واقعات کا بکثرت ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے ایک واقعے کی ایک مثال، جس کا تعلق زمانہ متاخر سے ہے، ایک یسوعی مصنف کی روئیداد ہے جس کا ہم نے اس وجہ سے انتخاب کیا ہے کہ مصنف نے اپنے زور قلم سے سارے واقعے کی الفاظ میں گویا ہوبہو تصویر کھینچ دی ہے۔ یہ مصنف، جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۶۲۷عیسوی میں قاہرہ میں تھا، یوں لکھتا ہے کہ اس نے ایک قبطی (مصری عیسائی) کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی کو شدید نفرت کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا کیونکہ اس نے یسوع مسیح" کو چھوڑ کر محض ترکوں کی ایذا رسانی سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس فعل کے ارتکاب کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ وہ شخص جذبات کی رو میں بہہ گیا اور دوسرا سبب اس کا حد سے بڑھا ہوا مذہبی جوش تھا جس میں احتیاط اور شعور کو بہت کم دخل تھا۔ یہ بے چارہ کم نصیب عین ارتکاب جرم کے موقعے پر پکڑا گیا۔ لیکن اس نے بڑی جرأت کے ساتھ اس بات کا اقرار کیا کہ وہ مرتد شخص اس کا بھائی کہلانے کے قابل نہ تھا اس لیے اس شرم و عار کے سیاہ داغ کو صرف اس کے خون سے ہی دور کیا جا سکتا تھا۔ اس پر زور دیا گیا کہ وہ مذہب تبدیل کر کے اپنی جان بچا لے لیکن اس نے علانیہ طور پر یہ پختہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ایک عیسائی کی حیثیت سے ہی مرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے جلادوں نے اسے ایسی سخت اذیتیں پہنچائیں جنھوں نے اس کی قوت ارادی کو کمزور کر دیا اور اس نے آخری لمحوں میں ہمت ہار دی۔ ''اس مصیبت نے اسے ایک لمحے میں شہید کے مرتبے سے گرا کر مرتد، ایک ولی اللہ کے بجائے مردود و ملعون اور فرشتے کے بجائے سچ مچ کا شیطان بنا دیا۔ چنانچہ اس نے جب مسلمانوں کا کلمہ شہادت پڑھا تو اسے آزاد کر دیا گیا۔ لیکن یہ آزادی مردان خدا کی آزادی نہ تھی بلکہ روحانی ہلاکت کی آزادی تھی۔'' بعد میں اس کے ضمیر نے جب ملامت کی تو اس نے اپنے عقاید سے رجوع کر لیا اور ارتداد کی پاداش میں مسلمانوں نے اسے سزائے موت دے دی۔ (Rabbath PP 17-18)۔

صلیبی جنگجوؤں کو جب ان کے آخری قلعوں سے نکال دیا گیا اور لاطینی ریاستوں کا بالآخر مشرق میں خاتمہ ہو گیا تو ان واقعات سے چند سال پہلے ایک راہب برکارڈ نے ۱۲۸۳عیسوی کے قریب یہ لکھا کہ پورے عالم اسلام میں عیسائیوں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور مسلمانوں کی تعداد، ماسوائے مصر اور بلاد عرب کے کل آبادی کی تین یا چار فی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ برکارڈ لکھتا ہے کہ یہ بات فی الواقعہ غور طلب ہے (گو بعض لوگ جو کسی بات کو بن دیکھے بیان کرتے ہیں، اس رائے سے متفق نہیں ہوں گے) کہ مشرق کا تمام ملک جو سمندر پار ہے، مسیح" کا نام لیوا ہے اور اسی کے نام کا وعظ کرتا ہے البتہ عرب اور بعض ترکمان جو کپا دوسیہ میں رہتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ میں اس بات کو درست سمجھتا ہوں جیسا کہ میں نے خود دیکھا ہے اور جو لوگ جانتے ہیں ان سے سنا ہے کہ ہر ایک مقام اور عملداری میں (ماسوائے مصر اور بلاد عرب کے جہاں عرب اور دیگر پیروان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بکثرت آباد ہیں) تم کو ہر عرب کے مقابلے میں تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ عیسائی ملیں گے۔ چونکہ تمام عیسائی، جو سمندر پار رہتے ہیں، مشرقی ہیں اور ہتھیار استعمال نہیں کرتے، یہ لوگ عربوں اور تاتاریوں کے حملوں سے مغلوب ہو کر ان کی رعایا بن گئے ہیں اور امن و عافیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو خراج دے کر خریدتے ہیں۔ عرب اور دوسرے لوگ جو ان پر فرماں روا ہیں، اپنے عمال اور محصول جمع کرنے والوں کو ان کے ملکوں میں مقرر کرتے ہیں لہٰذہ عملداری کو عربوں کی عملداری کہا جاتا ہے حالانکہ اصل میں عمال اور ٹیکس جمع کرنے والوں اور ان کے کنبوں کے سوا باقی تمام لوگ عیسائی ہیں۔ اور یہ بات میں نے اپنی آنکھوں سے سلیسیا اور آرمیدیا کو چک میں دیکھی ہے جو تاتاریوں کی حکومت میں ہیں۔ (ارض مقدس کا بیان، از برکارڈ صفحہ ۹۰)۔ برکارڈ کا یہ بیان بلاشبہ مبالغہ آمیز ہے کیونکہ اس نے جلد بازی سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کرلیا ہے کہ جو صورت حال صلیبیوں کے شہروں اور آرمیدیا کو چک میں اس کے مشاہدے میں آئی ہے، وہی صورت حال دوسرے شہروں کی ہوگی۔ لیکن اس کی عبارت سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں لوگ بکثرت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب فلسطین میں مسلمانوں کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی تو انہوں نے عیسائیوں کو ویسی ہی مذہبی آزادی دی جیسی کہ ان کو پہلے حاصل تھی اور جزیہ کی ادائیگی کے عوض ان کو امن وامان دیا۔ غالب گمان یہی ہے کہ تبدیل مذہب کی یہ مثالیں ان عیسائی افراد کی ہیں جن کے دل ودماغ میں آخری قدم اٹھانے سے پہلے قبول سلام کی طرف رغبت پیدا ہو چکی تھی۔ ان عیسائیوں کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں جنہوں نے مسلمان آقاؤں کی ملازمت اختیار کر لی تھی اور جنہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ چنانچہ بیت المقدس کا ضابطہ قانون دو طرح کے لوگوں میں امتیاز کرتا تھا۔ ایک وہ لوگ تھے ''جنہوں نے خدا کا انکار کیا اور کسی دوسرے مذہب کی پیروی کی'' اور دوسرے وہ تھے ''جنہوں نے عیسائیوں کے خلاف عربوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کی ایک برس اور ایک دن سے زیادہ فوجی خدمت انجام دی تھی۔'' (Assises de Jerusalem tom I, P. 325)۔

دیسی عیسائی مسلمانوں کی حکومت کو صلیبیوں کی حکومت پر یقیناً ترجیح دیتے تھے۔ (پرتز: صفحات ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۰)۔ جب ۱۲۴۴ء عیسوی میں فلسطین ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا تو وہاں کی عیسائی آبادی نے نئے آقاؤں کا خیر مقدم کیا اور خاموشی اور رضامندی سے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ (سلطان ایوب نے اہل خوارزم کو بلایا تھا تاکہ وہ صلیبیوں کو فلسطین سے نکالنے میں اس کی مدد کریں۔ چنانچہ اس موقعے پر ۱۲۴۴ء میں بیت المقدس کے پادریوں نے خوارزمیوں کے حملے کے متعلق یوں لکھا تھا: ''خوارزمی تمام ممالک میں ناصرہ سے لے کر یافہ تک آزادی سے چلتے پھرتے ہیں، کوئی ان کی مزاحمت نہیں کرتا۔ وہ ملک پر قبضہ کرتے ہیں اور اسے تقسیم کرتے ہیں۔ گویا اس ملک کے وہی مالک ہیں اور اپنے حاکموں اور عاملوں کو مشرقی عیسائیوں کے شہروں اور قصبوں میں مقرر کرتے ہیں۔ وہ عیسائی زمینداروں سے اسی طرح کا محصول اور خراج لیتے ہیں جیسا کہ دستور کے موافق ان پر عاید تھا۔ مشرقی عیسائی جو اب صلیبیوں کے دشمن ہو گئے ہیں اور ان سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغی ہیں، ہر جگہ خوارزمیوں سے جا ملے ہیں۔" Malthei Parisiensis Chronica Majora, ed.
(H. R. Luard , vol IV, P. 343 London, 1872-83۔

اسلامی حکومت میں عیسائیوں کو مذہبی زندگی کا جو تحفظ حاصل تھا، اس سے اس زمانے میں ایشیائے کوچک کے بہت سے عیسائیوں کو اس بات کی تحریک وترغیب ہوئی کہ وہ سلجوقی ترکوں کو اس امید پر خوش آمدید کہیں کہ وہ ان کو بازنطینی حکومت سے نجات دلائیں گے۔ وہ بازنطینی حکومت سے نہ صرف اس وجہ سے نفرت کرتے تھے کہ وہ ان پر بھاری ٹیکس لگاتی تھی بلکہ وہ یونانی کلیسا کی ظالمانہ روش سے بھی نالاں تھے کیونکہ بازنطینی حکمرانوں نے پالوسی اور بت شکن فرقوں پر الحاد کا الزام لگا کر سخت ظلم وستم کیے تھے۔ چنانچہ میخائیل ہشتم کے عہد (۱۲۶۱ء سے ۱۲۸۲) میں ایشیائے کوچک کے اندرونی شہروں کے باشندوں نے کئی مرتبہ ترکوں سے درخواست کی کہ وہ ان کے شہروں پر قبضہ کر لیں تا کہ وہ بازنطینی سلطنت کے جور وستم سے نجات حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ امیر اور غریب دونوں طبقوں کے لوگ بسا اوقات اپنا گھر بار چھوڑ کر ترکوں کے علاقے میں چلے جاتے تھے۔ (فنلے جلد سوم صفحات ۳۵۸، ۳۵۹ نیز کراؤس صفحہ ۲۶۷)۔

مغربی ایشیا کے دو دوسرے مسیحی کلیساؤں یعنی آرمینیا اور جارجیا کے کلیساؤں کا تذکرہ ابھی باقی ہے۔ آرمینیائی کلیسا کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام مشرقی کلیساؤں میں سے، جو اسلامی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، یہی کلیسا ایسا ہے جس نے (اپنی تعداد کے لحاظ سے) اپنے بہت کم افراد کو اسلام کی امت بڑھانے کے لیے پیش کیا ہے۔ اس بہادر قوم کی سرگذشت بڑی دلچسپ ہے جس نے کثیر التعداد مخالفین کے مقابلے میں اپنی جدو جہد جاری رکھی۔ ارمنی قوم وفاداری کے ساتھ مسیحی دین کے ساتھ وابستہ رہی ہے اور کئی صدیوں تک جنگ و پیکار میں مصروف رہی ہے اور اس نے سیاسی جور وستم، مذہبی جور و جفا اور جلاوطنی کے مصائب کو برداشت کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ کہانی اس کتاب کے موضوع اور حدود سے خارج ہے البتہ اہل اسلام کی تاریخ کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے، اس کی طرف ہم محض مختصر سا اشارہ ہی کر سکتے ہیں۔ ارمنی سلطنت عرب فتوحات کے صدمے کے بعد بھی زندہ رہی، نویں صدی میں اس نے ایک خاصی اہم سلطنت کی حیثیت اختیار کر لی اور خلافت بغداد کے انحطاط کے دور میں خوب پھلی پھولی۔ لیکن گیارھویں صدی عیسوی میں سلجوقی ترکوں نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ بعض ارمنوں نے فرار ہو کر ارمینیا کوچک کی ریاست قائم کر لی لیکن چودھویں صدی میں یہ ریاست بھی مٹ گئی۔ اگرچہ آزادی ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی، اس کے باوجود ان کی قومی زندگی بدستور جاری رہی اور جیسا کہ ترکوں کی حکومت میں یونانیوں کا حال تھا، ویسے ہی ارمنوں کا مذہب اور ان کا قومی کلیسا ان کے پر جوش اور غیر فانی حب الوطنی کا محور بن گیا۔ چند لوگوں نے گو کہ جور وتعدی سے تنگ آ کر اسلام اختیار کر لیا لیکن اکثر ارمنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے اور جیسا کہ تاورنیر Tavernier (فرانسیسی تاجر) نے لکھا ہے: (اگرچہ اس کا لب ولہجہ غیر ہمدردانہ ہے): "ممکن ہے کہ بعض ارمنوں نے دنیوی اغراض سے اسلام قبول کر لیا ہو، لیکن یہ لوگ بالعموم دنیا میں سب سے بڑھ کر ضدی اور ہٹیلے واقع ہوئے ہیں اور اپنے توہم آمیز عقاید پر سختی سے قائم ہیں۔" (تاورنیر (۱) صفحہ ۱۷۴)۔

جارجیا کا کلیسا، جو چوتھی صدی کے شروع میں قائم ہوا، یونانی کلیسا کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ چھٹی صدی کے وسط میں اس کے بطریرک نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا، اس کے باوجود یہ کلیسا ہمیشہ یونانی کلیسا کے ساتھ وابستہ رہا۔ اندرونی اختلافات نے جارجیا کی قوم کے اتحاد کو ہمیشہ پارہ پارہ کیے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ یونانی، ایرانی، عرب، ترک اور منگول بھی اس پر یکے بعد دیگرے مسلسل حملے کرتے رہے ہیں لہٰذہ اس بہادر قوم کی تاریخ اس جنگ وجدال سے بھری پڑی ہے جو اس نے اپنے بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں جاری رکھی ہے۔ مقامی سرداروں کے درمیان شدید لڑائی جھگڑے اس پر مستزاد ہیں۔ جارجیا میں صرف ایک یا دو ایسے طاقتور حکمران گزرے ہیں جن کے زمانے میں مختصر مدت کے لیے ان کی رعایا کو امن اور چین نصیب ہوا لیکن اس سے ملک کی عام بدنظمی اور بدامنی اور بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ جارجیا کے عوام اپنی قومی آزادی کے ایسے دلدادہ تھے کہ وہ کسی غیر قوم کی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے ہمسایہ مسلمان انہیں اپنا مطیع بنانے یا اپنے مذہب پر لانے میں ناکام رہتے تو ان کا غیظ وغضب جنون کی حد تک پہنچ جاتا۔ چونکہ مذہب کی تبدیلی کے ساتھ ان کی قومی آزادی بھی ہاتھ سے جاتی تھی اس لیے جارجیا کے اکثر لوگ شہادت کو ترک دین پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں جارجیا کے کلیسا کے سالانہ کیلنڈر میں مسیحی شہیدوں کے نام بکثرت ملتے ہیں حالانکہ اسی عہد کے یونانی کلیسا کی تاریخ ایسے معزز ناموں کی فہرست سے خالی ہے۔

جب تک جارجیا پر منگولوں کا گزر نہیں ہوا تھا، دین مسیح وہاں پر بدستور قائم رہا لیکن جب منگولوں کی غارت گر فوجوں نے ملک کو روند ڈالا، ان کے گرجا گھروں اور خانقاہوں کو برباد کر دیا اور مقتولوں کی کھوپڑیوں سے مینار بنائے تو عیسائیت بھی آخرکار بازی ہارنے لگی۔ اس زمانے میں نہ صرف دینی پیشواؤں کی تعداد کم ہو گئی تھی بلکہ ان پر جہالت کی تاریکی چھا گئی تھی اور عام لوگ روحانی تعلیم وتربیت سے محروم ہو گئے تھے۔ (جوسلین، صفحہ ۱۲۵)۔ تقریباً اسی زمانے میں ابخاز، ججتہ، اوسیتہ، کباردیس اور کستہ تھیس کی تمام قومیں بھی عیسائیت کو چھوڑ بیٹھیں۔ جو لوگ ابھی تک آبائی مذہب پر قائم تھے، انہوں نے ارباب کلیسا کی مصیبتوں میں اس طرح اضافہ کیا کہ وہ گرجا گھروں کی املاک کو لوٹنے لگے اور گرجاؤں اور خانقاہوں کی آمدنی کو خود استعمال کرنے لگے۔ اس طرح انہوں نے عیسائیت کے زوال کی رفتار کو اور تیز کر دیا۔ (جوسلین، صفحہ ۱۲۷)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۰۰ عیسوی میں امیر تیمور نے جارجیا پر لشکر کشی کی تو وہاں کے لوگوں کے ہولناک مصائب اپنی انتہا کو پہنچ گیے۔ اگرچہ اسکندر اول (۱۴۱۴ء سے ۱۴۴۲ء) نے اپنے عہد حکومت میں مختصر عرصے کے لیے ملک کو غیروں کے تسلط سے نجات دلائی اور تمام مسلمانوں کو باہر نکال دیا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد جارجیا کی مملکت پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی اور ترکوں اور ایرانیوں نے ان کی رہی سہی آزادی بھی چھین لی۔ لیکن مسلمان حکمرانوں کے لیے جارجیا ہمیشہ ایک سرکش اور باغی صوبہ ثابت ہوا جہاں کے لوگ ذرا سا موقع ملتے ہی علانیہ بغاوت کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ ترکوں اور ایرانیوں نے جارجیا کی سرکش رعایا کو مسلمان کر کے اس کی اطاعت حاصل کرنے کی پوری کوشش کی چنانچہ قسطنطنیہ کی فتح اور ایشیائے کوچک میں ترکوں کی طاقت میں اضافے کے بعد اخلت سخہ اور دوسرے مغربی ضلعوں کے باشندے مسلمان ہوگئے۔ (جوسلین، صفحہ ۱۴۳)۔ ۱۵۷۹ عیسوی میں جارجیا کے دو شہزادے، جو آپس میں بھائی تھے، کوئی دو سو ساتھیوں کے ہمراہ سفیر بن کر قسطنطنیہ میں آئے۔ یہاں آکر چھوٹا بھائی اپنے ملازموں کے ساتھ اس امید پر مسلمان ہوگیا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کا منصب حاصل کرلے گا۔ (David Chytracus P. 49)۔ کچھ عرصے کے بعد ترکوں کی فتوحات کی بدولت بعض ایسے اضلاع، جو جارجیا کے عین مرکز میں تھے، ان کے قبضے میں آگئے اور وہاں کے باشندوں نے فاتح ترکوں کا مذہب اختیار کرلیا۔ (جوسلین صفحہ ۱۵۷)۔ اسی زمانے میں سمت زخہ نے، جو جارجیا کے مغربی حصے پر مشتمل ہے، ترک حکمرانوں کی بالادستی قبول کرلی۔ چنانچہ وہاں کے حکمرانوں اور رعایا کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ کسی مداخلت کے بغیر عیسائیت پر قائم رہیں۔ لیکن ۱۶۲۵ عیسوی میں جارجیا کا حکمران خاندان مسلمان ہوگیا اور بہت سے ارکان سلطنت اور امرائے مملکت نے بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔

کسانوں اور کاشت کاروں پر عیسائیت کی گرفت بدستور قائم رہی لیکن جب سمت زخہ کے پادریوں نے کرتھلی کے مذہبی پیشوا کی اطاعت سے انکار کردیا تو وہاں کے باشندوں کی مذہبی تربیت اور ہدایت کا کوئی سامان باقی نہ رہا۔ امرائے دولت نے تبدیلِ مذہب سے پہلے ہی کلیسا کی املاک کو لوٹنا شروع کردیا اور مسلمان بننے کے بعد انہوں نے فطری طور پر گرجا گھروں اور صومعوں کو نذر نیاز چڑھانی چھوڑ دی۔ اس طرح گرجے اور خانقاہیں ویران ہوگئیں اور ان کی جگہ مسجدوں نے لے لی۔ (بروسیٹ: صفحات ۲۲۷ تا ۲۳۵)۔

جارجیا کے باقی حصے نے ایران کی اطاعت قبول کرلی اور جس وقت تاورنیر Tavernier نے سترھویں صدی کے وسط میں وہاں کی سیاحت کی تو اس نے دیکھا کہ یہ علاقہ دو ریاستوں میں تقسیم ہے۔ یہ دونوں ریاستیں ایرانی سلطنت کے صوبے تھے اور وہاں جارجیا کے مقامی شہزادوں کی حکومت تھی جن کے لیے منصب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت پر فائز ہونے سے پہلے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ (The six voyages P. 123)۔ ان شہزادوں میں سے ایک کا نام زاروچ قسطنطین تھا جو کاحیت کے بادشاہ اسکندر ثانی کا بیٹا تھا۔ اس کی پرورش ایرانی دربار میں ہوئی تھی اور اس نے سترہویں صدی کے اوائل میں وہیں اسلام قبول کر لیا تھا۔ (جولیین صفحہ ۱۴۹)۔ کرتھلی کے پہلے مسلمان بادشاہ زاروچ رستم (۱۶۳۴ء سے ۱۶۵۸ء) نے بھی ایران ہی میں پرورش پائی تھی اور سترہویں صدی کے آخر تک وہ اور اس کے جانشین مسلمان رہے۔ (جولیین، صفحات ۱۶۰، ۱۶۱)۔

تاورنیر کا بیان ہے کہ جارجیا کے باشندے مذہب کے معاملے میں بڑے جاہل اور ان کے پادری ان پڑھ اور بدکار ہیں۔ بعض ارباب کلیسا نے فی الواقع کئی عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں کو لونڈی یا غلام کے طور پر ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا ہے۔ (تاورنیر (۱) صفحات ۱۲۴، ۱۲۶)۔ اس کے اندازے کے مطابق اس زمانے میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جارجیا کے بہت سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ دیا تھا، خاص طور پر اعلیٰ طبقے کے لوگوں اور دربار ایران میں خوشنودی حاصل کرنے کے خواہش مند افراد نے عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ (Brosset PP 85, 181)۔

۱۷۰۱ء میں جارجیا کے تخت و تاج کا مالک واختنگ ششم ایک عیسائی تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت کے پہلے سات سال اصفہان میں ایرانیوں کی قید میں گزارے جہاں اسے اسلام قبول کرنے کی بڑی ترغیب دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اعلیٰ الاعلان کہا کہ وہ تخت و تاج چھوڑنے کو ترجیح دیتا ہے لیکن ارتداد کے عوض سلطنت حاصل نہیں کرنا چاہتا تو اس کا چھوٹا بھائی، جو جارجیا کا لاٹ پادری تھا، تخت حاصل کرنے کے لیے عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرنے کو تیار ہو گیا۔ چنانچہ ایرانیوں نے اسے شاہی اختیارات دے دیے لیکن رعایا نے اسے اپنا حاکم ماننے سے انکار کر دیا اور اسے مملکت سے باہر نکال دیا گیا۔ (ایم بروزت جون صفحات ۱۹۷، ۴۵۱)۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں جارجیا کے بادشاہ نے اپنی رعایا کو سلطنت روس کی حفاظت میں دے دیا۔ جب تک بیرونی حملہ آور مسلمان تھے، جارجیا کی گہری وطنیت نے ان کے درمیان عیسائیت کو زندہ رکھنے میں مدد دی تھی لیکن اب جب کہ بیرونی حکومت، جو ان سے ان کی آزادی چھیننا چاہتی تھی، عیسائی تھی تو حب الوطنی کا یہ جذبہ اسلام کے حق میں کارفرما ہو گیا۔ داغستان میں ایک درویش منصور نے قفقاز کے مختلف قبیلوں کو روس کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کی اور اسلام کی تبلیغ کر کے یوبچستان اور داغستان کے شہزادوں اور رئیسوں کو مسلمان بنا لیا جو اب تک مسلمان ہیں۔ اس کی کوشش سے بہت سے چرکسی بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے جلاوطنی کو روس کی اطاعت پر ترجیح دی۔ (میکنزی صفحہ ۷، گارنٹ صفحہ ۱۹۴)۔ لیکن ۱۷۹۱ء میں منصور کو گرفتار کر لیا گیا اور ۱۸۰۰ عیسوی میں جارجیا کو باضابطہ طور پر روس میں ضم کر لیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چرکسی قوم کو مسلمان بنانے میں صرف منصور درویش ہی نے کوششیں نہیں کیں بلکہ بعض دوسرے تاریخی عوامل بھی کارفرما تھے۔ ۱۷۷۴ عیسوی میں جب معاہدہ کوچک قینارجی کی رو سے ترکوں نے ملک کریمیا کی خودمختاری کو تسلیم کرلیا اور انہوں نے بحیرہ اسود کو بھی روسی جہازوں کی آمد و رفت کے لیے کھول دیا تو ترکوں کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ بحیرہ اسود کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ روسیوں کی بالادستی قائم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے چرکسی قوم کو روس کی مزاحمت کے لیے تیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۷۸۲ عیسوی میں ایک ترک افسر فرح علی کو بھیجا گیا تاکہ وہ بحیرہ ازوف کے دہانے کے قریب اناپا کے مقام پر ایک فوجی مرکز قائم کرے اور چرکسی قبیلوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرے۔ فرح علی نے وہاں پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک چرکسی قبیلے کے سردار کی بیٹی سے شادی کرلی اور اس کے باپ کو بہت سے قیمتی ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کے تحائف پیش کیے۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ فرح علی نے اپنے ساتھی فوجیوں کو بھی اپنے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دی اور ان کی شادی بیاہ کے تمام اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی چرکسی عورتیں ترکوں کی فوجی چھاؤنی میں داخل ہوگئیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کرلیا۔ پھر نومسلموں کے تازہ جوش اور ولولے سے کام لے کر انہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو بھی دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ اس طرح تبلیغ کی ایک زبردست تحریک شروع ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چرکسی لوگوں نے، جن کے تعلقات اس ترک نوآبادی سے قائم ہو گئے تھے، اپنے کافرانہ عقاید کو چھوڑ کر بہ رضا و رغبت قرآن کا دین اختیار کرلیا تھا۔ ملا لوگ نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے میں مصروف رہے۔ ان نومسلموں کی تعداد یہاں تک بڑھ گئی کہ ان کی کثرت تعداد سے نمٹنے کے لیے قسطنطنیہ سے امداد طلب کرنا پڑی۔ (بربائرڈی مینارڈ، صفحہ ۴۵)۔ لیکن فرح علی کے کام کو دوام نصیب نہ ہوا اور ۱۷۸۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ لوگ اس کے مرقد کو ایک ولی کی قبر کی طرح متبرک سمجھنے لگے۔ ۱۸۶۴ء میں جب چرکسوں کی مزاحمت کو دبا دیا گیا تو پانچ لاکھ سے زیادہ چرکسی مسلمان ترک سلطنت کے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔

روسی قانون کے مطابق رعایا کے لیے یونانی کلیسا کے سوا کوئی اور مذہب اختیار کرنا غیر قانونی تھا اس لیے وہاں اسلام کی مزید اشاعت اس وقت تک رکی رہی یہاں تک کہ ۱۹۰۵ء میں مذہبی رواداری کا فرمان جاری ہو گیا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ قفقاز (کوہ قاف) میں ابخاز قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اس سے پہلے برائے نام عیسائی ہو چکے تھے۔ لیکن اب وہ اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہونے لگے کہ یونانی کلیسا کے پادریوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور انہوں نے ابخاز میں اسلامی اثرات کو روکنے کے لیے مذہبی لٹریچر تقسیم کرنے کی غرض سے ایک مخصوص انجمن بنالی ہے۔ (آر ڈوایم ایم جلد ۷ صفحہ ۳۲۰، (۱۹۰۹)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

www.KitaboSunnat.com

افریقا کی عیسائی اقوام میں اسلام کی اشاعت

افریقا میں اسلام کا پہلا تعارف ۶۴۰ عیسوی میں اس وقت ہوا جب عرب سپاہ نے عمرؓ بن العاص کی کمان میں مصر پر حملہ کر دیا۔ تین سال کے بعد بازنطینی فوجیں مصر سے واپس چلی گئیں اور ان کی روانگی سے عیسائیوں کی کثیر آبادی مسلمان فاتحین کی محکوم ہوگئی۔ اس مہم میں عربوں کو تیزی کے ساتھ کامیابی حاصل ہوگئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مقامی عیسائیوں نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ وہ بازنطینی سلطنت سے نفرت کرتے تھے نہ صرف اس لیے کہ اس کا نظام حکومت جابرانہ تھا بلکہ مذہبی بغض وعناد کی تلخی کو بھی اس میں خاصا دخل تھا۔ عیسائی آبادی کے اکثر لوگوں کا تعلق یعقوبی فرقے سے تھا اور یونانی کلیسا کے پیروکار بازنطینی حکمران ان کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے مصری عیسائیوں کی اس درجہ توہین وتحقیر کی تھی کہ ان کی اولاد نے ان سختیوں کو آج تک فراموش نہیں کیا۔ (Amelineau, P. 3: Caetani Vol IV, P. 81)۔ قیصر جسٹنین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں دولاکھ قبطیوں کو مروا ڈالا تھا اور اس کے جانشینوں سے تنگ آکر بہت سے قبطیوں نے صحرا میں پناہ لے لی تھی۔ (Wansleben: The Present state of Egypt P.11 , London, 1678)۔ یعقوبی فرقے کے لوگوں کو سخت اذیتیں دی گئیں اور اس کے بعد ان کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ بہت سے لوگ ان ظالموں کے پنجۂ عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بطریرک کے ہمراہ اپنا وطن چھوڑ گئے۔ بیشتر لوگوں نے اپنے حقیقی عقاید کو چھپا لیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مجلس خلقدونہ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ (رنوڈو صفحہ ۱۶۱ نیز سیویروس صفحہ ۱۰۶)۔ مصر کے عیسائی، جو یعقوبی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، قبطی کہلاتے ہیں۔ اسلامی حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم ہونے کے بعد ان کو اپنی مذہبی زندگی میں ایسی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں ایک صدی سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ جزیے کی وصولی کے بعد عمروؓ بن العاص نے گرجا گھروں کو ان کے قبضے میں رہنے دیا اور انہیں تمام مذہبی معاملوں میں خود مختاری دے دی۔ اس کے علاوہ گزشتہ حکومت کی مسلسل دست اندازی سے ان پر جو بار تھا، اس سے ان کو آزاد کر دیا۔ اس نے کلیسا کی املاک پر ہاتھ نہ ڈالا اور نہ ہی غارت گری اور لوٹ مار جائز رکھی۔ (یوحنا نقیوس کا یعقوبی اسقف، جس کا زمانہ ساتویں صدی کا نصف ثانی ہے، صفحہ ۵۸۴ نیز کیتانی جلد چہارم صفحات ۵۱۵، ۵۱۶)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام میں قبطیوں کی حالت خاصی بہتر تھی۔ (Bell, P. 37) مورخ مقریزی لکھتا ہے کہ فتح مصر کے تقریباً ستر برس بعد قبطیوں کو سختیاں اور مالی نقصان اٹھانا پڑے۔ لیکن اس بیان سے ہمارے پاس امن کے اس زمانے کو فان رانکے کی طرح دراز قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔ فان رانکے نے اپنی تاریخ عالم میں لکھا ہے: ''مصر کے متعلق ہمیں صاف شہادت ملتی ہے کہ عربوں کی حکومت کے زمانے میں فتح مصر کے بعد مصر کے باشندے صدیوں تک بہت امن کی حالت میں رہے۔'' اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ قبطیوں کا بکثرت اسلام قبول کرنا مسلمان حکام کے جبر و اکراہ یا ناجائز دباؤ کا نتیجہ تھا۔ ابھی اسلامی فتح مکمل نہیں ہوئی تھی اور مصر کا دارالحکومت اسکندریہ عرب حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہا تھا کہ اکثر قبطیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (John of Nikiu P. 560)۔ اس کے چند سال بعد دوسرے قبطیوں نے بھی اس مثال کی پیروی کی۔ (یوحنا نقیوس (صفحہ ۵۸۵) لکھتا ہے: ''بہت سے مصریوں نے، جو جھوٹے عیسائی تھے، سچے دین کو ترک کر دیا اور اس اصطباغ کو چھوڑ دیا جو زندگی بخشتا ہے اور خدا کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کا مذہب قبول کر لیا اور ان کے قابل نفرت عقاید اختیار کر لیے۔ وہ ان بت پرستوں کی ضلالت میں شامل ہو گئے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔'' حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر سے محاصل کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ تھی لیکن مصر کے لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ چند سال بعد امیر معاویہؓ کے عہد حکومت (۶۶۱ء سے ۶۷۰ء) میں یہ آمدنی پچاس لاکھ رہ گئی۔ عمر ثانی یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء) میں یہ آمدنی اور بھی کم ہو گئی یہاں تک کہ قرہ بن شریک، جو ۷۰۹ء سے ۷۱۴ء تک مصر کا گورنر تھا، یا اس کے پیشروؤں کو اس بات پر اصرار تھا کہ نومسلم قبول اسلام کے بعد بھی جزیہ ادا کرتے رہیں۔ لیکن نیک دل خلیفہ (عمر ثانیؒ) نے یہ کہہ کر اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا کہ خدا نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو داعی اسلام بنا کر بھیجا تھا، ٹیکس وصول کرنے کے لیے مقرر نہیں کیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد پنجم صفحہ ۲۸۳)۔

لیکن بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اعتراف کیا کہ مالی اعتبار سے یہ پالیسی ریاست کے لیے تباہ کن ہے لہٰذہ انہوں نے اصرار کیا کہ نومسلم لوگ پہلے کی طرح جزیہ ادا کرتے رہیں تاہم اس پالیسی میں کوئی تسلسل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں تھا اور کئی گورنر کسی خاص ضابطے کی پابندی کیے بغیر اپنی مرضی سے احکام جاری کرتے رہے۔ چنانچہ جب حفص بن الولید نے، جو ۷۴۴ عیسوی میں مصر کا گورنر تھا، یہ وعدہ کیا کہ جو لوگ اسلام قبول کریں گے، انہیں جزیے کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا تو چوبیس ہزار عیسائی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (ساویرس، صفحات ۱۷۲، ۱۷۳)۔ اسی طرح عباسی خاندان کے پہلے خلیفہ السفاح نے بھی ۷۵۰ عیسوی میں مسند نشین ہوتے ہی یہ اعلان کیا اور تمام ممالک محروسہ کے والیوں کو لکھا کہ جو شخص اس کے دین کو اختیار کرے اور اس کے طریق کے مطابق نماز پڑھے، اسے جزیے کی ادائیگی سے بری قرار دیا جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے، جن میں امیر اور غریب دونوں شامل تھے، دین مسیح کو ترک کر دیا کیونکہ ٹیکس بہت بھاری تھے اور ان پر اور بہت سے بار تھے۔ (ساویرس صفحات ۲۰۵، ۲۰۶)۔ واقعہ یہ ہے کہ مصر کے بہت سے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو ایسے ہی بے پروائی اور عجلت سے چھوڑ دیا جیسے چوتھی صدی کے شروع میں اسے اختیار کیا تھا۔ اس سے پہلے وادی نیل کے بہت تھوڑے لوگ عیسائی تھے۔ لیکن جب قیصر روم دیو کلیتین کے ظلم و ستم سے شہیدوں نے تکلیفیں اٹھائیں اور ان کی کرامات کے قصے مشہور ہوئے اور بیرونی حکومت کے احکام کی خلاف ورزی سے قومی جذبے کو تحریک ملی (شہیدوں کی کثرت سے اس بات میں شک وشبہے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ایک قسم کا قومی محاذ تھا جو بیرونی حکمرانوں کے خلاف قائم کیا گیا تھا۔ املینو صفحہ ۵۸)۔ اس کے علاوہ جب انہیں یقین ہو گیا کہ جو شخص ظالموں کے ہاتھ سے شہید ہو جائے گا اس کے لیے جنت النعیم کے دروازے کھلے ہیں تو ان تمام اسباب سے ان میں ایسا جوش پیدا ہوا جس کی بدولت عیسائی مذہب ناقابل یقین سرعت کے ساتھ پھیل گیا: "مشرق کے دوسرے ملکوں میں عیسائیت وعظ و نصیحت کے ذریعے پھیلی تھی لیکن اس کے برعکس اہل مصر نے بغیر پند و وعظ سے اور بغیر دینی تعلیم پائے ایک بے تابانہ جوش و خروش کی حالت میں اسے اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے صرف یسوع مسیح کا نام سنا تھا جو ان تمام لوگوں کو ابدی خوشی کی زندگی بخشتے ہیں جو ان پر ایمان لائیں۔" (املینو صفحات ۵۷، ۵۸)۔

ساتویں صدی عیسوی میں مصر کے عوام پر عیسائیت کی گرفت غالباً بہت ڈھیلی پڑ چکی تھی اور وہ مذہبی کلمات، جن کے استعمال سے ان کے مذہبی پیشوا بازنطینی سلطنت کے خلاف نفرت اور مخالفت کے جذبات بھڑکاتے تھے، چند افراد کے سوا عام لوگوں کے فہم سے بالاتر تھے۔ غالب گمان یہی ہے کہ اسلامی عہد کی ابتدا میں مصر میں اسلام جس تیزی کے ساتھ پھیلا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کی اشاعت کے لیے کوئی خاص کوشش کی گئی تھی بلکہ اس کا زیادہ تر سبب یہ تھا کہ عیسائیت میں وہ کشش باقی نہیں رہی تھی جس کی بدولت عیسائی لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ سکتے۔ الٰہیات کے ان مسائل نے، جن کی بنا پر یعقوبی فرقے کی الگ بنیاد پڑی تھی اور جن کے ساتھ وہ مدت دراز تک بڑی جدوجہد سے قربانیاں دے کر وابستہ رہے تھے، اب ایسے عقاید کی صورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کر لی تھی جو دقیق فلسفیانہ نوعیت کے تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ان غیر متناہی مباحثوں سے پریشان ہو کر، جو ان کے چاروں طرف برپا تھے، ایک ایسے مذہب کی طرف رخ کر لیا جس کی تعلیم کو خدا کی توحید اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت جیسے سادہ اور آسان کلمے میں مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعد کے زمانے میں خود یعقوبی کلیسا کے اندر ایک تحریک کا ثبوت ملتا ہے جو اگرچہ صاف طور پر اسلامی نہ تھی لیکن اسلام کے ساتھ اس کا قریبی تعلق موجود تھا البتہ اس کے اظہار کے لیے کلیسا کے اندر کوئی الگ جماعت نہ تھی اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ اس سے بھی نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہوگا۔ بارہویں صدی کے شروع میں دریائے نیل کے کنارے اطفیح کے مقام پر واقع سینٹ انطھونی کی خانقاہ میں بالوطس نامی راہب گزرا ہے جو مسیحی عقاید کا بڑا عالم تھا۔ ''اسے راہبانہ زندگی کے فرائض اور شریعت کے احکام پر مکمل عبور حاصل تھا۔ لیکن شیطان نے اس کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر لیا اور اس کے عقاید ان عقاید سے مختلف ہو گئے جن کو ۳۱۸ مسیحی علما کی مجلس نے نیقیہ میں منظور کیا تھا۔ اس نے ایسے بہت سے لوگوں کے خیالات بگاڑ دیے جنہوں نے صحیح عقاید کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ اس نے اپنی بیہودہ تقریروں میں ناپاک منہ سے اعلان کیا کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر تھا۔ وہ اپنی امت کے رذیل ترین طبقے کے ساتھ میل ملاپ رکھتا تھا لیکن راہب کا لباس پہنتا تھا۔ جب اس سے اس کے مذہب اور عقیدے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ خدا کی وحدانیت کا قائل ہے۔ اس کے عقاید کا ایک عرصے تک پرچار ہوتا رہا جن کا خاتمہ ۱۱۲۳ عیسوی میں اس کی وفات پر ہوا۔ اس کے بعد اس کی یاد ہمیشہ کے لیے فراموش ہوگئی۔'' (ابو صالح صفحات ۱۶۳، ۱۶۴)۔

اس کے علاوہ مسیحی زندگی کے نظریے کا بلند ترین مظہر نہایت مذموم قسم کی رہبانیت تھی۔ (امیلینو صفحات ۵۳، ۵۴، ۶۹، ۷۰)۔ اس کے برعکس اسلامی نظام اخلاق کی بنیاد انسانی فطرت پر ہے جس میں لوگوں کے لیے بہت کشش تھی۔ (ابو صالح نے چند ایسے راہبوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن اس نے اس خیال سے ان کے بارے میں تفصیلات قلمبند نہیں کیں کہ ان کے تبدیلی مذہب سے کسی خانقاہ کو نقصان نہیں پہنچا یا انہوں نے عیسائیت کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا تھا۔ صفحات ۱۲۸، ۱۴۲)۔ چونکہ قبطیوں نے وقتاً فوقتاً بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے ان کے متعلق اہل اسلام کا یہ خیال ہے کہ دوسرے مسیحی فرقوں کی بہ نسبت وہ دین اسلام کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ اگرچہ قبطیوں پر اکثر اوقات ظلم وستم ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ جو قبطی اس طرح اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور ہوئے، ان کی تعداد ایسے لوگوں کے مقابلے میں بہت کم تھی جنہوں نے رضا کارانہ طور پر اسلام قبول کیا تھا۔ (لین صفحات ۵۴۶، ۵۴۹)۔ انیسویں صدی میں بھی، جب مصر کو تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ملکوں میں سب سے زیادہ روادار ملک سمجھا جاتا تھا، وہاں ہر سال کئی قبطی دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ظلم اور تعدی کی وجہ سے بھی قبطیوں کی تعداد میں کمی واقع ہوتی رہی ہے۔ مصر کے قبطی کلیسا کے مصائب کی داستان بڑی دردناک ہے کیونکہ ان پر ان کے اپنے ہم مذہب عیسائی بھائی اور دین غالب کے پیروکار یعنی مسلمان دونوں یکساں طور پر ظلم وستم کرتے رہے ہیں۔ (ڈاکٹر اینڈریو والسن نے لکھا ہے:

"میں وادی نیل میں چوبیس سال تک مقیم رہا ہوں اور میرے دوران اقامت میں کوئی برس ایسا نہیں گزرا جب میں نے تبدیل مذہب کے متعدد واقعات کا ذکر نہ سنا ہو۔ اس کے بیشتر اسباب یہ ہیں: مختلف قسم کے دنیاوی فوائد کی امید، مذہب کی بنیاد پر مسلسل اور شدید ظلم وتعدی، ہمسایہ مسلمانوں کی بے رحمی اور لوٹ کھسوٹ، ذاتی توہین وتوقیر اور سیاسی نوعیت کی مختلف خرابیاں۔" (Isalm in Egypt: Mohammadan world, P. 24)۔ چنانچہ بہت سے قبطیوں نے اپنا آبائی دین محض اس لیے چھوڑ دیا کہ ان پر بھاری ٹیکس لگائے گئے تھے اور ان کو ناقابل برداشت ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ (ساویرس صفحات ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۴۳)۔ قبطیوں کو ٹیکسوں کی زیادتی کی شکایت پہلی مرتبہ اس وقت ہوئی جب زیریں مصر کے عیسائی عامل میناس نے اسکندریہ شہر سے عمروؓ بن العاص کے مقرر کردہ ۲۲۰۰۰ دینار کے بجائے ۳۲۰۵۷ دینار وصول کیے۔ (یوحنا نقیوس: صفحہ ۵۸۵۔ زنوٹر، صفحہ ۱۶۸)۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب مصر کی اسلامی فتح کے ستر سال بعد آرتھوڈوکس فرقے کے مذہبی پیشواؤں کی جماعت دوبارہ بحال ہوئی تو قبطیوں نے ان کے ہاتھ سے وہی تکلیفیں اٹھائیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھائی تھیں۔ اس لحاظ سے مصر کے قبطیوں اور شام، فلسطین اور اسپین کے ہم عصر عیسائیوں کی حالت میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اس کی توجیہہ خود قبطی قوم کی سرکش اور شورش پسند خصلت سے ہوتی ہے۔ قبطیوں نے ایک طویل عرصے تک بازنطینی سلطنت کے سیاسی اور مذہبی استبداد کے خلاف جدوجہد کی تھی، اس نے اس کے درمیان جوشیلے اور متعصب لوگوں کی ایک قومی جماعت پیدا کر دی تھی جس کو یونانیوں کی طرح بیرونی عربوں کا تسلط بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ قبطیوں نے ۶۴۶ عیسوی میں اپنے نئے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر دی، عربوں کی فوج کو اسکندریہ سے نکال دیا اور شہر کے دروازے بازنطینی فوجوں کے لیے کھول دیے۔ لیکن بازنطینی فوجوں نے بدقسمت قبطیوں کو اپنا دشمن سمجھا کیونکہ وہ اب تک یہ نہیں بھولے تھے کہ انہی لوگوں نے کچھ عرصہ پہلے مسلمان حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا تھا۔ یہ بغاوت دوسری بغاوتوں کے ایک طویل سلسلے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی۔ (مشہور عرب مورخ مقریزی نے پانچ اور بغاوتوں کا ذکر کیا ہے جو عرب عہد کی پہلی صدی میں برپا ہوئیں اور جنہیں فوج کے ذریعے کچل دیا گیا۔ مقریزی (۲) صفحات ۷۶ تا ۸۲)۔ یہ بغاوتیں بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے برپا ہوتی رہیں اور قبطیوں کو ان کی پاداش میں خوفناک سزائیں ملتی رہیں۔ ان اسباب سے مصر کے دوسرے فرقوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسلامی ملکوں کے عیسائیوں کے مقابلے میں مصر کے یعقوبی عیسائیوں کی زندگی بہت دشوار ہوگئی۔ لیکن یہ واقعات مسلمانوں کی ایذا رسانیوں اور عدم رواداری کی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں ہرگز یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ قبطیوں کی حالت ہمیشہ ایک مظلوم قوم کی رہی ہے۔ اس کے برعکس ان پر ایسے دور بھی آئے جب وہ مملکت کے اہم اور جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ وہ سرکاری دفتروں میں سیکرٹری اور محرر مقرر ہوئے (رنوڈو صفحات ۱۸۹، ۳۷۴، ۴۳۰، ۵۴۰) اور ان کو محاصل جمع کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ (رنوڈو صفحہ ۶۰۳)۔ چنانچہ انہوں نے بعض اوقات بے تحاشہ دولت جمع کر لی۔ (رنوڈو صفحات ۴۳۲، ۶۰۷)، ناصر خسرو سفرنامہ مرتبہ شیفر صفحات ۱۵۵، ۱۵۶)۔ ان کے کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ان کے بہت سے ایسے مذہبی پیشواؤں کی مثالیں ملتی ہیں جن کو مسلمان حکمرانوں کے ہاں بڑا اعزاز حاصل تھا اور انہیں خوب نوازا جاتا تھا۔ (رنوڈو صفحات ۲۱۲، ۲۲۵، ۳۱۴، ۳۷۴، ۵۴۰)۔ ان سلاطین کے زمانے میں عیسائیوں کو کامل امن و امان حاصل رہا۔ کلیسا کے امن و امان کے اسی دور میں ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے بہت سے عیسائی قبطی مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

مصر میں سلطان صلاح الدین کے عہد حکومت (۱۱۶۹ء سے ۱۱۹۳ء) میں عیسائی لوگ اس کی رواداری کی بدولت بہت خوش حال تھے۔ جو ٹیکس ان پر لگائے گئے تھے، ان میں کمی کر دی گئی اور بعض ٹیکس مکمل طور پر موقوف کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ سرکاری دفتروں میں قبطیوں کو سیکرٹری، اکاؤنٹینٹ اور رجسٹرار کے عہدوں پر تعینات کیا گیا۔ صلاح الدین کے جانشینوں کے زمانے میں تقریباً ایک سو سال تک ان کو مکمل مذہبی آزادی اور سلاطین کا لطف و کرم میسر رہا اور ان کو اپنے مذہبی پیشواؤں کی رشوت ستانی اور خرابی کے سوا اور کوئی شکایت نہ تھی۔ کلیسا کے منصبوں کی خرید و فروخت کا دستور اس حد تک عام ہو چکا تھا کہ پادریوں کے عہدے جاہل اور بدکار لوگوں کے ہاتھ بیچ دیے جاتے تھے اور اس مقدس منصب کے جو امیدوار اپنے تقرر سے پہلے مطلوبہ رقم ادا نہیں کر سکتے تھے، ان کو ان کی لیاقت اور استعداد کے باوجود حقارت سے رد کر دیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کی مذہبی اور اخلاقی تربیت طاقِ نسیاں پر رکھ دی گئی اور ان کی زندگی میں افسوس ناک تنزل آ گیا۔ (رنوڈو صفحہ ۳۸۸)۔ کلیسا کی خرابی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جب ۱۲۱۶ء میں ۷۴واں یعقوبی بطریرک یوحنا انتقال کر گیا اور اس کے جانشین کے انتخاب کی ضرورت پیش آئی تو مخالف فریقین نے، جو حریف امیدواروں کی حمایت کر رہے تھے، بڑی تیزی اور تندہی کے ساتھ اس تنازعے کو بیس برس تک جاری رکھا جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ اس تمام عرصے میں ان کو نہ تو کسی فضیحت اور رسوائی کی پروا تھی اور نہ ہی اپنے شرمناک جھگڑے کے مضر نتائج کا کوئی احساس تھا بلکہ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اس گروہ بندی کو کمال سینہ زوری کے ساتھ قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا۔ حکمران سلطان نے کئی مرتبہ مخالف فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے سلطان کو تین ہزار، پانچ ہزار بلکہ دس ہزار طلائی اشرفیوں تک رشوت دینا چاہی تاکہ وہ اپنے سرکاری اثر و رسوخ سے کام لے کر ان کے امیدوار کو انتخاب میں کامیاب کرائے لیکن سلطان نے نہ صرف اس رقم کو لینے سے انکار کر دیا بلکہ نذرانے کی وہ رقم بھی معاف کر دی جو ہر نیا بطریرک دستور کے مطابق اپنے انتخاب کے بعد سلطان کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا کیونکہ سلطان چاہتا تھا کہ عیسائی اپنے تنازعوں کو بالائے طاق رکھ کر آپس میں مصالحت کر لیں۔ لیکن اس کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ اسی اثنا میں اسقفوں کے بہت سے عہدے خالی ہو گئے اور جو اسقف یا پادری وقتاً فوقتاً فوت ہوئے، ان کی جگہ دوسرے آدمی مقرر نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سینٹ میکاریس کی خانقاہ میں صرف چار پادری رہ گئے حالانکہ گزشتہ بطریرک کے زمانے میں وہاں اتنی سے زیادہ پادری رہتے تھے۔ (رنوڈ و صفحات ۵٦۷، ۵۷۱، ۵۷۴، ۵۷۵)۔ مغربی اضلاع کے عیسائیوں کو اس قدر نظر انداز کیا گیا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ (وانس لیبن صفحہ ۳۰۔ مصنف نے قبطی کلیسا کے زوال کی ایک اور مثال دی ہے گو کہ اس کی صورت حال مختلف ہے۔ جزیرہ قبرص کے قبطی اسکندریہ کے بطریرک کے حلقے میں داخل تھے لیکن آرتھوڈکس فرقے کے پادریوں نے، جنہیں بازنطینی بادشاہوں کی حمایت حاصل تھی، ان کو ایسا تنگ کیا کہ اسکندریہ کا بطریرک کسی پادری کو قبرص جانے پر آمادہ نہ کر سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جزیرے کے تمام قبطیوں نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا مجلس خلقدونہ کے عقاید اختیار کر کے آرتھوڈکس فرقے میں شامل ہو گئے اور ان کے گرجا گھر بند کر دیے گئے۔ تصنیف مذکورہ صفحہ ۳۱)۔ اور کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں نے ان لوگوں کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے کیا مثبت کوششیں کی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان اس قسم کی تبلیغی کوششیں کرتے رہے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ عیسائی لوگ برسر عام مناظرے کیا کرتے تھے اور دونوں حریف مذہبوں کی خوبیوں کے بارے میں تحریری مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ (رنوڈ و صفحہ ۳۷۷)۔ قبطیوں کا تبدیل مذہب جبر و اکراہ کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ اس بارے میں ہمارے پاس تاریخی شواہد موجود ہیں کہ جس زمانے میں بطریرک کا منصب خالی تھا، عیسائیوں کو عبادت گزاری کی مکمل آزادی حاصل تھی اور ان کو پرانے گرجا گھروں کی مرمت کرنے بلکہ نئے گرجے تعمیر کرنے کی بھی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ ان پر گھوڑوں اور خچروں پر سواری کرنے کی جو پابندیاں عاید تھیں، ان کو اس سے بھی آزاد کر دیا گیا تھا۔ ان کے مقدمات ان کی اپنی عدالتوں میں فیصل ہوتے تھے، ان کے راہب جزیے کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے اور انہیں کئی دیگر مراعات بھی حاصل تھیں۔ (رنوڈ و صفحہ ۵۷۵)۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس واقعے کو، جس میں بطریرک کا منصب ایک مدت تک خالی رہا، قبطیوں کے قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے سلسلے میں کہاں تک ایک مثالی واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔قبطی کلیسا کی غفلت کی اسی قسم کی ایک مثال کیوچن جماعت کے ان دو مبلغوں نے بیان کی ہے جنہوں نے سترہویں صدی میں دریائے نیل کے کنارے الاقصر کے شہر تک سفر کیا تھا۔انہوں نے دیکھا کہ الاقصر کے قبطیوں کے ہاں کوئی پادری نہیں تھا اور بعضوں نے پچاس سال سے نہ تو اعتراف گناہ کیا تھا اور نہ ہی عشائے ربانی میں حصہ لیا تھا۔ (Capuchins Missionaries P.3: Thevenot Vol, II)۔ایسے حالات کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ قبطیوں کی تعداد میں کن اسباب سے کمی واقع ہوئی تھی۔

غالباً اسی قسم کی غفلت نوبہ کے کلیسا کے زوال کا باعث ہوئی۔ یہ کلیسا اسکندریہ کے یعقوبی بطریرک کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا جیسے حبشہ کے لوگ اسے اب تک اپنا ہادی و مرشد سمجھتے ہیں۔اہل نوبہ نے چھٹی صدی کے وسط میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور جب عربوں نے مصر کو فتح کیا تو انہوں نے اپنی خودمختاری کو قائم رکھا۔ چنانچہ نوبہ اور مصر کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی شرائط یہ تھیں کہ اہل نوبہ ہر سال ۳۶۰ غلام مصر بھیجیں گے اور ان کے علاوہ چالیس غلام حاکم مصر کے لیے روانہ کریں گے۔ان کے عوض عرب نوبہ کے باشندوں کو غلہ، تیل اور کپڑے مہیا کریں گے۔ (کیتانی: جلد چہارم صفحہ ۵۲۰)۔ بعد میں خلیفہ معتصم (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء) نے اس معاہدے کی تجدید کے لیے اپنے سفیر بھیجے اور نوبہ کا بادشاہ دارالخلافہ میں آیا جہاں اس کا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا اور اسے بہت سے قیمتی تحائف دیے گئے۔(Ishok of Romgla: PP. 272-273)۔

بارہویں صدی تک تمام اہل نوبہ ابھی تک عیسائی تھے (ادریسی صفحہ ۳۲) اور مصر کی طرف سے کئی مہموں کے باوجود انہوں نے اپنی پرانی آزادی برقرار رکھی۔ (مقریزی (۲) صفحہ ۱۳۱)۔ ۱۲۷۵ عیسوی میں شاہ نوبہ کے بھتیجے نے اپنے چچا کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے ساتھ لڑنے کے لیے سلطان مصر سے فوج طلب کی۔اس سپاہ کی مدد سے اس نے اپنے چچا کو تخت سے اتار دیا اور اس امداد کے معاوضے میں اسے نوبہ کے دو شمالی صوبے مصر کے سلطان کی نذر کرنا پڑے۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے مذہب پر رہنا پسند کیا اس لیے ان پر ایک دینار فی کس سالانہ کے حساب سے جزیہ لگا دیا گیا۔ (مقریزی: صفحات ۱۲۸، ۱۳۰)۔لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت عارضی ثابت ہوئی اور ان صوبوں کے لوگ جلد ہی آزاد ہو گئے۔ (برک ہرڈی (۱) صفحہ ۴۹۴)۔

لیکن نوبہ میں عربوں کی آبادیاں کئی سو سال پہلے قائم ہو چکی تھیں۔نیل ازرق کے علاقے میں دسویں صدی میں عرب باشندے اپنی تعداد اور ثروت کے اعتبار سے اس قدر ترقی کر چکے تھے کہ انہوں نے عیسائی حکومت کے دارالحکومت سوبہ (موجودہ خرطوم سے بارہ میل دور) میں ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت مانگ لی۔ (آرنٹن صفحات ۶۲، ۱۴۴)۔ تیرہویں صدی خاص طور پر چودھویں صدی کے شروع میں نوبہ میں عربوں کی طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ایک عام مداخلت شروع ہوگئی اور بہت سے عرب خصوصاً قبیلہ جہینہ کے لوگ نقل مکانی کر کے نوبہ میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے نوبہ کی عورتوں کے ساتھ شادیاں کرلیں اور رفتہ رفتہ نوبہ کے حکمرانوں کی طاقت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ (بکر صفحہ ۱۶۰)۔ چودھویں صدی عیسوی کے نصف وسط میں ابن بطوطہ (جلد چہارم صفحہ ۳۹۶) ہمیں بتاتا ہے کہ نوبہ کے باشندے اس کے زمانے میں بدستور عیسائی تھے لیکن ان کے صدر مقام دنقلہ کا حکمران سلطان ناصر کے عہد میں مسلمان ہو چکا تھا۔ غالباً ناصر سے مراد ناصر بن قلاؤن ہے جو مصر کے مملوک سلاطین میں سے تھا اور جس نے ۱۳۴۰ عیسوی میں انتقال کیا۔ سلاطین پاشا ایک روایت بیان کرتا ہے جو دناخلہ عربوں کے ہاں مشہور ہے۔ اس روایت کے مطابق دنقلہ کا شہر ان کے مورث اعلیٰ دنقل نے آباد کیا تھا اور اس شہر کا نام اسی سے منسوب تھا۔ لیکن یہ بات ناممکن ہے کیونکہ دنقلہ قدیم مصریوں کے زمانے میں موجود تھا اور ان کے آثار میں اس کا ذکر آیا ہے۔ (ویوین ڈی سینٹ مارٹن جلد دوم صفحہ ۸۵)۔ دناخلہ کی روایت کے مطابق دنقل اگرچہ ایک غلام تھا لیکن ترقی کرتے کرتے وہ نوبہ کا بادشاہ بن گیا۔ وہ بہنسا کے قبطی اسقف کو خراج ادا کرتا تھا جس کا علاقہ موجودہ سرس اور دبا کے درمیان واقع تھا۔ (Fire and Sword in the Sudan. P. 3, London, 1896)۔

اگرچہ مسلمان پندرھویں صدی تک نوبہ پر مسلسل چڑھائی کرتے رہے لیکن ان کی فتوحات کا قدم دریائے نیل کی پہلی آبشار سے آگے نہ بڑھ سکا۔ (ابن سلیم الاسوانی، بحوالہ مقریزی کتاب الخطاب جلد اول صفحہ ۱۹۰، قاہرہ، ۱۲۷۰ ہجری)۔ ان کا آخری قلعہ اسی آبشار کے قریب تھا اور عیسائیوں کا علاقہ نیل کے کنارے شہر سنار تک پھیلا ہوا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوبہ کی عیسائی حکومت کا خاتمہ اندرونی اختلافات کی وجہ سے ہوا۔ اس کے زوال کے اسباب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عرب اور نیگرو قبائل نے اس کی سرحدوں پر حملے کیے تھے اور پندرھویں صدی میں اس کے قرب میں فونج کی طاقتور سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ (Budge, Vol II P. 199. Artin P. 44)۔

لیکن غالب گمان یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں نوبہ میں اسلام کی اشاعت ان مسلمان تاجروں اور دوسرے لوگوں کے ذریعے جاری رہی جو اس ملک میں آمدورفت رکھتے تھے۔ مقریزی نے، جس کی تحریر کا زمانہ پندرھویں صدی کا آغاز ہے، اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات عرب مصنفین کی کتابوں میں شاذ ہی ملتے ہیں۔ یہ روایت سلیم الاسوانی کی ہے اور اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ یہ گویا اسلامی تبلیغ کی عملی کارگزاری کی ایک زندہ تصویر ہے۔ اگرچہ اس روایت میں جس نومسلم کا ذکر آیا ہے، وہ نہ تو عیسائی تھا اور نہ ہی نوبہ کا باشندہ، تاہم اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ پندرھویں صدی میں نوبہ میں قبول اسلام کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ ابن سلیم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مقرہ شہر کے نوبی حکمران کے دربار میں ایک شخص سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسے شہر سے آیا ہے جو دریائے نیل سے تین ماہ کی مسافت پر ہے۔
جب اس سے اس کے مذہب کے بارے میں استفسار کیا گیا تو اس نے جواب دیا: ''میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ وہ کائنات اور تمام انسانوں کا واحد خالق ہے اور وہ آسمان میں رہتا ہے۔ جب کبھی مینہ نہیں برستا یا جب کبھی ہم میں وبا پھیل جاتی ہے یا ہمارے مویشیوں پر کبھی کوئی آفت آتی ہے تو ہمارے ملک والے ایک بلند پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔ وہ ہماری دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور پیشتر اس کے کہ ہم پہاڑ سے اتریں، وہ ہماری حاجتوں کو پورا کر دیتا ہے۔'' جب اس نے تسلیم کیا کہ خدا نے ان کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیجا تو ابن سلیم نے اسے حضرت موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قصے سنائے اور بتایا کہ انہوں نے توفیق الٰہی سے بہت سے معجزات دکھائے تھے۔ اس نے جواب دیا: ''جب انہوں نے معجزے دکھائے تو وہ ضرور سچے ہوں گے۔ ان سے جو معجزات ظاہر ہوئے، میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔''
(مقریزی، کتاب الخطاب جلد اول صفحہ ۱۹۳)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل نوبہ آہستہ آہستہ عیسائیت سے بتدریج دور ہو کر اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ (موری، جلد اول صفحات ۴۱۷، ۴۱۸)۔ ان کے کلیسا کی روحانی زندگی میں زبردست انحطاط آچکا تھا اور چونکہ ان میں کوئی اصلاحی تحریک پیدا نہ ہوئی اور بیرونی ملکوں کے عیسائی فرقوں کے ساتھ ان کے تعلقات منقطع ہو چکے تھے، اس لیے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ اپنی روحانی تسکین کا سامان دین اسلام میں تلاش کریں جس کے پیروان کے درمیان ایک مدت سے یہ شہادت دے رہے تھے کہ اسلام ایک زندہ قوت ہے جس نے ان کے اہل وطن میں سے کئی لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا ہے۔ ایک پرتگالی مشنری، جس نے ۱۵۲۰ء سے ۱۵۲۷ عیسوی تک حبشہ کے ملک کی سیاحت کی تھی، ہمارے لیے اہل نوبہ کی بڑی واضح کیفیت قلمبند کر گیا ہے جب کہ وہ اس مذہبی انقلاب کے دور سے گزر رہے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ نوبہ کے باشندے نہ عیسائی ہیں، نہ یہودی اور نہ مسلمان۔ ان کا نہ کوئی دین ہے اور نہ آئین، اس کے باوجود وہ عیسائی بننے کے آرزومند ہیں۔ اپنے مذہبی پیشواؤں کی غفلت کے باعث وہ انتہائی جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اب ان کے ہاں کوئی اسقف یا پادری باقی نہیں رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چھ آدمیوں کو سفیر بنا کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ ان کی تعلیم و تلقین کے لیے پادری اور راہب بھیجے جائیں۔ لیکن بادشاہ نے اسکندریہ کے بطریک کی اجازت کے بغیر مذہبی معلموں کو نوبہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ بطریک کی اجازت حاصل نہ ہو سکی، اس لیے نوبہ کے بدنصیب سفیر اپنے وطن واپس آگئے۔ (لارڈ اسٹینلے نے الوارز کی پرتگالی تالیف کے ترجمے میں شاہ حبشہ کا یہ جواب نقل کیا ہے۔ اس نے سفیروں سے کہا کہ خود اس نے اپنے مذہبی معلم عربوں کے ملک سے منگوائے ہیں جن کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسکندریہ کے بطریرک نے بھیجا ہے۔ان حالات میں وہ ان پادریوں کو کیسے روانہ کرسکتا ہے جنہیں کسی دوسرے نے اس کے پاس بھیجا ہے۔صفحہ ۳۵۲۔لندن ۱۸۸۱ء)۔ایک عیسائی نے، جو نوبہ کے ملک میں سفر کر چکا تھا، اس پرتگالی مصنف کو بتایا کہ اس نے نوبہ میں ڈیڑھ سو گرجے دیکھے ہیں جن میں سے ہر گرجا گھر کی دیواروں پر مسیح مصلوب، مریم عذرا اور دوسرے ولیوں کی منقش تصویریں آویزاں ہیں۔تمام قلعوں میں بھی، جو پورے ملک میں جا بجا پائے جاتے تھے، گرجے موجود ہیں۔(راموسیو جلد اول صفحات ۲۰۰، ۲۵۰)۔اگلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے مذہبی معلموں کی عدم موجودگی کے باعث عیسائی مذہب نوبہ کے ملک سے ناپید ہو چکا تھا البتہ گرجے بند پڑے تھے لیکن ابھی تک پورے ملک میں موجود تھے۔(وانس لیبن صفحہ ۳۰: باقی ماندہ کھنڈرات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: بج جلد دوم صفحہ ۲۹۹ نیز جی ایس نیل ہام کی کتاب ''زیریں نوبہ کے گرجے'' فلاڈلفیا ۱۹۱۰ء)۔نوبہ کے باشندے ان طاقتور اسلامی اثرات سے مغلوب ہو گئے جن کو وہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔اس کے علاوہ وہ مسلمان جو صدیوں سے اس ملک میں آمد و رفت رکھتے تھے، ان کی تبلیغی کوششیں بلاشبہ اس پر مستزاد تھیں۔نوبہ کے شمال میں مصر کا ملک واقع تھا اور وہاں عرب قبیلے آباد تھے جو دریائے نیل کے کنارے اپنا تسلط بڑھا رہے تھے۔(برک ہرڈی (ا) صفحہ ۱۳۳)۔جنوب میں بیلوس قوم کی اسلامی ریاست واقع تھی جو ان کو حبشہ سے جدا کرتی تھی۔سولہویں صدی کے ابتدائی حصے میں بیلوس کی یہ قوم باوجود مسلمان ہونے کے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی باجگزار تھی۔(الوارز صفحہ ۲۵۰)۔اگر یہ قوم وہی ہے جس کو بلیون کہا گیا ہے اور جس کو ادریسی نے بارھویں صدی میں اس کی ہمسایہ قوم باجہ کے ہمراہ (جو جزیرۂ میرو کے باشندے تھے) مذہباً یعقوبی عیسائی بتایا ہے (ادریسی، صفحہ ۳۲) تو وہ غالباً چند برس پہلے مسلمان ہوئی ہوگی۔باجہ قوم کے لوگ بھی اسی زمانے میں مسلمان ہوئے ہوں گے۔جو فونج کی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے گئے تھے۔یہ اس زمانے کی بات ہے جب فونج کی سلطنت نے اپنی فتوحات کا دائرہ (۱۴۹۹ء سے ۱۵۳۰ء) جنوب کی طرف سے نوبہ اور حبشہ کی سرحدوں تک وسیع کیا اور سنار کی عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی۔جب احمد گراں کا لشکر حبشہ پر حملہ آور ہوا اور جنوب سے شمال کی طرف اپنا راستہ بناتا ہوا پورے ملک کو طے کر گیا تو وہ ۱۵۳۴ء کے قریب سلطان تراگاہ کے لشکر کے ساتھ جا ملا۔تراگاہ کا علاقہ حبشہ اور سنار کے درمیان تھا اور یہاں کا بادشاہ مسلمان لیکن حبشہ کا باجگزار تھا۔اس سلطان کی فوج میں نوبہ کے پندرہ ہزار سپاہی شامل تھے اور ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔(عرب فقیہہ صفحہ ۳۲۲)۔اہل نوبہ کے تبدیل مذہب کے متعلق تفصیلات ناکافی اور نامکمل ہیں البتہ ہمیں اتنا ضرور معلوم ہے کہ نوبہ کے باشندے خود مختاری کے دلدادہ تھے اور وہ اس وقت تک عیسائیت کے ساتھ چمٹے رہے جب تک کہ یہ مذہب ان کے درمیان زندہ رہا۔اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ان کے مذہب کی تبدیلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدریجی طور پر عمل میں آئی اور یہ عمل کئی صدیوں تک جاری رہا۔

اب ہم حبشہ میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ حبشہ کے لوگوں نے دوصدی پہلے نوبہ والوں سے عیسائیت قبول کی تھی اور ان کی طرح وہ بھی یعقوبی کلیسا کے پیروکار تھے۔

بحیرہ احمر کے مغربی سواحل، جو حبشہ کی مملکت میں شامل تھے، ان کی سمت میں عربوں کی ہجرت ان کی طرف سے رسول اللہؐ کے دین اسلام کو قبول کرنے کے کئی سو سال بعد شروع ہوئی۔ دسویں صدی عیسوی تک حبشہ کے ساحلی شہروں میں صرف چند مسلمان خاندان آباد تھے لیکن بارہویں صدی کے اختتام پر وہاں ایک عرب خاندان برسر اقتدار آیا جس نے حبشہ کے چند ساحلی اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ ۱۳۰۰ عیسوی میں ایک مبلغ، جس کا نام ابوعبداللہ محمد تھا، حبشہ میں جا پہنچا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا شروع کر دی۔ اگلے سال اس نے دولاکھ آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور امحرہ کے حاکم پر کئی بار حملہ کر کے اس کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔ (مقریزی (۲) صفحہ ۱۸۳)۔ شاہ سیفہ ارعاد (۱۳۴۲ء سے ۱۳۷۰ء) نے مملکت کے مسلمان باشندوں کے خلاف سخت کارروائی کی اور جن لوگوں نے عیسائیت اختیار کرنے سے انکار کیا، اس نے ان کو مروا ڈالا یا ملک سے نکال باہر کیا۔ (باسط صفحہ ۲۴۰)۔ اس صدی کے آخر میں حبشہ کی خانہ جنگیوں سے ملک میں جو بدنظمی اور ابتری پیدا ہوئی، اس کی وجہ سے ساحل کی عرب بستیاں پورے ساحلی علاقے کی مالک بن گئیں اور انہوں نے اہل حبشہ کو اندرون ملک دھکیل دیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شاہ بائدہ مریم (۱۴۶۹ء سے ۱۴۷۸ء) نے اپنے عہد حکومت کا بیشتر حصہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنگ وجدل میں گزار دیا جو اس کی مملکت کی مشرقی سرحد پر رہتے تھے۔ (باسط، صفحہ ۲۴۷)۔

سولھویں صدی کے ابتدائی حصے میں ادل کی طاقتور ریاست کے علاوہ (جو حبشہ اور جنوبی بحیرۂ احمر کے درمیان واقع تھی) کئی دوسرے لوگ بھی تھے جو حبشہ کی عیسائی سلطنت کے سخت دشمن تھے۔ لیکن اس کے برعکس بعض ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے پرامن باجگوار تھے مثلاً مصوع میں ایسے عرب بھی موجود تھے جو حبشی سرداروں کے مویشیوں کے گلوں کو چراتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ تیس تیس چالیس چالیس کے گروہوں کی شکل میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اور ہر گروہ کے ساتھ ایک عیسائی ''کپتان'' ہوا کرتا تھا۔ (الوارز صفحات ۲۱۸، ۲۴۲، ۲۴۹)۔ اس ضمن میں بعض ایسے مسلمانوں کا بھی ذکر آیا ہے جو شاہ حبشہ کی ملازمت میں تھے اور بادشاہ نے ان کو کئی اہم عہدوں پر مقرر کر رکھا تھا۔ (عرب فقیہہ صفحات ۸۳، ۱۹۱)۔ ان مسلمانوں میں بعض دین اسلام پر ثابت قدم رہے اور بعضوں نے ملک کے مروجہ مذہب (عیسائیت) کو اختیار کر لیا۔ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ مسلمان جماعتیں کس لحاظ سے شاہ حبشہ کی باجگوار تھیں۔ حدیا کے مسلمان ہر سال خراج کے علاوہ شاہ حبشہ کو ایک دوشیزہ بھی پیش کرتے تھے جسے عیسائی بنا لیا جاتا تھا۔ یہ رسم ایک قدیم معاہدے کے مطابق جاری تھی اور حبشہ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ ہمیشہ یہ خیال رکھتا تھا کہ مسلمان اس رسم کے پابند رہیں۔" اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ ان سے زیادہ طاقتور تھا۔" اس کے علاوہ مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے یا جنگی لباس پہننے کی ممانعت تھی اور ان کو حکم تھا کہ اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو ان پر زین نہ لگائیں۔ مسلمان کہتے تھے: "ہم نے ان احکام کی ہمیشہ پابندی کی ہے تاکہ بادشاہ ہم کو قتل اور ہماری مسجدوں کو برباد نہ کرے۔ جب بادشاہ دوشیزہ اور خراج لینے کے لیے اپنے آدمی بھیجتا ہے تو ہم اس عورت کو غسل دیتے ہیں، چارپائی پر ڈال کر اسے چادر سے ڈھانپ دیتے ہیں، پھر ہم ایسی دعائیں پڑھتے ہیں جو میت پر پڑھی جاتی ہیں اور اسے بادشاہ کے آدمیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی یہی کرتے چلے آئے ہیں۔" (ابوفقیہہ صفحات ۲۷۵، ۲۷۶)۔

مسلمانوں کی یہ باجگوار ریاستیں حبشہ کی شمالی سرحد کے نشیبی علاقوں میں تھیں۔ یہ بحیرۂ احمر سے مغرب کی طرف سنار (ابوفقیہہ صفحات ۳۱۹، ۳۲۴)۔ اور جنوب اور جنوب مشرق تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (ابوفقیہہ صفحات ۲۸، ۱۲۹، ۲۷۵)۔ اس بات کا فیصلہ محض قیاس پر مبنی ہے کہ ان ریاستوں کے مسلمانوں نے، جو عیسائیوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتے تھے، ان پر کیا اثر ڈالا اور موجودہ صدی کی طرح وہ عیسائیوں کو مسلمان کرتے تھے یا نہیں؟ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جب ادل کے مسلمان حکمران احمد گراں نے، جو ایکو کے ایک پادری کا بیٹا تھا اور جس نے ترک وطن کر کے ادل کے ملک میں اسلام قبول کیا تھا (پلاوڈن صفحہ ۳۶) ۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۳ء کے درمیان حبشہ پر چڑھائی کی تھی تو بہت سے حبشی سردار اپنے پیروکاروں سمیت احمد کی فاتح فوج میں شامل ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ بعض ضلعوں کی عیسائی آبادی نے جزیہ دینا مناسب سمجھا (عرب فقیہہ صفحات ۳۲۱، ۳۳۵، ۳۴۳) مگر دوسرے عیسائیوں نے فاتح کا مذہب قبول کر لیا۔ لیکن ایک ہم عصر مسلمان مورخ لکھتا ہے کہ بعض صورتوں میں یہ تبدیل مذہب خوف کا نتیجہ تھا اور نومسلموں کے قبول اسلام اور ان کے اخلاص کو شک وشبہے کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (عرب فقیہہ صفحات ۱۷۵، ۱۹۵، ۲۲۸)۔ لیکن یہ کیفیت بظاہر عام نہ تھی کیونکہ بعض ضلعوں میں لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ قبول اسلام ملک کی ایک عام ہر دلعزیز تحریک معلوم ہوتی ہے۔ جو عیسائی سردار مسلمان ہوئے، انہوں نے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے کام لے کر اپنے سپاہیوں کو بھی قبول اسلام کی ترغیب دی۔ بعض صورتوں میں یہ عیسائی سردار اپنے مذہب سے بالکل ناواقف تھے (عرب فقیہہ صفحہ ۱۷۸) اس لیے مذہب کی تبدیلی ان کے لیے کوئی دشوار کام نہ تھا۔ ان کے تبدیل مذہب میں خاص کر وہ مسلمان سردار بھی معاون ثابت ہوئے جو اس سے پہلے حبشہ کے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ ان کے علاوہ ان عیسائیوں نے بھی، جو زمانہ سابق میں مسلمان رہ چکے تھے، مسلمان فوج کی کامیابی سے فائدہ اٹھا کر عیسائیت اور عیسائی بادشاہ دونوں کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور ایک مرتبہ پھر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(عرب فقیہہ صفحات ۳۴، ۳۵، ۱۲۰، ۱۸۲، ۲۴۴، ۳۲۷)۔

ان میں سے ایک سپہ سالار نے احمد گراں کو ۱۵۳۱ء میں یہ خط لکھا: ''میں پہلے مسلمان تھا اور ایک مسلمان کا بیٹا تھا لیکن مشرکوں نے مجھے قید کر لیا اور جبراً عیسائی بنا لیا۔ لیکن میں نے اپنے دل میں ہمیشہ سچے دین کو جگہ دی ہے اور اب میں اللہ، اس کے رسولؐ اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اگر آپ میری توبہ قبول کریں اور جو کچھ ہو گزرا ہے، اس کی عقوبت سے مجھے معاف رکھیں تو میں ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کروں گا اور ایسی تدبیر اختیار کروں گا جس سے بادشاہ کے وہ سپاہی، جو میرے ہمراہ ہیں، آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور مسلمان ہو جائیں۔'' اور واقعہ یہ ہے کہ اس سپہ سالار کی فوج کے اکثر سپاہیوں نے اس کی پیروی کی۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ (عرب فقیہہ صفحات ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۶)۔

لیکن اہل حبشہ پرتگالیوں کی مدد سے مسلمان فاتحین کا جوا اتارنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے اور خود احمد گراں کو ۱۵۴۳ عیسوی میں قتل کر دیا گیا۔ بہر حال اسلام نے ملک میں اپنے قدم جما لیے تھے اور چونکہ سولہویں صدی کے باقی حصے اور اگلی صدی میں بھی ملک کی حالت پر آشوب رہی، اس لیے اسلام کے قدم بدستور مضبوط رہے۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں دست بگریباں رہتے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنے مشترک دشمن کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ یسوعی جماعت کے مبلغ اور دوسرے رومن کیتھولک لوگ اہل حبشہ کو (یعقوبی کلیسا سے ہٹا کر) اپنے مسلک پر لا رہے تھے۔ اس کے علاوہ پرتگالی، ملک کے تمام انتظامی اور سیاسی معاملوں میں دست اندازی کر رہے تھے۔ اس سے حبشہ کے عوام میں ان کی مخالفت کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا تھا اور یہ جوش اتنا سخت تھا کہ بعض حبشی سرداروں نے علی الاعلان کہا کہ ہم کسی مسلمان حکمران کی اطاعت قبول کر لیں گے لیکن ہمیں پرتگالیوں کے ساتھ اتحاد منظور نہیں۔ (Iobi Ludolfi ad Suam Historian Acthopieam Commentarious P.474, Frankfort 1691)۔ ان اسباب سے جو تحریک جاری ہوئی، وہ نیم مذہبی اور نیم سیاسی تھی جو اس قدر تیزی کے ساتھ پروان چڑھی کہ (۱۶۳۲ء کے قریب) پرتگالیوں اور غیر ملکی عیسائیوں کو حبشہ سے نکال دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ملک میں خوفناک بدنظمی اور افراتفری پیدا ہو گئی اور گالا قوم کے چند قبیلے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر حبشہ میں داخل ہو گئے اور ملک کے عین وسط تک جا پہنچے جہاں ان کی بستیاں آج تک موجود ہیں۔

اسی زمانے میں اسلام نے جو ترقی کی، اس کا اندازہ سترہویں صدی کے ایک سیاح کی یادداشتوں سے ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں اسلام کے پیرو کار پورے حبشہ میں پھیلے ہوئے تھے اور کل آبادی کا ایک تہائی حصہ تھے۔ (آر پی مینول، ذی المیڈا: صفحہ ۷)۔ اٹھارویں صدی میں متفرق افراد کے قبول اسلام سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ کا دین برابر ترقی کرتا گیا۔ چونکہ ملک میں کوئی مضبوط مرکزی حکومت موجود نہ تھی، اس لیے کئی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں جن کے بہت سے سرداروں کو مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ ملک کے بنیادی قانون کے مطابق ہر حکمران کا عیسائی ہونا ضروری تھا چنانچہ ان مسلمانوں نے، جو طبقہ امرا کا درجہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا اور ظاہر کیا کہ وہ عیسائی ہو گئے ہیں تاکہ ان کا شمار ارکان دولت کے طبقے میں ہو سکے۔ جب وہ کسی عیسائی صوبے کے گورنر مقرر ہوتے تھے تو اپنا سارا اثر ورسوخ اشاعت اسلام کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ (مسایا: جلد دوم صفحات ۲۰۵، ۲۰۶)۔ ''یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب عیسائیت قبول کرنے سے ان مسلمانوں کی غرض حکومت کے عہدے حاصل کرنا تھا تو وہ دراصل اس مذہب کی ظاہری پابندی کرتے تھے ورنہ یہ لوگ اپنے دل میں اور رسوم وآداب میں مسلمان ہی رہتے تھے۔ چنانچہ جب یہ لوگ رئیس یعنی حاکم کے جلیل القدر منصب پر پہنچ جاتے تو وہ مسلمانوں کو اپنے گرد وپیش جمع کر لیتے تھے، اکثر عہدے انہی کو دیتے، ان کو خطابات سے نوازتے اور انعام واکرام سے مالا مال کر دیتے تھے۔ اس طرح سے حبشہ کے عیسائی ملک پر ایک بدترین قوم نے حملہ کیا اور اس میں آباد ہوگئی اور کچھ عرصے کے بعد یہ ملک اسلام کے جوئے کے نیچے آ گیا۔'' اسلام کے فروغ کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ حبشہ کے عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان اخلاقی برتری رکھتے تھے۔ روپل (Ropel) لکھتا ہے کہ میں نے حبشہ میں اپنی سیاحت کے دوران اکثر اوقات یہ بات دیکھی ہے کہ جب کسی خالی منصب کے لیے کسی ایماندار اور قابل اعتماد شخص کو منتخب کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو اس کے لیے ہمیشہ کسی مسلمان کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان سرگرم اور مستعد تھے اور ہر مسلمان اپنے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ اس کے برعکس عیسائی صرف اسی صورت میں اپنے بچوں کو تعلیم دیتے تھے جب ان کو پادری بنانا مقصود ہوتا تھا۔ (روپل: جلد اول صفحات ۳۲۸، ۳۶۶)۔ عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو جو اخلاقی برتری حاصل تھی، اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے حبشہ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کس طرح بتدریج مسلسل ترقی کی۔ کلیسا کے پیشواؤں کی اخلاقی پستی اور بے حسی نیز حبشہ کے امرا کی لامتناہی خانہ جنگیوں کے باعث اسلامی اثرات کسی مزاحمت کے بغیر اپنا کام کرتے رہے۔ مسٹر پلاؤڈن نے، جو ۱۸۴۴ء سے ۱۸۶۰ء تک حبشہ میں برطانوی کونسل رہے، حباب قوم کا تذکرہ کیا ہے جو مصوع کے شمال مغرب میں آباد تگرے نسل کے تین قبیلوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تمام لوگ گزشتہ سو سال کے اندر مسلمان ہوئے ہیں اور سوائے نئی پود کے تمام لوگوں کے نام ابھی تک عیسائی ہیں۔ انہوں نے اپنا مذہب ان مسلمانوں کے مسلسل اثر سے تبدیل کیا ہے جن کے ساتھ وہ تجارت کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حبشی امرا نے رفتہ رفتہ ملک کو قطعی طور پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں۔ (پلاؤڈن، صفحہ ۱۵)۔ ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے ایک سردار نے، جس کا نام جاوتیج تھا، عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اسلام باعث برکت ہے اور اس سے لمبی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس نے اپنے پادری سے کہا: "تابوت کو پارہ پارہ کر دو۔" (Tabot , the ark of the covenant.)۔ پادری نے جواب دیا: "میں مریمؑ کے تابوت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔" اس پر جاوتیج نے کلہاڑی کے وار سے تابوت کو اپنے ہاتھ سے پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد پادری بھی مسلمان ہو گیا اور اس کی اولاد آج تک قبیلے کی سرداری چلی آ رہی ہے۔ (لٹمین صفحات ۶۹، ۷۰)۔

اسی زمانے میں حبشہ کے شمالی ضلعوں کی آبادی کے بعض طبقوں نے بھی اسی طرح اسلام اختیار کیا کیونکہ عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان علاقوں کو چھوڑ دیا تھا، ان کے گرجے کسمپرسی کی حالت میں کھنڈر بن گئے تھے اور یہ سب کچھ ارباب کلیسا کی غفلت کی وجہ سے ہوا کیونکہ ان علاقوں کے مسلمان ہرگز متعصب نہیں تھے اور نہ ہی عیسائیت کے ساتھ ان کی کوئی خاص عداوت تھی۔ (پلاؤڈن صفحات ۸، ۹)۔ انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں اسلام نے جو ترقی کی، اس کی شہادت دوسرے سیاحوں نے بھی دی ہے۔ (بیک، صفحات ۵۱، ۵۲ نیز آئسن برگ صفحہ ۳۶)۔ انہوں نے دیکھا کہ بہت سے عیسائی مسلسل دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ راس علی مسلمانوں پر خاص طور پر مہربان تھا۔ وہ حبشہ کے صوبے داروں میں سے تھا اور ۱۸۵۳ء میں شاہ تھیوڈور کی تخت نشینی سے پہلے عملی طور پر وہی ملک کا حاکم تھا۔ اگر چہ وہ خود عیسائی تھا لیکن اس نے نہ صرف مملکت کے عہدوں اور منصبوں کو بلکہ گرجا گھروں کے مال کو بھی اسلام کے پیروکاروں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں ملک کے وسطی ضلعوں کی نصف آبادی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین میں داخل ہو گئی۔ (ریلکس، جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۷، نیز مسایا جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۵)۔ حبشہ کی سرزمین میں نخل اسلام کی جڑیں ایسی راسخ ہو چکی تھیں کہ ملک کی تمام تجارت اور سارا کاروبار مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بڑی بڑی جائیدادیں رکھتے تھے، بڑے بڑے شہروں اور تجارتی منڈیوں کے مالک تھے اور عوام میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ ایک عیسائی مشنری، جو اس ملک میں ۳۵ برس تک مقیم رہا تھا، مسلمانوں کی کامیابی اور تبلیغی جوش و خروش سے بے حد متاثر ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اگر ایک اور احمد گراں پیدا ہو کر پیغمبر اسلامؐ کے پرچم کو بلند کرے تو حبشہ کا پورا ملک مسلمان ہو جائے گا۔ (مسایا، جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۴)۔ حبشہ کا ملک ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۲ء تک مصر کے ساتھ بر سر پیکار رہا اور حکومت مصر کے ساتھ اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل حبشہ کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی اور ملک کے بیرونی دشمنوں کے خلاف اس نفرت کا اثر حبشہ کے مسلمانوں پر بھی پڑا۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں شاہ جان نے حبشہ کے مسیحی پیشواؤں کی ایک مجلس بلائی جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ مذہبی معاملات میں بادشاہ کا حکم قطعی ہے اور یہ کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام مملکت میں صرف ایک مذہب ہونا چاہیے۔ ماسوائے یعقوبی فرقے کے، عیسائیوں کے تمام فرقوں کو دو سال کی مہلت دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ وہ اس عرصے کے اندر اندر قومی کلیسا کے عقاید اختیار کر لیں۔ اسی سلسلے میں مسلمانوں کو تین سال اور بت پرستوں کو پانچ سال کی مہلت دی گئی۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تین سال کی جو مہلت دی گئی تھی، وہ بے معنی تھی کیونکہ اس نے مسلمانوں کو نہ صرف یہ حکم دیا کہ وہ ہر جگہ حسب ضرورت نئے گرجا گھر تعمیر کریں اور اپنے اپنے علاقے کے پادریوں کو عشر ادا کریں بلکہ تمام مسلمان عہدیداروں کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ یا تو تین ماہ کے اندر عیسائی ہو جائیں یا اپنے منصبوں کو چھوڑ دیں۔ اس طرح کے جبری تبدیل مذہب میں لوگوں کو صرف اصطباغ لینا اور عشر ادا کرنا پڑتا تھا اس لیے قدرتی طور پر یہ بے اثر ثابت ہوتا تھا۔ ایسے لوگ گو بظاہر عیسائی ہو جاتے تھے لیکن دل میں وہ مسلمان ہی رہتے تھے۔ مسایا نے بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو گرجا گھر میں اصطباغ لینے کے بعد سیدھے مسجد کا رخ کرتے تھے اور اپنے دین کے کسی باخدا آدمی سے اس جبری تبدیل مذہب کے اثر کو دور کراتے تھے۔ (مسایا جلد ۱۱ صفحات ۷۷، ۷۸)۔ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کا یہ طریقہ اس وجہ سے بھی بے کار ثابت ہوا کہ مذہب کی یہ تبدیلی صرف مردوں تک محدود تھی اور چونکہ شاہی فرمان میں عورتوں کا کوئی ذکر نہیں تھا، اس لیے ان سے کسی طرح کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ بات حبشہ میں اسلام کی آئندہ تاریخ کے لیے غالباً بہت اہم ثابت ہوئی کیونکہ مسایا یہ شہادت دیتا ہے کہ عورتوں نے اپنے دین کی ترویج میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ (مسایا صفحات ۱۲۴، ۱۲۵)۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ جان نے تقریباً پچاس ہزار مسلمانوں کو جبراً بپتسمہ دیا۔ اس طرح اس نے ایک بت پرست قبیلے کے بیس ہزار افراد اور گالا قوم کے پانچ لاکھ آدمیوں کو بپتسمہ لینے پر مجبور کیا۔ (اوپل صفحہ ۳۰۷ نیز ریلکس صفحہ ۲۴۷)۔ چونکہ ان لوگوں کی عیسائیت صرف بپتسمہ لینے اور عشر ادا کرنے تک محدود تھی، اس لیے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ ان سختیوں کا واحد نتیجہ یہ نکلا کہ حبشہ کے مسلمانوں اور بت پرستوں کو عیسائی مذہب سے اور زیادہ دشمنی اور نفرت ہو گئی۔ (مسایا جلد ۱۱ صفحات ۷۹، ۸۱)۔ کافا کی چھوٹی سی ریاست نے ہمیشہ حبشہ کے بادشاہ کی برتری کو تسلیم کیا تھا لیکن جب وہاں کے حاکم سادو جمبو نے دیکھا کہ شاہ جان کو اطالیوں اور مہدی (سوڈانی) دونوں کی طرف سے بیک وقت خطرہ درپیش ہے تو وہ شاہ حبشہ کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر خود مختار بن بیٹھا اور اپنی آزادی کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لیے مسلمان ہو گیا۔ وہ ۱۸۹۷ء تک تمام حملوں کا کامیابی سے مقابلہ کرتا رہا لیکن اس کی ریاست آخر کار مغلوب ہو گئی اور شہنشاہ منیلک نے اسے گرفتار کر لیا۔ منیلک پہلے صرف شوآ کا حاکم تھا لیکن ۱۸۸۹ء میں شاہ جان کے انتقال کے بعد اس نے پورے حبشہ پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ کافا کی تمام ریاست میں عیسائیت سرکاری مذہب کی حیثیت سے دوبارہ رائج ہو گئی اور گرجا گھروں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر عبادت ہونے لگی کیونکہ یہ گرجے صحیح وسلامت بچ رہے تھے یا ان کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ (موری، جلد دوم صفحہ ۴۴۹)۔ لیکن یہ سختیاں، جو عیسائیت کے مفاد میں کی گئیں، انیسویں صدی میں اسلام کی روز افزوں ترقی کو روکنے میں ناکام رہیں۔ چنانچہ قبیلے کے قبیلے، جو پہلے عیسائی تھے اور اب بھی عیسائی نام رکھتے ہیں، مثلاً تکلیس (مسیح کا پودا)، بیتس (مسیح کا تحفہ) اور تماریام (مریمؑ کا تحفہ)، مسلمان ہو چکے ہیں۔ ملسع کے دو قبیلے انیسویں صدی کے وسط میں کلیتہً عیسائی تھے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بیسویں صدی کی ابتدا میں اسلام اختیار کر چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ مسیحی پادریوں کی جہالت نے مسلمان مبلغوں کے کام کو آسان بنا دیا ہے۔ دوسرے قبیلوں میں بھی اسلام کی اشاعت کا کام اسی انداز سے جاری ہے۔

(Littmann PP. 68-70: K. Cederquist: Islam and Christanity in Abyssinia P. 54: The Muslim world Vol : II)

اب ہم شمالی افریقہ کی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں ساتویں صدی عیسوی میں عرب لوگ شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف اپنی فتوحات کو بڑھا رہے تھے۔ عربوں نے مصر کو آسانی سے فتح کر لیا تھا کیونکہ وہاں کے بہت سے باشندوں نے بازنطینی حکومت کو ختم کرنے میں ان کی مدد کی تھی لیکن شمالی افریقہ کے دوسرے حصوں میں انہیں خوں ریز جنگیں لڑنا پڑیں۔ یہاں طویل عرصے تک مسلمانوں کی شدید مزاحمت کی گئی اور عربوں کو افریقہ کے شمالی ساحل پر مصر سے لے کر بحیرہ اوقیانوس تک قبضہ کرنے میں نصف صدی لگ گئی۔ آخر ۶۹۸ عیسوی میں کارتھیج کی فتح سے افریقہ میں رومی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور بربروں کو مغلوب کرنے کے بعد عرب اس ملک کے قطعی مالک بن گئے۔

ان کشورکشائیوں کی تفصیلات بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ وہاں کی عیسائی آبادی میں اسلام کیسے اور کس طریق سے پھیلا؟ بدقسمتی سے اس مقصد کے لیے ہمیں جو ذرائع معلومات میسر ہیں، وہ افسوسناک حد تک قلیل اور ناکافی ہیں۔ آخر افریقہ کے اس عظیم الشان کلیسا کا کیا انجام ہوا جس نے کئی پارسا لوگ اور علما پیدا کیے تھے؟ ترتلیان، سینٹ سپریان اور سینٹ آگسٹین کا کلیسا، جو اس قدر مظالم برداشت کرنے کے باوجود آخرکار کامیاب رہا تھا اور جس نے صحیح العقیدہ عیسائیت کی پرزور حمایت کی تھی، اسلام کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گیا۔

حتمی معلومات کی عدم موجودگی میں عیسائی آبادی کے معدوم ہو جانے کی عام طور پر یہ توجیہہ کی جاتی ہے کہ مسلمان فاتحین نے ان پر جور وستم کیا تھا اور عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنایا تھا۔ لیکن اس مسئلے کو جس سرسری انداز میں حل کیا گیا ہے، اس پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو غور طلب ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوے کی تائید میں کوئی قطعی شہادت موجود نہیں۔ ایک خوں ریز اور طویل جنگ کے دوران قتل و غارت گری، تباہی اور بربادی اور دیگر آفات و مصائب کی کثرت رہی ہے لیکن اس بات کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ محض اختلاف مذہب کی بنا پر کسی پر ظلم و ستم کیا گیا ہو۔ مسیحی کلیسا عرب فتوحات کے بعد بھی آٹھ صدیوں سے زیادہ عرصے تک باقی رہا۔ اس سے فاتح مسلمانوں کی اس رواداری کا ثبوت ملتا ہے جس کے بغیر یہ کلیسا ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

شمالی افریقا میں عیسائیت کو جن اسباب سے زوال آیا، ان کو مسلمان حکمرانوں کے تعصب کے بجائے کہیں اور تلاش کرنا چاہیے۔ لیکن ان اسباب کا سراغ لگانے سے پہلے اس بات کو ذہن نشین رکھنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی آبادی کی تعداد بہت مختصر تھی۔ اسلامی حکومت میں عیسائیوں کا وجود اور بقا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان فاتحوں نے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا تھا۔ ہاں اگر عربوں کو شمالی افریقا میں کثیر التعداد عیسائی اور خوش حال کلیسا ملتا تو پھر اس مفروضے کو ثابت کرنا دشوار تھا کہ عربوں نے اپنی فتوحات کے آغاز میں عیسائیوں کو جبراً مسلمان نہیں کیا تھا۔

افریقا میں عیسائی آبادی صرف رومی صوبوں تک محدود تھی اور یہ صوبے جنوب کی سمت میں صحرائے اعظم کی وجہ سے دور تک وسیع نہ تھے۔ اس آباد ساحلی علاقے کا عرض شاذ ہی اسی یا سو میل سے زیادہ تھا۔ (گبن، جلد اول صفحہ ۱۶۱)۔ وندالی قوم کی فتح سے پہلے اگرچہ وہاں اساقفہ کے پانچ سو علاقے تھے لیکن یہ تعداد عیسائی آبادی کا تعین نہیں کر سکتی کیونکہ افریقی کلیسا کا یہ دستور تھا کہ بہت چھوٹے شہروں اور گم نام دیہات میں بھی اکثر اوقات اسقف مقرر کر دیے جاتے تھے۔ (گبن، جلد دوم صفحہ ۲۱۲)۔ اور یہ بات بھی مشکوک ہے کہ عیسائی مذہب نے اندرون ملک بربری قبیلوں کے ہاں بھی اشاعت پائی تھی۔

(C. O. Castiglioni: PP. 96, 97 Milan 1826)۔

پانچویں صدی عیسوی میں جب رومی سلطنت کو زوال آ گیا تو اس عظیم قوم کے مختلف قبیلے، جو رومیوں کے ہاں مور، نومیڈین اور لیبیان کے نام سے مشہور تھے، جنوب کی سمت میں ٹڈی دل کی طرح بڑھے اور انہوں نے ساحل کے دولت مند شہروں کو لوٹ کر برباد کر دیا۔ یہ حملہ آور یقیناً بت پرست تھے چنانچہ لیبیا والوں نے گرجا گھروں کو لوٹا اور جلایا اور وہاں کے متبرک برتنوں کو بت پرستی کی رسوم کی ادائیگی کے لیے لے گئے۔ سرین کے سنے سیوس نے اس غارت گری کا بڑی جگر سوزی سے ذکر کیا ہے۔ (سنے سیوس کیفا سٹاس: Migne: potr. Gr; tom ixvi-P. 1569)۔ اس غارت گری کے بعد سری نیکا کا صوبہ کبھی سرسبز نہ ہو سکا۔ اس صوبے سے عیسائی مذہب غالباً عربوں کی لشکر کشی سے پہلے ہی مفقود ہو چکا تھا۔ طرابلس کے صوبے میں ایک بربر سردار وندالی قوم کے بادشاہ تھوریس منڈ (۴۹۶ء سے ۵۲۳ء) کے ساتھ پہلے ہی برسر پیکار تھا لیکن اس نے عیسائیوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت گاہوں اور مذہبی پیشواؤں کا احترام کیا حالانکہ وندالی ان کے ساتھ سخت بدسلوکی کر چکے تھے۔ اس سردار نے یہ کہہ کر اپنی بت پرستی کا اعلان کیا: ''میں نہیں جانتا کہ عیسائیوں کا خدا کون ہے لیکن اگر وہ ایسا ہی طاقتور ہے جیسا کہ اسے ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو اس کی توہین کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی عزت کرتے ہیں۔'' (عینڈر (۲) صفحہ ۳۲۰)۔ غالباً موریطانیہ کے صحرانورد قبائل کے اکثر لوگ بھی بت پرست کافر تھے۔

شمالی افریقا میں مسیحی کلیسا کے دائرہ اثر کی وسعت خواہ کچھ بھی ہو، وندل قوم کے ظلم وستم سے اسے ایسا نقصان پہنچا جس کی کبھی تلافی نہ ہو سکی۔ تقریباً ایک سو سال تک وندالی قوم کے ارباب حکومت نے، جو آریوس کے مذہب پر کاربند تھے، آرتھوڈوکس فرقے پر بڑی سنگدلی کے ساتھ جور وستم کیے، ان کے اسقفوں کو جلاوطن کر دیا، انہیں اپنے مذہب کے مطابق علانیہ عبادت کرنے کی ممانعت کر دی اور جن لوگوں نے فاتحوں کے آرین عقاید اختیار کرنے سے انکار کیا، ان کو بے رحمی کے ساتھ اذیتیں پہنچائیں۔ (گبن جلد چہارم، صفحات ۳۳۱ تا ۳۳۳)۔ ۵۳۴ عیسوی میں جب بیلی ساریوس نے وندالیوں کی طاقت کو کچل ڈالا اور شمالی افریقا کو دوبارہ رومی سلطنت میں شامل کر لیا تو کارتھیج کی مجلس علما میں صرف ۲۱۷ بشپ جمع ہو سکے تاکہ کلیسا کا انتظام اور عوام کی رہنمائی کا کام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔ عیسائیوں کو طویل عرصے تک جو وحشیانہ مظالم اٹھانا پڑے تھے، ان کی وجہ سے ان کی تعداد بہت کم ہو گئی۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے جو صدی گزری تھی، اس میں موریطانیہ کے وحشی باشندوں نے حملے کر کے رومیوں کو شہروں اور آبادی کے دوسرے مرکزوں میں بند کر دیا اور پہاڑوں، صحراؤں اور کھلے میدانوں پر خود قبضہ کر لیا تھا۔ (تیجانی صفحہ ۲۰۱ نیز گبن جلد پنجم صفحہ ۱۲۲)۔ اس کے علاوہ بدنظمی عام تھی اور اس پر وہ تباہ کن وبائیں مستزاد تھیں جو چھٹی صدی کے نصف ثانی میں پھوٹ پڑی تھیں۔ غرض ان سب آفتوں اور مصیبتوں نے مل کر ملک کی تباہی اور بربادی کو جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی افریقا کے پچاس لاکھ افراد شہنشاہ یوستینین کے عہد کی لڑائیوں میں مارے گئے یا اس کی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے۔ امیروں نے ملک کو خیرباد کہہ دیا کیونکہ وہاں کی تجارت اور زراعت دونوں برباد ہو چکی تھیں اور ان کی بحالی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ''افریقا کی بربادی اور ویرانی کا یہ عالم تھا کہ ملک کے بہت سے علاقے ایسے بھی تھے جہاں اگر کوئی شخص کئی دن تک سفر کرتا تو اسے کہیں کسی دوست یا دشمن کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ وندالی قوم معدوم ہو چکی تھی حالانکہ ایک زمانے میں ان کے بچوں، عورتوں اور غلاموں کو چھوڑ کر ان کے جنگجوؤں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ لیکن جو بربری خاندان اس جنگ میں مرکھپ گئے، ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ اسی قسم کی تباہی رومیوں اور ان کے حلیفوں پر بھی نازل ہوئی جو آب وہوا کی خرابی، باہمی مناقشوں اور وندالی قوم کے غیظ وغضب کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(گبن جلد پنجم صفحہ ۲۱۴)۔

جب عربوں کی فاتح فوج شمالی افریقا کے دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کے لیے مصر سے مغرب کی جانب بڑھی تو اس سے ایک سال پہلے ۶۴۶ عیسوی میں افریقی کلیسا میں، جس نے کئی مرتبہ بڑی دلیری سے عیسائیت کی پاکیزگی کی حمایت اور حفاظت کی تھی، مشیت مسیحی کے مسئلے پر ایک زبردست ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن جب کارتھیج کے چار علاقوں، موریطانیہ، نیومیڈیا، بزاسینا اور افریقیا کے اسقفوں نے اس مسئلے کی تردید کے لیے مجلسیں منعقد کیں اور ان مجالس کی طرف سے قیصر روم اور پاپائے رومہ کو خط لکھے تو اس موقعے پر افریقا کی نمائندگی کے لیے کارتھیج میں صرف ۶۸ بشپ جمع ہوئے اور ۴۲ اسقفوں نے بزاسینا کی نمائندگی کی۔ دوسرے ضلعوں کے نمائندوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی لیکن ان دو ضلعوں کی عیسائی آبادی نے بلاشبہ دوسرے اضلاع کی بہ نسبت زیادہ نقصان اٹھایا تھا جو دارالحکومت سے نزدیک تر واقع تھے۔ (غیڈر (ا) جلد ۵ صفحات ۲۵۴، ۲۵۵: جے ای ٹی ویلچ، جغرافیہ اور شماریات کلیسا کی دستاویز جلد ا صفحات ۴۳۳، ۴۳۴ (لندن ۱۸۹۵ء) جے بوریخون صفحات ۳۲، ۳۴ (Tours 1890)۔ یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس موقعے پر کوئی اسقف غیر حاضر رہا ہو کیونکہ اس وقت لوگ مشتعل تھے اور مذہب کی حمایت کا جذبہ اور بازنطینی دربار کی سیاسی دشمنی دونوں اس تحریک کو ہوا دے رہی تھیں۔ افریقا نے اس مخالفت کے اکسانے میں نمایاں حصہ لیا تھا جس کے باعث ۶۴۸ء میں لیٹرن کونسل منعقد ہوئی تھی۔ افریقی اسقفوں کی تعداد میں کمی سے یقیناً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی آبادی بھی کم ہو چکی تھی۔ چونکہ آبادی میں کمی کے بہت سے اسباب تھے، اس لیے اسقفوں کی تعداد پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیے کیونکہ کسی ضلعے میں آبادی میں کمی کے باوجود اسقف کا عہدہ برقرار رکھا جا سکتا تھا۔

ان دلائل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت عیسائیوں کی تعداد کسی صورت میں زیادہ نہیں تھی۔ شمالی افریقا کے ان ملکوں کو مکمل طور پر فتح کرنے میں عربوں کے پچاس سال صرف ہوئے تھے۔ اس طویل جنگ وجدال کی تباہ کاری میں عیسائی آبادی میں مزید کمی واقع ہوگئی۔ مثال کے طور پر جب طرابلس کا شہر چھ ماہ کے محاصرے کے بعد فتح ہوا تو شہر کو لوٹ لیا گیا، وہاں کے باشندے قتل کر دیے گئے اور باقی کو لونڈی اور غلام بنا کر مصر اور عرب بھیج دیا گیا۔ (بیانِ افریقا از لیو افریقی، صفحہ ۷۰ ڈی)۔ صحرائے نومیڈیا کی سرحد پر ایک اور شہر واقع تھا جہاں کے رومی حاکم نے ایک بھاری فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے ایک سال تک عرب محاصرین کا مقابلہ کیا لیکن آخر کار جب عربوں نے ہلہ بول کر شہر لے لیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا۔ (لیو افریقی صفحہ ۷۵ ایف: دیوسن ایک نہایت قدیم شہر تھا جسے رومیوں نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر ریاست بوجیہ کی اس سرحد پر واقع تھا جو صحرائے نومیڈیا سے متصل تھا)۔ کہا جاتا ہے کہ ان قیدیوں کی تعداد کئی لاکھ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(پے وی جلد اول صفحہ ۴)۔ بہت سے عیسائیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ (جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور وہ جزیہ بھی ادا نہیں کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے مذہب کی سلامتی کے لیے مسلمان فوجوں سے بچنے کی غرض سے راہ فرار اختیار کی۔ (تجانی صفحہ ۲۰۱)۔ بعضوں نے اٹلی اور اسپین میں پناہ لی۔ (لیو افریقی صفحہ ۷)۔ ایک خط سے، جو پوپ گریگوری دوم نے سینٹ بونی فیس کے پادری کو لکھا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بعض لوگ بھاگ کر جرمنی تک جا پہنچے تھے۔ (بونی فیس کے پادری کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ افریقا کے ان لوگوں کا استقبال کرے جو اپنے تئیں دینی منصبوں کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض مانوی مذہب پر قائم ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے (ارتداد کے بعد) دوبارہ اصطباغ پایا ہے۔(Epist, iv ,Migne: patr lat, Tom lxxxix, P. 502)۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے بڑے بڑے رومی شہر بالکل ویران ہو گئے اور عرصہ دراز تک غیر آباد رہے بلکہ بعض شہر تو بالکل کھنڈر بن گئے۔ (لیو افریقی: 76 ،Ram usio, PP. 65,66,68,69:)۔ بعض صورتوں میں مسلمان فاتحین نے اپنے شہروں کی تعمیر کے لیے نئے مقامات کا انتخاب کیا۔ (مسلمانوں نے ۵۰ ہجری میں قیروان کا شہر بسایا۔ اسی طرح انہوں نے ۱۸۵ ہجری میں فیض، ۳۰۳ ہجری میں المھدیہ، ۳۱۵ ہجری میں مسیلہ، اور ۴۲۴ ہجری میں مراکش کے شہر آباد کیے۔ (ابوالفدا: جلد دوم صفحات ۱۶۸، ۱۸۶، ۲۰۰، ۱۹۱، ۱۹۸)۔

افریقی کلیسا کے جو منتشر لوگ ساتویں صدی عیسوی کے خاتمے تک باقی رہ گئے تھے، ان کے معدوم ہونے کے بارے میں یہ بات مشکل ہی سے فرض کی جا سکتی ہے کہ ان کا سبب ظلم و ستم تھا کیونکہ ہمیں ایک عیسائی جماعت کا پتا چلتا ہے جو سولہویں صدی تک موجود تھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ادریسی خاندان کے بانی ادریس نے جب بزور شمشیر اپنی حکومت کی بنا ڈالنا شروع کی تو اس نے ۷۸۹ عیسوی میں عیسائیوں اور یہودیوں کو قبول اسلام پر مجبور کیا تھا۔ لیکن جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، شمالی افریقا کے کلیسا کی تاریخ میں اس واقعے کی کوئی اور نظیر نہیں پائی جاتی۔ جبراً مسلمان کرنے کا ایک مشکوک واقعہ عبدالمومن سے منسوب کیا جاتا ہے جس نے ۱۱۵۹ء میں تیونس کو فتح کیا تھا۔ ایک فرانسیسی مصنف دی ماس لتری (۲) صفحات ۷۷، ۸۷ میں لکھتا ہے: عرب کے دو مصنف گزرے ہیں جن میں سے ایک ابن الاثیر تھا جو اس سلطان کا ہم عصر تھا اور دمشق کی اس ولولہ انگیز فضا میں رہتا تھا جسے سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے پیدا کیا تھا۔ دوسرا مصنف تجانی تھا جس نے چودھویں صدی میں مشرقی افریقا کی سیاحت کی تھی۔ ان دونوں مصنفوں نے لکھا ہے کہ تیونس کے سلطان نے شہر کے عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور جن لوگوں نے انکار کیا، وہ بے رحمی سے قتل کر دیے گئے۔ ہمارے نزدیک ان تمام اقدامات کی حقیقت مشتبہ ہے۔ اگر یہ جابرانہ فرمان فتح کی ترنگ میں یا کسی عارضی ضرورت سے جاری ہوا تھا تو وہ ضرور متروک یا منسوخ کر دیا گیا ہوگا کیونکہ یہ حکم مذہبی آزادی کے اس اصول کے خلاف تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کا المغرب کے تمام مسلمان فرمانروا احترام کرتے آئے تھے۔ یہ بات یقینی ہے کہ عیسائی اور یہودی تیونس میں جلد ہی دوبارہ نظر آنے لگے اور عبدالمومن کے عہد کے خاتمے سے پہلے عیسائی تیونس میں آباد ہو چکے تھے اور حسب دستور سابق ان کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ جائیدادیں رکھتے تھے اور تجارت کر سکتے تھے۔ ایک قدیم مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان کی لشکر کشی میں توفیق خداوندی اس کے شامل حال تھی۔ اس نے زاب اور افریقا کے علاقوں کو طے کیا، ملکوں اور شہروں کو فتح کیا اور جن لوگوں نے امان مانگی، ان کو امان دی اور مخالفوں کو قتل کیا۔ یہ آخری جملہ ہماری اس رائے کی تائید کرتا ہے جو ہم نے سلطان کی اس روش کے متعلق ظاہر کی ہے جو اس نے فرماں بردار عیسائیوں کے متعلق اختیار کی تھی۔ ان عیسائیوں نے قضا وقدر کے فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔ (شمالی افریقا کے تجارتی تعلقات عیسائی اقوام کے ساتھ از دی ماس لتری مطبوعہ پیرس ۱۸۸۶ء)۔

افریقی کلیسا کا زوال جس سست روی کے ساتھ ہوا، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے ساتھ رواداری کا سلوک ہوا تھا۔ اسلامی فتح کے تین سو سال بعد بھی تقریباً چالیس اسقفوں کے علاقے ابھی باقی تھے۔ (دی ماس لتری (۲) صفحات ۲۷: ۲۸)۔ ۱۰۵۳ عیسوی میں جب پوپ لیونہم نے اس بات پر گہرے افسوس کا اظہار کیا کہ افریقی کلیسا، جو کبھی بڑی رونق پر تھا، اپنی نمائندگی کے لیے صرف پانچ بشپ فراہم کر سکا۔ (یہ خط گومی اور کارتھیج کے اسقفوں کے اس باہمی نزاع کے بارے میں ہے کہ ان دونوں میں سے کس کو سبقت حاصل تھی۔ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ اس زمانے کی پرآشوب حالت کی وجہ سے افریقا کے اسقف اپنے اور اپنے قریب کے علاقوں کے علاوہ دوسرے اسقفوں کے علاقوں کے بارے میں بے خبر ہوں اور جو اطلاع پاپائے روم کو دی گئی تھی، اس میں اسقفوں کی تعداد کو ان کی اصلی تعداد سے کم ظاہر کیا گیا ہو)۔ اس تنزل کا سبب غالباً یہ تھا کہ چند سال پہلے عرب قبائل ملک میں گھس آئے تھے اور انہوں نے وہاں مسلسل لڑائی کر کے بدنظمی پھیلا دی تھی۔ (مُلر جلد دوم، صفحات ۶۲۸، ۶۲۹)۔ افریقی کلیسا ۱۰۷۶ عیسوی میں تین بشپ بھی مہیا نہ کر سکا جن کی موجودگی از روئے ضابطہ شریعت ایک نئے اسقف کے تقرر کے وقت ضروری تھی۔ جب مطلوبہ تعداد پوری نہ ہو سکی تو پوپ گریگوری ہفتم کو دو نئے بشپ مقرر کرنا پڑے تاکہ وہ اس رسم کے موقعے پر کارتھیج کے اسقف اعظم کی معاونت کر سکیں۔ لیکن عیسائیوں کی تعداد ابھی تک اتنی زیادہ تھی کہ چند نئے اسقف مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ کلیسا کا کام ہلکا ہو سکے کیونکہ سابق تین بشپ اپنے مذہبی فرائض کو مزید امداد کے بغیر انجام دینے سے قاصر تھے۔

(S. Gregorii Vii, Epistola xixxix. Libertertius: Migne, patr . lat. tom c xiviii. P. 449)۔

اگلی دو صدیوں میں کلیسا کی حالت اور بدتر ہو گئی چنانچہ ۱۲۴۶ عیسوی میں مراکش کا اسقف عیسائیوں کا واحد روحانی پیشوا باقی رہ گیا تھا۔ (دی ماس لتری، صفحہ ۲۲۶: اسپین کے کئی عیسائی خاندان، جن کے آباء و اجداد کو ۱۱۲۲ عیسوی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلاوطن کر کے مراکش بھیج دیا گیا تھا اور جہاں وہ ۱۳۸۶ء تک مقیم رہے، مراکش کے اس وقت کے سلطان کے اثر ورسوخ کی بدولت واپس بھیج دیے گئے)۔ اس زمانے تک الجزائر کے بربری قبائل میں عیسائی مذہب کے نشان اور آثار پائے جاتے تھے۔(C. Trumelet: les Saintes de Islam, Paris 1881)۔ زمانہ سابق میں ان قبیلوں نے اسلامی عقاید کی کسی قدر تعلیم پائی تھی لیکن ان پر اس نئے مذہب کی گرفت بہت کمزور تھی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، انہیں اسلام کا جو تھوڑا بہت علم پہلے سے تھا، وہ بھی جاتا رہا اور حالت یہ ہوگئی کہ وہ ان کلمات کو بھی بھول گئے جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ اپنے پہاڑوں کے حصار میں بند تھے اور اپنی آزادی کے دل دادہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے ہاں عرب عنصر کے داخلے کو کامیابی سے روکے رکھا چنانچہ ان کو مسلمان بنانے میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ اس سے پہلے قادریہ سلسلے کی ایک خانقاہ ساقیۃ الحمرا کے صوفیوں نے ان کے ہاں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر انہیں اس کام میں کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے درمیان اسلام کے لیے راستہ ہموار کرنے کا سہرا اندلس کے مسلمانوں کے سر ہے جو ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد اسپین سے نکال دیے گئے تھے اور اس خانقاہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ خانقاہ کے شیخ نے دیکھا کہ یہ لوگ تبلیغ کے اس دشوار کام کے لیے بہت موزوں ہیں جس کے انجام دینے میں اس کے اپنے مریدوں کی کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اس کار خیر پر روانہ کرنے سے پہلے اس نے ان لوگوں کو ان لفظوں میں خطاب کیا: ”ہمارا یہ ناگزیر فرض ہے کہ ہم اسلام کی مشعل ان علاقوں میں لے جائیں جو برکات اسلام کی نعمتوں سے اب تک محروم ہیں۔ ان بدقسمت قبائل کے ہاں نہ تو مدارس ہیں اور نہ کوئی شیخ ہے جو ان کے بچوں کو اصل اخلاق اور محاسن اسلام کی تعلیم دے سکے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح رہتے ہیں جن کو نہ خدا کا علم ہے، نہ دین کا۔ چنانچہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس ناگوار صورت حال کی اصلاح کے لیے تم لوگوں کی دینی حمیت اور نور ایمان سے درخواست کروں تا کہ یہ کوہستانی لوگ اپنی قابل رحم جہالت کی دلدل میں غلطاں و پیچاں نہ رہیں اور ہمارے دین کی شاندار صداقتوں سے باخبر ہو جائیں۔ جاؤ اور ان کے ایمان کی بجھتی ہوئی آگ کو ہوا دو اور اس کی دبی ہوئی چنگاریوں کو دوبارہ روشن کرو۔ اپنے پہلے مذہب عیسائیت سے، جس کی ضلالت سے وہ اب تک آلودہ ہیں، ان کو اس سے پاک کردو اور ان کو یہ سمجھاؤ کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین میں عیسائیت کے برعکس میل کچیل اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قابل قبول نہیں ہے۔ (میڈرڈ میں جبراً عیسائی بنائے جانے والے مورسکو کی اصلاح کے لیے ۱۵۶۶ء میں جو مجلس قائم ہوئی تھی، اس کے ضابطوں کا مذکورہ بالا تقریر سے موازنہ کیجئے جس میں سے ایک ضابطہ یہ تھا: ”مورسکو اور ان کی عورتوں اور دیگر لوگوں کو گھر پر یا گھر سے باہر غسل کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور ان کے تمام حمام گرادیے جائیں گے)۔“ (جے مورگن جلد دوم، صفحہ ۲۵۶)۔ میں تم سے یہ بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا کہ تمہارے کام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بہت سی دشواریاں ہیں لیکن تمہاری ناقابل تسخیر حمیت اسلامی اور حرارت ایمانی خدا کے فضل وکرم سے تمام مشکلات پر غالب آئے گی۔ میرے بچو! جاؤ اور اس بدنصیب قوم کو، جو اس وقت جہالت اور کفر کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، خدا اور اس کے رسول کی طرف دوبارہ واپس لاؤ۔ جاؤ میرے بچو! ان کو نجات کا پیغام پہنچاؤ۔ خدا تمہارے شامل حال رہے اور تمہاری مدد فرمائے۔"

یہ مبلغ پانچ پانچ، چھ چھ کی جماعتوں میں مختلف اطراف میں روانہ ہو گئے۔ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ہاتھ میں عصا لے کر چل دیے۔ انہوں نے پہاڑوں کے سنسان اور غیر آباد مقامات کا انتخاب کر کے وہاں کی غاروں میں چٹانوں کے درمیان خانقاہیں قائم کر لیں اور قبائل میں ان کی پرہیزگاری اور عبادت گزاری کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ یہ قبائل جلد ہی ان کے ساتھ راہ ورسم پیدا کرنے لگے۔ ان مبلغوں نے آہستہ آہستہ اپنے علم طب، میکانیاتی فنون اور تمدن کے دوسرے فوائد کی بدولت بربری قبائل میں اپنا مطلوبہ اثر ورسوخ قائم کر لیا اور ہر خانقاہ اسلامی تعلیم کا مرکز بن گئی۔ بہت سے طالب علم ان نوواردوں کے علم وفضل کی کشش سے ان کے گرد جمع ہو گئے اور کچھ عرصے کے بعد یہ طالب علم اپنے ہم وطنوں میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے، یہاں تک کہ ان کا مذہب ان قبائل کے تمام علاقوں اور صحرائے الجزائر کی بستیوں میں پھیل گیا۔
(C. Trumelet: les Saints de Islam: PP. xxviii-xxxvi)۔

مذکورہ بالا واقعہ بلاشبہ اس طریق کی ایک مثال ہے جس سے اندرون ملک کے دوسرے خود مختار قبیلوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ان قبیلوں کو اس سے پہلے عیسائیت کی تعلیم بھی ملتی تھی لیکن ان کا علم وعمل چند ایک توہمات اور باطل رسوم کی پابندی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ (لیو افریقی کا بیان ہے کہ پندرھویں صدی کے آخر تک الجزائر اور بوجیہ کے تمام کوہستانی باشندے، اگرچہ وہ مسلمان تھے، اپنے رخساروں اور ہتھیلیوں پر سیاہ صلیب کا نشان نقش کرتے تھے۔ راموسیو، جلد اول، صفحہ ۶۱: اسی طرح بنو مزاب کے ہاں آج تک بعض ایسی مذہبی رسوم پائی جاتی ہیں جو عیسائیوں کے اخراج از مذہب اور اعتراف گناہ سے مشابہ ہیں۔ صحرائے اعظم کے بعض خانہ بدوش قبائل اصطباغ کی طرح کی ایک رسم کے پابند ہیں اور اپنے کپڑوں اور ہتھیاروں پر زیبائش کے طور پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔ دی ماس لتری (۲) صفحہ ۸)۔ دنیا کے دوسرے عیسائیوں سے ان کے تعلقات منقطع تھے اور وہ عیسائیت کے معلموں سے بھی محروم تھے، اس لیے وہ اپنے مذہب کے ایسے پختہ اور صاف وصریح عقیدے سے بے بہرہ تھے جس کے ذریعے وہ مسلمان مبلغوں کی تعلیم کا مقابلہ کر سکتے۔

شمالی افریقا کے کلیسا کے زوال کے بارے میں جو منتشر واقعات اوپر بیان کیے گئے ہیں، ان میں اب مجھے اور کسی بات کا اضافہ نہیں کرنا۔ ایک مسلمان سیاح (تیجانی صفحہ ۲۰۳)، جس نے چودھویں صدی کے شروع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تیونس کے جنوبی ضلع الجرید کا سفر کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ عیسائیوں کے گرجے اگرچہ کھنڈر بن چکے ہیں لیکن اس کے زمانے میں ابھی تک موجود ہیں۔ عرب فاتحین نے انہیں برباد نہیں کیا اور انہوں نے ہر گرجا گھر کے سامنے ایک مسجد بنالی ہے۔ ابن خلدون نے، جس کا زمانہ چودھویں صدی کے اختتام کے قریب ہے، ضلع قسطیلیہ (The Madorn Touzer in Tunis) کے بعض ایسے دیہات کا ذکر کیا ہے جہاں کی پوری آبادی عیسائی تھی اور ان کے آباء واجداد اسلامی فتوحات کے زمانے سے وہاں آباد چلے آرہے تھے۔ (تاریخ الدول الاسلامیہ فی المغرب جلد اول صفحہ ۱۴۶، الجزائر ۱۸۴۷ء)۔ پندرھویں صدی کے آخر میں تیونس میں مقامی عیسائیوں کی ایک مختصر آبادی موجود تھی جو مضافات کے ایک محلے رہتی تھی۔ یہ محلہ اس علاقے سے بالکل الگ تھا جہاں بیرونی ملکوں کے عیسائی تاجر سکونت رکھتے تھے۔ جبر وتعدی کا تو کیا ذکر ہے، یہ عیسائی لوگ سلطان کے محافظ دستے کی حیثیت سے اس کی ملازمت میں منسلک تھے۔ (لیوافریقی، جلد اول، صفحہ ۶۷)۔ بلاشبہ یہ وہی عیسائی تھے جن کو فرانس کے بادشاہ چارلس پنجم نے ۱۵۵۳ء میں تیونس کو فتح کرنے کے بعد اس بات پر مبارک باد دی تھی کہ وہ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہے تھے۔ (پے وی جلد اول صفحہ ۷)۔

یہ آخری واقعہ ہے جو شمالی افریقہ کے کلیسا کے متعلق ہمارے علم میں آیا ہے۔ یہ کلیسا مدت دراز تک زندہ رہا جس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ عیسائیوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا۔ اپنی اس رائے کی تائید میں ہمارے پاس مزید شہادت یہ ہے کہ شمالی افریقہ کے مسلمان حکمران مذہبی رواداری کے قائل تھے۔ وہ عیسائیوں کو فوجی ملازمت میں رکھتے تھے (دی ماس لٹری (۲) صفحات ۶۱، ۶۲، ۲۶۶، ۲۶۷) اور جو عیسائی ان کی مملکت میں سکونت اختیار کرتے تھے یا تجارت کے لیے آتے تھے، ان کو معاہدوں کے ذریعے مذہب کے معاملے میں پوری آزادی دیتے تھے۔ (دی ماس لٹری (۲) صفحہ ۱۹۲)۔ روم کے پوپ (مثلاً انوسینٹ سوم، گریگوری ہفتم، گریگوری نہم اور انوسینٹ چہارم) کئی مرتبہ مسلمان حکمرانوں سے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی سفارش کرتے اور عیسائی رعایا پر بھی زور دیتے کہ وہ اپنے مسلمان حاکموں کی وفاداری کے ساتھ خدمت کریں۔ (دی ماس لٹری (۲) صفحہ ۳۲۷)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

www.KitaboSunnat.com

اسپین کے عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت

فاتح عربوں نے اسپین میں اشاعت اسلام کا آغاز ۷۱۱ عیسوی میں کیا تھا۔ پھر ۱۵۰۲ء میں شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا نے ایک فرمان کے ذریعے اپنی مملکت میں دین اسلام پر عمل کرنے کی ممانعت کردی۔ ان دونوں تاریخوں کے درمیان جو صدیاں گزریں، ان میں اسپین کے مسلمان یورپ کی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ایک نہایت تابناک باب کا اضافہ کر چکے تھے۔ اس کا اثر پروانس (جنوبی فرانس) کے راستے یورپ کے دوسرے ملکوں تک پہنچا جس سے ایک نئی طرز کی شاعری اور ایک نئی تہذیب معرض وجود میں آئی۔ یورپ کے عیسائی اسکالروں نے یونانی فلسفہ اور سائنس اسلامی اسپین ہی سے حاصل کیا تھا جس سے یورپ کی نشاۃ الثانیہ تک ان کی علمی سرگرمیوں اور مساعی کو تحریک ملتی رہی۔ لیکن اس موقعے پر ہم تہذیب وتمدن کے ان کارناموں سے صرف نظر کرتے ہیں جن کا تعلق مہذب زندگی، آرٹ، شاعری، سائنس اور فلسفے سے ہے۔ اس وقت ہم اپنی توجہ صرف اس بات پر مبذول کرتے ہیں کہ اسپین کے اسلامی عہد میں مذہبی حالات کی کیا صورت تھی؟

مسلمان جب پہلے پہل اپنا مذہب اسپین میں لائے تو انہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں کا کیتھولک فرقہ اریوسی عقاید پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملک پر پوری مضبوطی سے مسلط ہو چکا تھا۔ طلیطلہ (Toledo) کی چھٹی کونسل نے یہ ضابطہ بنایا کہ تمام حکمرانوں کو یہ حلف لینا چاہیے کہ وہ کیتھولک مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی پیروی کی اجازت نہیں دیں گے اور مذہب سے انحراف کرنے والے لوگوں کے خلاف سختی سے قانون نافذ کریں گے۔ اس کے بعد ایک اور قانون وضع ہوا جس میں کہا گیا کہ جو شخص مقدس کیتھولک کلیسا یا انجیل کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احکام، مذہبی پیشواؤں کے ارشادات، کلیسا کے فتووں اور دینی رسوم پر شک یا اعتراض کرے گا، اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی اور اسے حبسِ دوام کی سزا دی جائے گی۔ اس طرح ارباب کلیسا نے اپنی جماعت کے لیے امور سلطنت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ (Baudissin P.22)۔ چنانچہ اسقف اور کلیسا کے دوسرے اعلیٰ عہدیدار مملکت کے نہایت اہم امور کے انتظام و انصرام کے لیے منعقد ہونے والی قومی کونسلوں کے اجلاس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ مذہبی پیشوا ہی بادشاہ کے انتخاب کی توثیق کرتے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر بادشاہ نے ان کے فیصلوں کی پابندی نہ کی تو وہ اس کو معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اسپین میں یہودیوں کی خاصی بڑی آبادی تھی لیکن عیسائی پادری اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم و ستم کرتے تھے اور جو لوگ اصطباغ لینے سے انکار کرتے، ان کے خلاف وحشیانہ قسم کے سخت مظالم کے احکام جاری کر دیے جاتے۔ (Helfferich. P.68)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عربوں نے اسپین پر چڑھائی کی تو یہودیوں نے حملہ آوروں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا خیر مقدم کیا، جن شہروں کو عرب فتح کر چکے تھے، ان کی حفاظت کے لیے سپاہ کا کام دیا اور جن شہروں کا مسلمانوں نے محاصرہ کر رکھا تھا، ان کے دروازے کھول دیے۔ (مقری، جلد اول صفحات ۲۸۰ تا ۲۸۲)۔

اسپین کے غلاموں نے مسلمانوں کا اسی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ قوطی حکومت کے عہد میں ان کی حالت بڑی خستہ اور خراب تھی۔ عیسائی مذہب کے بارے میں ان کا علم بالکل سطحی تھا اس لیے اپنی قسمت کو مسلمانوں سے وابستہ کرنے میں ان کو آزادی کے علاوہ جو دوسرے فوائد حاصل ہوئے تھے، ان کے مقابلے میں ان کے لیے عیسائیت کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

ان مظلوم غلاموں نے اسپین میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ بت پرستوں نے بھی، جن کا ۶۹۳ عیسوی تک پتا چلتا ہے، غالباً ان غلاموں کی پیروی کی۔ (Baudissin P.7)۔ بہت سے عیسائی امرا بھی، خواہ خلوص نیت سے خواہ دیگر اغراض سے، مسلمان ہو گئے۔ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحات ۴۵، ۴۶)۔ ادنیٰ اور متوسط طبقوں سے بھی بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ صدق دل سے ایمان لائے تھے۔ انہوں نے ایسے مذہب سے روگردانی کی تھی جس کے پیشواؤں نے ان کو علم دین سے بے بہرہ رکھا تھا، ان کی طرف سے غفلت برتی تھی، خود دنیاوی اغراض کے حصول میں مشغول ہو گئے تھے اور اپنی ہی ملت کو لوٹا اور ستایا تھا۔ (اے مُلر، جلد دوم صفحہ ۴۶۳)۔ اسپین کے یہ لوگ جب مسلمان ہو گئے تو اپنے نئے مذہب کے بڑے پرجوش پیرو ثابت ہوئے۔ وہ اور ان کے بچے راسخ العقیدہ مسلمان علما کی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گئے جن کا مسلک عرب امرا کی عیش و عشرت کی زندگی سے الگ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ڈوزی (۲) جلد دوم صفحات ۴۴ تا ۴۶)۔

عیسائی مورخوں کا بیان ہے کہ اسلامی فتح کے وقت قوطی قوم کے قدیم اخلاق و اوصاف میں انحطاط آ چکا تھا اور ان کی جگہ عیش پسندی اور بد اعمالی نے لے لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی حکومت کو گویا ایک قہر خداوندی سمجھا جو گمراہ لوگوں پر عقوبت کے طور پر نازل ہوا تھا۔ (سینٹ بونی فاس نے ۷۴۵ عیسوی میں اپنے مکتوب نمبر ۶۲ میں ایسا ہی لکھا ہے: ''پس ایسا ہی ہوا۔ اسپین اور جنوبی فرانس اور برگنڈی کے باشندوں کے حق میں جنہوں نے خدا کی اطاعت سے روگردانی کی تھی، یہاں تک کہ خدائے قادر نے، جو ان کے گناہوں کو دیکھ رہا تھا، ان پر عذاب بھیجا اور یہ عذاب قانون الٰہی سے لاعلمی کی صورت میں اور عرب کی شکل میں نازل ہوا تا کہ ان کو نیست و نابود کر دے۔'' آگے چل کر وہ لکھتا ہے: ''یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے کہ اسپین کی حکومت عربوں کے قبضے میں آ گئی ہے۔'' اسی طرح الوار لکھتا ہے: ''میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم پر یہ عذاب ہمارے ہی قصور کے سبب نازل ہوا ہے۔ ہاں بھائیو! یہ ہماری سہل انگاری، ہماری ناپاکی، ہمارے تلون اور ہمارے ہی اخلاق کی خرابی ہے جس نے ہمیں ان مصائب تک پہنچایا ہے۔ اس خدا نے جو انصاف کو عزیز رکھتا ہے اور جس کا چہرہ عدل دکھلاتا ہے، ہمیں جانور کے حوالے کر دیا ہے تا کہ وہ ہم کو نگل جائے۔'' (صفحات ۵۳۱، ۵۳۲)۔ لیکن اس قسم کے بیانات کلیسا کے مورخوں کے ہاں بہت عام ہیں جن کو معاصرانہ شہادت کی عدم موجودگی میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ (ڈوزی (۳) جلد اول صفحات ۱۵ تا ۲۰)۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وقت گزرنے پر بھی یہ حالات اصلاح پذیر نہ ہوئے بلکہ عیسائی بشپ بھی دربار شاہی کی رنگ رلیوں میں شریک ہو گئے اور اسقف کے عہدے نیلام ہونے لگے۔ چنانچہ ایسے لوگ بھی عیسائیوں کے چرواہے مقرر ہونے لگے جن پر منکرین خدا ہونے کا گمان تھا۔ پھر ان ہی لوگوں نے اپنی طرف سے مذہبی عہدے ذلیل اور نااہل افراد میں تقسیم کر دیے۔ (Samson, PP. 377-8,381)۔ ان حالات میں نہ صرف البیرہ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحہ ۲۱۰)۔ بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی عیسائیوں نے اس مذہب سے روگردانی کی جس کے پیشواؤں کی فاسقانہ زندگی نے انہیں رسوا کر دیا تھا۔ (آٹھویں صدی کے اختتام پر پوپ ہارڈرین اول نے اجیلا کے بشپ کو جنوبی اسپین میں اس مقصد سے بھیجا تھا کہ جو اثر اسلامی خیالات سے عیسائیوں میں پیدا ہو رہا ہے، اس کا سدباب کرے۔ چنانچہ اجیلا نے اسپین کے پادریوں پر الزام لگایا کہ وہ شادی شدہ عورتوں کے ساتھ آشنائی پیدا کرتے ہیں۔ (Helfferich P. 83)۔ اس طرح لوگوں نے عیسائیت سے کنارہ کشی کر کے دائرہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی فضا کو اپنے لیے زیادہ سازگار اور موافق پایا۔

شاہ لوئیس The Pious کے عہد حکومت میں دربار فرانس میں بودو نامی ایک پادری تھا جو ۸۳۸ عیسوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہودی ہوگیا تاکہ (بقول اس کے) وہ اپنی گنہگار زندگی کو چھوڑ کر شریعت خداوندی کا سختی کے ساتھ پابند ہو سکے۔ (الوارو قرطبی، خط ۱۹: ''چونکہ میں ابدی عذاب کا مستوجب تھا اس لیے میں نے عہد کیا کہ میں خدا کے آئین کا ہمیشہ پابند رہوں گا۔'' (Migne, Patr, lat, tome .exxi P. 512)۔ اگر کلیسا کے مصنفین اس قسم کے واقعات کی طرف توجہ کرتے تو ان کو اسپین میں بودو جیسی بہت سی مثالیں مل سکتی تھیں۔

اسپین میں قدیم قوطی قوم کے آریوسی عقاید کے اثرات ابھی تک باقی تھے بلکہ اسلامی فتح سے ذرا پہلے (Helfferich PP. 79-80) اسپین کے کلیسا میں یہ عقاید کسی حد تک دوبارہ زندہ ہو رہے تھے۔ عین ممکن ہے کہ ان عقاید نے بھی لوگوں کے دل و دماغ کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا ہو کیونکہ اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو تصور ہے، وہ آریوس کے عقاید کے ساتھ گہری مطابقت رکھتا ہے۔ (''اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ آریوس کے جرمن پیروکاروں کے ہاں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو تصورات رائج تھے، ان میں تورات کے عقیدۂ نبوت کو بڑا دخل تھا اور مغربی قوطی قوم کے عقاید میں بھی، باوجودیکہ اس نے کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا، اس عقیدۂ نبوت کا گہرا اثر ہنوز باقی تھا، تو اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق جو مماثل اسلامی خیالات تھے، وہ عربوں کے تسلط کے فوراً بعد اسپین کے عیسائیوں میں کیسے ظاہر ہوئے۔'' (Helfferich P. 82)۔ مغربی یورپ میں قبول اسلام کی جو قدیم ترین مثال معرض تحریر میں آچکی ہے، اس کا تعلق اسپین سے ہے۔ یہ واقعہ عربوں کے اسپین کو فتح کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔ ایک یونانی، جس کا نام تھیوڈسکلوس تھا، اشبیلیہ کے اسقف سینٹ اسیڈور (متوفی ۶۳۶ء) کا جانشین تھا لیکن اس پر الحاد کا الزام لگایا گیا کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بحیثیت ایک خدا کے باپ اور روح القدس کی وحدت میں شریک نہیں اور ان کے ساتھ اس کا اتحاد نہیں بلکہ وہ خدا کا متبنّیٰ یعنی لے پالک بیٹا ہے۔ اس عقیدے کی بنا پر مسیحی علما کی ایک مجلس نے اسے مردود قرار دیا اور اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس پر وہ عربوں کے ساتھ جا ملا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔ ممکن ہے کہ بعد کے زمانے میں بھی اس قسم کے اور واقعات رونما ہوئے ہوں۔ (Andreas Scholtus, tom iv, P. 53)۔

عرب تسلط کے ابتدائی دور میں کسی شخص کو جبراً مسلمان بنانے یا اس پر مذہبی تعصب کی بنا پر تشدد کرنے کا کوئی واقعہ ہمارے علم میں نہیں آیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عربوں نے عیسائی مذہب کے بارے میں رواداری کی جو روش اختیار کی تھی، اس نے ملک کو تیزی سے فتح کرنے میں ان کے لیے بڑی آسانی پیدا کر دی تھی۔ عیسائیوں کو نئے حاکموں سے صرف اس بات کی شکایت ہو سکتی تھی کہ عرب حکام ان سے دوسری رعایا کی بہ نسبت مختلف سلوک کرتے تھے۔ ان کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جو امیروں سے ۴۸ درہم، متوسط لوگوں سے ۲۴ درہم اور پیشہ ور افراد اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزدوروں سے ۱۲ اور ہم سالانہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ جزیہ فوجی خدمت کے عوض میں لیا جاتا تھا، اس لیے یہ صرف تندرست اور تومند آدمیوں پر عاید ہوتا تھا۔ عورتیں، بچے راہب، لنگڑے، لولے، اندھے، بیمار، فقیر اور غلام اس سے مستثنٰی تھے۔ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحہ ۴۱) ۔ یہ جزیہ خود عیسائی عہدے دار جمع کرتے تھے، اس لیے عیسائیوں نے اپنی دشواری اور گراں باری میں کسی قدر تخفیف ضرور محسوس کی ہوگی۔ (ویشو صفحہ ۱۷)۔

ماسوائے ایسے جرائم کے جو شریعت اسلام کے خلاف سرزد ہوں، عیسائیوں کے تمام مقدمات ان ہی کے منصفوں کے سامنے اور ان ہی کے قانون کے مطابق فیصل ہوتے تھے۔ (Baudissin PP. 111-13, 166)۔ عیسائی لوگ اپنے مذہب کی پیروی کے سلسلے میں آزاد تھے۔ یولوگیوس لکھتا ہے: ''مذہبی معاملات میں بغیر کسی مداخلت کے ہم ان مسلمانوں میں آباد ہیں۔ اسلامی حکومت کی طرف سے کسی طرح کی سختی نہ تھی جس کے سبب عیسائی اپنے مذہب سے انکار کرتے یا اپنے مقدس دین کی پیروی سے باز رہتے۔'' گورز کا یحیٰی، جس نے دسویں صدی میں اسپین کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے: ''مسلمانوں کی حکومت میں عیسائی آزادی سے اپنے مذہب کی پیروی کرتے تھے اور اپنے مال سے نفع اٹھاتے تھے۔'' اسپین کے ایک اسقف نے یحیٰی سے عیسائیوں کی حالت یوں بیان کی: ''ہم اپنے گناہوں سے اس درجے کو پہنچے کہ اب کفار ہم پر حاکم ہیں، پالوس رسول کے حکم سے ہمارے لیے حاکم وقت کا مقابلہ کرنا ممنوع ہے، لیکن ایک بات باعث تسکین ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مصائب میں مسلمان ہم کو اپنے دین کی پیروی سے منع نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے عیسائیوں پر، جو اپنے مذہب کے سخت پابند ہیں، مہربانی کرتے ہیں اور ان سے رسم دوستی پیدا کرتے ہیں، ان سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ اور جب تک یہ برا وقت ہم پر ہے، ہم نے اس کو قرین مصلحت جانا ہے کہ جب مسلمانوں نے ہمارے دین کو نقصان نہیں پہنچایا تو باقی باتوں میں بھی ہم ان کی فرماں برداری کریں۔ ان کے احکام کی، جہاں تک وہ ہمارے دین میں مخل نہ ہوں، تعمیل کریں۔'' چنانچہ وہ قربانی دیتے تھے اور اس موقعے پر بخور جلاتے تھے، ناقوس بجاتے تھے اور کیتھولک مذہب کی دوسری تمام رسوم ادا کرتے تھے۔ گرجا گھروں میں زمزمے گائے جاتے تھے، واعظین لوگوں کو اپنے وعظ اور خطبے سناتے تھے اور کلیسا کے سب تہوار حسب معمول منائے جاتے تھے۔ شام اور مصر کے عیسائیوں کی طرح وہ کوئی مخصوص لباس پہننے پر مجبور نہ تھے جو ان کی ذلت کی علامت سمجھا جائے۔ کم سے کم نویں صدی عیسوی میں عام دنیادار عیسائی بھی عربوں کا سا لباس پہنتے تھے۔ (Baudissin PP. 16-17)۔ ایک مرتبہ ان کو نئے گرجا گھر تعمیر کرنے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ (یولوگیوس (متوفی ۸۶۹ء) نے ان گرجاؤں کا حال لکھا ہے جو نئے تعمیر ہوئے تھے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ لٹ پراند نے قرطبہ میں ۸۹۶ عیسوی میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا لیکن یہ بیان درست نہیں۔ (صفحہ ۱۱۱۳)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم اسپین میں عیسائیوں کی بہت سی ایسی خانقاہوں کا تذکرہ پڑھتے ہیں جن میں راہب اور راہبائیں مسلمان حکمرانوں کی مداخلت کے بغیر راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی چند جدید خانقاہوں کی تعمیر کا ذکر ہوا ہے۔ (یولوگیوس صفحہ ۸۱۲)۔ راہب لوگ اپنے مذہب کے مخصوص اونی لباس میں باہر نکلتے تھے اور پادریوں کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنے مذہبی منصب کی علامت کو چھپائیں۔ (Baudissin P.16)۔ عیسائی عوام اپنے منصب کی وجہ سے دربار کے اعلیٰ عہدوں (Baudissin P. 21 نیز جان گورزی صفحہ ۳۰۶) یا اسلامی فوج کی ملازمت سے محروم نہیں کیے جاتے تھے۔ (ویشو صفحات ۲۷۲، ۳۰۱)۔

اسپین کے جو عیسائی لوگ اپنی سیاسی قوت کے زوال کے بعد تسلیم و رضا کے خوگر ہو چکے تھے، ان کے لیے یقیناً کوئی وجہ شکایت موجود نہ تھی اور اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ پوری آٹھویں صدی میں صرف ایک بغاوت کا پتا چلتا ہے جو باجہ کے شہر میں برپا ہوئی تھی اور اس میں عیسائیوں نے ایک عرب سردار کی پیروی کی تھی۔ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحہ ۴۲)۔ اسپین کے بعض لوگ کسی مسیحی حکومت کے زیر سایہ رہنے کے لیے فرانس میں چلے گئے تھے لیکن ان کی حالت بھی اپنے ان ہم مذہب بھائیوں کی بہ نسبت بہتر ثابت نہ ہوئی جن کو وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ فرانس کا بادشاہ شارلیمن جب اسپین کی مہم سے ناکام لوٹا تو اسپین کے کچھ عیسائی اس کے ہمراہ فرانس چلے آئے تھے اور جب سرکاری اہل کاروں نے ان سے ٹیکس کی جبری وصولی شروع کی تو ۸۱۲ عیسوی میں شارلیمن کو ان کی حمایت میں مداخلت کرنا پڑی۔ تین سال کے بعد شاہ لوئیس کو ان کے حق میں پھر ایک فرمان جاری کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ ان امرا کے خلاف شکایت کرنے پر مجبور ہو گئے جنھوں نے ان سے ان کی زمینیں چھین لی تھیں۔ اس خرابی کا صرف ایک مختصر عرصے کے لیے سدباب ہو سکا کیونکہ یہ خرابی پھر نمودار ہو گئی اور وہ تمام احکام و فرامین، جو ان کے حق میں جاری ہوئے تھے، بے سود ثابت ہوئے، اس لیے کہ وہ ان بدنصیب جلاوطنوں کی حالت بہتر نہ بنا سکے۔ بعد کے زمانے میں فرانس میں کاگوٹ (قوطی کتوں) کا جو حقیر اور مظلوم طبقہ دیکھنے میں آتا ہے، وہ غالباً اسپین کے انھی لوگوں کی بستی تھی جنھوں نے اسلامی حکومت سے بھاگ کر خود کو اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ (Baudissin PP. 96,97)۔

اسپین کی اسلامی حکومت نے اپنی عیسائی رعایا کے سلسلے میں جس رواداری اور بے تعصبی سے کام لیا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو میل ملاپ بڑھا، اس سے دونوں قوموں میں ایک حد تک یگانگت پیدا ہو گئی اور ان کے مابین اکثر شادیاں ہونے لگیں۔ (ملاحظہ کیجیے اسپین کے اسقفوں کے نام پوپ ہاڈرین کا خط: ''اس کے علاوہ ہم نے ان ملکوں کی چند خبریں اور سنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو کیتھولک مذہب کا پابند بتاتے ہیں، یہودیوں اور بے اصطباغی کفار کی صحبت میں رہتے ہیں۔ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں اور ان کی اکثر ضلالتوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور یہ عیسائی پھر بھی کہتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم ناپاک نہیں ہوئے۔ اب رہا دوسرا ممنوع فعل یعنی کافر سے شادی کرنا تو اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ خود عیسائی اپنی بیٹیوں کو مسلمان سے بیاہ دیتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی کافر ہو جاتی ہیں۔'' (Migne patr. lat: tom xcviii, P. 385)۔ چنانچہ باجہ کا ایسی ڈور، جو مسلمان فاتحین کے خلاف بہت زہر اگلتا ہے، شاہ راڈرک کی بیوہ کے ساتھ موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کی شادی کا حال لکھتا ہے لیکن اس کے قلم سے ملامت کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ (Isidori Pacensis chronicon P. 1266)۔ اکثر عیسائیوں نے عرب نام رکھ لیے تھے اور ظاہری رسم و رواج میں بھی وہ ایک حد تک اپنے مسلمان ہمسایوں کی تقلید کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بہت سے عیسائی ختنہ کراتے تھے (Alvar: P.53, John of Gorz, P. 303) اور کھانے پینے کے معاملے میں بھی انہوں نے ان ''کافروں'' کی عادات اختیار کر لی تھیں جنہوں نے اصطباغ نہیں پایا تھا۔ (مکاتیب پوپ ہاڈرین اول، صفحہ ۳۸۵ نیز جان گورزی (۱۲۳) صفحہ ۳۰۳)۔

اسپین کے عیسائی، جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہتے تھے (اور جنہوں نے عربوں کے رسوم و آداب اختیار کر لیے تھے) مستعرب کہلاتے تھے۔ اس اصطلاح سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اس زمانے کے عیسائیوں کا میلان خاطر کس طرف تھا۔ چنانچہ عربی زبان نے ملک بھر میں بہت جلد لاطینی کی جگہ لے لی۔ (گیارہویں صدی عیسوی کے ایک عیسائی شاعر کے بعض عربی اشعار اب تک مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عربی زبان اور عروض پر خاصا عبور حاصل تھا۔ (Von schach 11-95)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس زبان میں عیسائیوں کا علم دین مدون تھا، اس کو عیسائی رفتہ رفتہ بھولنے لگے اور اس کی طرف سے غفلت کرنے لگے حتیٰ کہ کلیسا کے بعض بلند مرتبت عہدے دار بھی صحیح لاطینی سے ایسے نابلد ہو گئے کہ اہل علم کو ان پر ہنسی آتی تھی۔ (ایبٹ سیمسن صفحات ۴۰۴ تا ۴۰۶)۔ ان حالات میں عوام الناس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس معاملے میں ارباب کلیسا سے زیادہ سرگرمی دکھائیں گے۔ چنانچہ ۸۵۴ عیسوی میں اسپین کے ایک مصنف نے اپنے عیسائی ہم وطنوں کی ان الفاظ میں شکایت کی ہے:

''جب ہم مسلمانوں کے شرعی احکام کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کے حکما بلکہ حمقا کے مختلف طبقوں کے مطالعے کے لیے جمع ہوتے ہیں (ان کی ضلالتوں کی تردید کی غرض سے نہیں بلکہ ان کی زبان کی فصاحت و بلاغت سے محظوظ ہونے کے لیے) تو ہم اپنی مقدس کتابوں سے غافل ہو گئے ہیں اور پرستش کے لیے ایک حیوان کو اپنا بت بنا رہے ہیں۔ (عہد نامہ جدید، رویا یوحنا، باب ۱۳ جملہ ۱۸)۔ اب عیسائیوں میں ایسے ذی علم کہاں ہیں جو مقدس کتابیں پڑھنے میں انہماک رکھتے ہوں اور لاطینی علمائے دین کی کتابوں پر نگاہ ڈالنے کی پروا کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں؟ کون ہے جو انجیلوں یا انبیا اور رسولوں کی کتابوں کو پڑھنے کا شوق رکھتا ہو۔ ہمارے عیسائی نوجوان جو اطوار کی شستگی اور چرب زبانی سے متصف ہیں، اپنے لباس اور چال ڈھال کی نمائش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے علوم میں شہرت رکھتے ہیں۔ وہ عربی بلاغت کے نشے میں سرشار ہیں اور مسلمانوں کی کتابوں کو اٹھاتے ہیں اور بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، ان پر بحث کرتے ہیں اور ان کی تعریف وتوصیف میں علم خطابت کے سارے صنائع وبدائع صرف کر دیتے ہیں اور ان کا خوب چرچا کرتے ہیں، لیکن وہ کلیسا کی کتابوں کی خوبیوں سے قطعاً ناآشنا ہیں اور کلیسا کے چشموں کو، جن کا منبع بہشت ہے، حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! عیسائی لوگ اپنی شریعت سے ایسے ناواقف ہیں اور لاطینی لوگ اپنی زبان سے ایسے لاپروا ہو گئے ہیں کہ تمام عیسائی امت میں ہزار اشخاص میں سے بمشکل ایک شخص ملے گا جو لاطینی زبان میں اپنے کسی دوست کو مزاج پرسی کا ایک خط بھی لکھ سکے، البتہ ایسے عیسائی بے شمار ہیں جو عربی زبان کے رنگین جملے بڑے طمطراق سے بولتے ہیں بلکہ وہ نظم بھی لکھ سکتے ہیں جس کا ہر شعر ردیف کے ایک ہی حرف پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ان کے حسن خیال کی اعلیٰ پرواز کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے لکھنے میں وہ عربوں سے بھی بڑھ کر وزن اور بحر کی پابندی کرتے ہیں۔''

(Alvar: Indic, Lum 35 PP. 554-556)۔

واقعہ یہ ہے کہ لاطینی زبان کے علم کو اسپین کے ایک حصے میں اس قدر تنزل ہوا کہ اسپین کے کلیسا کے پرانے قوانین اور انجیل کو عیسائیوں کے مطالعے کے لیے عربی زبان میں ترجمہ کرنا پڑا۔ (وان شیڈک جلد دوم صفحہ ۹۴)۔

عربوں کے شاندار ادب نے اسپین کے عیسائیوں پر ایسا جادو کر رکھا تھا کہ وہ عربی کو بڑے ذوق وشوق سے سیکھتے تھے مگر (اس کے برعکس) جو لوگ مسیحی لٹریچر کی تحصیل کرنا چاہتے تھے، ان کے لیے تعلیم کا سامان اس سے زیادہ میسر نہ تھا جتنا کہ گوطیوں کی وحشی قوم کو تربیت کے لیے دستیاب تھا۔ تہذیب وتمدن کی اس ادنیٰ درجے کی تعلیم کے لیے بھی ان کو معلم بہ مشکل ملتے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، عیسائی معلموں کی تعداد بھی کم ہوتی گئی۔ چنانچہ ۱۱۲۵ عیسوی میں مستعربین نے ارغون کے بادشاہ الفانسو کو لکھا: ''ہماری اور ہمارے آباء واجداد کی نشوونما آج تک غیر عیسائی اقوام کے درمیان ہوئی ہے۔ اصطباغ لینے کے بعد ہم لوگ اپنے مذہبی احکام کی آزادی سے پیروی کرتے ہیں لیکن ہمیں آج تک یہ مقدور نہیں ہوا کہ ہم اپنے خدائی مذہب کی پوری تعلیم حاصل کر سکیں۔ چونکہ ہم کفار کے محکوم ہیں جنہوں نے ہمیں مدت سے دبا رکھا ہے، اس لیے ہمیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی کہ ہم روم یا فرانس سے معلم طلب کرتے۔ اور یہ معلم بھی از خود ہمارے پاس ان کافروں کی جہالت کے خوف سے کبھی نہیں آئے جن کے ہم زیر نگین ہیں۔'' (آرڈرک ویرالس صفحہ ۹۲۸)۔

عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ اس قدر گہرا رابطہ تھا اور وہ ان کے لٹریچر کا اس شوق اور محنت سے مطالعہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے کہ اسلام کے متعصب دشمن بشپ الوارو کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ قرآن ایسی بلیغ اور دل کش زبان میں لکھا گیا ہے کہ عیسائی بھی اسے پڑھے اور اس کی تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

(Alvar: indic. Lum 29, Migne: patr . tom. cxxi-P. 546)۔

ان حالات میں ہم قدرتی طور پر اسلام کے مذہبی اثرات کی توقع کر سکتے ہیں اور فی الوقت حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام نے عیسائیوں کے مذہبی عقاید کو متاثر کیا تھا۔ مثال کے طور پر طلیطلہ کا بشپ ایلی پندوس (متوفی ۸۱۰ء) مسئلہ تبنی کا قائل تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ ایک انسان تھا اور خدا کا بیٹا بلحاظ فطرت نہیں بلکہ ازروے تبنی تھا (یعنی لے پالک بیٹا بنانے سے خدا کا فرزند ہوا ورنہ اپنی فطرت میں انسان تھا)۔ چنانچہ اس بشپ کے متعلق صاف صاف کہا گیا ہے کہ اس نے ملحدانہ عقاید مسلمانوں کے ساتھ گہرے تعلقات کی وجہ سے اختیار کیے تھے۔(Enhueber(26) P. 353)۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ اسپین کے ایک بڑے حصے میں پھیل گیا اور صوبہ قیطلونیہ کے شہر ارجل کے بشپ فیلکس نے اس عقیدے کا سپی مانیہ کے علاقے میں خوب پرچار کیا جو اس وقت فرانس کے زیر حفاظت تھا۔(Holfferich P. 881)۔ فیلکس کو ایک کونسل کے سامنے پیش کیا گیا جس کی صدارت خود شارلیمن نے کی۔ چنانچہ اسے اپنے غلط عقیدے سے حلفاً انکار کرنا پڑا۔ لیکن جب وہ واپس اسپین آیا تو اس نے اپنے عقیدے کی طرف رجوع کر لیا۔ جیسا کہ اس وقت پوپ لیوسوم نے خیال ظاہر کیا تھا، اس کا سبب بلاشبہ یہ تھا کہ فیلکس مسلمانوں کے ساتھ راہ و رسم رکھتا تھا جو اسی قسم کے عقاید رکھتے تھے۔(یعنی حضرت عیسیٰؑ کو محض ایک انسان سمجھتے تھے)۔''اس کے بعد وہ خدا کی شریعت کو توڑ کر کفار سے جا ملا اور انہوں نے اس سے اتفاق کیا اور اس نے حلف شکنی کی۔'' (منقول از مقالہ دربارۂ الحاد ایلی پندوس و فیلکس صفحہ ۳۱۴)۔

جب کلیسا کے ایسے ممتاز مقتدر حضرات مسلمانوں کے میل جول سے اس حد تک متاثر ہو سکتے تھے تو اس سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسپین کے عام عیسائیوں پر اسلام کا کس قدر زیادہ اثر ہوا ہوگا۔ چنانچہ ۹۳۶ عیسوی میں طلیطلہ میں ایک کونسل اس غرض سے منعقد ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے میل ملاپ سے عیسائیوں کے مذہبی عقاید میں جو خرابی پیدا ہوتی ہے، اسے کس طرح روکا جائے۔ (باسلیوس نے طلیطلہ میں ایک کونسل منعقد کی جس میں چند قواعد مرتب کیے گئے تاکہ عیسائی مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے آئندہ نقصان نہ اٹھانے پائیں)۔

یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اسلامی عقاید کے ان اثرات نے فریقین کے درمیان محض خیالات کی مشابہت پیدا نہیں کی ہوگی بلکہ جب مسلمانوں نے ان میں اپنی تبلیغی کوششیں بھی شامل کی ہوں گی تو اس سے نومسلموں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا ہوگا۔ (مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کا ریکارڈ دستیاب ہے البتہ یولوجیوس کے ان جملوں سے، جو اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت لکھے تھے، ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوششوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے: ''جو عیسائی اس کی غلطیوں ......کو دریافت کرنا چاہے تو اس کے فرقے کے کسی آدمی سے ردوقدح کر کے ان سب باتوں کو معلوم کر سکتا ہے کیونکہ مسلمان اس یقین کے ساتھ کہ جو کچھ ان کا اعتقاد ہے، وہ مقدس اور متبرک ہے، اپنے پیغمبر کا پوشیدہ ہی نہیں، علانیہ وعظ کرتے ہیں۔'' (Migne: Patr , lat; tome cxv. P. 862)۔ چنانچہ ان نومسلموں کی اولاد نے، جن کو اس لیے مولدین کہا جاتا ہے کہ وہ خالص عرب نسل سے نہیں تھے، مملکت میں ایک اہم اور کثیر التعداد طبقے کی صورت اختیار کر لی تھی جس کی ملک کی آبادی میں اکثریت تھی۔ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحہ ۵۳۹۔ نویں صدی کے شروع میں اسی طبقے نے عرب حکومت کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی تھی اور بعد میں بھی کئی موقعوں پر یہی طبقہ اندلسی مسلمانوں کی قومی جماعت کی حیثیت سے میدان عمل میں آیا تھا۔

ان نومسلموں کے قبول اسلام کے متعلق ہمارے پاس تفصیلات بہت مختصر ہیں یا مفقود ہیں۔ قبول اسلام کی مثالیں ہمیں اسپین کے اسلامی عہد کے آخری ایام تک ملتی ہیں کیونکہ جب شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کی فوج نے ۱۴۸۷ عیسوی میں مالقہ شہر پر قبضہ کر لیا تو شہر میں جتنے نومسلم عیسائی پائے گئے، انہیں تیز نوک دار تیروں سے اذیت دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ دو سال بعد جب شہر بر شانہ نے بھی ہتھیار ڈال دیے تو اس موقعے پر خاص طور پر یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ نومسلموں کو دوبارہ عیسائی ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (لی: مورسکو، صفحات ۱۷، ۱۸)۔ بعض عیسائیوں نے اپنے مذہب کو ان سزاؤں سے بچنے کے لیے ترک کر دیا جو عدالتوں سے ان کو ملی تھیں۔ (سیمپسن صفحہ ۲۷۹)۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشتر عیسائی دین اسلام کے پرجلال اثر اور رعب وداب سے مسلمان ہوئے کیونکہ ایک شاندار تمدن اپنی پوری دلفریبی کے ساتھ اسلام کے جلو میں تھا۔ اس کی شعروشاعری، اس کا فلسفہ وحکمت اور اس کا آرٹ، یہ سب چیزیں عقل سلیم کو اپنی طرف کھینچتی تھیں اور لوگوں کی چشم تخیل میں چکا چوند پیدا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ عربوں کے فن سپہ گری میں شجاعت اور بہادری کے مردانہ اور شریفانہ اوصاف کے اظہار کے لیے وسیع میدان کھلا تھا مگر اس کے دروازے ان مفتوح عیسائیوں پر بند تھے جو اپنے مذہب پر قائم رہے۔ عیسائیوں کے علوم اور ان کا لٹریچر بھی مسلمانوں کے علوم وفنون کے مقابلے میں حقیر اور ادنیٰ درجے کا نظر آتا ہوگا۔ چنانچہ ان علوم وفنون کے مطالعے سے بھی عیسائیوں کو قبول اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پرہیزگار اور پارسا طبائع کے لیے اسلام میں یہ کشش بھی تھی کہ مسلمانوں کے درمیان سرگرم اور متقی لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی جس کے سربراہ راسخ العقیدہ علما تھے۔ بعض اوقات اس جماعت کو امور سلطنت میں بڑا عمل دخل ہوتا تھا اور وہ لوگوں کے مذہب اور اخلاق کی اصلاح کے لیے بڑی جدوجہد کرتی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسپین کے بیشتر مسلمانوں کے دلوں میں دینی حمیت اور قومی جذبہ موجود تھا لیکن وہاں کے عیسائی سرحد پار کے ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ مل کر غدارانہ سازشیں کرتے رہتے جس سے اسلامی حکومت رنجیدہ اور غضب ناک ہو جاتی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود تاریخ اندلس کا اسلامی عہد مذہبی نوعیت کے ظلم وستم سے قطعاً پاک ہے ماسوائے ان تین یا چار عیسائیوں کے جنہوں نے اپنی جانیں فی الحقیقت اپنے مذہب کی خاطر قربان کی تھیں۔ اسپین میں عرب حکومت کے پورے عہد میں اگر ہمیں ایسا کوئی واقعہ نظر آتا ہے جسے مذہب کی بنیاد پر جور و تعدی سے کوئی مشابہت ہو سکتی ہے تو وہ ایسے سخت قوانین تھے جن کو اسلامی حکومت نے محض اس لیے نافذ کیا تھا کہ ان سے اس مذہبی جنون کو دبانا مقصود تھا جو نویں صدی عیسوی میں قرطبہ میں اٹھا تھا۔ اس زمانے میں قرطبہ کے عیسائیوں میں ایک ایسی جنونی جماعت پیدا ہوئی جس کے ساتھ ملک کے دوسرے عیسائیوں کو بظاہر کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس جماعت نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ بغیر کسی اشتعال کے وہ علانیہ دین اسلام کی توہین وتحقیر کرتے تھے اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف بھی نازیبا کلمات استعمال کرتے تھے۔ اس بدکلامی سے ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ اپنی مذہبی عصبیت کا بے جا اظہار کر کے اپنے آپ کو سزائے موت کا مستوجب بنائیں۔

اپنے آپ کو قربان کرنے کا یہ عجیب وغریب جذبہ پادریوں، راہبوں اور راہباؤں میں ۸۵۰ اور ۸۶۰ عیسوی کے درمیان پیدا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی خانقاہوں کی خاموشی میں عیسائی سلطنت کے زوال اور مذہبی جذبے کے انحطاط پر غور کر کے رنجیدہ خاطر ہوتے تھے اور پھر اسی عالم میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور شہادت کا تاج پہننے کے لیے اسلام اور بانی اسلامؐ پر تند و تیز حملے کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک راہب، جس کا نام اسحاق تھا، قاضی کے پاس آیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ دین اسلام کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب قاضی نے رسول خداؐ کی تعلیمات اس راہب کے سامنے بیان کیں تو وہ کڑک کر بولا: ''اس نے تم سے جھوٹ کہا ہے (خدا اسے غارت کرے) وہ خیانت سے بھرا پڑا تھا جس نے اتنے لوگوں کی ہلاکت کی طرف رہنمائی کی اور اس نے اپنے ساتھ ان کو بھی قعر جہنم کا سزاوار بنایا۔ وہ شیطنت سے پر تھا اور اس نے شیطانی شعبدے دکھا کر تم کو مہلک شراب کا پیالہ دیا اور مرض میں تم کو مبتلا کر دیا۔ وہ اپنے گناہ کے بدلے ازلی عذاب اٹھائے گا۔ جب تم عقل و فہم رکھتے ہو تو پھر اپنے تئیں ان خطروں سے کیوں نہیں بچاتے اور اس کے وبائی عقیدوں کے ناسور کو چھوڑ کر دین مسیح کی انجیل سے ابدی نجات کیوں تلاش نہیں کرتے۔؟''

(Eulogius: Mem.Sanet. Pref. Migne, tome cxv P.737)۔

ایک اور موقعے پر دو عیسائی ایک مسجد میں زبردستی گھس گئے اور وہاں دین اسلام کی مذمت کی اور کہا کہ اسلام بہت جلد اپنے پیروؤں پر نار جہنم کی تباہی لائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Eulogius. Mem. Sanet. Pref, Migne ,tome C. xiii. P. 794)۔
اگر چہ ان مذہبی دیوانوں کی تعداد زیادہ نہ تھی (کہا جاتا ہے کہ ان جنونیوں کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی (History of the Reign of Ferdinand and Isabella Vol .I P. 342, London 1846)۔
لیکن اسلامی حکومت اس صورت حال سے پریشان ہوگئی کیونکہ اسے اس بات سے خوف ہوا کہ اس کی عمل داری کی یہ تحقیر وتوہین اور مذہب کے قانون سے یہ بے پروائی اس بات کی دلیل ہے کہ رعایا میں عام ناراضی ہے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہے چنانچہ محمد اول نے ۸۵۳ عیسوی میں طلیطلہ کے عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے ایک فوج روانہ کی کیونکہ یولوجیوس کے بھڑکانے سے، جو صلیبیوں کا بڑا حامی تھا، طلیطلہ والوں نے اپنے ہم مذہبوں کے مصائب کی خبر سن کر بغاوت کر دی تھی۔ (ڈوزی (۲) جلد دوم صفحات ۱۶۱، ۱۶۲)۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے عیسائیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ عیسائیوں میں کسی شخص نے، جو کچھ بھی عقل یا مرتبہ رکھتا ہے، ان کاموں میں حصہ نہیں لیا، چنانچہ خود الوارد نے شکایت کی ہے کہ اکثر عیسائی پادری صلیبیوں کو ملامت کرتے تھے۔ (یولوگیوس صفحہ ۸۰۵ میں لکھتا ہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ کسی ذی فہم، ذی عقل یا عیسائیوں کے کسی مذہبی پیشوا نے ان کاموں میں حصہ نہیں لیا تھا، وہ یقین کرتے ہیں کہ سب کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کا کوئی سرغنہ نہیں تھا جو انہیں لڑائی پر لے جاتا) تو بادشاہ نے اسی پر اکتفا کیا کہ توہین مذہب کے بارے میں مروج قوانین کو سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ کلیسا میں موجود اعتدال پسند جماعت نے حکومت کی کوششوں میں اس کی معاونت کی اور اسقفوں نے ان مذہبی جنونیوں کو عیسائی برادری سے خارج کر دیا۔ ۸۵۲ عیسوی میں ایک مجلس نے، جو اس معاملے پر غور کرنے کے لیے بلائی گئی تھی، اس تحریک کو دبانے کے لیے کئی تجویزوں پر اتفاق کیا جن پر عمل کرنے سے اس تحریک کو آخر کار کچل دیا گیا۔ (الوارو لکھتا ہے: ''ہم ان لوگوں کے سامنے کیا عذر پیش کر سکتے ہیں جن کو ہم نے کلیسا سے خارج کیا اور ان سے حلف لیا کہ وہ کبھی شہادت کی عزت حاصل نہ کریں۔ جن کو ہم نے منع کر دیا کہ وہ کافروں کی غلطیوں پر معترض نہ ہوں اور لعنت کہہ کر ملعون شے کو برا نہ کہیں۔ ہم نے گناہ کیا کہ انجیل اور صلیب لے کر ان کو زبردستی حلف دیا اور گناہ ہی نہیں کیا بلکہ ان وحشیانہ جنگجوؤں کی ایسی سزاؤں کا انہیں خوف دلایا جو کبھی نہ سنی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کٹنے اور کوڑے لگنے کی سخت اور ہولناک اذیتوں سے ڈرا کر ہم نے ان کو مجبور کر دیا۔'' (Migne: om. cxxi- P. 530)۔ بعد کے زمانے میں ایسی شہادت کے ایک یا دو متفرق واقعات کا ذکر آیا ہے۔ سب سے آخری واقعہ ۹۸۳ عیسوی میں ظہور پذیر ہوا مگر اس کے بعد اسپین میں جب تک عربوں کی حکومت رہی، اس قسم کا کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔ (Baudissin P. 199)۔

بارہویں صدی عیسوی کے شروع میں مرابطین کے بربر خاندان کے عہد حکومت میں متعصب علمائے اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مذہبی جوش پیدا ہوا جس سے عیسائیوں نے یہودیوں اور مسلمانوں کے آزاد خیال طبقے کے ساتھ، جس میں فلاسفر، شاعر اور ادیب شامل تھے، یکساں تکلیفیں اٹھائیں۔ لیکن اسپین کے مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کا جو سلوک بالعموم کیا ہے، اس کے پیش نظر یہ واقعات محض استثنائی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسپین کے ایک مسلمان نے، جو ۱۶۱۰ عیسوی میں مورسکو قوم کے آخری اخراج کے وقت اپنے وطن اسپین سے نکالا گیا تھا، محکمہ احتساب کی سختیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مسلمانوں کی رواداری کا ان الفاظ میں ذکر کیا: ''کیا ہمارے فتح یاب آباء و اجداد نے، جب کہ ان کو پوری قوت حاصل تھی، اسپین سے عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کی کبھی کوشش کی تھی؟ کیا انہوں نے تمہارے باپ دادا کو آزادی سے اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی حالانکہ وہ ان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ کیا ہمارے پیغمبرؐ کا یہ صریح حکم نہیں ہے کہ مسلمانوں کی تلوار جس قوم کو مسخر کرے، وہ ایک معمولی سالانہ جزیہ دے کر اپنے قدیم مذہب پر قائم رہنے کی مجاز ہے، خواہ وہ مذہب کیسا ہی مہمل کیوں نہ ہو، اور جو مذہب اسے پسند ہو اسے اختیار کرے۔ اگر کہیں جبراً مسلمان کرنے کی چند مثالیں ہیں تو وہ اس قدر کم ہیں کہ قابل ذکر نہیں۔ ان کے مرتکب وہ لوگ تھے جن کے دل میں خدا اور اس کے رسول کا خوف نہ تھا اور جنھوں نے اس بارے میں اسلام کی ہدایات اور اس کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ یہ احکام وہ ہیں جن کو توڑنے کے بعد کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ تم ہمارے درمیان کسی ایسی خونخوار منظم عدالت کی نشان دہی نہیں کر سکتے جو مختلف ملتوں کے دین و ایمان کی تفتیش کرنے کے لیے قائم کی گئی ہو، جو تمہارے ملعون محکمہ احتساب کے ساتھ ذرا بھی مشابہت رکھتی ہو۔ یہ سچ ہے کہ جو شخص ہمارا دین قبول کرنے کی طرف میلان ظاہر کرے، ہم اسے گلے لگانے کے لیے تیار ہیں لیکن ہمارا قرآن مجید ہمیں دوسروں کے ضمیر پر جبر و تعدی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم نومسلموں کی ہر ممکن طریق سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور وہ جوں ہی خدا کی توحید اور اس کے پیغمبرؐ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں تو بغیر کسی رکاوٹ کے ہماری برادری میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ ہماری بیٹیاں بیاہ سکتے ہیں اور پر اعتماد، باعزت اور نفع بخش عہدوں پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ ہم ان کو صرف اپنا لباس پہننے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ وہ ظاہری صورت میں بھی مومن نظر آئیں۔ لیکن ہم ان کے ضمیروں کو ہرگز نہیں ٹٹولتے بشرطیکہ وہ علانیہ ہمارے دین کو برا نہ کہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ہم ان کو ان کے تصور کے مطابق سزا دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنا مذہب رضامندی سے تبدیل کیا تھا نہ کہ جبر و اکراہ سے۔'' (Morgan: Vol, II PP. 297-298)۔

حیرت ہے کہ مسلمانوں کی یہی مذہبی رواداری ان کے خلاف فرد جرم قرار پائی چنانچہ بلنسیہ کے اسقف اعظم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ۱۶۰۲ عیسوی میں جب مور سکو قوم کے ''ارتداد اور بغاوت'' کے بارے میں ایک عرضداشت تیار کی تو اس نے فلپ سوم سے اس بنا کر انہیں جلاوطن کرنے کی سفارش کی کہ ''مسلمان کسی ایسی بات کو ایسا اچھا نہیں جانتے جتنا مذہبی معاملوں میں ضمیر کی آواز کو اچھا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ترک اور دوسرے تمام مسلمان اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دیتے ہیں۔'' (مورگن جلد دوم، صفحہ ۳۱۰)۔

اگرچہ سقوط غرناطہ کے بعد مسلمان وقتاً فوقتاً اسپین سے ہجرت کرتے رہے تھے لیکن ۱۶۱۰ عیسوی میں جن مسلمانوں کو آخری موقعے پر ان کی سرزمین سے نکال باہر کیا گیا، ان کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ ایک صدی سے ان پر عیسائیت قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا تھا لیکن یہ بدنصیب انسان پھر بھی اپنے آباء واجداد کے دین سے چمٹے رہے اور انہوں نے دین اسلام کو ترک نہ کیا۔ (Lea: the Moriscoes P. 259)۔ شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں یکسر خالی ہو گئے، مکان گر گر کھنڈر بن گئے کیونکہ ان کو از سر نو تعمیر کرنے کے لیے کوئی متنفس باقی نہیں رہا تھا۔ (مورگن، جلد دوم صفحہ ۳۲۸)۔ یہ مورسکو غالباً اسپین کے اصلی باشندوں کی اولاد تھے جن میں عربی خون کم تھا یا بالکل نہ تھا۔ اس بیان کی تائید میں جو دلائل دیے جا سکتے ہیں وہ بہت طویل ہیں۔ لیکن اس کے ثبوت میں، ہم صرف ایک نکتہ بیان کرتے ہیں جو ۱۳۱۱ عیسوی میں لکھے گئے ایک خط سے ماخوذ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ دو لاکھ مسلمانوں میں سے، جو اس وقت غرناطہ میں رہتے تھے، پانچ سو سے زیادہ عربی النسل تھے، باقی تمام کے تمام اسپین کے نومسلم باشندوں کی اولاد تھے۔ (مورگن، جلد دوم صفحہ ۲۸۹)۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلامی حکومت کے آخری ایام تک اسپین کے عیسائی اسلام قبول کرتے رہے ہیں چنانچہ ایک مورخ نے ۱۴۹۹ عیسوی کے واقعات کے حوالے سے، جب سقوط غرناطہ کو سات سال بیت چکے تھے، اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ان مسلمانوں میں بعض ایسے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے ابھی پچھلے دنوں اسلام قبول کیا تھا۔ (اسٹرلنگ میکس ول: جلد اول صفحہ ۱۱۵)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

ترکوں کے دور میں یورپ کی عیسائی اقوام میں اشاعت اسلام

عثمانی ترکوں کا ذکر سب سے پہلے تیرہویں صدی کے شروع میں سامنے آتا ہے جب ان کے تقریباً پچاس ہزار افراد منگولوں سے بھاگ کر قونیہ کے سلجوقی سلطان کی مدد کو پہنچے۔ منگولوں اور یونانیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے جو خدمات انجام دیں، ان کے صلے میں سلطان نے انہیں ایشائے کوچک کے شمال مغرب میں ایک ضلع دے دیا اور یہیں سے سلطنت عثمانیہ کی ابتدا ہوئی۔ جب سلجوقی ترکوں کی مملکت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی تو عثمانی ترکوں نے ان کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد وہ سمندر کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہو گئے اور ایک کے بعد دوسری مملکت کو تسخیر کرتے ہوئے ۱۶۸۳ عیسوی میں سلطنت آسٹریا کے پائے تخت ویانا کے دروازوں تک جا پہنچے جہاں ان کے قدم رک گئے۔ یہاں ترکوں کی ملکی فتوحات کو تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن ان کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ ۱۳۵۳ عیسوی میں ترک یورپ میں داخل ہوئے اور چند سال کے بعد اڈریانوپل یورپ میں ان کا دارالحکومت قرار پایا۔ سلطان بایزید (۱۳۸۹ء سے ۱۴۰۲ء) کے عہد حکومت میں سوائے چلکی ڈانک اور ان اضلاع کے جو قسطنطنیہ کے گرد تھے، ترکوں کی عملداری بحیرہ ایجین سے دریائے ڈینیوب تک وسیع ہوگئی جس میں بلغاریہ، مقدونیہ، تھسلی اور تھریس شامل تھے۔ سلطان مراد (۱۴۲۱ء سے ۱۴۵۱ء) نے چلکی ڈانک پر قبضہ کر لیا اور اپنی فتوحات کو بحیرہ اڈریاٹک تک وسیع کیا۔ سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء) قسطنطنیہ، البانیہ، بوسینیا اور سرویا کو فتح کر کے یورپ کے تمام جنوب مشرقی جزیرہ نما کا مالک ہوگیا، ماسوائے چند ساحلی علاقوں کے جو وینس اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مونٹ نیگرو کے تسلط میں تھے۔ سلیمان ثانی (۱۵۲۰ء سے ۱۵۶۶ء) نے ہنگری کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور پھر بحیرہ ایجین پر اپنا پورا تسلط جمالیا۔ سترہویں صدی میں جزیرہ کریٹ فتح ہوا اور پولینڈ نے پودولیا کو ترکوں کے حوالے کر دیا۔

عیسائیوں پر ترکوں کی حکومت تو اسی وقت قائم ہوگئی تھی جب ایشیائے کوچک میں انہوں نے اپنی سلطنت کو وسعت دی تھی لیکن جب تک مشرقی رومی سلطنت کا پایہ تخت قسطنطنیہ ۱۴۵۳ عیسوی میں ان کے تصرف میں نہ آگیا اس وقت تک اسلامی حکومت اور مسیحی کلیسا کے تعلقات پختہ بنیاد پر قائم نہ ہو سکے۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن وامان قائم کر لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عیسائیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ اعلان کیا کہ میں یونانی کلیسا کا محافظ اور سرپرست ہوں۔ عیسائیوں کی ایذا رسانی کی سختی سے ممانعت کر دی گئی نیز سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے قسطنطنیہ کے نئے بطریرک اور اس کے جانشینوں کو اور ان تمام اساقفہ کو، جو اس کے ماتحت تھے، ان کے تمام قدیم اختیارات اور ذرائع آمدنی، جو ان کو گزشتہ حکومت میں حاصل تھے، واپس کر دیے گئے۔ جن قواعد وضوابط سے وہ مستثنیٰ تھے، ان سے انہیں بدستور مستثنیٰ رکھا گیا۔ ترکوں کی فتح کے بعد پہلا بطریرک گناد یوس تھا جس کو سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا دیا جو اس کے منصب کا خاص نشان تھا۔ ہزار اشرفیوں کی تھیلی کے علاوہ اسے ایک گھوڑا بھی دیا گیا جس کا ساز وسامان بڑا پر تکلف تھا اور جس پر سوار ہو کر وہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ شہر میں نکل سکتا تھا۔(Phranizes PP.355, 356)۔ کلیسا کے پیشوا کا نہ صرف پورا پورا احترام قائم رکھا گیا، جیسا کہ عیسائی قیصر ملحوظ رکھتے تھے، بلکہ اسے وسیع دیوانی اختیارات بھی دے دیے گئے۔ مثال کے طور پر اس کی عدالت ان تمام مقدمات کا فیصلہ کرتی تھی جس کے دونوں فریق مسیحی ہوں۔ وہ جرمانے کی سزا دے سکتی تھی اور مجرموں کو اپنے خاص قید خانوں میں بند کر سکتی تھی۔ اسے بعض حالتوں میں سزائے موت دینے کا بھی اختیار حاصل تھا۔ سلطنت کے وزیروں اور افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ اس عدالت کے احکام اور فیصلوں کی تعمیل کریں۔ سابق بازنطینی حکومت کی روش کے برعکس ترک حکام کلیسا کے مذہبی معاملات میں دست اندازی نہیں کرتے تھے بلکہ ان معاملات کا انتظام وانصرام یا تو بطریرک کے ہاتھ میں تھا یا اس مجلس کے اختیار میں تھا جس کو وہ جب چاہے بلا سکتا تھا، اور اس کے ذریعے ان مسائل کو، جن کا تعلق مذہب یا عقاید سے تھا، حکومت کی مداخلت کے بغیر طے کر سکتا تھا اور شاہی حکومت کے ایک مسلمہ افسر کی حیثیت سے بطریرک بے انصاف گورنروں کے کاموں سے سلطان کو مطلع کر کے دادرسی کر سکتا تھا۔ صوبوں میں جو یونانی بشپ تھے، ان کی بھی بہت عزت ہوتی تھی۔ چنانچہ دیوانی معاملوں میں ان کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل تھے کہ موجودہ زمانے تک وہ اپنے حلقوں میں اپنے کام اس طرح انجام دیتے تھے گویا کہ وہ عیسائی آبادی پر ترک حکام کی حیثیت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعین ہیں۔ غرض ہم دیکھتے ہیں کہ کلیسا کے اعلیٰ عہدے دار یونانی پادریوں کے بجائے ترک اہلکار کا فریضہ ادا کرتے تھے اور وہ اپنے لوگوں کو ہمیشہ یہ بتایا کرتے تھے کہ سلطان کو خدا کی طرف سے کلیسائے یونان کی حفاظت سپرد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سلطان کی طرف سے فرمان جاری ہوا کہ آرتھوڈوکس فرقے کے لوگ ان گرجا گھروں کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں جن کو مساجد کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا اور وہ اس بات کے مجاز ہیں کہ اپنی مذہبی رسوم علانیہ اپنے قومی دستور کے مطابق ادا کریں۔ (فنلے جلد سوم صفحہ ۵۲۲، پیزی پس سیکنڈے صفحہ ۷۵: موسیو دھوسن جلد سوم صفحات ۵۲ تا ۵۴ نیز آرمنجان جلد اول صفحہ ۱۶)۔

اگرچہ یورپ میں واقع دولت عثمانیہ کے صوبوں میں عیسائیوں کی تعداد ترکوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لیکن مذہبی آزادی اور جان و مال کے تحفظ کی وجہ سے، جو ان کو حاصل تھا، عیسائیوں نے نئے حاکموں کو خوش دلی سے قبول کر لیا اور انہوں نے سلطان کی حکومت کو ہر عیسائی حکومت پر ترجیح دی۔ واقعہ یہ ہے کہ ملک کے بہت سے حصوں میں یونانیوں نے فرانکس اور وینس والوں کی غارت گری اور ظالمانہ حکومت کے مقابلے میں ترکوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کیا کیونکہ ان لوگوں نے ایک مدت سے یونان کے بعض ملحقہ علاقوں کے لیے بازنطینی حکومت کے ساتھ تنازع کھڑا کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ یونان میں جاگیردارانہ نظام جاری تھا جس سے رعایا کی حالت غلاموں کی طرح خراب اور خستہ ہوگئی تھی۔ چونکہ یہ حاکم زبان، قوم اور مذہب کے لحاظ سے رعایا سے اختلاف رکھتے تھے، اس لیے رعایا ان سے سخت نفرت کرتی تھی۔ ایک سیاح نے، جس نے ۱۵۰۸ عیسوی میں قبرص کا سفر کیا تھا، وینس والوں کی ممالک غیر میں جابرانہ حکومت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا ہے: ''قبرص کے تمام باشندے وینس والوں کے غلام ہیں کیونکہ وہ اپنی آمدنی کا ایک تہائی حصہ حکومت کو ادا کرنے پر مجبور ہیں، خواہ وہ ان کی آمدنی زمین سے حاصل ہو یا غلے، شراب، نیل، مال مویشی یا کسی اور شکل میں ہو۔ اس کے علاوہ ان میں سے ہر شخص مجبور ہے کہ ہفتے میں دو دن تک سرکاری بیگار میں، جہاں اسے مقرر کیا جائے، کام کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی کام یا بیماری کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو تو اسے اپنی غیر حاضری کے دنوں کے حساب سے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر سالانہ ٹیکس وغیرہ مستزاد ہیں۔ ان ٹیکسوں کی وجہ سے بیچارے غریب عوام اس قدر مظلوم اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کے لیے جسم و جاں کا باہمی رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہوگیا ہے۔''

(سفرنامہ مارٹن بام گارٹن صفحہ ۳۷۳ نیز وہ پیرے ملاحظہ کریں جو ہیکٹ نے قبرص کی تاریخ آرتھوڈوکس چرچ کے صفحہ ۱۸۳ میں نقل کیے ہیں)۔ رعایا جانتی تھی کہ حاکموں کی تبدیلی سے ان کی حالت بہتر ہونے کا امکان ہے ورنہ جیسی ابتر حالت اس وقت تھی، اس سے بدتر ہونا ناممکن تھا۔ اگرچہ ان کے نجات دلانے والے ترک اہل وینس کی طرح ان کے لیے اغیار ہی تھے لیکن وہ کافر ترکوں کو ملحد کیتھولک عیسائیوں پر بدرجہا ترجیح دیتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فتلے جلد سوم صفحہ ۵۰۲)۔ اسی طرح وہ یونانی جو قسطنطنیہ کی حکومت میں رہتے تھے، وہ بھی حکمرانوں کی تبدیلی کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ پالیولوگی خاندان کے عہد میں جو اخلاقی انحطاط رونما ہوا اور رعایا پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کے تصور ہی سے انسان کے دل پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ ''امرا کا بددیانت طبقہ، جابر پادریوں کی بے شمار جماعت، غیر فطری قوانین کی سختی، ایک مکروہ حکومت کا استحصال بالجبر اور حکومت کی اجارہ داریاں، اس کا مالی نظام، ٹیکس اور محصول جمع کرنے والوں کا لشکر، غرض ان سب چیزوں نے مل کر مظلوم رعایا کے حقوق غصب کر لیے تھے اور انہیں ان کے اداروں سے محروم کر دیا تھا اور ان کے لیے اصلاح احوال کی کوئی گنجائش یا تلافی مافات کی کوئی امید باقی نہیں چھوڑی تھی۔'' (Races of European Turkey, P. 82)۔ ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ رائے تعصب پر مبنی نظر آئے، ہم اس کی صداقت کی تائید میں ایک ہم عصر مستند مصنف کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ روسی مورخین بھی، جنہوں نے زوال قسطنطنیہ کا حال لکھا ہے، وہاں کی عیسائی حکومت پر اسی قسم کا الزام لگاتے ہیں: ''جس سلطنت میں قانون کا احترام نہ ہو، اس کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو بے لگام ہو۔ قسطنطین اور اس کے اسلاف نے امرا کو عوام پر ظلم وستم کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ ان کی عدالتوں سے انصاف اٹھ گیا تھا اور ان کے دل ہمت اور حوصلے سے خالی ہو چکے تھے۔ ججوں نے بے گناہوں کے آنسوؤں اور خون سے خزانے جمع کر لیے تھے۔ یونانی فوجی محض اپنے زرق برق لباس پر ناز کرتے تھے۔ شہری لوگ اپنی بے وفائی اور غداری پر شرم محسوس نہیں کرتے تھے اور سپاہی میدان جنگ سے فرار ہو کر شرمندہ نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار خدا نے ان نالائق حکمرانوں پر اپنا قہر نازل کیا اور سلطان محمد کو پیدا کیا جس کے سپاہی نبرد آزمائی میں خوش رہتے ہیں اور جس کے قاضی اپنی امانت میں خیانت نہیں کرتے۔'' مارٹن کردسیوس نے اسی انداز میں یوں لکھا ہے: ''یہ تعجب کی بات ہے کہ ان وحشی لوگوں (یعنی ترکوں) میں اور ایسے بڑے اور گنجان شہر میں قتل و غارت کے واقعات سننے میں نہیں آئے اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان روم اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ کو پوری دنیا کا دارالامان کہتا ہے کیونکہ جس قدر آفت زدہ لوگ ہیں، ان کو اس شہر میں پناہ ملتی ہے۔ سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف ہوتا ہے، خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، عیسائی ہو یا کافر۔'' (Tur cograecia P. 487)۔ ستائش کا آخری جملہ اس نسل کے کانوں کو عجیب معلوم ہوگا جو ہمیشہ سے ترکوں کی ناانصافی کے خلاف احتجاج کرتی رہی ہے لیکن ترکوں کی انصاف پسندی کی ان کے ہم عصر مورخین کے بیانات سے کافی شہادت ملتی ہے۔ وہی بازنطینی مورخ، جس نے فتح قسطنطنیہ کا حال لکھا ہے، بیان کرتا ہے کہ بایزید جیسا تند مزاج سلطان بھی اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ فیاضی اور دریادلی سے پیش آتا تھا، ان کو اپنے دربار میں آزادانہ جگہ دیتا تھا اور اس طرح وہ عیسائی رعایا میں بے حد ہردلعزیز ہو گیا تھا۔ (Phrantzes P. 81)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان مراد ثانی بھی اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے عدل و انصاف کی طرف خاص توجہ کی اور ان خرابیوں کی اصلاح کی جو یونانی شہنشاہوں کے زمانے میں پھیلی ہوئی تھیں اور اپنے ان افسروں کو جنھوں نے اس کی رعایا میں سے کسی پر ظلم کیا تھا، سخت سزائیں دیں۔(Phrantzes P. 92)۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد ایک صدی تک قابل سلاطین نے مستحکم اور مضبوط انتظام سے اپنی پوری قلمرو میں امن قائم رکھا اور ایک قابل تعریف دیوانی اور عدالتی نظام جاری کیا۔ اگرچہ اس نظام سے مسلمانوں اور عیسائیوں کو یکساں انصاف نہیں ملتا تھا لیکن اس سے یونانیوں کی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی۔ اب عیسائیوں پر بیگار کی مصیبتیں کم ہوگئیں اور غیر معمولی محصول ان سے شاذ و نادر ہی لیے جاتے تھے۔ جو ٹیکس وہ ادا کرتے تھے، وہ فرانک جاگیرداروں کے واجبات اور بازنطینی حکمرانوں کے بے شمار محاصل کی نسبت بہت قلیل تھے۔ مسیحی یورپ کے اکثر ملکوں کے مقابلے میں ترک حکومت کا نظم و نسق یقیناً بہتر تھا اور یہاں کے باشندے زیادہ خوشحال تھے۔ عیسائی آبادی کے بیشتر افراد کو، جو زراعت پیشہ تھے، بہت سے ہم عصر عیسائی حکمرانوں کی رعایا کی بہ نسبت سلطان کی حکومت میں زیادہ آزادی حاصل تھی اور ان کو اپنی محنت کا بہت ثمر ملتا تھا۔ (فنلے جلد پنجم صفحات ۵، ۱۲۳ نیز ادیں صفحہ ۳۱۱)۔ کرلاخ نے اپنے سفرنامے میں ۱۵۷۷ عیسوی میں یوں لکھا ہے: "ایسے مقامات کے عیسائی یا یہودی باشندے جہاں قاضی اور مجسٹریٹ متعین ہیں اور جہاں ترک عوام ان کے ساتھ بدسلوکی کی جرأت نہیں کر سکتے، عیسائی حکومت کی بہ نسبت ترک سلطنت کے زیر سایہ زیادہ آزاد ہیں۔ جب وہ سال میں اپنا خراج ایک مرتبہ ادا کر دیں تو اس کے بعد وہ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائی ملکوں میں ٹیکسوں کی ادائیگی سارا سال جاری رہتی ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔" (Tage-buch P. 413)۔ ترکوں کے زمانے میں ملک کی تجارت نے بھی خوب ترقی کی کیونکہ مسلمان سلاطین اپنی رعایا کی تجارت کو فروغ دینے پر ہمیشہ مستعد رہے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی خوش حالی کا دور ترک فتوحات کے بعد بازنطینی حکومت کے اس مالی ظلم و ستم سے نجات ملنے پر شروع ہوا جس نے ان کی اقتصادی زندگی کو مفلوج کر دیا تھا۔ ان میں سے پہلا شہر نیقیہ تھا جس نے ایک طویل محاصرے کے بعد ۱۳۳۰ عیسوی میں انتہائی آسان شرطوں پر سلطان اُورخان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ (Hertzberg PP. 467,646,650)۔ قدیم رومیوں کی طرح ترکوں نے بھی بہت سی سڑکیں اور پل بنائے جس سے پوری سلطنت میں تجارت میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی۔ اس کے علاوہ دوسری حکومتیں بھی یونانی تاجروں کو اپنی بندرگاہوں میں داخلے کی اجازت دینے پر مجبور ہوگئیں حالانکہ اس سے پہلے بازنطینی قیصروں کے زمانے میں انہیں داخلے کی ممانعت تھی۔ عیسائی تاجر اب ترکی کے پرچم تلے سفر کرتے تھے اور انہوں نے ترکوں کا لباس اور طرز زندگی اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح انہوں نے اب مغربی یورپ کی قوموں میں وہ عزت اور وقار حاصل کر لیا جس سے مغرب کے کیتھولک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے یونانی کلیسا کے پیروؤں کو آج تک محروم رکھا ہوا تھا۔(فنلے جلد پنجم صفحات ۱۵۶، ۱۵۷)۔

ترک حکمرانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بالعموم اچھا برتاؤ کیا اور انہیں مذہبی آزادی بھی دی ماسوائے اس بات کے کہ وہ عیسائی بچوں کو چھوٹی عمر ہی میں ان کے والدین سے جبراً لے کر انہیں ینگی چری (فوج جدید) کی مشہور فوج میں بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ یہ فوج سلطان اُورخان نے ۱۳۳۰عیسوی میں تشکیل دی تھی اور کئی صدیوں تک ترک سلاطین کی شوکت وسطوت کا انحصار اسی فوج پر رہا۔ اس فوج کو قائم رکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ سلطان کے افسر ہر چار سال کے بعد ان اضلاع کا دورہ کرتے تھے جن پر خراج عاید ہوتا تھا اور سات سال کی عمر کے بچوں میں سے بعض کو منتخب کر لیتے تھے۔(چار سال کی مدت بہ ہر حال متعین نہ تھی۔ شروع میں یہ خراج ہر سات یا پانچ سال کے بعد لگایا جاتا تھا لیکن بعد میں سلطنت کی ضروریات کی وجہ سے اس مدت میں کمی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ مطران کریتو پولوس ۱۶۲۵عیسوی میں لکھتا ہے کہ سرکاری تحصیلدار ہر سات سال کے بعد شہروں میں آتے تھے اور ہر شہر پر لازم تھا کہ وہ تین یا چار یا کم سے کم دو لڑکے مہیا کرے۔ صفحہ ۲۰۵)۔ مسلمان فقہا نے اس غیر انسانی خراج کے جواز کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ مال غنیمت کا وہ خمس ہے جو قرآن حکیم نے حکمرانوں کے لیے مخصوص کیا ہے۔(سورہ انفال آیت ۴۲)۔ انہوں نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ جبری تبدیل مذہب (سورہ انفال آیات ۹۹، ۱۰۰) کے خلاف جو ہدایت ہے، ان بچوں کے بارے میں بھی ان پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن چونکہ یہ بچے چھوٹی عمر میں ہی مسلمان معلموں کی تربیت میں آجاتے تھے، اس لیے یہ ممانعت عملی طور پر کوئی اثر نہ رکھتی تھی۔ موسیو دہوسن اپنی کتاب ''دولت عثمانیہ'' میں لکھتا ہے کہ ان نوعمر لڑکوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ یہ بات ترک حکومت کے اصول اور قرآنی احکام کے خلاف ہے کہ غیر مذہب والوں کو زبردستی مسلمان کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی ترک حاکم اپنے تعصب کی وجہ سے اس سلسلے میں کسی پر سختی کرتا تھا تو اس کی یہ حرکت گوارا نہیں کی جاتی تھی البتہ حکام بالا کی طرف سے ان کو ایسے اختیارات ہرگز نہیں دیے گئے تھے۔(ایم دہوسن جلد۳ صفحات ۳۹۷، ۳۹۸)۔ عیسائی یورپ نے اس وحشیانہ ٹیکس کو ہمیشہ دہشت اور خوف کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ترک سلطنت میں سیر وسفر کرنے والے سیاحوں نے ویران گھروں اور روتے پیٹتے والدین کی دردناک تصویر کھینچی ہے جن سے ان کے بچے جبراً چھین لیے جاتے تھے۔ لیکن جب ینگی چری پہلے پہل تیار ہوئی تو عیسائیوں نے خود اپنی مرضی سے اس میں داخل ہو کر اس کی تعداد کو بڑھایا تھا۔(ہرٹزبرگ، صفحہ ۴۷۲)۔ اور جن حالات میں شروع میں یہ خراج لگایا گیا تھا، ان سے اس بات کی توجیہہ ہوتی ہے کہ خود یونانیوں نے اس کی طرف سے لاپروائی ظاہر کی تھی۔ جنگ کی وجہ سے پورا ملک تباہ ہو چکا تھا اور لوگوں کو اکثر یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ بھوک کے ہاتھوں ہلاک نہ ہو جائیں۔ جن بچوں کو فوج میں بھرتی کیا جاتا، وہ اکثر یتیم ہوتے تھے جو بصورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر کسمپرسی کی حالت میں نیست و نابود ہو جاتے۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں عیسائیوں کو بطور غلام بیچنے کا دستور اس قدر عام تھا کہ اس نوعیت کا خراج ان کے لیے اتنا خوف ناک نہ ہوگا جتنا کہ ہمارا گمان ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس قسم کا رواج بازنطینی شہنشاہوں کے زمانے میں نافذ تھا اور ترکوں نے اس رسم کو محض جاری رکھا تھا۔" یہ ایک نہایت افسوسناک بات ہے کہ جس طرح عیسائی قیصر کسی شہر سے عیسائی بچوں کو، جو ذہانت اور قابلیت میں اوروں سے بہتر ہوتے تھے، مالی اور فوجی عہدوں کی تعلیم کے لیے لے لیتے تھے اسی طرح ترکوں نے بھی، جب وہ بازنطینی سلطنت کے مالک بنے، اپنا یہ حق ثابت کیا کہ وہ بھی عیسائیوں کے ذہین اور لائق بچوں کو لے سکتے ہیں۔" (ڈیوڈ کیٹریوس، صفحات ۱۲ تا ۱۴)۔ اس بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ عیسائی لڑکوں کی مقررہ تعداد جمع کرنے میں سرکاری اہل کاروں کو جبر کرنے کی بھی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی بلکہ ان کے والدین خود اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ ان کے بچے ایسی ملازمت میں منسلک ہوں جس میں وہ شاندار ترقی کر سکتے تھے۔ ان کو بہر حال یہ امید ہوتی تھی کہ ان کے بچوں کی بخوبی غور و پرداخت ہوگی اور ان کی زندگی آرام سے گزرے گی کیونکہ ان کمسن قیدیوں کی پرورش اور تعلیم اس طرح ہوتی تھی گویا وہ سلطان کے بچے ہیں۔ (کریسی صفحہ ۹۹ موسیو دھوسن جلد سوم صفحہ ۳۹۷، میزل صفحہ ۵۳)۔ تھامسن اسمتھ نے ایسے والدین کے بارے میں لکھا ہے: "یہ بات ہمارے مذہب کے لیے بے حد شرمناک ہے کہ دوسرے لوگ، جو برائے نام عیسائی ہیں، اپنے بچوں کو آزادی اور خوشی کے ساتھ اپنے سے جدا کر دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف ان کی پرورش کی زحمت سے بچ جائیں گے بلکہ انہیں یہ امید ہوتی ہے کہ وہ بڑے ہو کر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جائیں گے۔" (یونانی کلیسا کے حالات صفحہ ۱۲، لندن ۱۶۸۰ء)۔ سلطان مراد اول کے عہد میں عیسائی بچوں کو جمع کرنے کے لیے عیسائی فوج کو مقرر کیا جاتا تھا۔ (فنلے، جلد چہارم صفحہ ۴۵)۔ اگر یہ بات درست ہے کہ لڑکوں کے والدین رقم ادا کر کے انہیں چھڑا سکتے تھے تو اس سے اس خراج کی صورت اور بھی کم وحشیانہ ہو جاتی ہے۔ "والدین کو اجازت ہے کہ وہ رقم دے کر اپنے لڑکوں کو ان ترک حکام سے واپس لے لیں جو لڑکوں کو جمع کرتے ہیں۔" (ڈیوڈ کیٹریوس صفحہ ۱۳)۔ وی لاگولیتر کا بیان ہے کہ ۱۶۶۹ عیسوی میں ایتھنز کے باشندوں کو اس قسم کا استحقاق حاصل تھا۔ (سفرنامہ ایتھنز صفحہ ۲۷۲، لندن ۱۶۷۶ء)۔ میڈوفینس کریٹوپولوس، جو پہلے قسطنطنیہ اور بعد میں اسکندریہ کا بطریرک بنا اور جس کا زمانہ تحریر ۱۶۲۵ عیسوی ہے، ایسی مختلف تدبیروں اور ترکیبوں کا ذکر کرتا ہے جو عیسائی لوگ اس قسم کے خراج سے بچنے کے لیے اختیار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ مسلمان بچوں کو خرید کر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ عیسائی ہیں یا وہ سرکاری اہل کاروں کو رشوت دے کر ایسے عیسائی لڑکوں کو لینے پر آمادہ کر لیتے تھے جو نیچ ذات کے ہوں یا جن کی تربیت غلط طور پر ہو اور جو "پھانسی کے لائق" ہوں۔ (Confessio. P. 205)۔ دوسرے مصنفوں کے علاوہ تھامس اسمتھ بھی یونانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلیسا کے حالات کے ضمن میں لکھتا ہے کہ جن لڑکوں کو سرکاری اہل کار منتخب کر لیتے تھے، انہیں رقم دے کر چھڑایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ''بعض والدین اپنی فطری محبت کی وجہ سے یا مذہبی جذبے سے یا اس اندیشے سے کہ کہیں وہ اپنے بچوں سے محروم نہ ہو جائیں یا ان کے بچے عیسائیت ترک کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں، اپنی حسب توفیق پچاس یا سو ڈالرنی کس کے حساب سے ادا کر کے اپنے بچوں کو چھڑا لیتے تھے۔'' (یونانی کلیسا کے حالات، صفحہ ۱۲، لندن ۱۶۸۰ء)۔ بعض شہروں، جن میں قسطنطنیہ اور کئی جزیرے اور قصبے شامل تھے، اس ظالمانہ ٹیکس سے مستثنیٰ تھے اور انہوں نے ترکوں کی اطاعت اختیار کرتے وقت یہ شرط منوائی تھی کہ ان پر اس قسم کا خراج عاید نہ ہوگا۔ (میزل، صفحہ ۶۲ نیز تھامس اسمتھ، صفحہ ۸۱)۔ یہ وہ اسباب ہیں جن سے اس خراج کی سختی اور شدت میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ جب کوئی دستور قائم ہو جاتا ہے تو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں اور اسے تسلیم کر لیتے ہیں، اگرچہ ان وجوہ سے ایک غیر انسانی دستور کا کسی طرح جواز ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن ان سے ہمیں سترہویں صدی کے ایک سیاح کی اس بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ یونانی رعایا نے نئی حکومت کے اس مطالبے کو بے پروائی کے ساتھ کیوں قبول کر لیا جس نے ان کی حالت کو بڑی حد تک بہتر بنا دیا تھا۔ (Hill: P. 174)۔

اس کے علاوہ ترک سلطنت کی عیسائی رعایا کو اپنی حفاظت کے معاوضے اور فوجی خدمت سے بری رہنے کے عوض جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ عثمانی قانون کے مطابق جزیے کی شرح ہر بالغ مرد کے لیے اس کی آمدنی کے لحاظ سے اڑھائی، پانچ یا دس پیاسٹر فی کس سالانہ کے حساب سے مقرر تھی۔ (جوزف فان ہیمر (۲) جلد دوم، صفحہ ۱۵۱)۔ ہیلس شلٹ برجر کو ترکوں نے ۱۳۹۶ء میں قیدی بنا لیا تھا اور جب وہ ۳۲ سال کی قید کے بعد اپنے وطن میونخ واپس آیا تو اس نے بیان کیا کہ ترک سلطنت میں عیسائیوں کو دو پینی ماہوار سے زیادہ ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑتا۔ (ریز بک صفحہ ۹۲)۔ عورتیں اور پادری لوگ جزیے کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ (تھامس اسمتھ صفحہ ۱۲)۔ انیسویں صدی میں آمدنی کے اعتبار سے جزیے کی شرح پندرہ، تیس اور ساٹھ پیاسٹر تھی۔ (Silbernagl P. 60)۔ سولہویں اور سترہویں عیسوی کے عیسائی مصنفین عموماً اس ٹیکس کی شرح ایک ڈیوکٹ فی کس بتاتے ہیں لیکن اس کے برخلاف اس کی شرح تین، پانچ یا 8 / 7 * 5 کراؤن یا ڈالر بھی بتائی گئی ہے۔ (مارٹن کروسیو: صفحہ ۴۸۷ سانسوو ینو صفحہ ۶۷۔ جارجی ویز صفحات ۹۸، ۹۹ شیفلر صفحہ ۵۶۔ ہرتز برگ صفحہ ۶۲۸۔ ڈی لا جانکر صفحہ ۲۶۷)۔ ۱۵۹۵ عیسوی میں لندن میں ''ترک حکومت میں عیسائیوں کی حالت'' کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی جس میں لکھا گیا ہے کہ لڑکوں کے لیے جزیے کی شرح آٹھ شلنگ تھی۔ میخائل بودیں نے ۱۶۶۲ عیسوی میں پیرس سے شائع ہونے والی کتاب Histoire du Serrail کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ اس کی مقدار ایک اسکوپن فی کس تھی۔ اس اختلاف بیان کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سترہویں صدی میں ترکی کے سکے کی شرح مبادلہ میں کمی بیشی ہوتی رہتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ اس بات کا تعین کرنے کے لیے کہ جزیے کی وجہ سے عیسائیوں پر کس حد تک بوجھ تھا، ہمیں اس بات پر طویل بحث کرنا پڑے گی کہ اس زمانے میں سکے کی قوت خرید کیا تھی اور جزیے کی رقم کو دیگر مصارف کے ساتھ کیا نسبت تھی؟ (جوزف جارجیرین صفحات ۹،۸)۔ بہ ہر حال جزیے کی ادائیگی مذہب کی تبدیلی کے لیے معقول عذر نہیں ہو سکتا۔ تورن فور (فرانسیسی مصنف) نے ۱۷۰۰ عیسوی میں کریٹ کے لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کم بخت (عیسائی) اپنے ایمان کو کوڑیوں کے مول بیچتے ہیں اور اپنے مذہب کے عوض انہیں جو کچھ ملتا ہے، وہ ایک عبا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جزیے کی ادائیگی سے بری ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ جزیہ پانچ کراؤن فی کس سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔'' (تورن فور، جلد اول صفحہ ۹۱)۔ شیفلر بھی، جو ترک حکومت میں عیسائیوں کی حالت کو حتی الامکان سیاہ رنگ میں پیش کرنے کے لیے ہمیشہ بے قرار رہتا ہے، اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ایک ڈیوکٹ فی کس بہت ہی حقیر رقم تھی۔ چنانچہ وہ ان غیر معمولی ٹیکسوں اور جنگ کے لیے عطیات پر زور دیتا ہے جو عیسائیوں کو ادا کرنا پڑتے تھے۔ (شیفلر، صفحہ ۵۶: ''اس ڈیوکٹ کے معاملے سے تم کو سخت دھوکا ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ سلطان ہر ایک عیسائی سے ایک ڈیوکٹ بطور جزیہ لیتا ہے لیکن چونگی اور دیگر غیر معمولی محصول میں ترک حکام کیا کچھ وصول نہیں کرتے؟ جنگوں کے کون سے ٹیکس ہیں جو دینے نہیں پڑتے؟ البتہ غیر معمولی محاصل کا انحصار برے یا بھلے وقت پر ہے۔ اور مسلمانوں کو بھی یہ محصول اسی طرح ادا کرنا ہوتے ہیں جیسے عیسائیوں سے وصول کیے جاتے ہیں)۔'' زمین کا خراج عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے لیے یکساں تھا (ٹنلے جلد پنجم صفحات ۲۴، ۲۵: ایچ فان مولک صفحات ۴، ۲۷، ۳۵۴، پانچواں ایڈیشن برلن ۱۸۹۱ء) کیونکہ عثمانی ترکوں نے اس تفریق کو تسلیم نہیں کیا تھا کہ مسلمان اپنی زمین پر عشر دیں اور غیر مسلم خراج ادا کریں۔ (Hammer (2) Vol 1, P. 346)۔ عیسائی لوگ جو تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھاتے تھے، وہ بعض لوگوں کے تشدد کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ وہ اپنے سرکاری منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ماتحت لوگوں سے رقم وصول کرتے تھے۔ اس قسم کی زیادتیاں نہ صرف اسلامی شریعت کے منافی تھیں بلکہ مرکزی حکومت کے ضعف اور انحطاط سے پہلے شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی تھیں۔ لیکن انحطاط کے بعد حکومت مقامی افسروں کو سزا دینے سے قاصر ہو گئی تھی۔ ''سلطان کی عیسائی رعایا کی بدحالی کا ہمیشہ یہ سبب رہا ہے کہ ترک سلطنت کے صوبوں میں قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت کا حقیقی اختیار بہت کم تھا۔ دیہات کے مقامی اہل کاروں کے ظلم کی وجہ سے، جس کو ذاتی عداوت اور نفرت نے بدتر کر دیا تھا، وہ سختیاں پیدا ہوتی تھیں جو ترکی کے عیسائیوں نے پہلے زمانے میں برداشت کیں اور اب اور زیادہ برداشت کر رہے ہیں۔ کسی قوم کے زمانہ عروج میں محکوم قوم کے ساتھ انصاف بلکہ فیاضی کرنا ممکن ہے لیکن اس کے دور انحطاط میں ان اوصاف کا بہت کم پتا چلتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے"۔ (سرویا اور اہل سرویا از ڈبلیو ڈ ینٹن لندن ۱۸۶۲ء نیز Gerlach P. 49)۔ یورپ میں ترک حکومت کی پہلی دو صدیوں میں عیسائی رعایا کی جو حالت بیان کی جاتی ہے، وہ زمانہ مابعد کی حالت سے بہت مختلف ہے جب ترک سلطنت کا دورِ زوال شروع ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ عین اس زمانے میں، جب عیسائیوں کی حالت بڑی ناقابل برداشت ہو رہی تھی، قبول اسلام کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ اٹھارویں صدی میں جب عیسائیوں کی حالت دوسرے زمانوں کی بہ نسبت بہت ابتر تھی، لوگوں کے مسلمان ہونے کا تذکرہ کہیں سننے میں نہیں آتا بلکہ ترکوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دین کی ترقی کے بارے میں بالکل غافل اور بے پروا تھے اور بڑی حد تک مذہبی شکوک اور بداعتقادی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (Businello PP. 43,44)۔ جو تکلیفیں عیسائی اٹھاتے تھے، وہ مسلمانوں کے مذہبی تعصب کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ ان کا سبب حکومت کی بدنظمی تھی۔ اس بات کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان مصائب میں مسلمان اور عیسائی یکساں طور پر مبتلا تھے۔

"سلطان کی مرکزی حکومت نے بالعموم مسلمانوں کے ساتھ ویسی ہی بے رحمی اور بے انصافی کا سلوک کیا جیسی بے رحمی وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ یونانیوں کی تکلیفیں اور سختیاں خود سلطان کی براہ راست حکومت کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ اس کا سبب حاکم قوم کا غرور و تکبر اور حکام کی رشوت ستانی تھی۔ ایک یونانی کو اپنے ذاتی معاملات میں اپنے اسقف اور اپنے ضلع کے بزرگوں سے انصاف کی زیادہ توقع ہو سکتی تھی بہ نسبت اس ترک کے جو کسی قاضی یا سردار کی عدالت سے انصاف طلب کرتا تھا۔" (فنلے جلد ششم صفحات ۴، ۵)۔

"یہ خیال کرنا غلط ہے کہ سلطان کی رعایا میں صرف عیسائی ہی مظلوم اور تباہ حال ہیں۔ ترک حکومت کی بدنظمی سب کے لیے یکساں ہے اور سب پر یکساں مصیبتیں ڈالتی ہے۔ سلطنت کے بعض حصوں میں مسلمانوں کا افلاس فی الحقیقت عیسائیوں کے افلاس سے بھی بڑھا ہوا ہے اور مسلمانوں کی خراب حالت پر سیاح کو زیادہ ترس آتا ہے۔" (ڈینیوب کے جنوب میں واقع سلاو کر صوبے، صفحات ۱۵۷، ۱۵۸: لندن ۱۸۷۶ء)۔

"شمالی ایشیائے کوچک میں مسلمان اور عیسائی لوگ اس تمام ظلم و ستم کا یکساں طور پر شکار ہیں"۔
(جیمز برائس: ماورائے قفقاز و ارارات، صفحہ ۳۸۱)۔

"اہل یورپ یہ سمجھتے ہیں کہ ترکی میں صرف عیسائی لوگ ہیں جو حکومت کی مطلق العنانی اور اس کی سختیوں اور توہین کو برداشت کرتے ہیں جو ظلم سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اصل بات یوں نہیں ہے۔ چونکہ کسی بیرونی ملک کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس لیے وہ زیادہ بے باکی سے لوٹے جاتے ہیں اور ان کی گردن پر حکومت کا جوا بہ نسبت غیر مسلموں کے اور بھی زیادہ سخت ہے۔" (ڈی لا جان کر، صفحہ ۵۰۷)۔

"جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایشیائے کوچک میں ادنیٰ طبقے کے عیسائی اس درجے کے ترکوں کی بہ نسبت بدتر حالت میں نہیں ہیں۔ اگر یورپین ترکی کے عیسائی اس وجہ سے کسی قدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائدے میں ہیں کہ ان کی تعداد ترکوں سے زیادہ ہے تو ایشیا کے عیسائیوں کو اس لحاظ سے اطمینان ہے کہ حکام کی طرف سے ترکوں پر بھی ایسا ہی ظلم روا رکھا جاتا ہے جیسا کہ ان پر کیا جاتا ہے۔ ان کو ایسے مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے جو یورپ کے مسلمانوں کے مقابلے میں عام طور پر زیادہ حلیم، زیادہ پرہیزگار اور زیادہ بااصول ہیں۔'' (ڈبلیو ایم لیک: سفرنامہ ایشیائے کوچک، لندن ۱۸۲۴ء)۔

ممکن ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کو رشوت ستانی اور بدسلوکی کا زیادہ سامنا رہتا ہو کیونکہ ان کو انصاف کے حصول اور اپنی شکایات کے ازالے میں زیادہ مشکلات پیش آتی تھیں لہٰذہ ان وجوہ کی بنا پر ممکن ہے کہ بعض انتہائی مفلس عیسائیوں نے اپنا مذہب تبدیل کر کے اپنی مشکلات سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے لڑکوں کا جو خراج عاید کیا تھا، مفتوح یونانیوں نے اسے بغیر کسی مزاحمت کے قبول کر لیا تھا۔ جب یہ خراج منسوخ ہوا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کے خلاف کوئی بغاوت یا ہنگامہ برپا ہوا تھا بلکہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترکوں کی آبادی بڑھ گئی تھی اور نومسلموں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا اور وہ سلطان کی ملازمت میں بکثرت داخل ہو رہے تھے۔ (بچوں کی صورت میں خراج وصول کرنے کا سلسلہ سولہویں صدی میں متروک ہوا۔ اس قسم کا خراج آخری مرتبہ ۱۶۷۶ء میں وصول کیا گیا تھا)۔ قطع نظر اس خراج کے یونان کی فتح کے بعد کم از کم دو سو سال تک ترک سلاطین نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ مذہبی معاملات میں ایسی رواداری کا ثبوت دیا جس کی مثال اس زمانے میں یورپ کے دوسرے ملکوں میں مطلق نہیں ملتی چنانچہ ہنگری اور ٹرانسلوانیا کے کیلون کے پیروکار اور ٹرانسلوانیا کے موحدین مدت دراز تک ہپس برگ (آسٹریا) کے متعصب حکمران خاندانوں کی محکومی کے بجائے ترکوں کی اطاعت کو ترجیح دیتے رہے۔ (ڈی لا جان گر صفحہ ۳۳۲۔ شفلر صفحات ۴۵، ۴۶۔ گازٹوٹ صفحہ ۵۱)۔ سلیشیا کے پروٹسٹنٹ لوگ ترک سلطنت کی طرف پر امید نظروں سے دیکھتے تھے اور مذہبی آزادی کے عوض اسلامی حکومت کی اطاعت کو بخوشی اختیار کرنے کے لیے تیار تھے۔ ''میں نہایت تعجب سے سنتا ہوں کہ یہ بات صرف عام عیسائیوں ہی میں مشہور نہیں ہے کہ ترکوں کی سلطنت میں رہنا اچھا ہے کیونکہ جب ایک ڈیوکٹ ادا کر دیا جاتا ہے تو عیسائی بالکل آزاد ہو جاتے ہیں اور ترک ان کو مذہبی آزادی دیتے ہیں اور وہ اپنے گرجاؤں میں عبادت کے لیے جا سکتے ہیں بلکہ اعلیٰ طبقے کے عیسائی بھی ایسے ہیں جن کو ترکوں کی بابت اچھے خیالات رکھنے ہرگز مناسب نہ تھے لیکن وہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں گویا اپنی مصیبتوں پر خوش ہیں۔ یہ بات خطرناک ہی نہیں ہے بلکہ کافرانہ جسارت ہے اور سوائے بدعتی خیالات کے یہ حالت کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عیسائی اپنے مذہب سے برگشتہ ہو جائیں گے اور عیسوی مذہب بیخ و بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اکھڑ جائے گا۔'' (شفلر صفحہ ۴۸)۔ پندرھویں صدی کے آخر میں جب اسپین کے یہودیوں پر ظلم وستم ہوا تو ان میں سے بے شمار لوگوں نے بھاگ کر ترکی میں پناہ لی۔ (ہرنز برگ، صفحہ ۶۵۰)۔ اسی طرح جب روس کے سرکاری کلیسا نے قازق قوم کے لوگوں پر جور وستم کیا جو ''قدیم مومنین'' کے فرقے سے تعلق رکھتے تھے تو ان کو بھی سلطان کی سلطنت میں وہ مذہبی آزادی ملی جس سے ان کے ہم مذہب بھائیوں نے انہیں محروم کر دیا تھا۔ (اس قسم کا مقابلہ ایک انگریز سوداگر رچرڈ اسٹیپر نے کیا ہے جس نے ۱۵۷۸ عیسوی میں ترکی کا سفر کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے: ''اگرچہ ترک بالعموم ایک بڑی خبیث قوم ہے جو تاریکی میں رہتی ہے، اس کے باوجود وہ تمام عیسائیوں کو، جن میں یونانی اور لاطینی شامل ہیں، اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں اور اپنے ضمیر کو آزادی سے استعمال کریں۔ ان کی طرف سے عیسائیوں کو اجازت ہے کہ وہ قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے شہروں میں اپنے گرجا گھروں میں عبادت کریں۔ اس کے برعکس اسپین میں بارہ برس کی اقامت کے بعد میں یہ بات سچے دل سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم اسپین میں نہ صرف کیتھولک فرقے کی رسوم کی پابندی کرنے پر مجبور تھے بلکہ ہمارا جان و مال بھی خطرے میں رہتا تھا۔''

(The Early History of the Levani Company, P. 57, London, 1908)۔

سترھویں صدی میں جب انطاکیہ کے بطریرک میکاریوں نے ان خوفناک مظالم کو دیکھا جو پولینڈ کے کیتھولک فرقے نے آرتھوڈکس کلیسا کے رومیوں پر کیے تھے تو اس نے اپنے آپ کو ان الفاظ میں مبارک باد دی۔:

''ہم ان ہزاروں صلیبیوں پر بہت روئے جن کو ان فاجر کم بختوں نے، جو مذہب کے دشمن ہیں، پچھلے چالیس پچاس سال کے عرصے میں ہلاک کر ڈالا ہے۔ ان کی تعداد کم وبیش ستر یا اسی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اے کافرو! اے ناپاکی کے شیطانو! اے سنگ دلو! راہباؤں اور عورتوں نے کیا کیا تھا؟ لڑکیوں، لڑکوں اور چھوٹے بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تم نے ان کو مار ڈالا؟ اور میں ان (پولینڈ والوں) کو ملعون کیوں کہتا ہوں؟ اس لیے کہ انہوں نے عیسائیوں پر ظلم کر کے اپنے تئیں بت پرستوں سے بھی زیادہ ذلیل اور خبیث ثابت کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ آرتھوڈکس فرقے کا نام ونشان تک مٹا دیں گے۔ خدا ترکوں کی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلامت رکھے! کیونکہ وہ اپنا جزیہ لیتے ہیں لیکن رعایا کے مذہب میں دخل اندازی نہیں کرتے، خواہ وہ نصرانی ہوں یا یہودی یا سامری۔ لیکن ان ملعون پولستانیوں نے اپنے عیسائی بھائیوں سے، جو ان کی خدمت کرنے پر رضامند تھے، محصول اور عشر وصول کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو مسیح کے دشمنوں یعنی ظالم یہودیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے ان کو نہ تو گرجے تعمیر کرنے کی اجازت دی اور نہ ہی ان کے پاس کسی مذہبی پیشوا کو چھوڑا جو ان کے مذہب کے اسرار سے واقف ہو۔'' (میکاریوں، جلد اول صفحات ۱۶۳، ۱۶۵ نیز ملاحظہ کیجیے وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرضداشت جو روس کے پولستانی پناہ گزینوں نے ۱۸۵۳ء میں باب عالی میں پیش کی تھی۔ گازٹو وٹ، صفحہ ۲۱۷)۔ اٹلی میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ترکوں کی طرف سے پر امید نگاہوں سے دیکھتے تھے اور یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ ترکوں کی رعایا بن کر وہ آزادی اور مذہبی رواداری سے بہرہ ور ہو سکیں گے کیونکہ وہ کسی بھی عیسائی حکومت میں مذہبی آزادی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ''عیسائیوں نے اپنے دل میں آزادی کا عجیب تصور قائم کر رکھا ہے۔ اگر عیسائی حکومت میں ان عیسائیوں نے کوئی بات حاصل کرنا چاہی اور اس سے مایوسی ہوئی تو وہ ترکوں کو سب پر ترجیح دینے لگتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ترک اس آزادی کو دینے میں بہ نسبت عیسائیوں کے زیادہ فیاض ہیں۔'' یوحنس لوددوکی: عیسائیوں کی حالت ترکی میں: صفحات ۲۲۰، ۲۲۵: اتونس برون فیلسی صفحہ ۱۳۳ میں لکھتا ہے کہ بعض عیسائی یہ بکواس کرتے ہیں کہ ترکوں کی حکومت میں مذہب آزاد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان ترکی کی مملکت میں اسلام کی اشاعت میں جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ سلطنت کے دور انحطاط میں، جب رعایا کے ساتھ عدل و انصاف نہیں ہوتا تھا اور بد دیانت حاکم اور اہل کار رعایا پر ظلم کرتے تھے، ممکن ہے کہ بعض عیسائی اپنا مذہب تبدیل کر کے اپنی حالت کو بہتر بنانے پر مجبور ہوئے ہوں لیکن ترک حکومت کی پہلی دو صدیوں میں اس قسم کے واقعات شاذ تھے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں عیسائیوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس دور میں ترکوں میں تبلیغ کا جوش موجود تھا۔ لیکن اگر انہوں نے رواداری کے ان حدود سے کبھی تجاوز کیا ہوتا، جن کو ان کے اپنے ہی قوانین نے قائم کیا تھا تو یہ بات ہمارے لیے یقیناً تعجب انگیز ہوتی۔ ایک شخص نے جو بائیس سال تک ترکوں کی قید میں رہا تھا، بیان کیا ہے: ''ترک کبھی کسی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتے۔'' (تورچیکا، صفحات ۱۷۔ ۱۷)۔ کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس قسم کی شہادت دی ہے۔ ایک انگریز، جس نے سترہویں صدی میں ترکی کا سفر کیا تھا، بیان کیا ہے: ''جب تک کسی شخص نے سنگین جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو، اس کے ضمیر پر جبر نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کسی کو موت کا خوف دلایا جاتا ہے۔'' (Blount: Vol, I P. 548)۔ تقریباً تیس سال کے بعد (۱۶۶۴ء) ایک جرمن مصنف شفلر لکھتا ہے: ''ترک جبر سے نہیں بلکہ دھوکے فریب سے لوگوں کو مسلمان کرتے ہیں۔ وہ دغا بازی سے لوگوں کے دلوں کو مسیح سے برگشتہ کرتے ہیں کیونکہ ترک لوگ اس وقت کسی ملک کو جبراً تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کرتے بلکہ وہ اور طریقے اختیار کر رہے ہیں جن کے ذریعے وہ چپ چاپ عیسائیت کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان ملکوں کے عیسائی کہاں غائب ہو گئے؟ انہیں ملک سے نکالا نہیں گیا اور نہ ہی ان کو ترکوں کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے ہیں۔''

ترک سمجھتے تھے کہ سب سے بڑا احسان، جو وہ کسی شخص کے ساتھ کر سکتے ہیں، یہ ہے کہ اس کو دائرہ اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر لا کر اس کی نجات اخروی کا باعث بنیں۔ (دوسا صفحہ ۴۸: بوس بق، صفحہ ۱۹۰)۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے لیے ترغیب کا کوئی طریقہ بغیر آزمائے نہیں چھوڑتے تھے۔ سولہویں صدی کے ایک ولندیزی سیاح نے لکھا ہے کہ جب وہ سینٹ صوفیہ کی عظیم مسجد میں کھڑا اس کی تعریف کر رہا تھا تو چند ترکوں نے اس کے جمالیاتی ذوق کے ذریعے اس کے مذہبی خیالات پر اثر ڈالنا چاہا اور اس سے کہا: ''اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تم پوری زندگی روزانہ یہاں آسکتے ہو۔'' (ٹامس اسمتھ صفحہ ۴۲)۔ تقریباً ایک صدی کے بعد ایک انگریز سیاح کو بھی اسی طرح کا تجربہ ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''بعض اوقات ترک مذہبی جوش کے وفور میں عیسائیوں سے بہت اخلاق کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے ایک مرتبہ سینٹ صوفیہ کے دروازے میں کیا تھا کہ تم مسلمان ہو کر ہم لوگوں میں کیوں شامل نہیں ہو جاتے؟'' (ٹامس اسمتھ، صفحہ ۳۲)۔ کسی شخص کے مسلمان ہونے پر لوگوں میں جو خوشیاں منائی جاتی تھیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترکوں کو لوگوں کی آخرت اور عافیت بالخیر ہونے کا کس قدر خیال تھا اور اسی خیال نے ان کو اسلام کا پرجوش داعی بنا دیا تھا۔ وہ اسلام قبول کرنے والے ہر شخص کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے شہر کے بازاروں میں ایک جلوس کی صورت میں لے کر نکلتے تھے۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ شخص سچے دل سے مسلمان ہوا ہے اور اپنی رضامندی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہے اور عالی مرتبہ ہے تو وہ اس کی بڑی عزت کرتے اور اس کی گذر اوقات کے لیے بندوبست کر دیتے تھے۔ (ٹامس اسمتھ، صفحہ ۴۲: بلونت جلد اول صفحہ ۵۴۵۔ جیارجی وائز صفحہ ۲۰ شیل برجر صفحات ۸۳، ۸۴۔ بودیئر صفحات ۹، ۱۴۹، ۳۱)۔ الیگزینڈر روس کے اس قول کی تصدیق کے لیے کافی شہادت موجود ہے کہ ''ترک لوگ عیسائیوں کے تبدیل مذہب بلکہ تخریب مذہب کے لیے بیہودہ طور پر سرگرم ہیں۔ وہ اپنی مسجدوں میں ہر روز ان کے مسلمان ہونے کے لیے صدق دل سے دعائیں مانگتے ہیں تاکہ وہ قرآن (کا مذہب) قبول کرلیں اور مسلمان ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ترغیب و تحریص اور سزا و جزا کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا جس پر انہوں نے عمل نہ کیا ہو۔'' (الیگزینڈر روس صفحہ ۴۔ بودیئر صفحہ ۳۱۷۔ فرانسیسی مصنف ریکو نے جلد اول صفحہ ۲۷۶ میں لکھا ہے: ''ترک سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مذہب والے کو مسلمان کرنا بڑی بات ہے۔ کوئی ترک، جسے ایک غلام رکھنے کا مقدور ہے، ایسا نہیں ہے جو اس غلام کو مسلمان کرنے کا خواہش مند نہ ہو تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس کو میں نے مسلمان کیا ہے اور مجھے مومنوں کی تعداد بڑھانے کی عزت حاصل ہے)۔''

عیسائیوں کو مسلمان بنانے کی یہ سرگرم کوششیں عیسائی معاشرے کے بعض خصوصی حالات کی وجہ سے بھی کامیاب ہوئیں۔ ان اسباب میں سب سے بڑھ کر یونانی کلیسا کی ذلیل حالت تھی کیونکہ بازنطینی سلطنت کے ولندیزی استبداد کے علاوہ ایک کلیسائی استبداد بھی پیدا ہو چکا تھا جس نے مذہب اور اخلاق کے بارے میں ہر قسم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بحث وتمحیص کو ممنوع قرار دیا تھا اور ملک کی علمی زندگی کو اپنی ہٹ دھرمی کے بوجھ تلے کچل ڈالا تھا۔ اس بے حسی کے عالم میں صرف ایک بات نے حرکت پیدا کر رکھی تھی اور وہ تھی کیتھولک فرقے کے خلاف سخت جنگ جس میں مذہبی مناظرے کی تلخی اور نسلی منافرت کی شدت بھی شامل تھی۔ عیسائی عوام کا مذہب گرتے گرتے محض ظاہری رسوم کی پابندی میں منحصر ہو گیا تھا اور ان کی ساری دینی سرگرمی اور عقیدت مریم عذرا اور اولیا اور ان کی تصویروں اور تبرکات کی پرستش میں صرف ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ اس کلیسا سے روگردان ہو چکے تھے جس کی روحانی حالت پست ہو چکی تھی اور جس میں اس قسم کے باریک مسائل کی طولانی بحث کبھی ختم ہونے میں نہ آتی تھی کہ روح القدس خدا کی ذات سے نکلا ہے یا مسیح سے اور عشائے ربانی میں خمیری روٹی کھانی چاہیے یا فطیری۔ اس طرح بہت سے عیسائیوں نے، جو ان باتوں سے بیزار ہو چکے تھے، خدا کے متعلق اسلام کی سیدھی سادی اور قریب الفہم تعلیم کو قبول کر لیا۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جن میں صرف سادہ مزاج لوگ ہی نہیں، ہر درجے اور ہر طبقے کے عالم بھی شامل تھے۔ جن راہبوں اور پادریوں نے دین اسلام اختیار کیا، ان کی معاش کے لیے ترکوں نے پہلے سے بہتر انتظام کر دیا تاکہ ان کی مثال سے دوسرے عیسائیوں کو بھی مسلمان ہونے کی ترغیب ہو۔ (تورچیکا نے ایک گمنام مصنف کا حوالہ دیا ہے جو ۱۴۳۶ء سے لے کر ۱۴۵۸ عیسوی تک ترکی کی قید میں رہا تھا)۔ ۱۴۵۳ء سے پہلے، جب ایڈریانوپل ابھی تک ترکوں کا دارالحکومت تھا، سلطان کے دربار میں نومسلموں کا ہجوم رہتا تھا اور ارکان دولت میں انہی لوگوں کی کثرت تھی۔ (تورچیکا (xi (b) مٹی لینی کے اسقف اعظم لیونارڈو نے، جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت موجود تھا، ان نومسلموں کا ذکر کیا ہے جو بڑی تعداد میں محاصرین کی فوج میں شامل تھے۔ اس کا بیان ہے: ''قسطنطنیہ کو کس نے فتح کرایا؟ مسلمانوں کو حکمرانی کس نے سکھائی؟ کمینے عیسائیوں نے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یونانیوں، کیتھولک عیسائیوں، جرمنی اور ہنگری کے لوگوں اور دوسری عیسائی اقوام کے آدمیوں نے (باوجودیکہ ان کو عیسوی مذہب کی تعلیم ملی تھی) ترکوں کی صحبت سے ان کا مذہب اور ان کے اطوار اختیار کر لیے اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اس کو چھین لیا۔ اے لوگو جو دوزخ کی آگ کے مستحق ہو، اب تمہارا ہی دور دورہ ہے۔'' (سانسوویتو صفحہ ۲۵۸)۔ بازنطینی شہزادے اور دوسرے لوگ بھی اکثر اوقات مسلمانوں کی طرف آنکلتے تھے اور مسلمان ان کا خوشی سے استقبال کرتے تھے۔ اس قسم کا سب سے قدیم واقعہ ۱۱۴۰ عیسوی میں پیش آیا جب قیصر جان کومنینس کے ایک بھتیجے نے اسلام قبول کیا اور اسلام لانے کے بعد نیقیہ کے سلطان مسعود کی بیٹی سے شادی کر لی۔ (جے ایچ کروز صفحات ۳۸۵، ۳۸۶۔ ہال ۱۸۶۹ء)۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد یونانی عوام کے مقابلے میں اعلیٰ طبقے کے عیسائیوں نے قبول اسلام کی طرف زیادہ رغبت دکھائی۔ ان نومسلموں میں ہمیں ایسے کئی لوگوں کے نام ملتے ہیں جن کا تعلق سابق شاہی خاندان پلیولوگی سے تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح شہر طرابزون کے تبحر عالم امیر وطس نے اپنی آخری عمر میں عیسوی مذہب کو ترک کر دیا۔ کتابوں میں اسی طرح کے اور بھی بہت سے اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ (ہرنز برگ صفحہ ۶۱۶ نیز فنیلے جلد پنجم صفحہ ۱۱۸)۔ نیا مذہب صرف اس سادہ سے کلمے کے اقرار کا مطالبہ کرتا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ لیکن مذکورہ بالا مصنف (تورچیکا (tol-xix.(a)) لکھتا ہے: ''ساری مشکل اسی کلمے کے اقرار میں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اس بات کو مان لے کہ وہ خدائے واحد کا پجاری ہے تو اس ضلالت کا زہر دین کے لباس میں اس میں آسانی سے سرایت کر جاتا ہے۔ یہ وہ چٹان ہے جس سے بہت سے لوگوں کا سفینہ ایمان ٹکرا کر پاش پاش ہو چکا ہے اور وہ ایسے دام میں گرفتار ہو گئے جوان کی روحوں کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ یہ چکی کا وہ پاٹ ہے جو ان کے گلے کا طوق بنا اور جس نے ان کو مایوسی کے غار میں گرا دیا کیونکہ جب یہ احمق سنتے ہیں کہ ترک بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں اور ہر مورت اور تصویر سے اس طرح کراہت اور نفرت کرتے ہیں گویا وہ نار جہنم ہے اور وہ خدائے یکتا کی پرستش کا اس تسلسل کے ساتھ اقرار کرتے ہیں اور وعظ کہتے ہیں تو اس سے ان کے دل و دماغ میں کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔''

مشرقی کلیسا کے عیسائیوں کو جب اس بات کی خواہش ہوئی کہ دینی عقیدے کی کوئی ایسی صاف اور سادہ صورت اختیار کریں جس سے پالیشن فرقہ پیدا ہوا تھا اور جسے ملحد قرار دے کر چند صدی پیشتر دبا دیا گیا تھا تو ایسی صورت میں ان کو قدرتی طور پر دامن اسلام ہی میں پناہ ملی۔ آرتھوڈوکس کلیسا کے لوگ اوہام میں مبتلا تھے اور وہ مورتوں، تبرکات اور ولیوں کی پرستش کر رہے تھے۔ پالیشن تحریک ان ہی باتوں کے خلاف ایک احتجاج تھا جس کا مقصد ایک سادہ عقیدہ اختیار کر کے پاکیزہ اور عابدانہ زندگی بسر کرنا تھا۔ چونکہ اس فرقے کے بعض پیروکار سترہویں صدی تک بلغاریہ میں موجود تھے۔ (ریکو: جلد اول صفحات ۷۱، ۱۱۷ نیز بزی: صفحہ ۴۹ بی)۔ مسلمان فاتحین کو وہاں یقیناً بہت سے ایسے عیسائی ملے ہوں گے جو یونانی کلیسا کے عقیدے اور عمل سے مطمئن نہ تھے۔ یورپ کے مغربی ملکوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ پیدا ہوا تھا لیکن مشرق کے حالات اس قسم کے فرقے کے ظہور کے لیے سازگار نہ تھے لہٰذہ ان غیر مطمئن اور مختلف الرائے لوگوں کو دائرہ اسلام میں ایسی فضا نصیب ہوئی جوان کی طبائع کے لیے زیادہ مناسب اور موافق تھی۔ ہمارے پاس یہ باور کرنے کے لیے خاصی وجوہ موجود ہیں کہ سترہویں صدی کے شروع میں یونانی کلیسا کو پروٹسٹنٹ بنانے میں جو ناکامی ہوئی تھی، یہ تحریک اس کا نتیجہ تھی۔ اس تحریک کا بانی سرل لوکارس (Cyril Lucaris) تھا جو ۱۶۲۱ء اور ۱۶۳۸ء کے درمیانی عرصے میں پانچ مرتبہ قسطنطنیہ کا بطریرک مقرر ہوا تھا۔ وہ جوانی کے دنوں میں وٹن برگ اور جنیوا کی یونیورسٹیوں میں رہ چکا تھا جہاں اس نے پروٹسٹنٹ فرقے کے مذہبی علوم کی تعلیم پائی تھی اور واپس آنے کے بعد بھی اس نے اصلاح شدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقے کے علما کے ساتھ، جو جنیوا، ہالینڈ اور انگلستان میں مقیم تھے، خط و کتابت جاری رکھی تھی۔ لیکن اس کو جان کالون John Calvin (پکلر: صفحات ۱۶۴، ۱۷۲) کی تعلیمات میں جو دل کشی نظر آئی، ویسی کشش اس نے نہ تو کلیسائے انگلستان میں دیکھی اور نہ ہی اسے لوتھر کے پیروؤں کے عقاید میں دکھائی دی۔ چنانچہ اس نے کالون کے نظریات کو یونانی کلیسا میں رائج کرنے کی کوشش کی اور جنیوا کے کالوینی فرقے نے بھی اس معاملے میں بڑی سرگرمی سے اس کی تائید کی۔ انہوں نے ایک نوجوان عالم دین لیجر Leger کو قسطنطنیہ بھیجا تاکہ وہ کالوینی علما کی تالیفات کو یونانی زبان میں ترجمہ کرنے میں اس کی مدد کرے۔ (پکلر: صفحہ ۱۴۳)۔ سرل کو قسطنطنیہ میں پروٹسٹنٹ ملکوں کے سفارت خانوں میں بھی سرگرم دوست مل گئے اور ولندیزی اور انگریزی سفیروں نے خاص طور پر اس کو بڑی فیاضی سے مالی امداد دی۔ لیکن اس کے برعکس یسوعی جماعت کے لوگوں نے کیتھولک سفیروں کی تائید سے ہر ممکن طریقے سے سرل کی مخالفت کی تاکہ وہ یونانی کلیسا میں کالون کے عقاید کو رواج نہ دے سکے۔ وہ یونانی پادریوں میں سرل کے مخالفین کی سازشوں میں بھی عملی طور پر شریک ہوئے یہاں تک کہ سرل کے دشمنوں نے آخر کار اسے مروا ڈالا۔ سرل نے ۱۶۲۹ عیسوی میں ''عقیدے کا اقرار'' شائع کیا جس کا بڑا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آرتھوڈوکس کلیسا کے عقاید کو رومن کیتھولک کے خلاف اس طرح پیش کیا جائے جس سے وہ لازمی طور پر پروٹسٹنٹ مذہب کے مطابق نظر آئیں۔ (پکلر صفحہ ۱۴۸۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے کہ اس کتاب کا مصنف واقعی سرل تھا یا کوئی اور)۔ سرل نے کالون سے ''تقدیر'' اور ''نجات بالایمان'' کے عقاید اخذ کیے، کلیسا کی عصمت یعنی اس کے منزہ عن الخطا ہونے سے انکار کیا، کتب مقدسہ کی تفسیر میں کلیسا کو سند تسلیم کرنے سے انکار کیا اور تصویروں کی پرستش کرنے کی مذمت کی۔ اسی طرح وہ انسانی مشیت اور کئی دوسرے مسائل کے بیان میں آرتھوڈوکس کلیسا کی تعلیم کے مقابلے میں کالون کے عقاید کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے۔ (پکلر: صفحات ۱۸۳ تا ۱۸۹)۔ جب یہ ''عقیدہ'' شائع ہوا اور یوں ظاہر ہوا کو گویا یہی عقیدہ اس تمام کلیسا کی تعلیم کو پیش کرتا ہے، جس کا وہ پیشوا ہے تو اس سے کلیسا کے اکثر ارکان میں شدید مخالفت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ سرل کی موت کے چند ہفتے بعد ارباب کلیسا کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس نے اس کے عقاید کی مذمت کی اور اس کو کلیسا سے خارج کر دیا۔ ۱۶۴۲ عیسوی میں قسطنطنیہ میں اسی مقصد سے ایک دوسری مجلس بلائی گئی جس نے سرل کے ''عقیدہ'' کے ہر ایک قول کی بالتفصیل تردید کی جیسی کہ پہلی مجلس نے کی تھی اور سرل اور اس کے پیروکاروں پر ان الفاظ میں لعنت کی: ''ہم اتفاق رائے سے غیر مشروط الفاظ میں اس ''عقیدہ'' کو رد کرتے ہیں کیونکہ وہ الحاد سے پر اور ہمارے صحیح عقاید کے منافی ہے۔ اسی طرح ہم اعلان کرتے ہیں کہ اس کے مولف اور ہمارے عقیدے کے درمیان کوئی بات مشترک نہیں ہے اور اس نے دروغ بیانی سے کام لے کر اپنے کالوینی عقاید کو ہمارے ساتھ منسوب کیا ہے۔ وہ تمام لوگ، جو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''عقیدہ'' کو پڑھتے ہیں، اسے سچا اور بے عیب سمجھتے ہیں اور تقریری یا تحریری طور پر اس کی حمایت کرتے ہیں، ہم ان کو مومنین کی جماعت سے خارج کرتے ہیں، اس کے الحاد میں شریک سمجھتے ہیں اور ان کو عیسائی کلیسا کا مخرب گردانتے ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو، خواہ ان کا کیسا ہی درجہ اور منصب ہو، کافر اور فاجر سمجھا جائے۔ وہ ہمیشہ کے لیے مسیحی ملت سے خارج ہیں، ان کا تعلق اس زندگی میں اور آخرت میں بھی باپ، بیٹے اور روح القدس سے منقطع ہے۔ ان پر لعنت ہو، وہ کلیسا سے خارج ہیں اور مرنے کے بعد غارت ہو جائیں اور ابدی عقوبت کے سزاوار ہوں۔'' (ہلکر: صفحہ ۲۲۶)۔ ۱۶۷۲ عیسوی میں بیت المقدس میں تیسری مجلس قرار پائی تاکہ سرل کے ''عقیدہ'' کے ملحدانہ اقوال کی تردید کی جائے اور یونانی کلیسا کی صداقت کو ان لوگوں کے مقابلے میں ثابت کیا جائے جو اس میں کالوینی عقاید کی آمیزش بتاتے ہیں۔ اس طرح یونانی کلیسا کو پروٹسٹنٹ بنانے کے لیے جو کوشش کی گئی تھی، وہ بالکل ناکام رہی کیونکہ کالون کے عقاید اس کلیسا کی تعلیم سے بالکل متضاد تھے اور بہت سے ایسے مسائل دین کی تلقین کرتے تھے جو یونانی کلیسا کی بہ نسبت مسلمان علما کے عقاید سے زیادہ موافقت رکھتے تھے اور جن کے خلاف کلیسا نے اکثر اوقات مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ کیا تھا۔ اسلامی عقاید کے ساتھ یہی وہ موافقت ہے جس سے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اشاعت اسلام کی تاریخ میں اس تحریک کا ذکر کیا جائے جس میں کالون کے عقاید کی طرف رجحان پایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ عیسائی جو بتوں کی پرستش کی مذمت کرتا تھا، ارباب کلیسا کے اختیارات بلکہ اس کے وجود ہی کو برا جانتا تھا، مسئلہ تقدیر کا قائل تھا، انسان کو مجبور محض سمجھتا تھا اور جس کو کالوینی عقاید کی شدت اور درشتی کے ساتھ طبعی مناسبت تھی، وہ جو عہد جدید کی بہ نسبت عہد عتیق کے زیادہ قریب ہے، جس عیسائی کے یہ عقاید ہوں، اسے سترہویں صدی کے یونانی کلیسا کے مقابلے میں دائرہ اسلام کی فضا یقیناً زیادہ موافق اور سازگار معلوم ہوتی ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو عیسائی اس زمانے میں مسلمان ہوئے، ان میں بعض ایسے اشخاص بھی تھے جو کالوینی عقاید کی طرف مائل تھے اور اسی وجہ سے اپنے آبائی کلیسا سے منحرف اور برگشتہ ہو چکے تھے۔ (ترکوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جو عیسائی غلام پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے ہیں، وہ کیتھولک عیسائیوں کی بہ نسبت اسلام قبول کرنے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ Gamelin P. 21)۔ ہمیں یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ سرل لوکارس کے پیرووں کی تعداد کتنی تھی اور یونانی کلیسا میں کالوینی عقاید کا دائرہ اثر کس حد تک وسیع تھا۔ یونانی پادری اپنے کلیسا کی نیک نامی کے پاسبان تھے اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے عقاید صحیح اور الحاد کے شائبے سے پاک ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ کالوینی عقاید کی وجہ سے کلیسا کی شہرت داغ دار ہو رہی ہے تو انہوں نے ملحد سرل کو یوں ظاہر کیا گویا وہ اپنے عقاید میں تنہا ہے (ہلکر صفحات ۲۱۱، ۲۲۷) اور کوئی دوسرا اس کا ہم خیال نہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سرل کے پیرو موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے (پکلر صفحات ۱۸۱، ۲۲۸) اور جو "عقیدہ" اس نے شائع کیا تھا، اس کے پیروؤں کی ایک مجلس نے اس کی تصدیق کی تھی۔ ملحدانہ عقاید میں جو لوگ اس کے ہم خیال تھے ان کو ۱۶۴۲ عیسوی میں قسطنطنیہ اور ۱۶۷۲ عیسوی میں بیت المقدس کی مجلس نے کلیسا سے خارج قرار دیا تھا۔ (پکلر: صفحات ۲۲۲، ۲۲۶)۔ اگر سرل کے پیروکار موجود نہ ہوتے تو اس قسم کی تکرار بے معنی تھی۔ اس کے علاوہ سرل کے چند پیروؤں کے نام اب تک محفوظ ہیں مثلاً ایتھنز کا مطران سفرونیوس اس اصلاح کا سرگرم حامی تھا۔ (پکلر: صفحہ ۱۷۳)۔ اسی طرح ایک راہب، جس کا نام نکودیمس متاربس تھا، لندن سے ایک پرنٹنگ پریس لایا اور اس نے ملحدانہ کتابیں چھاپیں۔ اس کے صلے میں سرل نے اسے مطران بنا دیا۔ (پکلر صفحات ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۴۳)۔ سرل کے ایک فلسفی دوست کوریڈیلس نے قسطنطنیہ میں ایک کالوینی مدرسہ کھولا۔ ایک یونانی جرجانوس نے ایک کتاب سوال و جواب کی صورت میں شائع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ابنائے وطن میں کالون کے عقاید کو رواج دے۔ (پکلر: صفحہ ۱۴۳)۔ جب سرل جزیرہ رہوڈز میں جلاوطن تھا تو ۱۶۳۶ عیسوی میں نیوفیطس دوم کو بطریریک بنا دیا گیا۔ نیوفیطس اس کا شاگرد اور متبنیٰ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے آقا کو جلاوطنی سے واپس بلایا اور اس کے حق میں بطریریک کے منصب سے استعفا دے دیا۔ (لی کوئن: جلد اول صفحہ ۳۳۴)۔ سرل نے اپنے جولائی ۱۶۳۶ عیسوی کے ایک خط میں جنیوا کی یونیورسٹی کو لکھا کہ لیجر نے اپنی تحریروں اور مواعظ سے بہت سے لوگوں کو کالون کے دین میں داخل کر لیا ہے۔ (پکلر: صفحہ ۱۷۲)۔ اس نے لیجر کے نام ایک اور مکتوب میں بتایا ہے کہ اس نے کانڈیا میں اپنا اثر و رسوخ کیسے پیدا کیا تھا۔ (ہیفلے: جلد اول، صفحہ ۴۷۳)۔ سرل کے بعد جو شخص بطریریک مقرر ہوا (سرل دوم) اسے کارتھیج کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور وہاں اسے لوکارس کے پیروؤں نے ۱۶۳۹ عیسوی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ (لی کوئن: جلد اول، صفحہ ۳۳۵)۔ کہا جاتا ہے کہ کالون کے پیروکار سرل دوم کے جانشین پارتھی نیوس اول سے امیدیں لگائے بیٹھے تھے لیکن اس کی بے وقت موت سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ (لی کوئن: جلد اول، صفحہ ۳۳۶)۔ یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں کہ اس کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی یا جلاوطنی سے؟ پارتھی نیوس ثانی، جو ۱۶۴۴ء سے ۱۶۴۶ء تک قسطنطنیہ کا بطریریک رہا، دل سے کالون کا پکا معتقد تھا۔ اگرچہ اس نے کالون کے عقاید کی علانیہ تلقین کی جسارت کبھی نہیں کی تھی تاہم چونکہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ کالون کا ہم خیال ہے، اس لیے اسے اس کے منصب سے معزول کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا گیا۔ (لی کوئن: جلد اول، صفحہ ۳۳۷)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کالوینی عقاید کا حلقہ اثر بلاشبہ اس سے وسیع تر تھا جتنا کہ سرل کے دشمن تسلیم کرتے تھے۔ مذہبی علما کی مجلسوں نے سرل کی سخت مذمت کی تھی اور اسے عیسائیت سے خارج کر دیا تھا لیکن جن عیسائیوں نے ان مجلسوں کے فیصلوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ عقاید میں آرتھوڈوکس پادریوں کی بہ نسبت اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمسایہ مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے۔ یہ سچ ہے کہ اس بارے میں کوئی پختہ شہادت موجود نہیں کہ کالوینی عقاید کے اثر سے ترک سلطنت میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں آسانی پیدا ہوئی تھی۔ ۱۵۷۳ء اور ۱۵۷۷ء کے درمیان ٹوبنگن کے پروٹسٹنٹ علما نے یونانی کلیسا کی اصلاح کے لیے جو کوشش کی، اس سے جارجیا میں سمت کیتھ کے حاکم قرقار نے پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کر لیا لیکن ۱۵۸۰ء میں وہ مسلمان ہو گیا۔ (Joselian , P. 140)۔ لیکن چونکہ کوئی دوسری توجیہ موجود نہیں، اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ جن اسباب سے سترہویں صدی کے وسط میں دوسرے زمانوں کی بہ نسبت عیسائی بکثرت مسلمان ہوئے، ان میں ایک سبب کالون کا مذہب بھی تھا۔ (شفلر: صفحات ۵۳ تا ۵۶ نیز فنلے: جلد پنجم، صفحات ۱۱۸، ۱۱۹)۔ ایسے پادریوں کا بکثرت ذکر آیا ہے جنہوں نے اس دور میں اپنے مذہب کو ترک کر دیا بلکہ کلیسا کے بڑے بڑے عہدیدار بھی مسلمان ہو گئے۔ ان میں جزیرہ رہوڈز کا ایک سابق مطران بھی شامل تھا۔ (ہمیر (ا) جلد ششم، صفحہ ۹۴)۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۶۷۶عیسوی میں کارنتھ میں ہر روز چند عیسائی ترکوں کا مذہب اختیار کرتے تھے۔ اس سے ایک سال پہلے تین پادری مسلمان ہو چکے تھے۔ (اسپون: جلد دوم، صفحہ ۵۷)۔ اسی طرح ۱۶۷۹ء میں ایک راہب کی وفات کا ذکر آیا ہے جو اپنا مذہب ترک کر چکا تھا۔ (ہمیر (ا) جلد ششم، صفحہ ۳۶۴)۔ ۱۶۷۵عیسوی میں جب سلطان محمد چہارم کے بیٹے مصطفیٰ کا ختنہ ہوا اور تیرہ دن تک عام خوشیاں منائی گئیں تو اس موقعے پر کم سے کم دو سو عیسائی اسلام لائے۔ اسی طرح سولہویں صدی کے آخری حصے میں محمد ثالث کے ختنے کے موقعے پر جو جشن منایا گیا، اس کے بیان کے آخر میں میخائل بودیے نے عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''اس رسم کے دوران کم بخت یونانیوں کے گروہ کے گروہ اسلام قبول کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ بعضوں نے ترکوں کے مظالم سے بچنے کے لیے عیسائیت کو ترک کر دیا اور بعضوں نے کسی اور فائدے کے لیے خیر باد کہا۔ ان مردوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔'' (تاریخ باب عالی، صفحات ۹۳، ۹۴ لندن ۱۹۳۵ء)۔ غرض اس زمانے کی کتابوں میں عیسائیوں کے قبول اسلام کی بہت سی اور مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی زمانے کے ایک مصنف (۱۶۶۳ء) نے ایسے لوگوں کی ذہنی کیفیت کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''جب تم روزمرہ زندگی میں ترکوں سے ملو گے تو دیکھو گے کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں یہاں تک کہ داؤدؑ کے مزامیر گاتے ہیں، خیرات دیتے اور دوسرے نیک کام کرتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا بڑا احترام کرتے ہیں اور انجیل کا ادب کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں میں ایک گدھا بھی پاشا کو تحائف دے کر ضلع کا پادری بن سکتا ہے جو تم کو عیسوی دین کی کچھ زیادہ تعلیم نہیں دے سکے گا۔ چنانچہ تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ترک اچھے لوگ ہیں اور ان کی بالآخر نجات ہو جائے گی۔ پھر تم سوچو گے کہ اگر تم بھی ان کی طرح مسلمان ہو جاؤ تو شاید تمہاری بھی نجات ہو جائے۔ پس اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال کے آتے ہی ثالوث مقدس، خدا کا مقدس بیٹا اور عیسوی دین کے اور بہت سے اسرار از روئے عقل مہمل معلوم ہوں گے جو تمہارے دل و دماغ سے آسانی سے نکل جائیں گے، عیسائیت غیر محسوس طور پر تمہارے دل سے محو ہو جائے گی اور تم یہ سمجھو گے کہ عیسائی ہونا یا مسلمان ہونا ایک ہی بات ہے۔" (Scheffler P. 55)۔

تھامس اسمتھ نے، جو ۱۶۶۹ء میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا، بعض عیسائیوں کا ذکر کیا ہے جو اسی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے محرکات کو بڑا ذلیل بتایا ہے۔ اس نے لکھا ہے: "ان کم بخت لوگوں کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے جو بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ بعض نے محض مایوسی کے عالم میں اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ غلامی کی مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور کافروں کی بدزبانی اور توہین سے بچنا چاہتے تھے اور آوارہ مزاج اوباشوں نے اپنا مذہب بے پروائی سے اس لیے ترک کر دیا تھا کیونکہ وہ اقتدار حاصل کر کے دوسروں پر حکومت کرنا اور ان کو بے عزت کرنا چاہتے تھے۔ بعض لوگ ان سزاؤں سے بچنا چاہتے تھے جو ان کے مکروہ جرائم کے بدلے میں ان کو دی گئی تھیں۔ بعض ان آزادیوں کے مزے لوٹنا چاہتے تھے جن کو بانی اسلامؐ نے اپنی مثال سے جائز کر دیا تھا۔ ان کے ارتداد کے یہی بڑے اسباب و محرکات ہیں، یعنی آرام و آسائش، عیش و عشرت اور خوش حالی کی ہوس یا غرور و تکبر اور مجرمانہ ذہنیت۔ ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص ترکوں کے مذہب کی حماقتوں اور فریب کاریوں پر صدق دل سے ایمان لا سکتا ہے۔"

(Thomas smith: An Account of the Greek Church , PP. 15-16)۔

اس زمانے کے بعد قبول اسلام کے واقعات بہت شاذ ہیں البتہ (ایک فرانسیسی سیاح) موترائے، چند عیسائیوں کا ذکر کرتا ہے جو ۱۷۰۴ عیسوی میں قسطنطنیہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ایک فرانسیسی پادری، کیتھولک فرقے کے چند فرانسیسی عیسائی اور سرنا کے چند پادری شامل تھے۔ (A de la Motraye: PP. 305,308)۔

یونانی کلیسا کا ایک اور پہلو، جس کے باعث عیسائیوں کی تعداد میں کمی آئی، یہ تھا کہ اس کے مذہبی پیشواؤں خاص طور پر اعلیٰ عہدے داروں کے اخلاق میں فساد اور انحطاط آ چکا تھا۔ اسقفوں اور بطریکوں کے عہدے نیلام ہوتے تھے اور جو شخص سب سے بڑھ کر بولی دیتا تھا، اس کو عہدہ مل جاتا تھا۔ پھر یہی لوگ، جو یہ عہدے خریدتے تھے، اپنی رعایا یعنی اپنے علاقے کے عیسائیوں پر بھاری محصول عاید کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر لیتے تھے۔ ان بدنصیب لوگوں پر معمولی اور غیر معمولی ہر قسم کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا۔ تمام مذہبی رسوم اصطباغ، اعتراف گناہ، عشائے ربانی، مغفرت ناموں کے اجرا اور تلقین کے وقت ان سے بھاری رقمیں وصول کی جاتی تھیں۔ ارباب کلیسا میں سے بعض نے ینی چری کے ساتھ ناپاک سازش کر رکھی تھی اور کئی اسقفوں نے اپنے اور اپنے خاندان والوں کے نام ان کے کسی فوجی دستے میں درج کرا چھوڑے تھے تا کہ ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادتیوں سے محفوظ رہیں اور اپنے جرائم کی پاداش اور مکافات سے بچ جائیں۔ (پیزی پاؤس: صفحات ۸۳ تا ۸۷ نیز پکلر صفحہ ۲۹)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عثمانی حکمرانوں کی کمزوری کے نتیجے میں یکی چری نے مملکت میں بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے کے مصنفوں نے ارباب کلیسا کے مظالم کے جو چشم دید واقعات لکھے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی حالت بڑی دردناک تھی۔ تورنفور نے ۱۷۰۰ عیسوی میں ایک نئے بطریرک کے انتخاب کی کیفیت قلم بند کرنے کے بعد لکھا ہے: ''ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نیا بطریرک اپنے عہدے سے خوب فائدہ اٹھائے گا۔ عہدوں کی خرید وفروخت سے لوگوں پر بڑا ظلم ہوتا ہے۔ نیا بطریرک پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اپنے حلقے کے تمام اسقفوں اور پادریوں کو سلطان کا یہ حکم پہنچاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر ایک پادری کے حلقے کی آمدنی دریافت کرے۔ اس کے بعد وہ ان پر ٹیکس لگاتا ہے اور پھر دوسرے خط میں ان کو تاکید کرتا ہے کہ مطلوبہ رقم روانہ کی جائے ورنہ ان کے علاقوں پر اور لوگوں کو مقرر کر دیا جائے گا جو ان کے لیے بڑھ کر بولی دیں۔ چونکہ اسقف لوگ اس بیوپار سے خوب واقف ہیں اس لیے وہ اپنے ماتحت قسیسوں سے کچھ رورعایت نہیں کرتے پھر قسیس اپنے ماتحت پادریوں کو تنگ کرتے ہیں اور پادری عیسائی عوام کی کھال کھینچتے ہیں۔ اصطباغ کے موقعے پر مقدس پانی کا ایک قطرہ بھی اس وقت تک نہیں چھڑکتے جب تک ان کو پیشگی نذرانہ نہ دے دیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر بطریرک کو رقم کی ضرورت ہو تو وہ اس کی وصولی کے اختیارات کسی ترک کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ جو ترک سب سے زیادہ رقم پیش کرتا ہے، وہ یونان پہنچ جاتا ہے اور وہاں کے پادریوں کو طلب کرتا ہے۔ ان پر اگرچہ بیس ہزار کراؤن محصول لگایا جاتا ہے لیکن وہ ان سے جبراً بائیس ہزار کراؤن وصول کرتا ہے اور دو ہزار کراؤن بطور حق الخدمت رکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اخراجات ہر ایک حلقے کے ذمے پڑتے ہیں۔ بطریرک کے ساتھ اس کا جو معاہدہ ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے والے پادریوں کو معزول کر سکتا ہے۔'' (تورنفور: جلد اول، صفحہ ۱۰۷ نیز سیون: جلد اول صفحہ ۵۶)۔ ان پادریوں کے متعلق یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ اپنے حلقے کے بچوں کو لے جاتے ہیں اور انہیں بطور غلام بیچ ڈالتے ہیں تاکہ اس طرح سے جو رقم وصول ہو، اس سے کلیسا کے عہدے خرید سکیں۔ (گالیٹز: صفحہ ۱۲۷)۔

سترہویں صدی میں پادری لوگ جس سختی سے یونان کے عیسائیوں سے رقم وصول کرتے تھے، اس کی مثال ہمیں انیسویں صدی میں ملتی ہے۔ آسٹریا کے قبضہ کرنے سے پہلے بوسنیا کے عیسائی اپنے مذہبی پیشواؤں کے ہاتھوں جو تکلیفیں اٹھاتے تھے، اس سے تورنفور کے مندرجہ بالا بیان کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ سراجیوو کا مطران اپنے حلقے کی کم نصیب رعایا سے ہر سال دس ہزار پاونڈ کی خطیر رقم وصول کرتا تھا۔ یہ رقم ترکی کے گورنر کی تنخواہ سے دوگنا تھی۔ اس بھاری رقم کی وصولی کے لیے ان بدنصیب لوگوں پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترک حکام کو اپنی حکومت کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ اس ٹیکس کی وصولی میں کلیسا کی مدد کریں۔ اگر عیسائی ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے یا اس ناجائز مطالبے کو پورا کرنے سے قاصر رہتے تو ان کے گاؤں کی حالت ایسی ہو جاتی تھی گویا وہ لڑائی میں تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ (اے جے ایونز، صفحہ ۲۵۷)۔ اسی طرح میکنزی اور اربی لکھتے ہیں: ''ہم نے قدیم سربیا کے اکثر حصوں میں دیکھا کہ لوگوں کے ذہن میں کسی بشپ کا تصور یہ تھا کہ ترکوں کی لوٹ کھسوٹ سے جو کچھ بچے، وہ اسقف کا مال ہے۔'' (صفحہ ۲۵۸)۔ یونانی کلیسا کے پادریوں کے بیان میں ایک اور مصنف نے یہ قصہ لکھا ہے: ''اس صدی کے شروع میں ترنووا کے مقام پر ایک پادری رہتا تھا جس کا نام یواچم تھا۔ عام عیسائی اس کی بہت عزت کرتے تھے لیکن اس کے اسقف کو اس سے نفرت اور عداوت تھی۔ ایک دن اسے حکم ملا کہ اسقف کے اصطبل میں جا کر وہاں کا کوڑا کرکٹ صاف کرے۔ لیکن جب اس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا تو اسقف کے نوکروں نے لاٹھیوں سے اس کی پٹائی کر دی۔ پادری بھی خوب مضبوط آدمی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بچایا اور پھر اپنا چوغہ اتار کر قاضی کے پاس جا پہنچا اور ابھی آفتاب غروب بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔'' عیسائیوں کے مذہبی پیشوا مسیحی آبادی کی حفاظت و حمایت کرنے کے بجائے ان پر ایسا ناقابل برداشت ظلم و ستم کرتے کہ جب کبھی رعایا کو موقع ملتا، وہ علانیہ بغاوت کر دیتی تھی۔ چنانچہ یہ بات باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی اس ظلم سے بچنے کے لیے مسلمان ہو گئے۔

جنوبی رومانیا میں سالونیکا کی ولایت میں نوانتا کے مقام پر رومانی قوم کے چار ہزار افراد کی ایک مختصر جماعت آباد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے آباء و اجداد بھی اسی قسم کے تشدد کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ اٹھارویں صدی میں قسطنطنیہ کے بطریرک نے سلطان وقت سے کہا کہ صرف یونانی زبان بولنے والے عیسائی ہی ترک سلطنت کی وفادار رعایا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ سلطان نے یہ حکم جاری کر دیا کہ لوگ صرف یونانی زبان بولیں ورنہ ان کی زبانیں کاٹ دی جائیں گی۔ جب اس فرمان کی خبر اہل نوانتا کو پہنچی تو بعض لوگ جنگلوں میں بھاگ گئے اور انہوں نے وہاں نئے گاؤں آباد کر لیے۔ لیکن جو لوگ پیچھے رہ گئے، وہ مسلمان ہو گئے تاکہ اپنی مادری زبان کے استعمال کو جاری رکھ سکیں۔ ان نومسلموں میں ان کا بشپ سرفہرست تھا (لازار: صفحہ ۲۲۳)۔

اگرچہ بیشتر پادری اپنے حکام بالا پر لگائے جانے والے الزامات سے بری تھے (فنلے: جلد چہارم، صفحات ۱۵۳، ۱۵۴) تاہم وہ بہت جاہل اور ناخواندہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ سترہویں صدی کے آخر میں پوری ترک سلطنت میں مشکل سے بارہ اشخاص ایسے تھے جو قدیم یونانی زبان پر کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ پادریوں میں یہ بڑی لیاقت کی بات سمجھی جاتی تھی کہ وہ پڑھنا جانتے ہوں، اگرچہ ان کی عبادت کی کتابوں کے جو کلمات تھے، وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے معنی بھی نہیں جانتے تھے۔ (تورنفور: جلد اول، صفحہ ۱۰۴)۔

اس زمانے کے عیسائی معاشرے میں بہت سی نفرت انگیز باتیں پائی جاتی تھیں۔ اس کے برعکس ترکوں کے اخلاق اور ان کی زندگی میں بہت سی خوبیاں تھیں جو لوگوں کی اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ مسیحی کلیسا کے رہنماؤں اور معلموں کی اخلاقی پستی کے مقابلے میں قدیم ترکوں کو جو برتری حاصل تھی، اس نے قدرتی طور پر ان دیندار عیسائیوں کو متاثر کیا ہوگا جو ارباب کلیسا کی خودغرضی، رشوت ستانی اور خیانت سے متنفر ہو چکے تھے۔ عیسائی مصنفوں نے اس زمانے کے ترکوں کی سنجیدگی اور ان کی سرگرم مذہبی زندگی کی تعریف کی ہے اور ان کی اس لحاظ سے ستائش کی ہے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض بڑے جوشِ عقیدت سے ادا کرتے ہیں۔ ان کے لباس اور طرز زندگی میں پاکیزگی اور سادگی پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ان کے اکابر اور صاحب اقتدار لوگوں کی زندگی بھی اتنی سادہ ہے کہ اس میں ظاہری نام و نمود کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ شہنشاہ لیوپولڈ اول نے ۱۶۶۵، ۱۶۶۶ عیسوی میں جو سفارت عثمانی سلطان کے دربار میں بھیجی تھی، اس کے مورخ نے ترکوں کی دیانت داری اور نماز کی پابندی کو خاص طور پر بہت سراہا ہے۔ اس نے یہاں تک لکھا ہے: ''اگرچہ یہ بات عیسائیوں کے لیے باعث شرم ہے لیکن ہم یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلے میں ترک اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں بڑی سرگری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی یہ بات عیسائیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہے کہ نماز کے دوران ان کی توجہ منتشر نہیں ہوتی۔ اور تمہیں کوئی ایسا مسلمان نظر نہیں آئے گا جو عبادت کے وقت عبادت میں ہمہ تن مصروف نہ ہو اور جس کی صورت اور ہیئت سے اپنے خالق کے لیے ادب اور احترام کی وہ تمام علامتیں ظاہر نہ ہوتی ہوں جن کا اظہار اس کی مخلوق پر واجب ہے۔'' (گالیٹر: صفحات ۱۸۰، ۱۸۲)۔

لوگوں نے ترک سپاہ کے چال چلن کی بھی تعریف کی ہے۔ چارلس دوم نے ترکی کے سلطان کے پاس جو سفارت بھیجی تھی، اس کے سیکرٹری نے لکھا ہے کہ جب ترک فوج ملک میں سے گزرتی ہے تو وہاں کے باشندوں کو اس قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی کہ سپاہیوں نے کسی کا مال لوٹا یا کسی عورت کی بے حرمتی ہو۔ جس راستے سے فوج کوچ کرتی ہے، وہاں کے تمام شراب خانے فوج کی آمد سے دو یا تین دن پہلے مقفل کر دیے جاتے ہیں۔ کوئی شخص کسی سپاہی کے ہاتھ شراب بیچنے کا مجاز نہیں ورنہ وہ سزائے موت کا مستوجب ہوتا ہے۔

(ریکانٹ: جلد اول صفحہ ۶۸۹ نیز جیار جی وائز: صفحات ۵۳، ۵۴ اور مینا و ینو: صفحہ ۷۳)۔

ایسے عیسائی مصنفوں نے بھی، جنہیں ترکوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی، ان کے اوصاف کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ ایک مصنف نے، جو ان کے مذہب کو بہت برا سمجھتا تھا، ان کے متعلق یوں لکھا ہے: ''قرآن کی کثافتوں میں بھی تمہیں مسیحی فضائل کے چند جواہر ریزے مل جائیں گے اور اگر عیسائی مسلمانوں کے قوانین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کی تواریخ کا دقت نگاہ سے مطالعہ کریں اوران پر غور وخوض کریں توان کو یہ دیکھ کر شرم آئے گی کہ مسلمان عبادت گزاری، پرہیز گاری اور خیرات دینے کے کیسے پابند ہیں، مسجدوں میں کس خضوع وخشوع کے ساتھ مصروف عبادت ہوتے ہیں اور پاکیزگی اوراحترام کا ثبوت دیتے ہیں۔ اپنے علمائے دین کی کیسے اطاعت کرتے ہیں حتیٰ کہ سلطان بھی مفتی سے فتویٰ لیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مسلمان خواہ کہیں ہوں یا کسی کام میں مشغول ہوں، نماز پنجگانہ کے کیسے پابند ہیں اور کس طرح مہینہ بھر صبح سے شام تک روزے رکھتے ہیں۔ ان میں آپس میں کس قدر محبت اور مروت ہے۔ جو شفا خانے انہوں نے غریبوں اور مسافروں کے لیے بنائے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو غیروں اور اجنبیوں کے ساتھ بھی کس قدر ہمدردی ہے۔ اگر ہم ان کے عدل وانصاف، ان کی پرہیز گاری اوران کے محاسن اخلاق کا خیال کریں تو ہمیں اس بات پر شرم آتی ہے کہ ہم عبادت گزاری اور فیض رسانی میں کس قدر سرد مہری سے کام لیتے ہیں اوراس کے علاوہ ہم اپنی بے انصافی، بے اعتدالی اور ستم رانی پر خجالت محسوس کرتے ہیں۔ بے شک انصاف کے دن مسلمانوں کا پلہ ہم سے بھاری رہے گا اوران کی عبادت گزاری، ان کی پرہیز گاری اور رحم دلی یقیناً یہ وہ اسباب ہیں جن سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا ہے۔'' (الیگزینڈر روس: صفحہ ۹)۔

عہد حاضر کا ایک تاریخ دان بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''بہت سے یونانی، جو اعلیٰ قابلیت اور بہترین اخلاق کے مالک تھے، اہل اسلام کی برتری کے قائل تھے۔ اگرچہ وہ بچپن میں بطور خراج نہیں پکڑے گئے اور سلطانی ملازمت (اور اسلامی تربیت) سے بچ نکلے لیکن انہوں نے بعد میں اپنی رضا مندی سے اسلام قبول کیا۔ ترکوں کے معاشرے کو جو اخلاقی برتری حاصل تھی، ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا بھی ان لوگوں کے مسلمان کرنے میں اتنا ہی بڑا دخل تھا جتنا کہ افراد کی ذاتی حب جاہ کو حاصل تھا۔'' (فنلے: جلد پنجم صفحہ ۲۹)۔

نئی نسل کے جو لوگ یورپ میں ترک سلطنت کے زوال کو دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح اس کے مقبوضات اور ممالک محروسہ میں روز بروز کمی آرہی ہے، ترکی کو ''مرد بیمار'' کا جو لقب دیا گیا ہے، اس کو سننے کے جو لوگ عادی ہیں، ان کے لیے ان جذبات اور خیالات کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے جو دولت عثمانیہ کی فتوحات سے یورپ کے ملکوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ترک عساکر کو اپنی سریع اور وسیع فتوحات میں جو کامیابی حاصل ہوئی، اس نے اہل یورپ کے دلوں میں خوف وہراس کے علاوہ حیرانی اور استعجاب کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ایک عیسائی ریاست کے بعد دوسری ریاست ترکوں کے قبضہ اقتدار میں آتی گئی چنانچہ بلغاریا، سربیا، بوسنیا اور ہنگری، جو عیسائی ریاستیں تھیں، اپنی آزادی کھو بیٹھیں۔ اسی طرح وینس کی متکبر جمہوریہ نے دیکھا کہ ترک سلاطین اس سے اس کے مقبوضات یکے بعد دیگرے چھین رہے ہیں یہاں تک کہ اس کی حکومت صرف بحیرہ ایڈریاٹک کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساحلوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جب ترکوں نے اوترانتو کا شہر لے لیا تو اس سے خود رومتہ الکبریٰ کی سلامتی کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا۔ پندرہویں صدی کے نصف ثانی اور سولھویں صدی کا مسیحی لٹریچر ان ہولناک اندیشوں سے بھرا پڑا ہے کہ اگر ترک فتوحات کا سیلاب نہ رک سکا تو اس سے یورپ کے عیسائی ملکوں کی قسمت پھوٹ جائے گی۔ ترکوں کو یوں ظاہر کیا گیا ہے گویا وہ خدا کے ہاتھ میں تازیانہ ہیں جس سے وہ اپنے بندوں کو ان کے گناہوں اور خطاؤں کی سزا دیتا ہے۔ (شلت برجر: صفحہ ۹۶) یا اس کے برعکس ترک ایک شیطانی طاقت ہے جس کو دین کے منافقانہ لباس میں عیسائیت کو غارت کرنے کی غرض سے چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن اس موقع پر سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ''کیا یہ ممکن ہے کہ خدا بغیر کسی معقول وجہ کے مسلمانوں کو اس طرح بے شمار تعداد میں بڑھنے دیتا؟ کیا یہ بات تصور میں آسکتی ہے کہ اتنے ہزار آدمی دفعتاً ملعون قرار دے کر دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے؟ اتنا جم غفیر کس طرح سچے دین کا مخالف ہو سکتا ہے؟ چونکہ راستی گمراہی سے زیادہ طاقت ور ہے اور لوگوں کو زیادہ مرغوب و محبوب ہے، اس لیے اس قدر مخلوق اس کے ساتھ کیسے جنگ کر سکتی ہے؟ وہ سچائی کے مقابلے میں کیسے غالب آسکتے ہیں کیونکہ خدا ہمیشہ سچائی کا حامی و ناصر ہے۔ اگر ان کا دین ضلالت کی بوسیدہ بنیاد پر قائم ہوتا تو اسے ایسی حیرت انگیز ترقی کیسے ہو سکتی تھی؟'' (Turchica: fol. xxii(b) xiii (a))۔ غرض اسی قسم کے خیالات تھے جو ترک سلطنت کی عیسائی رعایا کے دلوں پر بہت اثر ڈالتے تھے، خاص طور پر ان بدقسمت عیسائی قیدیوں پر جو ایسی مایوسی کی حالت میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے کہ نہ تو ان کو رہائی کی کوئی امید تھی اور نہ ہی انہیں اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نظر آتی تھی۔ لہٰذہ کیا عجب ہے کہ ایسے لوگ اپنے دل میں یہ سوال کرتے ہوں کہ ''اگر خدا کو وہ دین پسندیدہ ہوتا جس کے ساتھ تم وابستہ ہو تو وہ تم کو یقیناً اس بے کسی کی حالت میں نہ چھوڑتا بلکہ وہ تم کو آزادی حاصل کرنے اور اپنے آبائی دین کی طرف لوٹنے میں مدد دیتا۔ چونکہ اس نے آزادی کے سارے راستے تم پر بند کر دیے ہیں، اس لیے شاید اس کی یہ مرضی ہے کہ تم اپنے مذہب کو چھوڑ دو اور اس نئے دین میں داخل ہو کر نجات حاصل کرو۔'' (Turchica:tol. xxii(a))۔

ایسے وسوسے ایک ایسے عیسائی غلام کے دل میں پیدا ہوئے تھے جس کے کئی برس قید ہی میں گزر گئے تھے اور جس کے لیے رہائی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ بلا شبہ اسی قسم کے خیالات بے کس عیسائی غلاموں کے دل میں بھی بار بار آتے ہوں گے یہاں تک کہ وہ بے چارے اپنے قدیم مذہب کو خیر باد کہہ کر مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ اگر عیسائیوں سے یہ کہا جاتا کہ قرآن اور تلوار میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کر لو تو اس صورت میں بہت سے عیسائی اپنے مذہب کی خاطر شہادت کو ترجیح دیتے لیکن کئی برسوں کی اسیری کے بعد وہ اسلامی عقاید اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیالات سے روز بروز زیادہ متاثر ہوتے گئے یہاں تک کہ مہربانی اور مروت نے انہیں اسلام کی طرف کھینچ لیا ورنہ جبر و اکراہ ان کو مسلمان بنانے میں ناکام رہتا۔" ترک جسم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ پرہیزگاری کے لباس میں ظاہری طریق پر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ اپنے شیطانی فریب سے روح کو، جو جسم کے اندر ہے، اس کا ایمان لے کر اسے تلف کر دیتے ہیں۔ بے شمار عیسائی اس بات کی تصدیق کے لیے موجود ہیں۔ ان میں بہت سے عیسائی ایسے تھے جو عیسوی مذہب کی حمایت اور روحانی نجات کے لیے مرنے کو تیار ہو جاتے لیکن جسم کی موت سے نجات کے لیے ان کو قید میں ڈال دیا جاتا۔ کچھ عرصے کے بعد اسلام کا زہر ان میں پھیلنے لگتا اور مسلمانوں کی ترغیب سے عیسائیوں نے انتہائی کمینگی سے مسیح کا دین ترک کر دیا۔" (تورچیکا: (a) fol , i, vi,)۔ اگرچہ بہت سے عیسائی قیدیوں کی حالت بہت قابل رحم تھی لیکن جو غلام ترکوں کے گھروں میں خدمت گاروں کی طرح رہتے تھے، ان کی حالت یورپ کے دوسرے ملکوں کے گھریلو ملازموں کی بہ نسبت بری نہ تھی۔ اسلامی شریعت میں غلاموں کے بارے میں جو احکام ہیں، ان سے غلامی کی بہت سی سختیاں دور ہو گئی تھیں اور کم از کم ترک قلمرو میں غلاموں کے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا جو شمالی افریقا کی ریاستوں میں روا رکھا جاتا تھا۔ دوسرے شہریوں کی طرح غلاموں کے بھی حقوق تھے مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ بدسلوکی کرتا تو غلام اسے قاضی کے سامنے پیش کر سکتا تھا۔ اگر غلام یہ شکایت کرتا کہ ان دونوں کے مزاج اتنے مختلف ہیں کہ ان کا آپس میں نباہ نہیں ہو سکتا تو قاضی آقا کو مجبور کر سکتا تھا کہ وہ اسے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے۔ (مینا دینو: صفحہ ۹۶ نیز جان ہیرس: جلد دوم، صفحہ ۸۱۹ لندن ۱۷۶۴ء)۔ عیسائی غلاموں کی حالت ان کے مخصوص حالات کے لحاظ سے مختلف تھی، اس کا اچھا یا برا ہونا اس بات پر موقوف تھا کہ وہ غلامی کی سختیوں کو کس حد تک برداشت کر سکتے تھے۔ بوڑھے لوگ، پادری، راہب اور شریف النسب اشخاص سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ جو غلام طبیب یا ہنرمند ہوتے، ان کے آقا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے کیونکہ ان پر جس قدر سرمایہ خرچ ہوتا تھا، اس کا بخوبی معاوضہ مل جاتا تھا۔" ترکوں کی تعریف میں یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ، جن کی محنت سے وہ نفع اٹھاتے ہیں، اچھا سلوک کرتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا برتاؤ عیسائیوں کے برتاؤ سے، جو وہ اپنے غلاموں اور نوکروں سے کرتے ہیں، بہتر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی غلام کوئی ہنر سیکھ لیتا ہے تو اسے ماسوائے آزادی کے اور کسی چیز کی کمی نہیں رہتی۔ سوائے آزادی کے اسے وہ تمام ایسی چیزیں میسر ہوتی ہیں جن کی ایک آزاد آدمی کو ضرورت ہو سکتی ہے۔" (فان ڈریش: صفحہ ۱۳۲)۔ جو غلام کشتیاں چلانے پر مامور تھے، وہ قدرتی طور پر سب سے زیادہ تکلیف اٹھاتے تھے کیونکہ ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ انتہائی مہربانی کا سلوک بھی ان کے کام کی سختیوں کو دور نہیں کر سکتا تھا۔ سر ولیم اسٹرلنگ میکسویل نے ان غلاموں کے بارے میں یوں لکھا ہے: "جو بدقسمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلام کسی ترکی جنگی جہاز میں چپو چلاتے تھے، ان کی زندگی ان غلاموں کی زندگی سے بہتر یا بدتر نہ تھی جو عیسائیوں کے جہازوں میں صلیب کے نشان کے سائے تلے کام کرتے تھے۔ سخت کام، برا کھانا، گھونسے اور طمانچے ان کی قسمت میں تھے۔ خشکی پر شاید نیپلز اور بارسلونا کے قید خانوں کے مقابلے میں ترکی یا الجزائر کی جیلیں گندی اور پر شور معلوم ہوتی ہوں لیکن اگر مصیبتوں کے بھی درجے قائم ہو سکتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر پر عیسائی غلام ترکوں کی زنجیروں میں بہ نسبت عیسائیوں کی قید کے زیادہ فائدے میں رہتا تھا کیونکہ سلطان کے بحری جہازوں میں چپو چلانے والے غلام اکثر اوقات جہاز کے کپتان کی ملکیت ہوتے تھے اور اسے اپنے مملوکوں کا اتنا خیال ہوتا تھا کہ بعض اوقات یہ خیال اس کے فرض منصبی کی ادائیگی میں مخل سمجھا جاتا تھا۔'' (جلد اول، صفحات ۱۰۲، ۱۰۳)۔

عیسائی غلام عام طور پر اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے۔ مثال کے طور پر قسطنطنیہ کے سرکاری قید خانوں میں ان کے اپنے پادری اور اپنی عبادت گاہیں تھیں۔ جو غلام کشتیاں چلاتے تھے، پادریوں کو اجازت تھی کہ وہ مذہبی رسوم کے ذریعے ان کی دل جوئی کریں۔ (گیملن: صفحہ ۲۳)۔ عیسائی غلام جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ایسے واقعات کا کتابوں میں بہت کم ذکر آیا ہے جن میں ان غلاموں پر اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے سختی کی گئی ہو۔ عام دستور یہ تھا کہ آقا اپنے غلاموں کو تبدیل مذہب پر بہت کم مجبور کرتا تھا۔ (جان ہیرس: جلد دوم صفحہ ۸۱۰)۔ غلامی کے صرف ابتدائی برسوں میں عیسائی غلاموں پر زور ڈالا جاتا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں لیکن اس کے بعد ان کو مذہب کی پیروی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اکثر غلام اپنا مذہب اپنی مرضی سے تبدیل کرتے تھے۔ قسطنطنیہ میں عیسائی ملکوں کے سفیروں کو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا تھا کہ ان کے ہم وطن لوگوں میں سے، جو ان کے ساتھ گھریلو ملازم بن کر آئے ہیں، کوئی شخص مسلمان نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ وہ عیسائی غلام، جن کو اپنے وطن واپس جانے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تھی اور ان کے گرد و پیش میں بھی کوئی بات ایسی نہ تھی جو ان کی ابتدائی عمر کی تعلیم کو استوار کر سکے یا جاری رکھ سکے، ایسے عیسائی غلام اسلامی اثرات سے مغلوب ہو جاتے تھے اور ایک نئے معاشرے اور نئے مذہب میں داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ سترہویں صدی کے ایک انگریز سیاح تھامس اسمتھ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: ''بہت کم عیسائی غلام اپنے وطن کو واپس جاتے ہیں اور ان سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اپنے مذہب پر، جس کی انہوں نے تعلیم پائی تھی، قائم رہنے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم ناقص تھی اس لیے ان کو اپنے مذہب کے اصولوں اور دلائل کا بہت کم علم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عیسائی اس خیال سے کہ کہیں ان کو غلامی کی سختیاں نہ اٹھانی پڑیں، بے صبر اور خوف زدہ ہو کر اسلامی شریعت قبول کر لیتے ہیں، اور بعض ان نفسانی لذائذ پر فریفتہ ہو جاتے ہیں جن کو اسلامی شریعت نے جائز رکھا ہے۔ بعضوں کو اس بات کا لالچ ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ مذہب تبدیل کرنے سے ان کی حالت بہتر ہو جائے گی اور ان کو آسائش نصیب ہوگی۔ جب ان کو رہائی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تو وہ اپنے نجات دہندہ اور عیسوی مذہب کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے وطن کو جلد ہی بھول جاتے ہیں۔ وہ ترکی میں اجنبی تصور نہیں ہوتے بلکہ ترکی کے باشندے سمجھے جاتے ہیں۔''

عیسائی غلاموں کا مذہب تبدیل کرنا بڑی حد تک ان کے انفرادی کردار، طبیعت اور خصلت پر موقوف تھا۔ وہ گمنام مصنف، جس کی عبارتوں کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور جو اپنی طویل اسیری کی وجہ سے ان کی حالت کے متعلق مستند رائے دے سکتا ہے، ان غلاموں کو تین قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلی قسم ان غلاموں کی ہے جو اپنی زندگی کے دن سادگی سے گزارتے تھے اور اپنے آقاؤں کے مذہب کو سمجھنے کی طرف سے بالکل بے پرواہ تھے۔ ان کے نزدیک صرف اس بات کا علم کافی تھا کہ ترک کافر ہیں۔ جہاں ان کی اسیری کی حالت اور ان کی غلامی کا طوق ان کو اجازت دیتا تھا، وہ ترکوں اور ان کے مذہب سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ ان کی ضلالت سے وہ بھی گمراہ نہ ہو جائیں۔ لہٰذہ یہ لوگ، جہاں تک ان کو علم اور اختیار حاصل تھا، اپنے مسیحی عقیدے کے پابند رہتے۔ دوسری قسم کے عیسائی غلام وہ لوگ تھے جن کو ترکوں کے اعمال و افعال کی چھان بین کرنے کا شوق تھا۔ انہوں نے فرصت پاکر ان کے اسرار پر غور و خوض کیا اور اپنے فہم کے مطابق ان کے عقاید کی تحقیق کی اور اپنی عقل کی روشنی میں ان کی تاویل کی۔ خدا کی توفیق سے وہ اس آزمائش سے نہ صرف صحیح وسلامت بچ نکلے بلکہ وہ ایمان و ایقان میں اور پختہ ہو گئے۔ تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے مذہب کی بغیر احتیاط کے تحقیق کرتے ہیں مگر اس کی گہرائیوں میں اترنے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ اس کی تاویلوں سے دھوکا کھاجاتے ہیں او رترکوں کی گمراہیوں کو حق وصداقت سمجھتے ہیں۔ وہ اپنا مذہب کھو بیٹھتے ہیں اور مسلمانوں کے جھوٹے دین کو اختیار کرلیتے ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف خود تباہ و برباد ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی ایک بری مثال قائم کر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بے شمار ہے۔ (تورچیکا، صفحہ ۳۵)۔

بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد غلام کو اسیری سے رہائی مل جاتی تھی اور وہ آزاد ہو جاتا تھا۔ (ایم دھوسن جلد ۳ صفحہ ۱۳۳، جیورجی وائز صفحہ ۸۷، بینادینو صفحہ ۹۵)۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ آزادی دینا محض آقا کی مرضی پر موقوف تھا البتہ غلاموں کے مسلمان آقا اکثر اوقات اس کا وعدہ کرتے تھے کہ اگر ان کا کوئی غلام مسلمان ہو جائے تو وہ اسے زرفدیہ لیے بغیر آزاد کردیں گے (فان ڈریش صفحہ ۲۵۰) بلکہ اگر کوئی عیسائی غلام اپنے تئیں خیر خواہ نوکر ثابت کرتا تو اس کا مسلمان آقا اسے بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیتا تھا اور بڑھاپے میں اس کی گذر اوقات کے لیے کوئی سامان کر دیتا تھا، خواہ وہ غلام اپنے عیسوی دین پر قائم ہی رہا ہو۔ (فان ڈریش صفحات ۱۳۱، ۱۳۲)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیسائی غلاموں کی طرح بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے قدیم ماحول اور معاشرے سے جدا ہو چکے تھے اور پرانے تعلقات سے کٹ کر ان کی زندگی اب ایسے معاشرے میں بسر ہو رہی تھی جس کے معاشرتی اور مذہبی اصول بالکل جدید نوعیت کے تھے۔ پندرہویں صدی میں عیسائی کاریگروں اور ہنرمندوں کے گروہ مفتوحہ ملکوں سے کام کی تلاش میں ایڈریانوپل اور ترکی کے دوسرے شہروں میں آئے اور انہوں نے وہیں آباد ہو کر مسلمانوں کی ترغیب سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح وہ عیسائی خاندان بھی، جن کو سلطان محمد ثانی نے یورپ کے مفتوحہ علاقوں سے ایشیائے کوچک میں منتقل کیا تھا، (ہرز برگ صفحہ ۶۲۱) رفتہ رفتہ مسلمان آبادی میں گھل مل گئے ہوں گے۔ یہی کیفیت ان ارمنوں کی ہوئی تھی جن کو شاہ عباس اول (۱۵۸۷ء تا ۱۶۲۹ء) فارس میں لے گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر لوگ دوسری پشت سے مسلمان ہو گئے تھے۔ جب بوڑھے آدمی مر جاتے ہیں تو نوجوان بالعموم مسلمان ہو جاتے ہیں چنانچہ اب (۱۶۵۵ عیسوی میں) ان خوش سواد میدانوں میں تمہیں مشکل سے دو عیسائی ارمنی ملیں گے جن کی آبادکاری کے لیے ان کے آباء و اجداد کو بھیجا گیا تھا۔ (Tavernie: (1) P. 16)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ترکوں کے تبلیغی جوش میں بہت کچھ کمی آ چکی تھی لیکن سلطان عبدالحمید کے عہد کے آخری برسوں میں ترکوں نے تبلیغ اسلام میں ازسرنو دلچسپی کا اظہار کیا چنانچہ ترکی کے اخبارات نے قبول اسلام کے واقعات کی تفصیل شائع کرنی شروع کر دی۔ اس عہد کے نومسلموں میں جبل لبنان کے شہابی خاندان کے اٹھارہ امرا قابل ذکر ہیں جو ایک صدی تک عیسائی رہ چکے تھے اور اپنا نسب قریش سے ملاتے تھے۔ ترکوں نے ان کو دائرہ اسلام میں واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ اس خاندان میں جو لوگ مسلمان ہو گئے، ترکوں نے ان کو بیش قرار مشاہرے دے کر دیوانی عہدوں پر فائز کر دیا۔

(H.H. Jessup: Fifty three years in Syria, Vol II, P. 658: Newyork.1910)۔

اگلے صفحوں میں ہم البانیا، سربیا بوسنیا اور کریٹ میں اسلام کی اشاعت کا تفصیل سے ذکر کریں گے کیونکہ عثمانی ترکوں کی فتوحات کے بعد ان میں سے ہر ملک کی تاریخ میں چند ایک ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دعوت اسلام کی تاریخ کے لحاظ سے دلچسپ ہیں۔

البانیا کے باشندے، سوائے ان چند بستیوں کے جو یونان میں ہیں، اس پہاڑی ملک میں آباد ہیں جو بحیرہ ایڈریاٹک کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ مونٹے نیگرو سے لے کر خلیج ارتا تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ یورپ کی سب سے قدیم اور صحیح النسب قوموں میں سے ہیں اور ان کا تعلق آرین نسل کی پلاسگی شاخ سے ہے۔

البانیا کے ملک پر ترکوں نے سب سے پہلے ۱۳۸۷ء میں فوج کشی کی لیکن ترک افواج کو جلد ہی لوٹنا پڑا اور سلطان کی حکومت ملک میں پہلی مرتبہ ۱۴۲۳ عیسوی میں قائم ہوئی۔ البانیا تھوڑے عرصے کے لیے جارج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کستریوٹا کی سرکردگی میں پھر خودمختار ہوگیا جو اسکندر بیگ کے اسلامی نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب ابھی وہ لڑکا ہی تھا کہ اسے بطور یرغمال ترکوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ترکوں کے ہاں ایک مسلمان کی حیثیت سے تربیت پائی اور سلطان نے اسے اپنے لطف خاص سے نوازا۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ روایت غلط ثابت ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے جوانی کے دن اپنے پہاڑی وطن میں گزارے تھے۔ ترکوں کے ساتھ اس کا جنگ و جدل ۱۴۴۴ء میں شروع ہوا جب اس نے ان پر فتح پائی تھی۔ اس نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک بڑی پامردی اور کامیابی کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا لیکن جب اس نے ۱۴۶۷ء میں وفات پائی تو ترکوں نے البانیا پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور گیارہ برس کے بعد کاستریوت خاندان کے دارالحکومت کردیا کو فتح کر لیا۔ اس واقعے کے بعد ہمیں کسی ایسی منظم مزاحمت کا پتا نہیں چلتا جس میں پورے ملک نے حصہ لیا ہو البتہ اس کے بعد بغاوتیں بکثرت ہوتی رہیں اور البانیا کامل طور پر کبھی ترکوں کا محکوم نہیں ہوا۔ ساحل کے بعض شہر مدت تک ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے چنانچہ دورازو کی بندرگاہ ۱۵۰۱ء میں تسخیر ہوئی جب کہ انتی واری، جو البانیا کے ساحل کی سب سے شمالی بندرگاہ ہے، ۱۵۷۱عیسوی سے پہلے فتح نہ ہو سکی۔ جن شرطوں پر اہل شہر نے اطاعت قبول کی وہ یہ تھیں کہ ان کے پرانے قوانین اور مجسٹریٹ بدستور باقی رہیں گے اور عیسائی لوگ اپنے مذہبی فرائض آزادی سے علانیہ بجالائیں گے۔ ان کے کلیساؤں اور عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر وہ گر جائیں تو دوبارہ تعمیر ہو سکیں گی، شہر والے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے بدستور مالک رہیں گے اور ان پر مزید ٹیکسوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

البانیا کے باشندوں نے ترکوں کی محکومی کے دور میں بھی ایک قسم کی نیم خودمختاری کو ہمیشہ قائم رکھا اور کئی قبیلے اور خاندان حقیقت میں ایسے ہی خودمختار تھے جیسے ترکوں کی فتح سے پہلے تھے۔ اگرچہ وہ سلطان کی رعایا تھے لیکن وہ اپنے اندرونی انتظام میں ترک حکام کی مداخلت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہمارے اس یقین کے لیے کافی وجہ موجود ہے کہ ترکی کی حکومت کسی ایسے شخص کو کبھی صوبائی گورنر کا تقرر یا اس کی توثیق نہیں کر سکی جو البانیا کا اصلی باشندہ نہ ہو یا جس نے اپنی قوت بازو یا حکمت عملی سے یا اپنے تعلقات کی بدولت ملک میں اپنا اثر و رسوخ پیدا نہ کیا ہو۔ (Leake: P. 250)۔ البانیا والوں کو اپنی نسل اور قومیت پر بہت فخر ہے۔ چنانچہ آج بھی اگر البانیا کے کسی شخص سے پوچھا جائے کہ وہ کون ہے تو وہ اپنے آپ کو عیسائی یا مسلمان بتانے سے پہلے کہے گا کہ میں سکی پیٹر ہوں۔ (البانیا والے اپنے آپ کو ہمیشہ سکی پیٹر کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنی ہیں: ''چٹانوں کے رہنے والے'' یعنی کوہستانی)۔ قومی جذبے کی یہ ایک نہایت قابل غور مثال ہے جس نے البانیا میں عیسائیت اور اسلام کے اس شدید مذہبی امتیاز کو مٹا دیا ہے جو ترک سلطنت کے باقی حصوں میں اس قدر نمایاں نظر آتا ہے۔ جس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البانیا کے عیسائی اور مسلمان دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں، اسی طرح وہ ایک سی روایات کو عزیز رکھتے ہیں اور ان کے رسوم و آداب بھی یکساں ہیں۔ ان کی مشترکہ قومیت کا رشتہ اس قدر مضبوط ہے کہ اس نے قوم کو مذہبی اختلافات کی بنا پر تقسیم نہیں ہونے دیا۔ البانیا کے ایک عیسائی نے بلغاریہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں کی باہمی عداوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''البانیا میں صورت حال مختلف ہے۔ البانیا کے مسلمان ایسے ہی البانوی ہیں جیسے عیسائی! وہ ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی طرح کے رسوم و آداب رکھتے ہیں اور ان کی قومی روایات بھی یکساں ہیں۔ البانیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں نے کبھی ایک دوسرے سے نفرت نہیں کی اور نہ ہی ان کے درمیان صدیوں سے کسی طرح عداوت رہی ہے۔ مذہب کے امتیاز نے ان میں کبھی کوئی تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ سوائے چند لوگوں کے مسلمان اور عیسائی ہمیشہ مل جل کر رہے ہیں، ان کو مساوی حقوق حاصل ہیں اور وہ ایک ہی طرح کے فرائض ادا کرتے ہیں۔'' (واسا آفندی: البانیا اور اہل البانیا (جرمن) صفحہ ۵۹ مطبوعہ برلن ۱۸۷۹ء)۔ وہ ترکوں کی بے قاعدہ فوج میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ خدمت انجام دیتے تھے اور ترک حکومت تمام اندرونی انتظامات میں عام طور پر اسی فوج پر اعتماد کرتی تھی۔ عیسائی اور مسلمان دونوں قوموں کو مقامی حکام کے ہاں آسانی سے ملازمت مل جاتی تھی کیونکہ پوری سلطنت میں البانوی سپاہی سب سے زیادہ بہادر سمجھے جاتے تھے۔ کریمیا کی جنگ میں البانیا کے عیسائی ترک فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کی طرف سے لڑے تھے۔ (Finlay Vol. v, P 46)۔ اگرچہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ خاموش اور زراعت کے پیشے میں زیادہ منہمک رہے ہیں تاہم ان کا باہمی فرق بہت کم ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے سپاہیانہ اوصاف کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے اور ویسے ہی تمکنت، تیزی طبع اور ناقابل تسخیر ہمت کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے مسلمان بھائیوں میں موجود تھی۔ (ایسیو کے علاقے میں مردی قوم کے جو رومن کیتھولک رہتے ہیں، وہ اس قدر متعصب ہیں کہ اس بات کے روادار نہیں کہ ان کے پہاڑی علاقوں میں کوئی مسلمان آباد ہو۔ اس قوم کے کسی شخص نے اپنا مذہب ترک نہیں کیا کیونکہ اگر کوئی شخص اس بات کا قصد کرتا تو وہ اسے مار ڈالتے تھے ماسوائے اس کے کہ وہ البانیا سے کہیں باہر بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے)۔ (ہیکار: تاریخ البانیا (فرانسیسی) صفحہ ۲۲۴)۔

البانیا میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں مذکورہ بالا حقائق کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اہل ملک نے ہی اسلام کو رفتہ رفتہ بتدریج پھیلایا تھا اور اس کی اشاعت خارجی دباؤ کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پندرھویں صدی کے اختتام سے لے کر علی پاشا کے ظہور تک تین سو سال کا جو زمانہ گزرا ہے، اس کی تاریخ بالکل کوری پڑی ہے۔ چنانچہ اس دور میں جو لوگ آہستہ آہستہ مسلسل مسلمان ہوتے رہے، ان کی کیفیت ہمیں مختلف علاقوں کے کلیساؤں کی تواریخ سے معلوم ہوتی ہے یا ان روئیدادوں سے جو وقتاً فوقتاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاپائے رومہ کو یا جمعیت تبلیغ الدین کو بھیجی جاتی تھی۔ لیکن یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ ان ذرائع سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ ناقص اور نامکمل ہیں، خاص طور پر ان محرکات کے بارے میں جو تبدیل مذہب کا موجب ہوئے کیونکہ اس زمانے کے ارباب کلیسا کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی شخص نیک نیتی یا خلوص قلب سے مسلمان ہو سکتا ہے اور اگر کسی کے دل میں ایسا خیال آیا بھی ہو تو اسے اپنے اعلیٰ حکام کے سامنے اس کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔

البانیا میں اگرچہ سولہویں صدی میں اسلام کی اشاعت شروع ہو چکی تھی لیکن اس کی رفتار بہت سست تھی چنانچہ ۱۶۱۰ عیسوی میں عیسائی آبادی کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف دس فی صد تھی۔ (Bizzi: P.25)۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے شہروں کے باشندے ہی زیادہ تر مسلمان ہوئے۔ مثال کے طور پر انتی واری کے مقام پر جب بہت سے عیسائی اپنا وطن چھوڑ کر قریب کے عیسائی ملکوں میں چلے گئے تو جو عیسائی شہر میں باقی رہ گئے، ان میں سے اعلیٰ اور ادنیٰ اکثر نے رفتہ رفتہ اسلام قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی۔ (Farlati, vol vii, PP. 104,107)۔ جوں جوں نومسلموں کی تعداد بڑھتی گئی، گرجا گھر مسجدوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ یہ بات اگرچہ صلح کی شرائط کے خلاف تھی لیکن اس کا یہ جواز معلوم ہوتا ہے کہ خود لوگوں کا مذہب تبدیل ہو چکا تھا۔ (یہ شکایت بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے مطران کے محل پر قبضہ کر لیا تھا لیکن یہ محل آٹھ برس سے خالی پڑا تھا کیونکہ بطریرک امبروسیوس (۱۵۷۹ء سے ۱۵۹۸ء) نے بر بنائے مصلحت جلاوطنی اختیار کر لی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ''اس نے جوش میں آ کر اور احتیاط کو چھوڑ کر اسلام پر حملہ کیا تھا اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کی تھی۔'' (Farlati , vol , Vii, P. 107)۔ ۱۶۱۰ عیسوی میں رومن کیتھولک عیسائیوں کے پاس صرف دو بڑے گرجے رہ گئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس جماعت کی ضرورت کے لیے کافی تھے۔ ان کی تعداد کا اندازہ مارکو بزی کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ''اس مقام میں چھ سو گھر ہیں۔ بعض گھروں میں مسلمان اور بعض میں عیسائی آباد ہیں۔ عیسائیوں میں رومن کیتھولک اور یونانی کیتھولک دونوں فرقوں کے لوگ شامل ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں سے کسی قدر زیادہ ہے اور رومن کیتھولک تعداد میں یونانی کلیسا کے پیروؤں سے بڑھے ہوئے ہیں۔'' (یہی مصنف لکھتا ہے کہ میں نے ایک دن سب رومن کیتھولک عیسائیوں کو صبح کی نماز پڑھائی تھی)۔ زیوخ نے جو اعداد و شمار دیے ہیں، ان سے میرا اندازہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی تعلقات قائم تھے اور ان میں کوئی قطعی حد فاصل بھی نہ تھی۔ اس سے ہمیں اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ جوں جوں کلیسا کی روحانی زندگی میں انحطاط آتا گیا، اسلامی اثرات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نومسلموں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔

عیسائیوں میں یہ ایک عام دستور ہو چلا تھا کہ عیسائی والدین اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں سے بیاہ دیتے تھے اور عیسائی عورتوں کو بھی ایسی شادیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ (Bizzi:pp. 27,38)۔ اس قسم کی مخلوط شادی کے بعد اگر لڑکا پیدا ہوتا تھا تو وہ مسلمانوں کی طرح پرورش پاتا تھا اور اگر لڑکی ہوتی تو وہ ماں کے مذہب کی پیروی کرنے کی مجاز تھی۔ البانیا کے بعض دیہات میں یہ رواج انیسویں صدی کے شروع تک جاری رہا چنانچہ ڈبلیو ایم لیک W. M. Leake نے Travels in Northern Greece جلد اول صفحہ ۴۹ (لندن ۱۸۳۵ء) میں لکھا ہے: ''بعض دیہات میں مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ ان کے لڑکے نومسلموں کی طرح تربیت پاتے ہیں لیکن لڑکیاں عیسائی ہوتی ہیں۔ چنانچہ بھیڑ اور سور کا گوشت ایک ہی دسترخوان پر کھایا جاتا ہے۔'' لیکن اس قسم کی اجازت عملی طور پر بیکار ثابت ہوتی تھی کیونکہ عیسائیوں کے مذہبی پیشوا ایسی عورتوں کو ملت سے خارج کر دیتے تھے اور ان کو مذہبی رسوم میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (Bizzi P. 38: Farlati P. 158)۔ اگرچہ ضلعوں کے پادری اپنے حکام بالا کے احکام کو نظر انداز کر دیتے تھے تاہم یہ عورتیں اکثر اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی تھیں۔ لیکن اس صورت میں بھی وہ اصطباغ کی رسم کی پابندی کرتی تھیں کیونکہ ان کو یہ وہم تھا کہ اصطباغ کوڑھ کے مرض، چڑیلوں کے جادو اور بھیڑیوں کی گزند سے محفوظ رہنے کا ایک مجرب اور شافی علاج ہے۔ پادریوں نے اس وہم کو زندہ رکھا تھا کیونکہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے بچے کو اصطباغ دلانا چاہتی تھی تو پادری اسے خوشی سے اصطباغ دیتے تھے۔ (مارکو بزی کو انتی واری کے شہر میں وارد ہوئے ابھی چند روز ہوئے تھے کہ ایک معزز مسلمان خاتون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ خود مطران اس کے بچے کو اصطباغ دے۔ اسی طرح مطران کا بیان ہے کہ بعد میں اس خاتون نے شہر کے ایک عیسائی رئیس سے سخت شکایت کی کہ مطران نے اس کی درخواست کو قبول نہیں کیا حالانکہ اسی مطران کے ماتحت پادری ان لوگوں کی درخواست پر، جو عیسائی نہیں ہیں، ان کے بچوں کو اصطباغ دے دیتے ہیں)۔

دونوں قوموں کے باہمی تعلقات خوشگوار تھے۔ (ایک ہی گاؤں کے رہنے والے عیسائیوں اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات کی مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ البانیا مولفہ ہیکار (فرانسیسی) صفحات ۱۵۳، ۱۶۲، ۲۰۰، مطبوعہ پیرس ۱۸۵۸ء)۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مسلمان عیسائی اولیا کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ مارکو بزی نے لکھا ہے کہ سینٹ الیاس کے موقع پر، جس کے ساتھ البانیا والوں کو خاص عقیدت ہے، گرجا گھر میں اتنے ہی مسلمان موجود تھے جس قدر کہ عیسائی! البانیا کے مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اب تک مریم عذرا اور مسیحی اولیا کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان کے مزاروں کی زیارت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی لوگ بھی بیماریوں سے شفا پانے یا منتیں پوری کرنے کے لیے مسلمان بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔(Garnett. P. 267)۔ کالیوا کی کے شہر میں، جہاں ساٹھ عیسائی خاندانوں کے علاوہ دس مسلمان گھرانے بھی تھے، علاقے کے پادری کی گذر اوقات کے لیے مسلمان بھی چندہ دیتے تھے کیونکہ اکثر مسلمانوں کی بیویاں عیسائی تھیں۔(Bizzi P. 36)۔ ان حالات میں یہ بات باعث تعجب نہیں کہ بہت سے عیسائی بظاہر اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر تسلی دیتے تھے کہ ہم دل سے عیسائی ہیں۔(Bizzi (b) 38 (a) 37)۔ مارکو بزی نے ان کے تبدیلِ مذہب کی تین وجوہ بیان کی ہیں: اول دنیاوی فوائد کی کشش، دوسرے خراج کی ادائیگی سے بچنے کی خواہش اور تیسرے سمجھدار پادریوں کی کمی جو اہل ملک کی مذہبی ضروریات کو پورا کر سکیں۔(Bizzi 38 (b) 61 (a) 37 (a) 33)۔ قبول اسلام کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ عیسائیوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے تھے لہٰذا ان ٹیکسوں کے بوجھ سے بچنے کے لیے گاؤں کے گاؤں اپنا مذہب چھوڑ بیٹھے۔ چونکہ اس بارے میں ہمیں کوئی تفصیلات نہیں دی گئیں، اس لیے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا اس شکایت کے لیے کافی وجوہ موجود تھیں یا نہیں یا انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے محض ایک عذر تراشا تھا یا ارباب کلیسا کا یہ ایک مبالغہ آمیز بیان تھا، جن کے نزدیک کسی شخص کا صرف عقلی وجوہ کی بنا پر اسلام قبول کرنا ناممکن تھا۔ ایک صدی بعد یعنی ۱۷۰۳ عیسوی میں جزیہ کی مقدار ہر مرد کے لیے چھ ریال سالانہ مقرر تھی اور ماسوائے ایک اور ٹیکس کے جسے سکیا تر کیو کہتے تھے، جس کی مقدار تین ریال سالانہ تھی اور یہ واحد ٹیکس تھا جو بالخصوص عیسائیوں پر عاید کیا گیا تھا، اگر لوگوں نے محض اس خفیف سے ٹیکس سے بچنے کے لیے اپنا مذہب ترک کر دیا ہو اور اس کے سوا اور کوئی محرک موجود نہ ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنے مذہب کے ساتھ بہت کم لگاؤ ہوگا۔ البانیا میں عیسائیوں کی جو کثیر تعداد اب تک موجود ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیکس کا بار اتنا ناقابل برداشت نہ تھا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

ترکوں کے ''مظالم'' کے خلاف عام طور پر جو مبہم شکایتیں کی گئی ہیں، اگر وہ کسی قدر واضح طور پر بیان ہوتیں تو اس صورت میں ہم یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ ان کو لوگوں کا مذہب تبدیل کرنے میں کہاں تک دخل ہے لیکن شہادت سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں نے ان مزعومہ مظالم کی وجہ سے اپنا مذہب ترک کیا ہو۔ ترکی کی حکومت میں البتہ یہ بیہودہ دستور جاری تھا کہ صوبوں کے سرکاری عہدے نیلام کیے جاتے تھے اور جو شخص کسی سرکاری عہدے کے لیے سب سے بڑھ کر بولی دیتا تھا، اس کو اس عہدے پر مقرر کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ ایسے عہدے دار یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنے عہدوں پر کب تک فائز رہیں گے، اس لیے وہ ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ سے زیادہ زر و مال جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن ان مظالم کا بار مسلمانوں کے لیے بھی ایسا ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گراں تھا جیسا کہ عیسائیوں کے لیے تھا۔(Bizzi PP. 12, 13)۔اگر چہ یہ بات یقینی ہے کہ ایک حریص اور بے انصاف افسر کے لیے مسلمانوں کی بہ نسبت عیسائیوں پر ظلم وستم کرنا زیادہ آسان تھا، خصوصاً جب وہ اس جرم میں ماخوذ ہوتے تھے کہ وہ اہل وینس اور دوسری عیسائی حکومتوں کے ساتھ دولت عثمانیہ کے خلاف خط وکتابت کر رہے ہوں اور بغاوت پر آمادہ ہوں۔

بہ ہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی دینی حمیت اور پر جوش مذہبی زندگی عیسائی پادریوں کی بے حسی اور جہالت کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوئی۔ مارکو بزی نے ایک مسلمان ملا کے اخلاص، حسن اخلاق اور دوستانہ شفقت کی تعریف کی ہے جس کے ساتھ مذہبی مسائل پر اس کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اگر البانیا میں اسلام کی تلقین وتبلیغ کے لیے اس قسم کے اور بہت سے ملا موجود تھے تو ان کی بدولت اسلام نے بہت کچھ ترقی کی ہوگی۔(Bizzi PP. 10, 11)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اکثر پادری بالکل ناخواندہ تھے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو تھوڑا بہت پڑھ سکتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے۔ وہ اپنے مقدس منصب کے فرائض کے بارے میں جاہل اور بے علم تھے اور کلمہ مغفرت بھی از بر نہیں پڑھ سکتے تھے۔(Bizzi P. 31)۔وہ نماز اور دوسری عبادت لاطینی زبان میں ادا کرتے تھے لیکن ان میں سے بہت کم لوگ ایسے تھے جو لاطینی کلمات کا مطلب ومفہوم سمجھتے تھے کیونکہ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ اپنے مذہبی عقاید کے متعلق ان کا علم مبہم اور سنی سنائی باتوں تک محدود تھا۔ مارکو بزی کی رائے میں ان تمام خرابیوں کی وجہ یہ تھی کہ ملک میں اسقفوں کی تعداد ناکافی تھی اور پادری بھی بہت کم تھے۔ وہ اپنے مقدس فریضے کی ادائیگی کے لیے نااہل تھے اور یہی سبب تھا کہ بہت سے عیسائی اپنے مذہب میں پختہ ہونے سے پہلے ہی بوڑھے ہو جاتے بلکہ فوت ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے مذہب سے ہر جگہ برگشتہ ہو رہے تھے۔" اس ملک میں یہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ پادریوں کی کمی ہے اور وہ اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں نہایت کم عقل ہیں۔ بہت سے عیسائی ایسے ہیں جو بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں۔ وہ عیسوی دین میں مستحکم نہیں کیے جاتے اور مذہب سے ہر جگہ منحرف ہو گئے ہیں۔"(Bizzi P. 33)۔چنانچہ مارکو نے لکھا ہے کہ اگر ان خرابیوں کا تدارک نہ کیا گیا تو ملک میں عیسائیوں کو بہت جلد زوال آ جائے گا۔ (اگر البانیا کو کافی مذہبی امداد نہ ملی تو چند سال میں اس ملک سے عیسائیت بالکل ختم ہو جائے گی کیونکہ لائق اسقفوں اور پادریوں کی تعداد بہت کم ہے۔(Bizzi P.61)۔کئی پادریوں پر اس بات کا بھی الزام تھا کہ بغیر نکاح کے عورتوں کو اپنے تصرف میں رکھتے ہیں اور شراب خوری کے عادی ہیں۔(Bizzi : PP 36, 64)۔

اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ البانیا کے ارباب کلیسا ترک سلطنت کے دوسرے صوبوں کے پادریوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے برعکس قومی امنگوں اور قومی مقاصد کے پاسبان نہیں تھے حالانکہ دوسرے علاقوں کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی بے علمی کے باوجود اپنے لوگوں کے دلوں میں مسیحی دین کی حمیت اور حمایت کے اس جذبے کو زندہ رکھا تھا جس کو یونانیوں کی قومی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔(Finlay vol V PP 153-154: clark, P. 290)۔ اس کے برعکس البانیا کے باشندوں میں ایک قومی عصبیت تھی جو ان کے مذہبی عقاید سے الگ تھی۔ وہ جاگیرداری دستور کے مطابق ترکوں کو اپنا آقا سمجھتے تھے اور ان کے تمام احکام کی بجا آوری کو لازم جانتے تھے۔ ان بد بخت لوگوں نے اپنے ایمان کو ایسا اندھا کر لیا ہے کہ وہ اس طرح کی شادی کو مطلق گناہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ ترک ملک کے بادشاہ ہیں، اس لیے یہ ممکن نہیں اور نہ ہی ان کے لیے جائز ہے کہ کسی بات میں ترکوں کی حکم عدولی کریں۔(Bizzi P. 38)۔

یہاں عیسائیوں کے قبولِ اسلام کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو ایک پادری اور اس کے لوگوں کی باہمی رنجش کی وجہ سے ظہور میں آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ کئی برس ہوئے جب کہ ملک کے تمام باشندے ابھی تک عیسائی تھے، شہر سقوطری میں حضرت مریمؑ کا ایک نہایت خوبصورت بت نصب تھا۔ اس کی زیارت کے لیے ملک کے ہر گوشے سے ہزاروں لوگ آتے تھے، نذریں چڑھاتے تھے اور بیماریوں سے نجات پانے کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ لیکن کسی سبب سے عیسائیوں اور ان کے پادری کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن بہت سے لوگ گرجا گھر میں جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر پادری ہماری بات تسلیم نہیں کرے گا تو ہم اسی وقت اور اسی جگہ مسیحی دین چھوڑ دیں گے اور اس کے بجائے دین محمدیؐ اختیار کر لیں گے۔ لیکن پادری، خواہ وہ حق پر تھا یا نہیں تھا، اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس پر اس کی جماعت نے اپنے گلے سے تسبیحیں اور صلیبیں اتار کر زمین پر پھینک دیں اور ان کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ وہ قریب ترین مسجد میں گئے اور وہاں کے ملا کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔(Garnett: P. 268)۔

پادریوں کی غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے عیسائی معاشرے میں بہت سی خرابیاں اور بے قاعدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ لوگ کلیسا کی اجازت اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کے بغیر شادی بیاہ کر لیتے تھے۔ یہ طریقہ اسلامی شریعت کے بہت قریب تھا جس میں نکاح فریقین کے درمیان محض ایک عقد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لیے شوہر اور بیوی دونوں کو ملت مسیح سے خارج کر دیا جاتا تھا تاوقتیکہ وہ کلیسا کے قانون کے مطابق باقاعدہ طور پر دوبارہ نکاح نہ پڑھائیں۔(Bizzi P. 38)۔

عیسائیوں کے جو معاشرتی حالات اور دیگر واقعات صفحات بالا میں مذکور ہوئے ہیں، ان کا نتیجہ یہ نکلا کہ سترہویں صدی میں عیسائیوں کی تعداد تیزی سے کم ہوتی گئی چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۶۲۰ء اور ۱۶۵۰ عیسوی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان، یعنی تیس سال کے مختصر عرصے میں تقریباً تین لاکھ البانوی مسلمان ہو گئے۔(Kyriakos, P. 12)۔
۱۶۲۴عیسوی میں انتی واری کے پورے علاقے میں صرف دو ہزار کیتھولک تھے اور شہر میں صرف ایک گرجا گھر تھا لیکن اس صدی کے خاتمے پر یہ گرجا بھی عیسائیوں کی عبادت کے لیے کام میں نہیں آتا تھا کیونکہ انتی واری میں صرف دو کیتھولک خاندان باقی رہ گئے تھے۔(Farlati: PP. 124, 141)۔ ۱۶۵۱ء میں پورے ملک کی مسیحی آبادی زیادہ تر عورتوں پر مشتمل تھی کیونکہ مردوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔(Marco Crisio: P. 202)۔اس صدی کے اختتام پر حالات اور بھی بدتر ہو گئے تھے کیونکہ کیتھولک عیسائی تعداد میں مسلمانوں سے کم رہ گئے تھے۔دونوں میں آبادی کا تناسب ایک کے مقابلے میں 1,1/3 تھا حالانکہ ایک سو سال پہلے عیسائی مسلمانوں سے دس گنا زیادہ تھے۔(ZmaieVich, P. 227: Bizzi P.606)۔
درازد کے علاقے میں بیس سال کے عرصے میں عیسائیوں کی آبادی نصف رہ گئی تھی اور کروپا کے ایک اور شہر میں تیس سال کی مدت میں تمام عیسائی مسلمان ہو گئے تھے۔(Zmaievich, PP. 137, 157)۔

بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن دل سے عیسائی تھے۔ پادری ایسے لوگوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے اور حکام بالا کے احتجاج اور حکم امتناعی کے باوجود ان کو عشائے ربانی میں شریک کر لیتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کی اولاد کی پرورش اسلامی طریقے پر ہوتی تھی اور کلیسا ان کو کھو بیٹھتا تھا۔اسی طرح بعض عیسائی اپنی بیٹیاں مسلمانوں سے بیاہ دیتے تھے حالانکہ کلیسا کے اعلیٰ عہدے دار اس قسم کی رواداری پر بہت کچھ لعنت ملامت کرتے تھے۔

(Farlati , vol vii P. 158:Bizzi, P. 38:Zmaievich, PP. 11,59,13)۔

پادریوں کے مذکورہ بالا رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو عیسائی عوام کی روحانی فلاح و بہبود کا بہت کم خیال تھا۔اس کے علاوہ ان پر یہ بھی الزام تھا کہ ان میں سے اکثر فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہیں، اعتراف گناہ کی مذہبی رسم ادا نہیں کرتے اور مذہبی تہواروں کے موقعے پر شراب پی کر خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ گرجے کی املاک کو بیچ ڈالتے ہیں اور اپنے علاقوں سے اکثر غائب رہتے ہیں۔جب ان کی لعنت ملامت کی جاتی تو وہ ترکوں کی پناہ میں آ کر اپنے تئیں بچا لیتے تھے۔(Zmaievich: PP. 13,14)۔
عیسائیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے فرانسسکن اور آبزرونٹ فرقوں کے مبلغ بھیجے گئے لیکن انہوں نے ماسوائے اس کے اور کچھ نہ کیا کہ آپس میں دنگا فساد کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دوسرے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لیے عدالتوں تک جا پہنچے۔اس سے عوام میں ان کی بڑی رسوائی ہوئی اور ان کے مشن کا مقصد فوت ہو گیا۔
سترہویں صدی کے وسط میں البانیا کے بارہ میں سے پانچ اضلاع خالی پڑے تھے اور وہاں کوئی اسقف نہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پلاتی کے علاقے نے تیس برس سے کسی اسقف کی شکل نہیں دیکھی تھی اور وہاں ۶۳۴۸ نفوس کی تلقین کے لیے صرف دو پادری تھے۔(Crisio: P 204)۔ملک کے بعض اندرونی حصوں میں چالیس سال سے کوئی پادری نہیں گیا تھا۔ یہ صورت حال ترکوں کے ظلم کی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ فرانسسکن فرقے کے جو چار مشنری بھیجے گئے تھے، انہوں نے بعد میں بیان کیا کہ وہ ملک میں بغیر کسی مزاحمت کے دورہ کرتے رہے اور اپنے مذہبی فرائض آزادی سے انجام دیتے رہے ہیں۔ سپا کا اسقف مدت دراز سے اپنے علاقے سے غیر حاضر تھا جس سے اس کے علاقے کے عیسائیوں نے بڑا نقصان اٹھایا۔ وہ خود تو وینس میں دادعیش دے رہا تھا اور اپنی جگہ ایک جاہل پادری کو اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا اور یہ پادری بھی ایک مشہور بدمعاش تھا۔ اس شخص کی نگرانی میں ۱۲۴۰۰ نفوس تھے۔ کلیسا کے جس فرد نے اس علاقے کی سیاحت کی تھی، وہ لکھتا ہے: ''اسقف کی طویل غیر حاضری کے باعث اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ اپنا دین وایمان کھو بیٹھے گا اور اپنے پیروکاروں کے ایمان اور کلیسا کے اوقاف پر بھی تباہی لائے گا۔'' (Marco Crisio: PP. 202, 205)۔ سقوطری کے بشپ کے بارے میں اس کے ماتحت پادری اور عیسائی سمجھتے تھے کہ وہ ایک جابر اور مطلق العنان شخص ہے جو ترکوں کی مدد سے اپنے عہدے پر قائم رہنے میں کامیاب ہوا ہے۔(Marco Crisio: P 205)۔ اور زمیوخ اسقفوں کے متعلق یہ عام شکایت کرتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے عیسائیوں سے زبردستی چندے وصول کرتے ہیں۔ (Zmaievich: P. 13)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارباب کلیسا کو سلطان کی طرف سے اپنی رعایا پر ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل تھا چنانچہ انتی واری کا مطران (۱۵۹۹ء سے ۱۶۰۷ء) اس بات کا مجاز تھا کہ وہ ہر عیسائی پر دو اسپر محصول لگائے نیز پہلے نکاح کے موقع پر ۱۲ اسپر، دوسرے نکاح پر ۲۴ اسپر اور تیسرے نکاح پر ۳۶ اسپر بطور نذرانہ وصول کرے اور اپنے ہر ضلعے سے ایک اشرفی سالانہ حاصل کرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان رقموں کو وصول کرنے میں اسے ترک حکام کی امداد مل سکتی تھی۔

(Farlati, Vol vii P. 109: Bizzi P. 196)

پورے البانیا میں عیسائیوں کا ایک بھی مدرسہ نہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا نہایت جاہل تھے۔ (Macro Crisio: P. 205)۔ بعض پادریوں کو اٹلی میں تعلیم پانے کے لیے بھیجا جاتا تھا لیکن مارکو کریسیو نے اس خطرے کی بنا پر اس دستور کی مخالفت کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ایسے پادری اٹلی کی زندگی کو اتنا خوشگوار پائیں کہ اپنے وطن کو واپس آنے سے انکار کردیں۔ جب مذہبی پیشوا ایسے جاہل اور اپنے فرائض کے بارے میں ایسے بے پرواہوں تو اس صورت میں یہ بات باعث تعجب نہیں کہ عوام الناس کو اپنے مذہب کے ابتدائی اصولوں کا بھی علم نہ تھا اور ان میں بہت سی خرابیاں اور بدکاریاں پیدا ہوچکی تھیں جن سے ''خداوند کا تاکستان تباہ وبرباد ہوگیا تھا۔'' بہت سے عیسائی غیر عورتوں کو نکاح کے بغیر اپنے تصرف میں رکھتے تھے، اس کے باوجود ان کو مذہبی رسوم میں شامل کرلیا جاتا تھا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ بعض اشخاص کی کئی بیویاں تھیں۔(Crisio: P 204) تعدداز دواج کی اس رسم سے پتا چلتا ہے کہ دونوں قوموں یعنی عیسائیوں اور مسلمانوں کی عادات واطوار میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے۔اس مماثلت کی ایک اور شہادت یہ ہے کہ عیسائی بچوں کے اصطباغ کے موقعے پر مسلمان معاونت کرتے تھے اور عیسائی پادری مسلمانوں کے بچوں کو بھی اصطباغ دینا جائز سمجھتے تھے۔

(Zmaievich: P. 11: Farlati vol vii P. 151)۔

سترہویں صدی کے نصف ثانی میں جب عیسائی کلیسا کی یہ حالت تھی تو ایک خفیف سی تحریک بھی عیسائیوں کو اپنے مذہب سے برگشتہ کرنے کے لیے کافی ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے علاوہ اسی زمانے میں کیتھولک عیسائیوں کو بغاوت کے جرم میں ترک حکومت کی طرف سے جو سزائیں ملیں، ان سے ان رجحانات کی تکمیل ہوگئی جن کی وجہ سے عیسائی اسلام کی جانب مائل ہورہے تھے اور عیسوی مذہب کو بکثرت چھوڑ رہے تھے۔اس بغاوت کا محرک جارج تھا جو انتی واری کا اتالیسواں آرچ بشپ (۱۶۲۵ء سے ۱۶۴۴ء) تھا۔اس نے درازو، سکوترا اور ایسیو کے اسقفوں کے ساتھ مل کر عیسائی قوم کے سرکردہ لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ ترکوں کے خلاف سازش کرکے ملک کو وینس کی عیسوی حکومت کے حوالے کردیں۔ چونکہ اس وقت ترکوں اور وینس والوں کے درمیان صلح تھی، اس لیے وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا۔لیکن ۱۶۴۵عیسوی میں ترکوں اور وینس کے باشندوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی اور اہل وینس نے انتی واری پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی جو ترکوں کی فتح سے پہلے تین صدیوں (۱۲۶۲ء سے ۱۵۷۱ء) تک ان کے زیرنگیں رہ چکا تھا۔اس موقع پر البانیا کے کیتھولک عیسائیوں نے دشمن کا ساتھ دیا اور اس کو خفیہ کمک پہنچائی۔اس پر ترکوں نے ان کو سخت سزائیں دیں اور ان کو ان کے حقوق سے محروم کردیا۔اس کے برعکس یونانی عیسائی وینس والوں کی حکومت کی بحالی سے بہت خوف کھاتے تھے اس لیے انہوں نے ترکوں کے ساتھ وفاداری کی اور ترکوں نے ان کو فیاضی سے انعام واکرام دیا اور اپنے ملک کو بچا لینے پر ان کی ستائش کی۔ بہت سے کیتھولک لوگ یا تو مسلمان ہوگئے یا یونانی کلیسا میں شامل ہوگئے۔ ان کا یونانی کلیسا میں شامل ہونا بہت ہی معنی خیز ہے کیونکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں پر بہ حیثیت عیسائی ہونے کے کوئی ظلم نہیں کیا جاتا تھا، نہ ہی ان پر اسلام ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جو کیتھولک مسلمان ہوئے، ان کے قبول اسلام کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نفرت سے بچنا چاہتے تھے جو ان کی بغاوت کی ناکامی کے بعد ان کے خلاف پیدا ہوچکی تھی۔ وہ یونانی کلیسا میں شامل ہونے سے بھی یہ مقصد حاصل کرسکتے تھے جس کو ترک حکومت نہ صرف سرکاری طور پر تسلیم کرتی تھی بلکہ اس کو خاص طور پر انتی واری میں بڑی قدرومنزلت حاصل تھی۔ چنانچہ جن کیتھولک عیسائیوں نے یونانی کلیسا کے بجائے اسلام اختیار کیا، ان کو اپنے عیسوی مذہب سے بہت کم لگاؤ ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات ان عیسائیوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے جو زمانہ مابعد میں بکثرت مسلمان ہوئے۔ زمیوخ نے بعض عیسائیوں کے قبول اسلام کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ جزیے کی ادائیگی سے بچنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم جو کچھ اوپر کے صفحات میں لکھ چکے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف جزیے سے پیچھا چھڑانا تبدیلی مذہب کا واحد سبب نہیں تھا۔

۱۶۴۹ء میں البانیا کے عیسائیوں نے پھر بغاوت کی جو پہلی بغاوت سے بھی زیادہ سخت تھی اور جس کا سرغنہ انتی واری کا آرچ بشپ جوزف ماریا بونالڈو (۱۶۴۶ء سے ۱۶۵۴ء) تھا۔ انتی واری، سکودرا اور دوسرے شہروں کے سرکردہ لوگوں نے سازش کی کہ اپنے شہروں کے دروازے وینس کی فوجوں کے لیے کھول دیں۔ لیکن یہ سازش بھی ناکام رہی اور ترکوں نے اس سازش کو سختی سے دبا دیا۔ اس بغاوت کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خود عیسائیوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ بہت سے البانوی، جن کے اثر ورسوخ سے ترکوں کو خطرہ تھا، جلاوطن کر کے سلطنت کے اندرونی حصے میں بھیج دیے گئے اور تین ہزار کی جماعت سرحد پار کر کے وینس کے علاقے میں داخل ہوگئی۔ باقی لوگ خوف زدہ ہو گئے کیونکہ ترکوں نے ملک میں قلعے تعمیر کر لیے اور ان کی فوجیں باغی ضلعوں میں دورہ کرنے لگیں اور باغیوں پر بھاری جرمانے کیے گئے۔ (Farlati: Vol vii, PP. 126-132: Zmaievich P. 20)۔

عیسائی مصنف اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ ترکوں نے البانیا والوں پر ایسے غیر منصفانہ محصول اور ٹیکس لگائے تھے جن کی وجہ سے وہ اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ (Farlati: vol vii , P. 311)۔ افسوس ہے کہ ان مصنفوں نے ایسی تفصیلات بیان نہیں کیں جن کی بنا پر ہم اس بات کا فیصلہ کر سکتے کہ آیا واقعات سے ان کی شکایتوں کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں؟ زمیوخ نے جہاں دو ہزار عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا ہے، وہاں ابتدا میں ان ٹیکسوں اور محصولوں کو بھی شمار کیا ہے جو عیسائیوں کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔ لیکن جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے کہ ٹیکس مسلمانوں کو بھی ادا کرنا پڑتے تھے ماسوائے چھ ریال سالانہ جزیہ کے جو ہر عیسائی مرد پر عاید ہوتا تھا اور سکیا تاراکیو کے ٹیکس کے، جس کی مقدار تین ریال سالانہ تھی۔ (Zmaievich: Vol: v)۔ اپنے بیان کے خاتمے پر وہ لکھتا ہے: ''ان ٹیکسوں نے قوم کے نازک ترین حصے پر کاری ضرب لگائی جس کا تعلق دنیوی فوائد سے تھا۔ ان کو ان فوائد کا فطرتاً یا ضرورتاً بہت خیال تھا لہٰذہ یہ بات بے حد افسوسناک ہے کہ دو ہزار لوگوں نے جزیے سے بچنے کے لیے سچے دین کو چھوڑ دیا۔'' (Zmaievich: Vol: v)۔ زمیوخ کی رپورٹ میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جو ٹیکس عیسائیوں کو دینے پڑتے تھے، ان کی رقم ایسی کڑی تھی کہ عیسائیوں کو اپنا مذہب چھوڑنا پڑا۔ اگرچہ وہ تبدیل مذہب کے بہت سے واقعات کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ وہ جزیے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی سے بچنا چاہتے تھے تاہم اس نے خاص طور پر لکھا ہے کہ عیسوی مذہب سے برگشتہ ہونے کے واقعات اس لیے ظہور میں آئے کیونکہ ان کے مذہبی پیشوا بے حد جاہل تھے (Zmaievich: PP.15, 197)۔ وہ ایسے لوگوں کو بھی مذہبی رسوم میں شرکت کر لیتے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن دل سے عیسائی تھے۔ (Zmaievich: P. 11)۔ ایک اور موقعے پر اسی مصنف نے ان پادریوں کے متعلق لکھا ہے: ''وہ اپنے منصب کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور مرتدوں کو بھی مذہبی رسوم میں شریک کر لیتے تھے۔'' وہ لکھتا ہے: ''صرف یہی دو سبب ہیں جن سے البانیا میں مسیحی کلیسا کو ہر طرح کا نقصان پہنچ رہا ہے۔'' (Zmaievich: P. 137)۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ اس زمانے میں عیسائی لوگ ان مسلسل اسلامی اثرات کی وجہ سے مسلمان ہوئے جو صفحات بالا میں مذکور ہوئے ہیں۔ باقی رہا جزیے کی ادائیگی سے پیچھا چھڑانا، یہ اس سلسلے کی آخری کڑی تھی۔

خود مسلمانوں نے عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں کیا کوششیں صرف کیں، ان کے متعلق ہم ایک پادری کی رپورٹ سے معلومات حاصل کرنے کی توقع نہیں کر سکتے البتہ زمیوخ ایک ضلع کے عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ وہاں کے باشندوں نے ترکوں کے اثر صحبت سے ان کافروں کی برائیاں اختیار کر لی تھیں اور ان کے عیسائیت سے دور ہٹنے کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ترک عورتوں سے شادی کر لیتے تھے۔ (Zmaievich: P. 149)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں زبردست اسلامی اثرات کارفرما تھے۔ اور یہی حالت بسکلسیا اور باسیا کے ضلعوں کی تھی۔ ان کی آبادی دو ہزار کے قریب تھی اور ان کے متعلق ہمیشہ یہ اندیشہ لاحق رہتا تھا کہ مذہبی معلم کی عدم موجودگی میں وہ اپنے مذہب سے منحرف ہو جائیں گے۔ ان کے دین و ایمان کی سخت آزمائش ہو رہی تھی اور اس کی تقویت کے لیے انہیں دانش مند اور دین دار معلموں کی ضرورت تھی۔ (Zamievich: PP. 143-144)۔

زمیوخ نے ایک شریف عیسائی خاندان کا حال لکھا ہے جو انتی واری کے قریب و جوار میں رہتا تھا۔ اس خاندان میں دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کو وہاں کے سرکردہ مسلمانوں نے، جو اس کے رشتے دار بھی تھے، بہلا پھسلا کر اپنے مذہب سے برگشتہ کر دیا تھا لیکن چھوٹا بھائی پادری بننے کے لیے تعلیم و تربیت حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ عیسائی کلیسا کی خدمت کر سکے۔ اس کا خاندان اگرچہ مفلس تھا لیکن ترک اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ (Zmaievich: P. 22)۔ فی الحقیقت یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے محض ان کے مسیحی ہونے کی بنا پر بدسلوکی نہیں کرتے تھے بلکہ ان پر صرف اس حالت میں سختی کرتے تھے جب وہ بغاوت کا اظہار کرتے۔ زمیوخ خود البانیا کا باشندہ تھا اور اس نے انتی واری کے دوسرے مطرانوں کی طرح وینس کے علاقے کے بجائے خود اپنے علاقے میں ہی سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ نہ صرف ترک حکام اس سے انتہائی احترام اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے بلکہ خود البانیا کا حکمران پاشا بھی اس کو عزت و تکریم کے ساتھ اپنی مجلس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بٹھاتا تھا۔ جب زمیوخ اس کے پاس آتا تو پاشا دروازے تک اس کے استقبال کے لیے جاتا اور رخصت کے وقت بھی اس کو دروازے تک پہنچاتا تھا۔ چنانچہ زمیوخ لکھتا ہے: ''یہ وحشی شخص ایک ترک کی طرح نہیں بلکہ ایک فراخ دل عیسائی کی طرح پیش آتا تھا'' اس نے عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ ثبوت دیا کہ مطران کی درخواست پر چار مختلف شہروں کا ایک سال کے لیے جزیہ معاف کر دیا۔(Zmaievich: P. 7, 17)۔ اگر ترک حکام نے کسی عیسائی پادری کے ساتھ سختی کی ہے تو اس شبہے کی بنا پر کی ہے کہ وہ ترکوں کے دشمنوں کے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا۔ کلیسا کے لوگ جب کبھی اٹلی جاتے تو اس سے بھی ترکوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے تھے اور یہ شکوک اکثر اوقات بجا بھی ہوتے تھے ورنہ جو برتاؤ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کرتے تھے، اس کے متعلق پادریوں کو کوئی شکایت نہیں ہو سکتی تھی۔ زمیوخ ایک ضلعے کے پادری کا ذکر کرتا ہے جس کو ترک اکابر بہت عزیز رکھتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہرزیگووینا کے ایک پادری کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ترکوں کے ساتھ بہت میل ملاپ رکھتا تھا چنانچہ اس کے بارے میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، لہٰذہ اس کے اسقف نے اسے بحفاظت واپس روم بھیج دیا۔(Farlati : vol vi, P. 317)۔

البانیا کی تاریخ کے کسی دور میں عیسائی اس کثرت سے مسلمان نہیں ہوئے جتنے سترھویں صدی میں ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد کے زمانے میں بھی بعض لوگ آج تک اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔ البانیا کے جنوبی حصے میں، جہاں توسک قوم رہتی ہے، اہل اسلام کی کثرت ہے جس کی وجہ سے عیسائی لوگ وہاں گھاٹے میں ہیں۔ کرمرتا قوم کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ اس قوم کے لوگ، جو پوگانیانی کے قریب ۳۶ دیہات میں آباد تھے، اٹھارویں صدی کے آخر تک عیسائی تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ لسکودیکی کے ہمسایہ مسلمان باشندوں کے مسلسل حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو وہ ایک گرجا گھر میں جمع ہوئے اور اولیا سے دعا مانگی کہ ان کے حق میں کوئی معجزہ دکھائیں۔ چنانچہ انہوں نے نصرت خداوندی کی امید میں ایسٹر تک روزے رکھنے کا عہد کیا۔ ایسٹر آئی اور گزر گئی لیکن کوئی معجزہ ظاہر نہ ہوا لہٰذہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ان کو ہتھیار مل گئے جن کی ان کو ضرورت تھی چنانچہ انہوں نے حملہ کر کے لسکودیکی کے تمام دشمنوں کو قتل کر ڈالا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ (Eliot: P. 401)۔ البانیا میں مشترکہ مذہب قبائل کی باہمی جنگوں میں کبھی حائل نہیں ہوا۔ انیسویں صدی تک البانیا کے قبیلے اور دیہات نہایت مہمل اور بے معنی باتوں پر اپنا مذہب تبدیل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک عیسائی قبیلے کے لوگ محض اس لیے مسلمان ہو گئے تھے کہ ان کا پادری، جس سے متعلق کئی دیہات تھے، سب سے پہلے ان کے گاؤں میں آیا اور اس نے صبح صبح نماز ادا کرنے پر اصرار کیا تھا۔(Eliot: P. 392)۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت البانیا میں مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ ہے جب کہ عیسائی چار لاکھ اسی ہزار ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان اعداد و شمار کی صحت یقینی نہیں ہے۔ مردی قوم کے لوگ سب کے سب عیسائی ہیں اور انہوں نے سلطان کی اطاعت اس شرط پر قبول کی تھی کہ ان کے علاقے میں کسی مسلمان کو آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن دوسرے قبیلوں میں دونوں قوموں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وسطی البانیا کی تمام آبادی مسلمان ہے اور شمالی البانیا میں ساٹھ فی صد لوگ مسلمان ہیں۔ عیسائی سب سے زیادہ جنوبی البانیا میں آباد ہیں، خصوصاً ان اضلاع میں، جو یونان سے متصل ہیں۔

سربیا کی مملکت سب سے پہلے ۱۳۷۵ عیسوی میں ترکوں کی باج گزار بنی اور کسوو کی جنگ ۱۳۸۹ء میں شکست فاش کھانے کے بعد آزادی سے محروم ہوگئی۔ اس جنگ میں سرویا کا بادشاہ اور ترکوں کا سلطان دونوں میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان حکمرانوں کے جانشینوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے سرویا کے نوجوان شاہزادے سٹیفن نے سلطان بایزید کی سیادت کو تسلیم کرلیا اور اس سے اپنی بہن کی شادی کر دی۔ اس طرح سے فریقین میں برادرانہ رشتہ قائم ہوگیا۔ نیکوپولس کی جنگ (۱۳۹۴ء) میں، جس سے تمام جزیرہ بلقان ماسوائے قسطنطنیہ کے گردونواح کے ترکوں کے تسلط میں آگیا، سرویا کی فوج نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور ترکوں کو فتح دلوادی۔ اسی طرح جب انقرہ کی جنگ (۱۴۰۲ء) میں امیر تیمور نے ترکوں کو شکست فاش دے کر سلطان بایزید کو قید کرلیا تو سٹیفن اپنی فوج کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھا اور اپنے بہنوئی کی طرف سے بڑی جواں مردی سے لڑا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ترکوں کے تسلط سے آزاد ہو جاتا، وہ اپنے عہد و پیمان کا پابند رہا۔ اس نے بایزید کے بیٹوں کا ساتھ دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ کا تخت حاصل کر لیا۔ سٹیفن کے جانشین جارج برینکووچ کے زمانے میں سرویا کو کسی قدر نیم خود مختاری نصیب ہوئی لیکن ۱۴۳۸ء میں جب اس نے علم بغاوت بلند کیا تو ترکوں نے اس کے ملک کو دوبارہ تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لیے سرویا نے ہنگری کی سیادت کو تسلیم کرلیا لیکن جب ۱۴۴۴ء میں ہنگری کے فرماں روا جان ہنیاڈی نے ورنا کی جنگ میں ترکوں سے شکست کھائی تو سرویا ترکوں کا دوبارہ باج گزار بن گیا اور آخر کار ۱۴۵۹ عیسوی میں وہ ترک سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

یہ بات عین ممکن ہے کہ جنگ کوسوو کے بعد سرویا کے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کو مسلمانوں کی اس جماعت کا علم ہوگا جسے ایک صدی پیشتر ہنگری سے نکال باہر کر دیا گیا تھا، اس لیے انہوں نے ترکوں کی حکومت کو ہنگری کی اطاعت پر ترجیح دی۔ یاقوت حموی ۱۲۲۸ء کے قریب یورپ کے قرون وسطی کی اس جماعت کے بعض افراد سے ملا تھا جس نے ان مسلمانوں کے ذریعے اسلام قبول کیا تھا جو ان کے درمیان آکر آباد ہوگئے تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میں حلب میں بہت سے لوگوں سے ملا جو باشغرد کہلاتے تھے۔ ان کے بال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چہرے سرخ وسفید تھے۔ وہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی تحصیل کر رہے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک شخص سے، جو مجھے سمجھدار معلوم ہوتا تھا، ان کے ملک اور وہاں کے حالات کے متعلق سوال کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارا ملک قسطنطنیہ کی دوسری جانب واقع اور فرنگیوں کی مملکت میں ہے جن کو ہنگر کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ان کے بادشاہ کی رعایا ہیں اور اس کی مملکت کی سرحد پر رہتے ہیں۔ ہمارے تقریباً تیس گاؤں ہیں جو چھوٹے شہروں کی مانند ہیں۔ لیکن ہنگری کا بادشاہ ہمیں ان کے گرد دیواریں بنانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اسے خوف ہے کہ ہم اس کے خلاف بغاوت برپا نہ کر دیں۔ ہم عیسائی ملکوں کے درمیان رہتے ہیں چنانچہ ہمارے شمال میں صقالیہ کا ملک اور جنوب میں پوپ کا ملک ہے یعنی روم اور پوپ فرنگیوں کا رئیس ہے اور ان کے ہاں مسیحؑ کا نائب ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں امیر المومنین کا مرتبہ ہے۔ فرنگیوں کے تمام دینی امور میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ ہمارے مغرب میں اندلس اور مشرق میں رومیوں کا ملک ہے یعنی قسطنطنیہ اور اس کے صوبے۔ ہماری زبان بھی وہی ہے جو فرنگیوں کی ہے اور ہم ان جیسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ فوجی خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہ مخالفین اسلام کے ساتھ ہی برسر پیکار ہوتے ہیں۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم بلاد کفر کے درمیان رہتے ہوئے مسلمان ہو؟ اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اپنے اسلاف کی ایک جماعت سے سنا ہے کہ مدت دراز ہوئی، بلغار کے ملک سے سات مسلمان آ کر ہمارے درمیان سکونت پذیر ہوئے تھے۔ انہوں نے کمال مہربانی سے ہمیں ہماری گمراہی پر متنبہ کیا اور حق و صداقت یعنی دین اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ الحمد للہ کہ خداوند کریم نے ہمیں ہدایت دی اور ہم سب مسلمان ہو گئے اور خدا نے ایمان کے لیے ہمارے سینے کھول دیے۔ اب ہم ان ملکوں میں آ کر فقہ سیکھتے ہیں۔ جب ہم واپس اپنے ملک میں جائیں گے تو ہمارے ہم وطن ہماری عزت کریں گے اور مذہبی معاملات ہمارے سپرد کر دیں گے۔ (معجم البلدان از یاقوت حموی، مطبوعہ یورپ، جلد اول صفحہ ۴۶۹)۔ ہنگری کی باشقر قوم کے ہاں ۱۳۴۰ عیسوی تک اسلام قائم رہا لیکن اس سنہ میں شاہ چارلس رابرٹ نے اپنی تمام غیر مسیحی رعایا کو مجبور کیا کہ وہ عیسائی ہو جائے ورنہ ملک کو چھوڑ دے۔

ان حالات میں سردیا کے مسلمانوں نے ہنگری کی حکومت سے بخوشی نجات حاصل کی ہو گی اور یہی حالت ان کے ہم وطن عیسائیوں کی تھی۔ چنانچہ جب ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ یا تو ہنگری کی حکومت کا رومن کیتھولک مذہب اختیار کر لیں یا ترکوں کی اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کریں تو سردیا کے عیسائیوں کو اپنے یونانی کلیسا کے ساتھ جو شغف تھا، اس کی بنا پر انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی رواداری کو ہنگری کی حکومت پر ترجیح دی جو رومن کیتھولک مذہب کی حمایت اور ترویج پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس زمانے میں ان کے جو خیالات اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جذبات تھے، ان کا ایک پرانی حکایت سے پتا چلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ترک اور ہنگری والے برسرِ پیکار تھے۔ جارج برنیکووچ نے ہنگری کے بادشاہ جان ہنیاڈی کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا: ''اگر تم فتح یاب ہوئے تو کیا کرو گے؟'' ہنیاڈی نے جواب دیا: ''میں رومن کیتھولک مذہب کو قائم کروں گا۔'' اس کے بعد برنیکووچ نے سلطان کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا: ''اگر تم ظفریاب ہوئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کیوں کر پیش آؤ گے؟'' سلطان نے جواب دیا: ''ہر مسجد کے ساتھ ایک گرجا ہوگا اور ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ جس عبادت گاہ کو چاہے، اختیار کرے۔'' سرویا کے بعض پادریوں کی غداری کے باعث بلغراد کی محصور فوج کو ترکوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑے۔(ڈی لا جان کر: صفحہ ۲۱۵)۔ اسی طرح دریائے ڈینیوب پر واقع سمندریہ شہر کے عیسائی باشندوں نے ترک عساکر کا خیر مقدم کیا اور ترکوں نے ان کو ۱۶۰۰ عیسوی میں اپنے کیتھولک ہمسایوں کی حکومت سے نجات دلائی۔(ڈی لا جان کر: صفحہ ۲۹۰)۔

سرویا کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت جنگ کسوود کے فوراً بعد شروع ہوگئی تھی۔ ملک کے بہت سے قدیم امرا اور جاگیردار، جو ملک میں باقی رہ گئے تھے اور جنہوں نے ہمسایہ عیسائی ملکوں میں پناہ نہیں لی تھی، اپنی رضا و رغبت سے مسلمان ہوگئے تاکہ اپنے قدیم حقوق جاگیرداری کو بغیر کسی خلل کے بدستور قائم رکھ سکیں۔ (Kanitz:P.37)۔ سلاطین نے دیکھا کہ یہ نومسلم امرا اسلام کے پرجوش مبلغ ہیں۔(Kanitz: PP. 37, 38)۔ لیکن سرویا کے اکثر عوام سختیوں اور مصیبتوں کے باوجود اپنے پرانے مذہب پر شدت کے ساتھ قائم رہے اور صرف سرویا قدیم میں، جو اب البانیا کا شمال مشرقی حصہ ہے، عیسائیوں نے کسی قدر کثرت کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔(میکنزی اور اربی نے سرویا قدیم کا نقشہ صفحہ ۲۴۳ پر دیا ہے۔ اس میں سرویا کا پرانا پایہ تخت پریزرن اور سرویا کے بطریرک کا صدر مقام اپیک اور کسوود کا میدان جنگ، یہ سب مقامات دکھائے گئے ہیں)۔ لیکن یہاں بھی سترہویں صدی تک اشاعت اسلام کی رفتار بہت سست رہی۔ اسی زمانے میں آسٹریا والوں نے اہل سرویا کو بغاوت پر آمادہ کیا لیکن جب ان کو ناکامی ہوئی تو ۱۶۹۰ عیسوی میں وہاں کا بطریرک ارسینیوس سوم چالیس ہزار عیسائی فوج کو لے کر ترکی کی سرحد عبور کرکے ہنگری چلا گیا۔ جب ۱۷۳۹ء میں سرویا کے پندرہ ہزار خاندانوں نے ارسینیوس چہارم کی قیادت میں اپنا وطن ترک کیا تو اس سے ملک کا یہ حصہ اپنی قدیم آبادی سے قریب قریب خالی ہوگیا۔(Kanitz: P. 37)۔

اہل سرویا کے ترک وطن کرنے سے جو ملک خالی ہوا، اس میں البانیا کے لوگ جنوب سے آکر آباد ہوگئے۔ اپنی آمد و رفت کے وقت یہ البانوی اکثر رومن کیتھولک تھے لیکن جب وہ قدیم سرویا میں بس گئے تو آہستہ آہستہ مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ آج کل جس قدر کیتھولک مذہب کے البانوی اس ملک میں موجود ہیں، ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعداد باوجو دیکہ ان کے ہم مذہب پہاڑوں سے اتر کر ان میں وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہے ہیں، بہت کم ہے کیونکہ نو وارد لوگ بالعموم اپنے بزرگوں کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (Machenzie and Irby: PP. 250-251)۔

سرویا کے ملک میں البانیا والوں کی آمد کے بعد سرویا کی باقی ماندہ عیسائی آبادی میں اشاعت اسلام کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ سرویا کے پادری لوگ بہت جاہل اور ناخواندہ تھے اور نماز کی کتاب بھی بمشکل پڑھ سکتے تھے اور ان میں سے بہت کم لکھنا جانتے تھے، وہ نہ تو لوگوں کو وعظ سناتے تھے اور نہ ہی مذہبی عقاید کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ گاؤں کے گاؤں ایسے تھے جن میں ایک عیسائی بھی ایسا نہیں ملتا تھا جس کو ''خداوند کی دعا'' یاد ہو یا یہ جانتا ہو کہ احکام خداوندی کتنے ہیں۔ خود پادری لوگ بھی ویسے ہی جاہل تھے (Farlati: Vol vii, PP. 127, 128)۔ ۱۶۸۹ عیسوی کی بغاوت کے بعد سرویا کے مذہبی صدر مقام اپیک میں خلافت عثمانیہ کے دربار خلافت نے ایک بطریرک مقرر کر دیا تھا۔ لیکن جب دوبارہ بغاوت ہوئی تو یہ منصب منسوخ کر دیا گیا اور سرویا کے کلیسا کو قسطنطنیہ کے یونانی بطریرک کے زیر نگیں بنا دیا گیا۔ سرویا کے گرجا گھروں میں یونانی اسقف مقرر ہوئے جو بدنصیب عیسائیوں کا خون چوسنے میں ترک حکام اور امرا کے ہم نوا بن گئے۔ ان کی قومی زبان ممنوع قرار پائی اور سلافی زبان میں ان کی جو مذہبی کتابیں تھیں، ان کو جمع کر کے قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ (Mackenzie and iaby: PP. 374-375)۔ جب مذہبی کتابوں کی یہ حالت ہو تو پھر عیسائی مذہب کے زوال پر کیا تعجب ہو سکتا ہے؟ مثال کے طور پر گورا کے علاقے میں، جو پریزان کے ضلعے میں تھا، جب ۱۶۹۰ء کی ہجرت کے بعد لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے تو سرویا کے لوگوں نے، جو اپنے عیسائی مذہب پر بدستور قائم تھے۔ پریزرن کے یونانی اسقف سے بار بار التماس کی کہ ان کے ہاں کم از کم وقتاً فوقتاً معلم بھیجے جائیں لیکن ان کی درخواست بے کار گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بچوں کو اصطباغ تک نہ ملتا تھا اور ان کے ہاں شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کی رسوم بھی ارباب کلیسا کی تحریک کے بغیر ہی ادا ہوتی تھیں اور ان کی عبادت گاہیں اور مقدس مقامات بوسیدہ اور خستہ و خراب ہو چکے تھے۔ (Kanitz: PP. 39-40)۔ اپو لجی کے قریبی ضلعے میں ۹۵۰۰ مسلمانوں کی جو آبادی ہے، ان میں سے اکثر لوگ غالباً مقامی سلافی نسل کے باشندوں کی اولاد ہیں۔ (Kanitz: P. 38)۔ سترہویں صدی کے آغاز میں بزی نے جاگ نیود کے شہر میں رومن کیتھولک فرقے کے ۱۲۰ خاندان، یونانی عیسائیوں کے ۲۰۰ خاندان اور مسلمانوں کے ۱۸۰ خاندان دیکھے تھے۔ (Bizzi: P. 48)۔ لیکن اس کے بعد ایک سو سال بھی نہ گزرے تھے کہ یہاں کا ہر خاندان مسلمان شمار ہونے لگا کیونکہ ہر خاندان کا سربراہ اسلام کا نام لیوا تھا، صرف عورتیں اور چند بچے عیسائی تھے۔ (Zmaievich: P. 182)۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں لیورس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاؤں کے سب لوگ رومن کیتھولک تھے۔ ۱۸۶۳ء میں وہاں مسلمانوں کے ۹۰ اور عیسائیوں کے ۲۳ خاندان تھے لیکن آج کل اس گاؤں کے باشندوں نے عیسائیت کو ترک کر دیا ہے۔ (Kanitz: P. 38)۔ کچھ عرصہ ہوا، کئی دیہات میں قدیم عیسائی مذہب کی بعض رسوم ابھی تک پائی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ کرسمس کے موقعے پر الاؤ لگاتے تھے لیکن اس قسم کی رسمیں اب متروک ہو رہی ہیں۔

جنگ کوسوو اور مملکت سرویا کے زوال کے بعد مونٹ نیگرو کے سنسان پہاڑی علاقے سرویا کے ان لوگوں کے لیے ملجا و ماوی بن گئے جو ترکوں کی اطاعت قبول نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اپنی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ یہاں اس بات کا محل و موقع نہیں کہ اس بہادر قوم کی اس دلیرانہ جدوجہد کو بیان کیا جائے جو اس نے انتہائی مشکلات کے باوجود جاری رکھی۔ یہ تذکرہ بھی ضروری نہیں کہ انہوں نے کس طرح صدیوں کی مسلسل جنگ و جدال سے اپنے اسقفوں کی قیادت و سیادت میں ایک آزاد عیسائی ریاست کے وجود کو ایسے زمانے میں قائم و دائم رکھا جب کہ ان کی قوم کے باقی لوگ اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ (مونٹ نیگرو ۱۵۱۶ء سے ۱۸۵۲ء تک اسقفوں کے زیر حکومت رہا)۔ چونکہ بہ حیثیت ایک قوم کے ان کے الگ وجود کا دارومدار محض اس شغف پر موقوف تھا جس شغف کے ساتھ اس نے دین مسیحی کے ساتھ تمسک کیا تھا لہٰذہ ان حالات میں اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس قوم میں اشاعت اسلام کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود سترہویں صدی میں مونٹ نیگرو کے سرحدی ضلعوں کے بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قریبی علاقوں کے ترک حکام کی ملازمت کرنے لگے۔ لیکن ۱۷۰۳ء میں اسقف دانیال پترووچ نے، جو اس وقت ان کا حکمران تھا، تمام قبیلوں کو جمع کیا کہ اگر ان کے ملک اور ان کے مذہب کی بقا کی کوئی امید ہو سکتی ہے تو صرف اس بات پر موقوف ہے کہ جو مسلمان ان کے درمیان رہتے ہیں، ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ کرسمس کی شام کو مونٹ نیگرو کے وہ تمام مسلمان نہایت بے دردی سے قتل کر دیے گئے جو اسلام کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ (E.L.Clark PP. 362-363)۔

ترکوں کی فتوحات سے پہلے ملک بوسنیا کے جو مذہبی اور معاشرتی حالات تھے، وہ خاص توجہ کے لائق ہیں۔ یہاں کے اکثر لوگ عیسائیوں کے ایک ملحدانہ رفرقے سے تعلق رکھتے تھے جس کو بوگومیل Bogomiles کہتے تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی سے رومن کیتھولک لوگوں نے ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا اور پوپ کئی مرتبہ ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۵ء میں پوپ جان دوازدہم نے شاہ بوسنیا کو اس مضمون کا خط لکھا: ''ہمارے عزیز فرزند امیر اسٹیفن، شاہ بوسنیا کے نام، ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ تم کلیسا کے وفادار بیٹے ہو، اس لیے ہم حکم دیتے ہیں کہ اپنی قلمرو میں ملحدوں کو نیست و نابود کر دو اور ہمارے مقرر کردہ محتسب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابین کی ہر طرح امداد اور اعانت کرو کیونکہ تمام اطراف و اکناف سے ملحدوں کا ایک جم غفیر بوسنیا کی ریاست میں جمع ہو گیا ہے۔ ان کو اس بات کی امید ہے کہ وہ وہاں اپنی شرم ناک ضلالتوں کا بیج بو سکیں گے اور امن و سکون میں زندگی بسر کریں گے۔ ان لوگوں پر شیطان قدیم کے دجل و فریب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے اور وہ جھوٹ اور بے ایمانی کے زہر سے مسلح ہیں اور اپنی ظاہری سادگی کی نمائش کر کے اور عیسائیوں کا نام رکھ کر رومن کیتھولک لوگوں کے عقاید کو بگاڑ رہے ہیں۔ ان کی گفتگو کیکڑے کی طرح ٹیڑھی چال چلتی ہے۔ وہ عاجزی سے خاک پر رینگتے ہیں لیکن پوشیدہ طور پر لوگوں کے ایمان کو غارت کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں گرگ ہیں جنہوں نے گوسپند کا لباس پہن رکھا ہے اور اپنی درندہ خصلت کو چھپا کر مسیح کی بھولی بھالی بھیڑوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔''

پندرہویں صدی میں فرقہ بوگومیل کی تکلیفیں اس قدر نا قابل برداشت ہو گئیں کہ انہوں نے ترکوں سے التجا کی کہ ان کو ان کی زار و زبوں حالت سے نجات دلائی جائے کیونکہ بوسنیا کے بادشاہ اور پادریوں نے اس فرقے پر ظلم و ستم کو اس انتہا تک پہنچا دیا تھا کہ اس فرقے کے چالیس ہزار لوگ بوسنیا سے بھاگ کر آس پاس کے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ جو لوگ فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے، ان کو پابہ زنجیر کر کے روم بھیج دیا گیا۔ لیکن ان سختیوں کے باوجود بوسنیا میں بوگومیل کی قوت زائل نہ ہو سکی کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۴۶۲ عیسوی میں بھی یہ فرقہ زوروں پر تھا۔ اگلے سال جب سلطان محمد ثانی نے بوسنیا پر فوج کشی کی تو کیتھولک بادشاہ کی رعایا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور بوبووائسز کے شاہی شہر کے قلعے کی کنجیاں وہاں کے حاکم نے، جو فرقہ بوگومیل سے تھا، ترکوں کے حوالے کر دیں۔ دوسرے قلعوں اور شہروں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی چنانچہ ایک ہفتے کے اندر ستر شہر سلطان کے قبضے میں آ گئے اور محمد ثانی نے بوسنیا کو بھی اپنے کثیر التعداد مفتوحہ ملکوں میں شامل کر لیا۔ (Asboth: PP. 42-95)۔

اس فتح کے بعد بوگومیل فرقے کا حال بہت کم سننے میں آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کی فتح کے بعد اس فرقے کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور جو باقی رہ گئے، وہ بھی رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔ بوسنیا کے رومن کیتھولک عیسائی اپنا ملک چھوڑ کر آسٹریا اور ہنگری میں جا بسے۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ اس فرقے کے بیشتر لوگوں نے کم از کم ترک عہد کی ابتدا میں اس نیت سے اسلام قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے گا وہ اپنے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے۔ چونکہ ان پر ہمیشہ ظلم و ستم ہوتا رہا تھا، اس لیے انہوں نے عارضی طور پر اپنے مذہب سے انکار کرنا سیکھ لیا ہوگا۔ (Asboth: PP.96-97)۔ لیکن جب انہیں کبھی مناسب موقع نصیب نہ ہوا تو ان کی نیت بھی رفتہ رفتہ ماند پڑتی گئی ہوگی حتیٰ کہ اس قسم کا ارادہ ان کے اخلاف کے دل سے قطعاً محو ہو گیا۔ لیکن ایسا خیال محض قیاس ہے جس کی تائید میں کوئی صحیح شہادت موجود نہیں۔ ہمارے خیال میں بوگومیل فرقے کے لوگوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے سواد اعظم میں شامل ہونے کی ترغیب اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان کے مخصوص عقاید اور اسلامی عقاید میں بہت سی مشابہت تھی۔ مثال کے طور پر وہ مریم عذرا کی پرستش، اصطباغ اور پادریوں کی جماعت کا انکار کرتے تھے۔ فرقہ بوگومیل کے لوگ مسیحی کلیسا کی رسوم اور کلیسا کے تمام معززین کو برا کہتے ہیں اور انہوں نے یونانی پادریوں کا نام اندھے فریسی رکھا ہے۔ ان کو دیکھ کر وہ اس طرح غراتے ہیں جیسے کتے گھوڑوں پر بھونکتے ہیں۔ عشائے ربانی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ مسیح کا جسم نہیں بلکہ معمولی روٹی ہے۔ (Kosmas quoted by Evan: PP. 30-31)۔ وہ صلیب کو ایک مذہبی نشان کی حیثیت سے مکروہ جانتے تھے اور مذہبی تصویروں، بتوں اور اولیا کے تبرکات کی تعظیم و تکریم کو بت پرستی سمجھتے تھے۔ رومن کیتھولک گرجا گھروں کی آرائش اور زیبائش کے برعکس ان کی عبادت گاہیں بہت سادہ ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کی طرح وہ بھی گرجے کے گھنٹے سے نفرت کرتے تھے اور اسے ''شیطان کا صور'' کہتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ خود مصلوب نہیں ہوئے بلکہ کسی اور صورت نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ اس مسئلے میں وہ کسی قدر قرآن کی تعلیم سے موافقت رکھتے تھے۔ (اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا تھا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا۔ یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے، اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا۔ سورہ النسا آیت ۱۵۷...... مترجم)۔ وہ شراب کو حرام جانتے تھے، ان کا طرز زندگی بالعموم زاہدانہ تھا اور ان کے ظاہری طور طریقوں میں تشدد پایا جاتا تھا۔ ان سب باتوں سے اسلام کے ساتھ ان کو اور تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ (ترک سویڈن کے بادشاہ چارلس دوازدہم کی ستائش کرتے تھے کیونکہ وہ شراب سے سخت پرہیز کرتا تھا اور روزانہ دو وقت باقاعدگی سے نماز پڑھتا تھا، اس لیے وہ اس کے متعلق کہتے تھے کہ وہ سچا مسلمان ہے۔ (Voltaire: Vol 23 P. 200, Paris 1785)۔ چنانچہ ان کے متعلق کہا گیا ہے: ''تم ان ملحدوں کو دیکھو گے کہ وہ بظاہر بھیڑوں کی طرح خاموش اور پرامن ہیں لیکن منافقانہ روزے رکھ کر انہوں نے اپنے آپ کو زرد رو بنا رکھا ہے، وہ نہ زیادہ بولتے ہیں اور نہ ہی ہنستے وقت قہقہے لگاتے ہیں، داڑھی کو بڑھاتے ہیں اور باقی وضع قطع کے بارے میں بھی بے پروا رہتے ہیں۔'' یہ لوگ پانچ وقت دن کو اور پانچ وقت رات کو نماز ادا کرتے تھے اور دعائے ربانی بار بار رکوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (Asboth: P. 36)۔

میں نے یہاں بہت سی باتوں کو جمع کر دیا ہے جن کو اسلام کی تعلیمات کے ساتھ مشابہت ہے اور جو بوگومیل کے عقاید میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے بعض ایسے عقاید بھی تھے جو عیسائیت کے ساتھ مخصوص تھے اور جن کو کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال جب اس قدر باتیں مشترک ہوں تو بات سمجھنی آسان ہے کہ بوگومیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقے کو کس طرح ایسے عقاید کو رفتہ رفتہ ترک کرنے کی ترغیب ہوئی ہوگی جو اسلام کے منافی تھے۔ ان کی مانوی ثنویت کو بھی اسلامی الٰہیات کے ساتھ کسی صورت میں مطابقت نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اسلام نے اس قسم کے عقاید کے بارے میں ہمیشہ مصالحت اور رواداری کا طریقہ اختیار کیا ہے بشرطیکہ ان سے کوئی تفرقہ پیدا نہ ہو اور عقاید اور اعمال کے ضمن میں اسلام کے بنیادی اصولوں کا اقرار کیا جائے۔

ترکوں نے حسب روایت بوسنیا والوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے ہر قسم کی رعایت دی۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے، ان کو اجازت تھی کہ وہ اپنی اراضی اور مال و متاع پر بدستور قابض رہیں۔ ان کی جاگیریں ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ تھیں (Olivier: PP. 17,18)۔ غالب گمان یہ ہے کہ بہت سے قدیم عیسائی خاندانوں کے جائز وارثوں نے، جن کو کیتھولک فرقے نے ان کے ملحدانہ عقاید کی بنیاد پر اپنی جائیدادوں سے بے دخل کر دیا تھا، ترک حکمرانوں کا دین اختیار کر کے اپنے پرانے رتبے اور درجے کو دوبارہ حاصل کرنے کا موقع پایا۔ بوسنیا کے مسلمانوں نے اپنی قومیت کو قائم رکھا اور وہ اب تک اکثر سربی نام رکھتے اور صرف اپنی قومی زبان بولتے ہیں۔ (Olivier: P. 113)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے نئے دین کے لیے ہمیشہ پر جوش سرگرمی کا اظہار کیا ہے۔ ان کے امرا نے اپنے سپاہیانہ اوصاف، اسلام کی محبت اور اپنے اثر و رسوخ کی بدولت قسطنطنیہ کے دربار میں بڑی قدر و منزلت حاصل کر لی تھی اور ان کے اکثر افراد سلطنت کے اہم عہدوں پر تعینات ہوئے تھے۔ چنانچہ ۱۵۴۴ء اور ۱۶۱۱ء کے درمیانی عرصے میں بوسنیا کی قوم کے ۹ مدبر افراد ترکی کے صدر اعظم کے منصب پر فائز ہوئے۔

ترکی کی ملکی فتوحات کے سلسلے میں آخری فتح جزیرۂ کریٹ کی تھی۔ ترکوں نے تین سال کے طویل اور سخت محاصرے کے بعد ۱۶۶۹ء میں شہر کانڈیا فتح کر کے جزیرہ کریٹ کو جمہوریہ وینس سے چھین لیا اور دونوں حکومتوں میں اس جزیرے پر قبضے کے لیے پچیس سال سے جو تنازع چلا آ رہا تھا، وہ ختم ہو گیا۔

یہ پہلا موقع نہ تھا کہ کریٹ کا جزیرہ مسلمانوں کے تسلط میں آیا۔ نویں صدی کی ابتدا میں اندلسی عربوں کی ایک جماعت نے اچانک حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور یہ جزیرہ تقریباً ڈیڑھ صدی تک (۸۲۵ء سے ۹۶۱ء) ان کے تصرف میں رہا تھا۔ اس عرصے میں جزیرے کی تقریباً تمام آبادی مسلمان ہو گئی تھی اور وہاں کے گرجے یا تو کھنڈر بن چکے تھے یا مسجدوں میں تبدیل کر دیے گئے تھے۔ لیکن جب یہاں بازنطینی سلطنت کا دوبارہ دور دورہ ہوا تو ایک ارمنی راہب نے اس ہوشیاری سے عیسائیت کی تبلیغ کی کہ کریٹ کے باشندے دوبارہ اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ آئے اور پورے جزیرے میں سوائے عیسائیت کے اور کوئی مذہب نہ رہا۔ (Cornaro: Vol I PP. 205-208)۔ جب بازنطینی سلطنت تقسیم ہوئی تو یہ جزیرہ مونٹ سراٹ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈیوک بونی فیس کے حصے میں آیا۔ تیرہویں صدی کے شروع میں وینس والوں نے اسے ڈیوک بونی فیس سے خرید لیا اور اہل جزیرہ پر سخت گیری سے حکومت کرنے لگے کیونکہ وہ اسے ایک خریدی ہوئی چیز سمجھتے تھے اور وہاں کے ذرائع آمدنی کو اپنی حکومت اور آبادکاروں کے مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی حکومت اس قدر جابرانہ اور ظالمانہ تھی کہ لوگوں نے کئی بار بغاوتیں کیں جنھیں نہایت بے دردی سے فرو کر دیا گیا۔ ایک بغاوت کے موقعے پر سفاکیہ اور لاسیتی کے ضلعے بالکل ویران ہو گئے۔ وینس کی حکومت نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ ان ضلعوں میں کوئی شخص کاشتکاری کا مجاز نہیں ہے اور حکم عدولی کی صورت میں اسے سزائے موت دی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ضلعے تقریباً ایک صدی تک بنجر پڑے رہے۔ (Perrot: P. 151)۔ سولہویں صدی کے آغاز میں وینس کے حکام نے کریٹ کی بغاوت کو جس بے رحمی اور سفاکی سے دبایا، اس نے کریٹ کے بدنصیب باشندوں کی مصیبت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اسی صدی کے آخیر زمانے میں وینس کی حکومت نے اہل جزیرہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے اپنے کمشنر بھیجے۔ انہوں نے جو رپورٹ مرتب کی، اس سے جزیرے والوں کی انتہائی بے کسی اور مظلومی کا انکشاف ہوتا ہے۔ وینس کے امرا نے، جو وہاں کے جاگیردار تھے، اپنے ظلم وستم سے کاشتکاروں کو اس قدر پامال کر دیا جس سے ان کی حالت غلاموں سے بھی ابتر ہو گئی اور وہ کسی بے انصافی کے خلاف شکایت کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ ہر کاشتکار پر لازم تھا کہ وہ اپنے جاگیردار کے لیے سال میں بارہ دن بغیر کسی اجرت کے کام کرے۔ اس کے علاوہ جاگیردار کاشت کاروں سے جتنی مدت تک چاہے، ایک پینی یومیہ کے حساب سے کام لے سکتا تھا۔ انگوروں کے باغوں کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ بطور لگان وصول کیا جاتا تھا لیکن مکروفریب اور سینہ زوری سے اس لگان کی مقدار عموماً دو تہائی تک پہنچ جاتی تھی۔ کاشت کاروں کے بیل اور خچر جاگیرداروں کی بیگار کے لیے پکڑے جا سکتے تھے۔ بے چارے کاشتکاروں کا خون چوسنے کے اور ہزاروں طریقے موجود تھے۔ (Pashle: vol ii PP. 284,291-292)۔ کمشنروں نے اہل کریٹ کی حالت زار کی جو کیفیت لکھی، وہ بے اثر ثابت ہوئی کیونکہ وہ وینس کے سینیٹ کو ان کی اصلاح اور جاگیرداروں کے مظالم کی روک تھام پر مائل نہ کر سکی بلکہ سینیٹ نے فرا پال سرپی کے مشورے پر عمل کرنے کو ترجیح دی جس نے ۱۶۱۵ء میں یونانی نوآبادیوں کی رعایا کے بارے میں وینس کی جمہوریہ کو لکھا تھا کہ اگر ان نوآبادیوں کے امرا اپنی ریاستوں کے دیہات پر ظلم کرتے ہیں تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے تاکہ ان میں اور ان کی رعایا میں مروت اور خلوص کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ (Pashle: vol ii P. 298)۔

ان ہی مصنفوں سے پتا چلتا ہے اور ہمیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ کریٹ کے باشندے حاکموں کی تبدیلی چاہتے تھے اور ان کو ترکوں کی اطاعت قبول کرنے سے بھی احتراز نہ تھا کیونکہ اپنی قوم کے اور لوگوں کی مثالیں ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے موجود تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سے لوگ ٹیکسوں کے ناقابل برداشت بوجھ سے بچنے کے لیے ترک سلطنت میں چلے گئے تھے اور انہوں نے اس بارے میں اور بے شمار لوگوں کی پیروی کی تھی جنہوں نے وقتاً فوقتاً بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔(Pashle: Vol, ii P. 285)۔ کریٹ کے بہت سے لوگ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے تھے جہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔(Pashle: Vol I, P 319)۔ اہل کریٹ کو یہ بات خاص طور پر ناگوار تھی کہ رومن کیتھولک پادری اوقاف کی آمدنی کو، جو یونانی ارباب کلیسا کا حق تھا، ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لاتے تھے اور وہ یونانی کلیسا کے عیسائیوں کی ہر طرح توہین کرتے تھے حالانکہ یہ لوگ جزیرے کی آبادی کا نوے فی صد تھے۔(Perrot: P. 151)۔ اس کے برعکس ترکوں نے یونانی کلیسا کو بحال کر کے ان کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔ وینس کے ایک مصنف کے بیان کے مطابق یہ واقعہ یوں پیش آیا:

''کانیا کا ایک پادری ترک جرنیل قاسم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اگر تم کریٹ والوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور ان کو وینس کے نام سے نفرت دلانا چاہتے ہو تو تمہیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کسی مہذب معاشرے کا شیرازہ قائم رکھنے کے لیے سب سے مضبوط رشتہ مذہب ہے۔ پس تم کو وہ طریق کار اختیار کرنا ضروری ہے جو وینس والوں کے طرز عمل سے مختلف ہو۔ ان لوگوں نے یونانی کلیسا کی بیخ کنی کر کے اس کی جگہ رومن کیتھولک مذہب کو قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی اور اس مقصد سے انہوں نے یہ حکم جاری کیا کہ جزیرے میں کوئی یونانی بشپ رہنے نہ پائے۔ ان کا خیال تھا کہ ان محترم اور بااختیار مذہبی پیشواؤں کو الگ کر کے ان کے بیشتر پیروؤں پر آسانی سے قابو پالیں گے۔ اس ممانعت سے اہل کریٹ کے دلوں میں ایسی رنجیدگی پیدا ہوئی کہ وہ ہر ایسی حکومت کا بخوشی خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہو گئے جو کلیسا کے قدیم نظام کو بحال کرنے پر رضامند ہو، وہ نظام جو ان کے مذہبی فرائض کی مناسب بجا آوری کے لیے بہت ضروری ہے۔'' اس پادری نے قاسم سے یہ بھی کہا کہ اگر تم رعایا کو یہ یقین دلا دو کہ نہ صرف ان کے پرانے مذہبی حقوق قائم رکھے جائیں گے بلکہ ان کو نئی رعایتیں بھی دی جائیں گی تو اس سے تم ان کا دل ہاتھ میں لے لو گے۔ قاسم کو یہ دلائل اس قدر معقول معلوم ہوئے کہ اس نے قسطنطنیہ کے حکام کو فوراً ان سے مطلع کر دیا۔ دارالخلافت نے ان تجویزوں کو منظور کر لیا اور یونانی بطریرک کو حکم ملا کہ وہ کسی اسقف کو صوبہ کانڈیا کا مطران مقرر کرے اور اس مطران کے تحت مزید سات اسقف نامزد کیے جائیں۔

(Charles Edwardes:Letters from Crete, PP. 90-92, London, 1887)۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ترکوں نے کریٹ کو فتح کر لیا تو اس کے بعد جلد ہی وہاں کے بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اس سے پہلے وینس والوں نے اپنے دور حکومت میں کریٹ کے باشندوں کو اپنے سے دور اور الگ رکھا تھا۔ جب کریٹ کے لوگ اپنے آپ کو اہل وینس کے مشابہ بنانے کی کوشش کرتے تھے تو وینس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمران اسے ایک ناقابل معافی توہین سمجھتے تھے (Pashle: Vol II, PP. 151-152) اور اپنی رعایا کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ وہ ان سے ادنیٰ ہیں۔ ان حالات میں اہل کریٹ محض اپنی قومی عصبیت کی بدولت اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے اور ان میں اب بھی خودداری کا یہی قومی جذبہ تھا جس کے سبب انہوں نے نئے حکمرانوں کا مذہب اختیار کیا کیونکہ ترکوں نے ان کو رعایا کے درجے سے بلند کر کے اپنا ہم عصر تسلیم کیا اور ان کو ملک کی سیاسی زندگی اور حکومت میں حصہ دیا۔ کریٹ میں اسلام کی عام اشاعت کے خواہ کچھ بھی اسباب ہوں، یہ بات ناقابل یقین ہے کہ جبر و اکراہ نے ایک ایسی قوم کا مذہب تبدیل کیا ہو جو کئی صدیوں تک ایک مخالف اور غیر ملکی مسلک (رومن کیتھولک) کے ظلم و ستم کے باوجود اپنے مذہب سے وابستہ رہی تھی۔ کریٹ میں اسلام کی صفوں کو پر کرنے کے اسباب کچھ بھی ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ترکوں کی فتح کے تیس سال بعد وہاں کے بیشتر مسلمان یا تو نومسلم تھے یا نومسلموں کی اولاد! (Pashle: Vol I, P. 9)۔ ایک سو سال کے عرصے میں کریٹ کی نصف آبادی مسلمان ہو چکی تھی۔ جزیرے کے ایک سے دوسرے سرے تک نہ صرف شہروں بلکہ دیہات میں بھی، نیز اندرونی اضلاع کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں بھی مسلمان بکثرت نظر آتے تھے اور اب بھی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ شکل و صورت، عادات و اطوار اور زبان کے لحاظ سے بالکل یونانی ہیں۔ جزیرۂ کریٹ میں آج تک یونانی کے سوا اور کسی زبان کا رواج نہیں رہا یہاں تک کہ جو تھوڑے سے ترک وہاں آباد ہیں، ان کو بھی وہاں کی ملکی زبان اختیار کرنا پڑی ہے۔ چنانچہ سلطان ترکی کے تمام فرمان اور پاشاؤں کے احکام ہمیشہ یونانی زبان میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ (Perrot: P. 159)۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی عداوت، جس نے انیسویں صدی میں کریٹ کی تاریخ کو اس قدر افسوس ناک بنا دیا ہے، وہ انقلاب یونان سے پہلے (جس میں یہ ملک ترکی سے آزاد ہوا) ہرگز اتنی سخت نہ تھی جب کہ کریٹ کے اکثر مسلمان عموماً عیسائی لڑکیوں سے شادی بیاہ کیا کرتے تھے بلکہ اس زمانے میں ان دونوں قوموں کا معاشرتی میل ملاپ اس بات سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا لباس ایسا یکساں تھا کہ وہاں کے مدت سے رہنے والے لوگ اور قریبی جزیروں کے یونانی باشندے بھی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔

(T. A. B. Spratt: Travels and Researches in Crete, Vol I, P. 47, London 1865)

زمانہ حال کے سیاسی واقعات نے کریٹ کے مسلمانوں کی آبادی میں بڑی کمی کر دی ہے۔ ۱۸۸۱ء میں وہاں کے مسلمانوں کی تعداد ۷۳۲۳۴ تھی لیکن مسلمانوں کی مسلسل ہجرت کے باعث ۱۹۰۹ء میں ان کی تعداد گھٹ کر صرف ۳۳۴۹۶ رہ گئی۔ (Revue du Musalman: Vol III, P. 99)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

ایران اور وسطی ایشیا میں اسلام کی اشاعت

وسطی ایشیا میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس اشاعت کی کیفیت بخوبی سمجھنے کے لیے قرن اول کی عرب فتوحات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ ساتویں صدی کے وسط تک ساسانیوں کا عظیم الشان خاندان، جس نے چار سو سال تک رومی سلطنت اور اس کے بعد بازنطینی حکومت کی سطوت وصولت کا مقابلہ کیا تھا، خاک میں مل چکا تھا اور ان کا ملک اہل اسلام کا ورثہ بن چکا تھا۔ جب مملکت ایران کی فوجوں نے عرب عساکر کے مقابلے میں ہزیمتیں اٹھائیں تو عامتہ الناس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ ساسانی خاندان کے آخری حکمرانوں کے عہد میں ملک میں ہولناک بدنظمی کا دوردورہ رہا۔ اس کے علاوہ رعایا کے دل اپنے حکمرانوں سے اس وجہ سے بھی برگشتہ ہو چکے تھے کہ وہ زرتشتی مذہب کی جابرانہ روش کی امداد اور حمایت کرتے تھے۔ زرتشتی مذہب کے پیشواؤں نے مملکت میں بے حد اثر ورسوخ پیدا کر لیا تھا اور شہنشاہ کی مجلس مشاورت میں بھی ان کو بڑا اقتدار واختیار حاصل تھا۔ ملک کے نظم ونسق میں بھی ان کا بڑا عمل دخل تھا۔ اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ دوسری تمام جماعتوں پر ظلم وستم کرتے تھے جن کے مذہبی عقاید ان سے مختلف تھے۔ ایران میں کئی زرتشتی فرقوں کے علاوہ عیسائی، یہودی اور صابی بھی آباد تھے اور بعض فرقوں میں ناستک، مانوی اور بدھ مت کے پیروکار بھی پائے جاتے تھے۔ ان تمام مذاہب کے پیروؤں میں مملکت کے سرکاری مذہب کے خلاف اس کے جور وتعدی کی وجہ سے سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی اور وہ اس حکمران خاندان سے بھی بیزار تھے جو ان مظالم کا حامی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے عربوں کی فتوحات کو اپنے حق میں نجات کا باعث سمجھا۔(Caetani: vol II, PP. 910.911)۔ اب ان مختلف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقوں کو ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ سکھ کا سانس لینے کی توقع ہوئی جس نے ان کو جزیے کی معمولی رقم کے عوض مذہبی آزادی دی اور ان کو فوجی خدمت سے بری الذمہ کر دیا کیونکہ اسلامی شریعت نے نہ صرف عیسائیوں اور یہودیوں بلکہ زرتشتیوں، صابیوں، بت پرستوں اور آتش پرستوں کو بھی مذہبی آزادی کی ضمانت دی تھی۔ (قاضی ابو یوسف: کتاب الخراج، صفحہ ۳۷)۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس بات کی واضح ہدایت کی تھی کہ زرتشتیوں کے ساتھ بھی اہل کتاب (عیسائیوں اور یہودیوں) کا سا سلوک کیا جائے اور حفاظت کے معاوضے میں ان سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ (قاضی ابو یوسف: کتاب الخراج، صفحہ ۷۴ نیز بلاذری: صفحات ۷۰، ۷۱، ۸۰)۔ یہ روایت غالباً دوسری صدی ہجری میں اس وقت قائم ہوئی جب عربوں کو اپنی تمام مفتوحہ اقوام کو یکساں طور پر آزادی دینے کے لیے نبی کریمؐ کے حکم کی ضرورت پیش آئی، خواہ یہ اقوام اہل کتاب کے زمرے میں شامل تھیں یا نہیں؟ (Caetani: Vol v, PP. 361, 394-395, 457)۔

ایران کے عیسائیوں نے حکومت کے انقلاب سے ساسانی حکمرانوں کے ظلم وستم سے نجات پائی جنہوں نے یعقوبیوں اور نسطوریوں کے باہمی جھگڑوں کو خوب ہوا دی تھی اور ان مخالف فرقوں کے انتشار و افتراق میں نمایاں اضافہ کیا تھا۔ شاہان ایران کی طرف سے گزشتہ زمانے میں عیسائیوں پر جو مظالم ہوئے، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور اس وقت بھی جب ساسانی خاندان دم توڑ رہا تھا، خسرو دوم نے جب عیسائی قیصر ہرقل کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس نے کھسیانا ہو کر اپنی مملکت کے عیسائیوں پر دوبارہ ظلم وستم کرنے کا حکم دیا جس سے عیسائیوں کے تمام فرقوں کو ایذا پہنچی۔ ان ہولناک حالات سے لوگوں کے دلوں میں وہ نفرت اور برگشتگی پیدا ہوئی ہوگی جس سے مذہب کی تبدیلی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ ''مملکت کی سیاسی بدنظمی کے علاوہ عیسائیوں کے دل و دماغ اخلاقی اور ذہنی انتشار کا بھی شکار تھے۔ مصائب کے ہجوم اور مختلف عقاید کے باہمی شدید تصادم نے ان کو بے حد پریشان کر دیا تھا اور وہ ایک خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی طرف مائل ہو رہے تھے جہاں ایک نئے مذہب کے لیے جڑ پکڑنا آسان ہوتا ہے۔ غرض یہ لوگ پریشان کن قدیم بحث و مباحثہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے مذہب اور معاشرے کو نئی بنیادوں پر استوار کرنے میں کوشاں تھے۔ بالفاظ دیگر اہل ایران خاص طور پر وہاں کے سامی لوگوں کی ذہنی کیفیت ایسی صورت اختیار کر رہی تھی کہ وہ اسلامی انقلاب کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار اور اسلام کے جدید اور سادہ دین کو قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ اسلام نے اپنی مکمل اور پر وقار سادگی سے تمام تاریک بادلوں کو یک قلم ہٹا دیا، ان کے سامنے نئی اور دلفریب امیدوں کے دروازے کھول دیے اور ان کو غلامی کی ذلت سے فوری آزادی دلانے کا وعدہ کیا۔'' (Caetani: Vol II, P. 910)۔

لیکن شہروں کے باشندوں، پیشہ ور لوگوں اور کاریگروں نے بڑی گرم جوشی سے اسلام کا خیر مقدم کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زرتشتی مذہب کی رو سے ان کے پیشہ ورانہ مشاغل نے ان کو نجس بنا دیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی تجارت اور صنعت کے دوران آگ، زمین یا پانی کو ناپاک کر دیا تھا۔ اس طرح ان کی شریعت کی نظروں میں یہ لوگ ملیچھ تصور ہوتے تھے اور انہیں حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس قبیل کے لوگوں نے بڑے ذوق وشوق سے اسلام جیسے مذہب کو اختیار کیا جس نے ان کو فوراً احرار بنا دیا اور اسلامی برادری میں سب کے برابر درجہ دیا۔ (A-de-Gobineau: PP. 306-310)۔ زرتشتی مذہب کے جو لوگ مسلمان ہوئے، ان کا حال بھی قابل ذکر ہے۔ ساسانی خاندان کی عام تباہی کے ساتھ ہی ان کے قومی مذہب کا عالی شان محل بھی، جو ان کے سہارے کھڑا تھا، دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ زرتشتیوں کے پاس اب کوئی ایسا مرکز باقی نہیں رہا تھا جہاں وہ جمع ہو سکیں۔ چونکہ ان کے قدیم اور جدید مذہب میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، اس لیے اہل فارس کو اپنا مذہب دین اسلام سے تبدیل کرنا آسان معلوم ہوا ہوگا۔ ایرانیوں کو قرآن میں اپنے قدیم مذہب کے بہت سے بنیادی عقاید ملے ہوں گے گو ان کی صورت مختلف تھی۔ اہورا مزدا اور اہرمن کی جگہ اللہ اور ابلیس نے لے لی۔ اسی طرح چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق، ملائکہ اور شیاطین، ابتدا میں آدمؑ کا بے گناہ ہونا، قیامت کے دن حشر اجساد اور جنت اور دوزخ کا عقیدہ، (Dozy (1) P. 157) یہ تمام مسائل دونوں مذہبوں میں مشابہ اور مشترک تھے۔ روزمرہ عبادات میں بھی بہت سی باتیں یکساں تھیں۔ مثال کے طور پر جس طرح زرتشتیوں کو قبول اسلام کے بعد نماز پنجگانہ کا حکم ہوا، اسی طرح ''اوستا'' میں بھی پنج وقتہ عبادت کی ہدایت تھی۔ (Hene berg: P. 5)۔ شمالی ایران میں ایسے قبیلے موجود تھے جنہوں نے سرکاری مذہب کے کلیسائی نظام کی اس بنا پر سخت مخالفت کی تھی کہ ہر شخص اپنے خاندان کا پیشوا ہے اور اسے کسی غیر کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے اور بقائے روح کے قائل تھے۔ وہ اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ اپنے ہمسائے سے محبت کرو، اپنے نفس پر قابو پاؤ اور نیک زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ لہٰذہ ایسے لوگوں کو قبول اسلام کی ترغیب دینے کی بہت کم ضرورت ہوئی ہوگی۔ (Dozy(1) P.157)۔ ایران کے جو ملحدانہ فرقے عیسائیت سے متاثر ہوئے تھے، ان کے ساتھ اسلام کی مماثلت اور بھی زیادہ تھی۔

ایران میں اسلام کی اشاعت کے متذکرہ بالا اسباب کے علاوہ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ایران کی مفتوح قوم کو اسلام کے ساتھ سیاسی اور قومی ہمدردی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ امام حسینؓ کی شادی یزدگرد کی بیٹی شاہ بانو سے ہوئی تھی جو ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ امام حسینؓ اور شاہ بانو کی اولاد کو ایرانیوں نے اپنے قدیم بادشاہوں کی وارث اور اپنی قومی روایات کا والی تصور کیا اور یہی وہ ملکی جذبہ ہے جس نے ایرانیوں میں حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ انتہائی شغف پیدا کر دیا۔ اسلام میں شیعہ فرقے کی ابتدا اسی شغف سے ہوئی۔ (ماہرین شرقیات کی نویں بین الاقوامی کانگریس کی روداد، جلد دوم صفحات ۵۰۹ تا ۵۱۱، لندن ۱۸۹۳ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایران میں اسلام کی وسیع اشاعت میں جبر و اکراہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کے ساتھ تمسک کیا، ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ایران کے بعض ضلعوں میں آتش پرستوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں آج تک موجود ہیں۔ اگرچہ بعد کے زمانے میں ان پر اکثر سختیاں ہوئی ہیں (نکولس دی خانیکوف کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے اختتام پر کرمان میں آتش پرستوں کے بارہ ہزار خاندان آباد تھے) لیکن اسلامی عہد کی ابتدائی صدیوں میں ان کو بڑی حد تک مذہبی آزادی حاصل رہی ہے اور ان کے آتش کدوں کا احترام کیا جاتا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ معتصم (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء) کے عہد میں ایک مسلمان سپہ سالار نے ایک امام اور موذن کو اس بنا پر درے لگائے تھے کہ انہوں نے صغد میں ایک آتش کدے کو مسمار کر کے اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی تھی۔ (Chwolsohn: Vol. I, P. 287)۔ دسویں صدی عیسوی میں یعنی اسلامی فتح کے تین سو سال بعد تک عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، جبال، آذربائجان اور اران، غرض ایران کے تقریباً ہر صوبے میں آتش کدے پائے جاتے تھے۔ (مسعودی: جلد چہارم صفحہ ۸۶)۔ فارس کے صوبے میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شہر یا ضلع ہوگا جس سے مجوسی اور ان کے آتش کدے موجود نہ ہوں۔ شہرستانی نے بھی، جس کا زمانہ تحریر بارہویں صدی عیسوی ہے، لکھا ہے کہ خود بغداد کے قرب و جوار میں اسفیلیا کے مقام پر ایک آتش کدہ موجود تھا۔ (کتاب الملل والنحل مرتبہ کیورٹن، حصہ اول صفحہ ۱۹۸)۔

ان واقعات کے پیش نظر زرتشتی مذہب کے بارے میں یہ کہنا یقیناً ناممکن ہے کہ اس کا زوال کلیۃً مسلمان فاتحین کے جبر و اکراہ کا نتیجہ تھا۔ اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں جن ایرانیوں نے اسلام قبول کیا، ان کی تعداد ذیل میں درج کی گئی وجوہ کی بنا پر بہت زیادہ تھی۔ لیکن چونکہ ان کا قدیم مذہب دیر تک زندہ رہا اور بعد کی صدیوں میں بھی زرتشتی وقتاً فوقتاً مسلمان رہے، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ ایرانیوں نے پرامن طریقے اور بطیب خاطر اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ آٹھویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب بلخ کے ایک امیر سامان نے، جس نے خراسان کے اسد بن عبداللہ سے امداد حاصل کی تھی، زرتشتی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور اپنے محافظ کے نام پر اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا۔ یہ وہی نومسلم ہے جس سے سامانی خاندان (۸۷۴ء سے ۹۹۹ء) کا نام چلا۔ نویں صدی کے شروع میں قابوسی خاندان کا پہلا حکمران کریم بن شہر یار مسلمان ہوا اور ۸۷۳ عیسوی میں دیلم کے علاقے میں بہت سے لوگ ناصر الحق ابو محمد کے اثر سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۹۱۲ عیسوی میں بحیرہ کیسپین (خزر) کے جنوبی ساحل پر علوی خاندان کے حکمران حسن بن علی نے، جو علم و فہم کے علاوہ مختلف فرقوں کے مذہبی عقاید سے بھی خوب واقفیت رکھتا تھا، طبرستان اور دیلم کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے بعض لوگ بت پرست تھے اور بعض مجوسی۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہی لیکن باقی لوگ اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرانے مذہب پر بدستور قائم رہے۔ (مسعودی: مروج الذہب: جلد ہشتم صفحہ ۲۹۷، جلد نہم صفحہ ۵،۴)۔
۳۹۷ ہجری (۱۰۰۳،۱۰۰۴ عیسوی) میں دیلم کے مشہور آتش پرست شاعر ابوالحسن مہیار نے فن شاعری میں اپنے استاد شریف الرضا کی ترغیب سے اسلام قبول کرلیا۔ (ابن خلکان: وفیات الاعیان، جلد سوم صفحہ ۵۱۷)۔
غالباً اسی زمانے کے قریب مشہور جغرافیہ دان ابن خردازبہ کا دادا بھی برمکی خاندان کے ایک فرد کے اثر سے مسلمان ہوا تھا۔ (کتاب الفہرست صفحہ ۱۴۹)۔ اس برمکی کا جد امجد بھی مجوسی رہ چکا تھا اور بلخ کے شہر نو بہار کے بڑے آتش کدے کا متولی تھا۔

قبول اسلام کے اس قسم کے واقعات کے متعلق ہماری معلومات بہت محدود ہیں البتہ ان سے اتنا پتا چلتا ہے کہ ایرانیوں نے اپنی رضا اور رغبت سے اسلام اختیار کیا تھا اور عباسی عہد کے آخر تک زرتشتیوں کو بحیثیت مجموعی مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل تھی۔ لیکن تاتاریوں کے حملے سے ان کی تاریخ میں ایک تاریک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ایران کے مسلمانوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں، ان سے ان کی طبیعت میں ایک طرح کا تعصب پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے زرتشتیوں کو بعض اوقات سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران میں ایک جدید تحریک اسماعیلی فرقے کی صورت میں پیدا ہوئی جس کے حالات اشاعت اسلام کی تاریخ میں دلچسپی کا موجب ہیں۔ اس موقعے پر ہمیں اس فرقے کی تاریخ یا اس کے مذہبی عقاید سے بحث نہیں ہے اور نہ ہی ان معاشرتی اور سیاسی اسباب سے سروکار ہے جو اس فرقے کی ترقی کا باعث ہوئے لیکن جس حیرت انگیز تبلیغی نظام سے اس فرقے کے عقاید کی ترویج ہوئی، اس کی طرف توجہ کرنا ہم پر لازم ہے۔ اس تنظیم کا بانی ایک شخص عبداللہ بن میمون تھا جس نے نویں صدی کے شروع میں اسماعیلیوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اسماعیلی تنظیم اس لحاظ سے یسوعی جماعت کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے کہ اسے انسانی فطرت میں گہری بصیرت حاصل تھی اور اس کے داعی نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے مخصوص عقاید کو مختلف طبائع کے قدیمی خیالات اور تصورات کے مطابق پیش کرتے تھے۔ اس نے اپنے داعی تمام اطراف میں طرح طرح کے بھیسوں میں روانہ کیے۔ وہ اکثر اوقات صوفیوں کا خرقہ اوڑھتے تھے اور کبھی تاجروں اور سوداگروں کے لباس میں سفر کرتے تھے۔ ان کو اس بات کی ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ ہر ایک شخص سے اس کی زبان میں بات کریں یعنی اس کی لیاقت اور عقل و فہم کے مطابق اس سے گفتگو کریں اور اپنی تلقین کو اس کے عقاید کے ساتھ مطابقت دیں اور لوگوں کے تمام طبقوں کو اپنے فرقے کے امام کی اطاعت کرنے کی ترغیب دیں۔ چنانچہ اسماعیلی داعی جاہل عوام کو شعبدے دکھا کر مسحور کر لیتے تھے جن کو وہ معجزے سمجھتے تھے اور ان سے پر اسرار باتیں کرتے تھے جن سے ان کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے۔ خداپرستوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرہیزگاروں کی صحبت میں پہنچے تو نیکی اور دین داری کی مجسم تصویر بن گئے، صوفیوں سے ملاقات ہوئی تو ان کے سامنے عام عقاید کے مخفی اور باطنی معنے بیان کیے اور ان کی استعداد کے مطابق ان کو علم غیب کے مختلف مدارج سے آگاہ کیا۔ بہت سے مذاہب کے لوگ ایک آنے والے نجات دہندہ کے یکساں منتظر تھے۔ اس عام تصور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ امام مہدی عنقریب آنے والا ہے، یہودیوں سے کہتے کہ مسیح کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے اور عیسائیوں سے کہتے کہ فارقلیط کی آمد آمد ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سب کو آگاہ کرتے تھے کہ تم میں سے ہر ایک کی آرزو صرف اس وقت پوری ہوگی جب حضرت علیؓ ایک بڑے نجات دہندہ کی صورت میں خروج کریں گے۔ جب اسماعیلی داعی شیعوں کی مجلس میں بیٹھتا تو اپنے آپ کو تمام شیعی عقاید کا پرجوش حامی ظاہر کرتا اور کہتا کہ سنیوں نے حضرت علیؓ اور ان کے بیٹوں کے ساتھ بے انصافی اور بے رحمی کا سلوک کیا ہے، اور سنی خلفا کو خوب تبرے سناتا تھا۔ جب وہ اس طرح سے اپنا راستہ ہموار کر لیتا تو شیعی عقاید کی تکمیل کے طور پر اسماعیلی فرقے کے مخصوص باطنی عقاید کی تلقین کرتا تھا۔ اگر اسے کسی یہودی سے واسطہ پڑتا تو وہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں مذہبوں کا حقارت سے ذکر کرتا تھا اور اس سے اس بات پر اتفاق کرتا کہ مسیح موعود عنقریب آنے والا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بتدریج یہ یقین پیدا کرتا تھا کہ مسیح موعود سے سوائے حضرت علیؓ کے اور کوئی شخص مراد نہیں ہوسکتا جو اسماعیلیہ کے مسیح اعظم ہیں۔ اگر کسی عیسائی کو اپنے مذہب پر لانا مقصود ہوتا تو یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کی جہالت کا ذکر کرتا اور عیسوی مذہب کے اصولوں کا احترام کرتا لیکن آخر میں نرمی سے کہتا کہ یہ سب تمثیلی علامات ہیں اور ان کے وہ عمیق اور دقیق معنے بیان کرتا جو صرف اسماعیلی عقیدے میں مل سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت احتیاط کے ساتھ عیسائیوں سے یہ بھی کہتا تھا کہ تم نے فارقلیط کے مفہوم کو قدرے غلط سمجھا ہے، سچے فارقلیط تو صرف حضرت علیؓ ہیں۔ اسی طرح جو اسماعیلی داعی ہندوستان میں وارد ہوئے، انہوں نے اپنے عقاید کو ایسی صورت دی جو ہندوؤں کے لیے قابل قبول ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کو وشنو کا دسواں اوتار بتایا جو مغرب یعنی الموت سے آنے والا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک مہدی پران لکھ ڈالا اور واما چاریوں کی طرز پر بھجن تالیف کیے۔ اور یہ لوگ تھے جن کے دل و دماغ اپنے متصوفانہ خیالات کی وجہ سے اسماعیلیہ کے باطنی عقاید کو قبول کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھے۔

(Khoja Vrittant: PP. 141-148)۔

غرض ان طریقوں سے اسماعیلی داعیوں نے مختلف مذاہب کے بہت سے لوگوں کو ایک ایسے فرقے میں جمع کر لیا جس کے حقیقی مقاصد صرف چند افراد کو معلوم تھے۔ عبداللہ بن میمون کے اغراض پوری طرح سیاسی معلوم ہوتے تھے لیکن چونکہ اس نے اپنے مقصد کے لیے مذہبی وسائل کو اختیار کیا تھا اور امام مہدی کی متوقع آمد کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعے اپنے پیروکاروں کی شیرازہ بندی کی تھی، اس لیے اس فرقے کی تبلیغی کوششوں کا مختصر ذکر ان صفحات میں ضروری سمجھا گیا۔

وسطی ایشیا کے ملکوں میں اسلام کی جو اشاعت ہوئی، اس کے ضمن میں تبلیغی کوششوں کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ جب قتیبہ بن مسلم سمرقند میں وارد ہوا تو اس نے وہاں بہت سے بت دیکھے۔ ان کے پجاریوں کا خیال تھا کہ جو شخص ان کی بے ادبی کرے گا، ہلاک ہو جائے گا، لیکن مسلمان فاتح کے دل میں اس قسم کے توہمات کیا خوف پیدا کر سکتے تھے؟ چنانچہ قتیبہ نے ان بت خانوں کو آگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر بت پرست ششدر رہ گئے اور ان میں سے بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔ (بلاذری صفحہ ۴۲۱)۔ لیکن وسطی ایشیا کی اسلامی فتوحات کے ابتدائی دنوں میں قبول اسلام کے اس قسم کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ اس ملک کے لوگ کچھ عرصے کے لیے بظاہر مسلمان ہو جاتے تھے لیکن جوں ہی عربی عساکر واپس جاتے، وہ لوگ اسلام کا لبادہ اتار پھینکتے اور خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہو جاتے تھے۔ (Narahakhi: P. 46) جب قتیبہ نے بخارا پر چوتھی مرتبہ بزورِ شمشیر قبضہ کیا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو فاتحین کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

بخارا اور سمرقند میں اسلام کی مخالفت اس قدر شدید تھی کہ ماسوائے ان لوگوں کے، جو مسلمان ہو چکے تھے، کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ تھی اور مسلمان کئی برسوں تک بغیر ہتھیار باندھے مسجدوں یا دیگر پبلک مقامات پر نہیں جا سکتے تھے۔ نومسلموں کی نگرانی کے لیے مخبر اور جاسوس مقرر تھے۔ فاتحین نے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کیں چنانچہ مسجدوں میں نماز جمعہ کی حاضری پر ان کو انعام واکرام دیے جاتے تھے اور قرآن کو عربی میں پڑھنے کے بجائے اس کا فارسی ترجمہ پڑھنے کی اجازت تھی تاکہ سب لوگ اس کے معنی سمجھ سکیں۔ (Narahakhi: P. 47)۔

ماوراء النہر میں اشاعت اسلام کی رفتار بہت سست تھی۔ وہاں کے بعض باشندوں نے عمر بن عبدالعزیز (۷۱۷ء سے ۷۲۰ء) کی دعوت پر اسلام اختیار کیا (بلاذری: صفحہ ۴۲۶) اور بہت سے لوگ ایک شخص ابوصید کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئے جس نے اپنی تبلیغ سمرقند میں خلیفہ ہشام کے عہد میں (۷۲۴ء سے ۷۴۳ء) شروع کی تھی۔ (تاریخ طبری: جلد دوم صفحہ ۱۵۰۷)۔ لیکن خلیفہ معتصم (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء) کے زمانے سے پہلے وہاں اسلام کی عام طور پر اشاعت نہ ہو سکی۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ تھا (بلاذری: صفحہ ۴۳۱) کہ خلیفہ کی فوج میں ہزاروں ترک بھرتی ہو چکے تھے اور دارالخلافہ بغداد کے ساتھ ترکوں کے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ اگرچہ اسلام نے ترک قبیلوں میں قدم جما لیے تھے لیکن دسویں صدی عیسوی تک اس کی ترقی کی رفتار بہت سست رہی۔ جس طرح شمالی یورپ کے بادشاہ کلووس اور دوسرے وحشی بادشاہوں نے عیسوی مذہب اختیار کر کے اپنی قوم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو عیسائی کر لیا تھا، اسی طرح بعض ترک سرداروں نے بھی دسویں صدی میں اسلام قبول کر لیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے قبیلوں کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

قبول اسلام کے اس قسم کے بہت کم واقعات معرض تحریر میں آئے ہیں لیکن ان کی کمی خوش اعتقاد لوگوں کی روایات نے پوری کر دی ہے۔ خیوا شہر کے لوگ ایک مسلمان پہلوان کا اپنی قوم کے ولی کی حیثیت سے بڑا احترام کرتے ہیں جو خوارزم کے ایک بت پرست بادشاہ کی ملازمت میں تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ نے جب اس پہلوان کی شہرت سنی تو اس نے اپنے دربار کے پہلوان کو دعوت مبارزت کے ساتھ شاہ خوارزم کے پاس بھیجا۔ دونوں پہلوانوں کی زور آزمائی کے لیے ایک دن مقرر ہوا اور خیوا کے امرا اور عوام کو تماشا دیکھنے کے لیے بلایا گیا۔ شرط یہ ٹھہری کہ جو شخص مغلوب ہو جائے گا، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ کشتی سے ایک دن پہلے مسلمان پہلوان نے، جب وہ مسجد میں دعا مانگ رہا تھا، ایک بڑھیا عورت کی فریاد سنی جو یہ کہہ رہی تھی: ''خدایا! میرے بیٹے کو اس زبردست پہلوان کے ہاتھوں شکست نہ دلوائیو کیونکہ میرا اور کوئی بچہ نہیں ہے۔'' پہلوان کو اس عورت پر بہت رحم آیا چنانچہ اس نے ہندی پہلوان کو جیتنے کا موقع دے دیا۔ اس پر خیوا کا بادشاہ بہت غضب ناک ہوا اور اس نے اپنے پہلوان کا سر قلم کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ عین اس وقت وہ گھوڑا، جس پر بادشاہ سوار تھا، چراغ پا ہو گیا اور اپنے آقا سمیت ایک خطرناک ڈھلوان کی طرف بھاگ نکلا۔ پہلوان نے ایک جست لگائی اور گھوڑے کو پکڑ کر بادشاہ کو ہیبت ناک موت سے بچا لیا۔ چنانچہ اس کے شکریے میں بادشاہ نے دین حق کو قبول کر لیا اور دنیا کو ترک کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔ (Cahun: P. 150)۔

کاشغر (مشرقی ترکستان) کے ایلک خانی خاندان کے بانی ساتوق بغرا خان نے دسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلام اختیار کیا تھا۔ اس کے قبول اسلام کے بارے میں بھی ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ سامانی خاندان کا ایک شاہزادہ خواجہ ابو النصر بڑا متقی اور حلیم الطبع شخص تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے اپنے وطن میں اپنی انتظامی قابلیت کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ہے تو اس نے تجارت اختیار کر لی تاکہ کافروں کے ملکوں میں جا کر دین حق کو پھیلا سکے۔ چنانچہ وہ اپنے تجارتی کاروبار سے مال و زر جمع کرنے کے بجائے اپنی تمام آمدنی کو تبلیغی کاموں میں صرف کرتا تھا۔ ایک رات اسے خواب میں رسول کریمؐ نظر آئے اور آپؐ نے اسے فرمایا: ''اٹھو اور ترکستان جاؤ جہاں ساتوق بغرا خان قبول اسلام کے لیے محض تمہارا منتظر ہے۔'' اسی طرح نوجوان بغرا خان کو بھی خواب میں بشارت ملی کہ تمہارے پاس دین حق کا ایک معلم آنے والا ہے۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب اس کی ابو النصر سامانی سے ملاقات ہوئی تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا کیونکہ اس کا دل و دماغ اس کی تعلیم قبول کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ یہ حکایت اس تاریخی واقعے پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی الواقع سامانی مملکت ہی کے راستے مشرقی ترکستان پہنچا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندوں نے بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کی اور اسلام قبول کرلیا کیونکہ ۹۶۰ عیسوی میں ترکوں کے دولاکھ خاندان، جو بغراخان کی مملکت کی ترک آبادی کی اکثریت پر مشتمل تھے، اسلام کے حلقہ بگوش تھے۔ (ابن الاثیر: جلد ۸، صفحہ ۳۹۶)۔ اس کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کرنے میں اسے معجزانہ قوتیں حاصل تھیں، مثلاً اس کے منہ میں سے ایک شعلہ نکلتا تھا جو دشمن کو بھسم کردیتا تھا اور یہ کہ اس کی تلوار چالیس فٹ لمبی ہوجاتی تھی۔ جب وہ ۹۶ سال کی عمر کو پہنچا تو دریائے جیحوں سے لے کر قراقرم تک تمام کفار کو بزور شمشیر مسلمان کرچکا تھا۔ اپنی وفات سے ذرا پہلے اس نے چین پر چڑھائی کی اور فتح پائی نیز اس نے اسلام کو تورفان تک پھیلادیا۔ (Grenard: PP. 9-10)۔

یہ خوش نما حکایت دراصل اس خاندانی جنگ وجدل کو بیان کرتی ہے جو ختن کی مملکت کے ساتھ جاری رہی تھی جس کا مذہب بدھ مت تھا۔ اس حکایت میں جس کامیابی کا تذکرہ ہوا ہے، وہ ایلک خانیوں کو اصل میں چودھویں صدی میں حاصل ہوئی تھی۔ اسی طرح اشاعت اسلام کے سلسلے میں بغراخان کی کامیابی حقیقت میں بہت محدود ہے۔ اس کے جانشینوں نے ۱۰۲۶ عیسوی میں محمود غزنوی کے خاندان کی شاہزادیوں کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست کی تھی لیکن سلطان محمود نے انہیں یہ جواب دیا: ''میں مسلمان ہوں اور تم کافر ہو اور اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو کافر کے نکاح میں دینا اہل اسلام کے دستور کے خلاف ہے۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو ان کی درخواست پر غور ہوسکتا ہے۔'' (Raverty: P. 905)۔ چند سال کے بعد ۱۰۴۱، ۱۰۴۲ عیسوی میں بعض ترکوں نے، جو ابھی تک کافر تھے اور تبت کے علاقے میں رہتے تھے، قدر خان کے بیٹے ارسلان خان سے اس کی مملکت میں آباد ہونے کی اجازت طلب کی کیونکہ وہ اس کے عدل وانصاف اور نرم دلی کا شہرہ سن چکے تھے۔ جب وہ بالاساغون کے قریب پہنچے تو اس نے ان کو قبول اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس سے انکار کردیا۔ (بالاساغون کا شہر دسویں اور گیارہویں صدی میں ترکستان کے خوانین کا دارالحکومت تھا لیکن اس کا محل وقوع یقینی طور پر معلوم نہیں)۔ جب ارسلان خان نے دیکھا کہ یہ لوگ پرامن اور اطاعت گزار ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ان کے مسلمان ہونے کا کتابوں میں کہیں ذکر نہیں آیا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ وہ مرور ایام سے مسلمان ہوگئے تھے۔ آئندہ سال ترکوں کے دس ہزار خاندانوں نے اسلام اختیار کیا۔ ان کے متعلق صراحت سے کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کو لوٹتے رہے تھے اور ان پر حملے کرتے رہے تھے۔ (Narshakhi: PP. 234-235)۔ ترکستان میں قراخطائی کی فوج کشی سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا۔ (Raverty: PP. 225-227)۔ چنانچہ مغربی سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں تیرہویں صدی تک بدھ مت، مانوی اور عیسائیت مذاہب کے لوگوں کی کثیر جماعتیں موجود تھیں۔ (Grenard: P. 76)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلجوقی ترکوں کا اسلام قبول کرنا تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ ہے لیکن ان کے قبول اسلام کی کوئی تحریر ہم تک نہیں پہنچی ماسوائے اس مختصر بیان کے کہ ۹۵۶ عیسوی میں سلجوق اپنی قوم کے ساتھ ترکستان سے ہجرت کر کے بخارا کے علاقے میں وارد ہوا اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے گرم جوشی سے اسلام اختیار کیا۔ (Raverty: P. 117)۔ یہیں سے ان شہرہ آفاق ترکوں کی ابتدا ہوتی ہے جن کی فتوحات نے اہل سلام کی زوال پذیر عسکری طاقت کو دوبارہ زندہ کیا اور مغربی ایشیا کی متفرق اسلامی حکومتوں اور ریاستوں کو دوبارہ ایک سلطنت میں جمع کر دیا۔

بارہویں صدی کے خاتمے پر جب سلجوقی سلاطین کے ہاتھ سے ان کے تمام مقبوضات ماسوائے ایشیائے کوچک کے نکل گئے اور محمد غوری نے اپنی مملکت کو افغانستان کے مشرق کی طرف شمالی ہندوستان میں وسعت دی تو اسلام نے افغانوں کے درمیان بڑا فروغ پایا اور ان کے ملک میں بہت سے عرب مبلغ اور ہندوستان کے نومسلم وارد ہوئے جنہوں نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ (Bellow: P. 96)۔ افغانوں میں جو روایات مشہور ہیں، ان کی رو سے ان کے ہاں اسلام کی ترویج پر امن طریقے سے ہوئی تھی۔ ان کی روایت ہے کہ پہلی صدی ہجری میں جب یہ لوگ غور کے ملک میں، جو ہرات کے جنوب مشرق میں واقع ہے، آباد تھے تو حضرت خالدؓ بن ولید ان کے پاس اسلام کی بشارت لے کر آئے اور ان کو پیغمبر اسلامؐ کے پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس گئے اور چھ یا سات افغانی سردار، جو اپنی قوم کے نمائندہ تھے، وہ بھی ان کے ہمراہ گئے۔ جب یہ سردار اپنے وطن کو لوٹے تو انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں میں اسلام کی تلقین شروع کی۔ (Bellow: PP. 15-16)۔ لیکن یہ روایت تاریخ سے ثابت نہیں ہوئی۔ افغانوں میں قبول اسلام کا اولیں ذکر مستند تاریخوں میں یوں آیا ہے کہ المامون کے عہد خلافت میں کابل کے ایک بادشاہ نے اسلام اختیار کیا تھا۔ (بلاذری: فتوح البلدان، صفحہ ۴۰۲)۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جانشینوں نے بدھ مت کی طرف دوبارہ رجوع کر لیا تھا کیونکہ جب صفاری خاندان کے بانی یعقوب بن لیث (August Muller: Vol II, P. 29) نے ۸۷۱ عیسوی میں اپنی فتوحات کا قدم کابل تک بڑھایا تو اس نے دیکھا کہ ملک کا بادشاہ بت پرست ہے۔ اس کے عہد میں کابل کا علاقہ پہلی مرتبہ حقیقی معنوں میں مسلمان ہوا اور غالب گمان یہ ہے کہ افغان یعقوب بن لیث جیسے بہادر فاتح کی فوجی ملازمت میں بڑی خوشی سے داخل ہوئے ہوں گے۔ لیکن پورے افغانستان میں اسلام صرف سبکتگین اور محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد ہی مضبوطی سے قائم ہو سکا۔

ایران اور وسطی ایشیا میں اشاعت اسلام کی مزید تاریخ کے متعلق بعض تفصیلات آپ کو اگلے باب میں ملیں گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

منگولوں اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت

اسلام کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے جس کا دہشت انگیزی اور غارت گری میں منگولوں کے حملے سے مقابلہ کیا جا سکے۔ جس طرح برف کا ایک بھاری تودہ اچانک پہاڑ سے آگرتا ہے، اسی طرح چنگیز خان کے وحشی لشکر اسلامی تہذیب وتمدن کے مرکزوں پر آن ٹوٹے اور ویران صحرا اور بھیانک کھنڈر اپنے پیچھے چھوڑ گئے حالانکہ ان کی آمد سے پہلے یہاں کبھی شاندار شہروں کے محلات کھڑے تھے اور ان کے گردونواح میں خوش نما باغات اور سرسبز کھیت لہلہاتے تھے۔ جب ہرات کے شہر سے منگولوں کے لشکر نے کوچ کیا تو چالیس تباہ حال آدمی اپنی پناہ گاہوں سے نکلے اور دہشت زدہ نظروں سے اس برباد ویرانے کو دیکھنے لگے جو چند دن پہلے ان کا خوبصورت شہر تھا۔ ایک لاکھ کی آبادی سے صرف یہی چالیس افراد زندہ بچے تھے۔ بخارا، جو علمائے اسلام اور متقی افراد کی بدولت دنیا بھر میں مشہور تھا، وہاں ان منگولوں نے مسجدوں کے صحن میں گھوڑے باندھے اور قرآن کے نسخوں کو پھاڑ پھاڑ کر ان کی بے حرمتی کی۔ جو باشندے ان قصابوں کے ہاتھ سے بچ گئے، ان کو غلام بنا لیا گیا اور ان کے شہروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ سمرقند، بلخ اور وسط ایشیا کے دوسرے شہروں کا بھی یہی حال ہوا جن سے اسلامی تہذیب وتمدن کی شان وشوکت وابستہ تھی اور جو اولیا کا مسکن اور علم وفضل کا مخزن تھے۔ بغداد پر بھی، جو صدیوں سے دولت عباسیہ کا پایہ تخت تھا، یہی مصیبت نازل ہوئی۔

اگر کوئی مسلمان مورخ سفاکی اور غارت گری کے ان واقعات کے تصور سے ہی کانپ اٹھتا ہو تو یہ بات کچھ بے جا نہیں ہے۔ ابن الاثیر نے جہاں اسلامی ملکوں پر منگولوں کے حملوں کا حال لکھا ہے، وہاں وہ بیان کرتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے: ''میں کئی برس تک اس حادثے کے ذکر سے پہلوتہی کرتا رہا کیونکہ میں اسے ایک حادثۂ عظیم سمجھتا تھا اور اس کے ذکر سے کراہت محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اسی تردد کی حالت میں کبھی ایک قدم آگے بڑھاتا تھا اور کبھی ایک قدم پیچھے ہٹاتا تھا۔ ایسا کون شخص ہوگا جس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی خبر مرگ کا لکھنا اور اس کا بیان کرنا آسان ہوگا؟ بقول حضرت مریمؑ ''کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہوجاتی''۔ (سورہ مریم آیت ۲۳)۔ جس وقت میں اس بارے میں پس وپیش کررہا تھا، میرے بعض دوستوں نے مجھے اس سانحے کو قلم بند کرنے پر مجبور کیا۔ پھر میں نے یہ خیال کیا کہ اس حادثے کا ذکر چھوڑ دینے میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں مجھے ایک بڑے حادثے اور ایک سخت مصیبت کا حال لکھنا ہے جس کی نظیر لانے سے لیل ونہار قاصر ہیں۔ یہ مصیبت تمام قوموں، خاص طور پر مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے خداتعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے، اس وقت سے آج تک اہل دنیا ایسی سخت مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے تو وہ بالکل حق بجانب ہوگا کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں دہشت انگیزی اور سفاکی کے ایسے واقعے کا اس سے پہلے کبھی تذکرہ نہیں ہوا۔ اس قسم کا سب سے بڑا حادثہ، جو تاریخ میں مذکور ہوا، یہ ہے کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کا قتل عام کیا تھا اور بیت المقدس کو برباد کیا تھا۔ لیکن بیت المقدس کو ان شہروں سے کیا نسبت ہے جن کو ان ملعونوں نے تباہ کیا اور جن میں سے ہر شہر بیت المقدس سے کئی گنا بڑا تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کا ان لوگوں کا مقابلے میں کیا شمار ہے جن کو تاتاریوں نے قتل کیا ہے کیونکہ عالم اسلام کے تنہا ایک شہر کے باشندے، جن کو انہوں نے قتل کیا، تعداد میں بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ تھے۔ ہم یہ امید کرسکتے ہیں کہ شاید اہل عالم دنیا کے خاتمے تک ایسا عظیم حادثہ دوبارہ کبھی نہیں دیکھیں گے۔ (ابن الاثیر، جلد۱۲، صفحات ۲۳۳، ۲۳۴)۔ لیکن اسلام کے لیے اپنی گزشتہ شان وشوکت کی خاکستر سے دوبارہ جی اٹھنا اور اپنے مبلغوں کی کوششوں سے ان وحشی تاتاریوں کو اپنا حلقہ بگوش بنانا مقدر ہوچکا تھا۔ مسلمان مبلغوں کا یہ کام اس وجہ سے اور بھی دشوار تھا کہ اس وقت اسلام کو دو زبردست حریفوں بدھ مت اور عیسائیت سے مقابلہ درپیش تھا۔ اسلام اور یہ دونوں مذاہب ان وحشی فاتحین کو اپنا حلقہ بگوش بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے جنہوں نے ان مذاہب کے پیروؤں کو پامال کررکھا تھا۔ ان مذاہب کا باہمی مقابلہ ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

ان مذاہب ثلاثہ کے درمیان مقابلے کی کیفیت قلم بند کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو بخوبی سمجھنے کے لیے ہم اس بات پر سرسری نگاہ ڈالیں کہ چنگیز خان کی موت کے بعد تاتاریوں کی سلطنت تقسیم ہوکر اس کے چار بیٹوں کے حصے میں کیسے آئی۔ چنگیز خان کا تیسرا بیٹا اوکتائی خاقان (خان اعظم) کی حیثیت سے اس کا جانشین ہوا اور اسے سلطنت کا مشرقی حصہ ملا جس میں بعد ازاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوبلائی خان نے پورے چین کو بھی شامل کرلیا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا چغتائی سلطنت کے وسطی حصے (ترکستان) کا مالک بنا۔ چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوچی کا فرزند باتو خان مملکت کے مغربی حصے کا حکمران مقرر ہوا اور وہ سنہری غول کا خان کہلایا۔ چوتھے بیٹے تولوی نے فارس میں اپنی بساط حکومت بچھائی اور اس کے بعد اس کے بیٹے ہلاکو خان نے ایشیائے کوچک کے ایک بڑے حصے کو فارس میں شامل کرکے ایلخانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

منگولوں کا قدیم مذہب شامانی تھا۔ وہ ایک خدائے بزرگ و برتر کی ہستی پر یقین رکھتے تھے لیکن اس کی عبادت نہیں کرتے تھے اور اس کے بجائے چند کمتر درجے کے خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ارواحِ خبیثہ کی ضرررسانی سے بچنے کے لیے وہ قربانیاں دیتے تھے اور اپنے بزرگوں کی روحوں کو بھی پوجتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی اولاد کی زندگیوں پر برا یا بھلا اثر ڈال سکتی ہیں۔ غرض منگول ان سماوی اور ارضی طاقتوں کو راضی رکھنے کے لیے شامان کی طرف رجوع کرتے تھے (جو ان کے مذہبی پیشوا تھے)۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ساحر لوگ دنیاوی عناصر اور مردوں کی ارواح کو متاثر کرنے کی پراسرار طاقت رکھتے ہیں۔ بہ ہر حال ان کا مذہب ایسا مضبوط نہ تھا کہ وہ ایک تبلیغی دین کا دیر تک مقابلہ کرسکتا جس کے پاس الٰہیات کا ایک مرتب اور باقاعدہ نظام موجود تھا اور جو انسانی عقل کو مطمئن کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام کے پاس مذہبی معلموں کی ایک منظم جماعت بھی تھی۔ اس طرح منگولوں کا جب مہذب اور شائستہ قوموں سے رابطہ ہوا تو انہوں نے ان کے ثقافتی اثرات کو قبول کرلیا اور اپنی خانہ بدوشی کی وحشیانہ زندگی کو چھوڑنا شروع کردیا۔ منگولوں کو اپنی فتوحات کے بعد جن مہذب قوموں سے واسطہ پڑا، ان میں بدھ، عیسائی اور مسلمان بکثرت موجود تھے۔ چنانچہ ان تینوں تبلیغی مذہبوں کے پیروؤں نے منگولوں کو اپنے اپنے مذہب میں لانے کے لیے مسابقت شروع کردی۔ جس وقت منگولوں کے سر پر غارت گری اور بے حرمتی کا جنون سوار نہ ہوتا تھا، جو ان کی جنگوں کے لوازمات میں تھا تو اس وقت یہ شامانی المذہب تاتاری دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ رواداری برتتے تھے، ان کے دینی پیشواؤں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کرتے تھے اور مذہب کے معاملے میں پوری آزادی دیتے تھے۔ خود چنگیز خان کے دربار میں بدھ مت کے عالم شامانیوں سے مذہبی مسائل پر مناظرے کرتے تھے اور منگو خان اور قوبلائی خان کے درباروں میں بھی بدھ، عیسائی اور مسلمان علما پر ان خاقانوں کا لطف و کرم یکساں تھا۔

(William of Rubruck PP. 182,191)۔ قوبلائی خان کے عہد میں چین کے منگولوں پر بدھ مت کے قوی اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے کیونکہ وہ ہر طرف سے بدھ کے پیروؤں میں گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے شروع میں بدھ مت نے ان لوگوں پر پورا اقتدار حاصل کرلیا تھا۔

(De Guignes, tome iii, PP. 200, 203)۔ ان میں بدھ مت کی اشاعت کے لیے تبت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاماؤں نے بڑی سرگرمی سے کام لیا چنانچہ منگولیا کے لوگ اب تک یہی مذہب رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ قلموق قوم کے لوگ بھی، جو سترھویں صدی میں روس جا کر آباد ہو گئے تھے، اسی مذہب کے پابند ہیں۔

اگرچہ منگولوں کی سلطنت کے مشرقی حصے میں بدھ مت نے غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن ابتدا میں مسیحی کلیسا کا اثر بھی کچھ کم نہ تھا اور عیسائیوں کو بڑی امید تھی کہ منگول ان کا مذہب قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں نسطوری فرقے کے مبلغ ایشیا بھر میں مغرب سے لے کر مشرق کی سمت میں شمالی چین تک مسیحی دین کا پرچار کرتے رہے۔ تیرھویں صدی تک مختلف مقامات پر ان کی کئی جماعتیں پائی جاتی تھیں۔ ایک مسیحی تاتاری قبیلہ کرایت کا سردار سمجھا جاتا تھا جو بحیرہ بیکال کے جنوب میں آباد تھا۔ چنگیز خان نے جب اس قوم پر فتح پائی تو اس نے اس قبیلے کے سردار کی ایک بیٹی سے شادی کی اور اس کے بیٹے اوکتائی نے بھی اسی خاندان کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا۔ اوکتائی کا بیٹا گیوک اگرچہ خود عیسائی نہ تھا لیکن وہ عیسائیوں پر بہت مہربان تھا اور اس کا وزیر اعظم اور ایک معتمد بھی عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ اس کے دربار میں نسطوری پادریوں کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور اس نے پوپ انوسینٹ چہارم کی ایک سفارت کو شرف باریابی بخشا تھا۔ (De Guignes: Vol iii P. 115)۔ مشرق اور مغرب کی عیسائی طاقتیں منگولوں سے یہ آس لگائے بیٹھی تھیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں ان کی مدد کریں گے۔ یہ آرمینیا کا بادشاہ ہیٹن Hayton ہی تھا جس نے منگو خان کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ وہ ہلاکو خان کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کرے جس نے بالآخر بغداد کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔

(De Guignes: Voll iii P. 125)۔ ہلاکو خان کی بیوی عیسائی تھی، اس لیے وہ عیسائیوں پر بالعموم اور نسطوریوں پر بالخصوص بہت مہربان تھا۔ جو منگول آرمینیا اور جارجیا میں آباد ہوئے، ان میں اکثر لوگوں کو ان ملکوں کے عیسائی اپنے مذہب پر لے آئے اور ان کو اصطباغ دیا۔ (Klaproth: P. 204)۔ پریسٹر جان کی عظمت اور شان و شوکت کے جو حیرت انگیز قصے یورپ میں مشہور تھے، ان کی وجہ سے یورپ کے عیسائی سبز باغ دیکھ رہے تھے اور ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ منگول بھی عیسائی ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ خیال ان غلط خبروں کی وجہ سے اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ متعدد منگول شہزادے عیسائی ہو گئے ہیں اور وہ عیسوی مذہب کے بڑے سرگرم حامی ہیں۔ اسی قسم کے مغالطے کی بنا پر شاہ فرانس سینٹ لوئیس نے ولیم ساکن روبروک کو خاقان کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ خاقان کو عیسوی مذہب کی ترویج کی کوششوں میں امداد اور معاونت کرنے کی ترغیب دے۔ لیکن اس بات کا جلد ہی انکشاف ہو گیا کہ یہ خبریں درحقیقت بالکل بے بنیاد ہیں البتہ ولیم نے دیکھا کہ منگو خان کے دربار میں عیسوی مذہب کو کامل آزادی حاصل تھی اور چند منگول بھی عیسائی ہو چکے تھے جس کی وجہ سے عیسائی پادریوں کو یہ امید تھی کہ دوسرے منگول بھی ان کا مذہب قبول کر لیں گے۔ لیکن چونکہ لاطینی، یونانی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسطوری اور ارمنی فرقوں نے اپنے مذہبی اختلافات منگولوں کے دربار میں بھی جاری رکھے تھے، اس لیے منگولوں کے درمیان عیسوی مذہب کی ترقی کی بہت کم امید کی جا سکتی تھی۔ غالباً عیسائی مبلغوں کی یہی نا اتفاقی تھی جس کی وجہ سے منگولوں میں ان کی تبلیغی کوششیں زیادہ بار آور نہ ہو سکیں۔ جس وقت عیسائی پادری ایک دوسرے کے ساتھ دست بگریباں تھے، بدھ مت اور اسلام منگولوں کے ہاں اپنے قدم مضبوط کر رہے تھے۔ روما کے پوپ نے جب بڑھ چڑھ کر دعوے کیے تو مغرور اور متکبر منگولوں نے، جو اس وقت تک آدھی دنیا فتح کر چکے تھے، اس کے سفیروں کو اس تھوڑی سی مروت اور مہربانی سے بھی محروم کر دیا جس کا وہ شاید ابتدا میں قصد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آئے جس سے یورپ کی سفارت ناکام رہی۔ (c d' oksson: Tome ii, PP. 226-27: Cahun P. 408)۔

نسطوری فرقے کے مبلغ سب سے پہلے میدان میں اترے تھے لیکن وہ بظاہر ایسے بے پروا اور پست ہمت تھے کہ اس موقعے سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ روبروک کے ولیم نے لکھا ہے کہ یہ نسطوری بہت جاہل تھے اور اپنی نماز کی کتاب کو بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جو کہ سریانی زبان میں تھی۔ وہ ان لوگوں پر شراب خوری، کثرت ازدواج اور حرص و ہوا کا بھی الزام لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ بدھ مت کے پروہتوں کے مقابلے میں ان کے اخلاق گرے ہوئے تھے۔ ان کے اسقف ان کے ہاں دورہ نہیں کرتے تھے اور بعض اوقات پچاس برس میں صرف ایک مرتبہ ان کے پاس جاتے تھے۔ ایسے موقعے پر عیسائیوں کے لڑکوں حتیٰ کہ گود کے بچوں کو بھی پادری مقرر کر دیا جاتا۔ کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت عام تھی اور ارباب کلیسا نے مذہبی رسوم کو تجارت بنا رکھا تھا۔ مذہب کی اشاعت کے بجائے ان کو دولت اکٹھی کرنے کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ (William of Rubruck, PP. 158-159)۔ ولیم کے بارے میں یول Yule نے لکھا ہے: ''اس شخص نے نسطوری پیشواؤں کی علمی اور اخلاقی حالت کی مذمت کی ہے اور بدعتی فرقوں کے متعلق جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ولیم کا بیان زیادہ قابل وقعت ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی دیانتدار اور لائق آدمی نے اسے لکھا ہے''۔ (Cathay: Vol i)۔

منگول سلطنت کے مغربی حصوں میں عیسائیوں نے نئی ابھرتی ہوئی طاقت سے یہ امید وابستہ کر رکھی تھی کہ وہ جنگ کے وقت مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گی اور ان کو ارضِ مقدس کا قبضہ دلائے گی۔ لیکن فارس کے ایلخانیوں کے ساتھ عیسائیوں کا اتحاد دیرپا ثابت نہ ہو سکا کیونکہ مصر کے مملوک سلطان بیبرس (۱۲۶۰ء سے ۱۲۷۷ء) کی فتوحات اور برکہ خان کے ساتھ اس کے اتحاد نے ایلخانیوں کو اپنے مفادات کی حفاظت کی جانب متوجہ کر لیا۔ دمشق اور دوسرے شہروں کے عیسائیوں نے اس مختصر عرصے میں، جب فارس کے منگول حکمران ان پر مہربان تھے، لوگوں پر جو زیادتیاں کیں، ان کی وجہ سے مغربی ایشیا میں عیسائی بہت بدنام ہو گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مقریزی جلد اول، صفحات ۹۸، ۱۰۶)۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی مقابلے میں بعض اوقات فریقین کی طرف سے وحشیانہ بے رحمی کا ارتکاب ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال تیرہویں صدی عیسوی میں ملتی ہے جس کو ''طبقات ناصری'' کے مصنف منہاج سراج جوز جانی نے بیان کیا ہے۔ اس نے یہ قصہ دہلی میں سید اشرف الدین کی زبان سے سنا تھا جو سمرقند سے وہاں آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے: ''سید موصوف نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ سمرقند کے ایک عیسائی کو قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی اور سمرقند کے مسلمانوں نے، جو اپنے دین میں بڑے راسخ ہیں، اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اچانک چین کے مفرور منگولوں میں سے ایک شخص سمرقند میں وارد ہوا جو بڑا صاحب اقتدار اور عیسوی مذہب کی طرف مائل تھا۔ شہر کے عیسائی اس منگول کے پاس گئے اور اس سے شکایت کرتے ہوئے کہا: ''مسلمان ہمارے بچوں کو مسیحی دین سے انحراف کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں اور ان کو حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کے پیروی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ہمارے تمام اہل و عیال عیسائیت سے منحرف ہو جائیں گے۔ اپنی قوت اور اپنے اختیار سے ہمارے قضیے کا فیصلہ کیجیے۔'' اس منگول نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو، جو مسلمان ہو گیا تھا، حاضر کیا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اپنی چکنی چپڑی باتوں اور مہر و محبت سے کام لے کر اس بات کی بہت کوشش کی کہ وہ نومسلم اپنے عقیدے سے تائب ہو جائے بلکہ اس کو مال و دولت کا لالچ بھی دیا گیا لیکن اس نے تائب ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ اپنے دل و دماغ سے اسلام کا خیال نکالنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوا۔ اس پر منگول حاکم نے اپنے تیور بدلے اور اس نومسلم کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے اس نوجوان کو ہر وہ سزا دی جو وہ دے سکتا تھا اور اس پر ہر سختی کی جس کو اس کا دماغ سوچ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اس نوجوان کو اسلام کے ساتھ شغف تھا، اس لیے اس نے اپنے عقیدے کو ترک نہ کیا۔ کفار کی کج روی کے باوجود اس نے دین اسلام کے شیریں جام کو اپنے ہاتھ سے نہ دیا۔ جب وہ نوجوان دین حق پر قائم رہا اور اس نے اس رذیل جماعت کے وعدہ و وعید کی مطلق پروانہ کی تو اس ملعون منگول نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو برسر عام سزا دی جائے۔ چنانچہ وہ نوجوان دین کی دولت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا، جزاہ اللہ خیرا۔ اس حادثے کے سبب سے سمرقند کے مسلمان بہت شکستہ خاطر اور خوف زدہ ہو گئے چنانچہ انہوں نے ایک عرض داشت تیار کی اور سمرقند میں جو مسلمان لوگ رہتے تھے، ان کے سرکردہ اور معتبر آدمیوں نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی اور وہ اس عرض داشت کو لے کر برکہ خان کی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے، اس سے سمرقند کے عیسائیوں کے طرز عمل اور ان کی خصلت کا حال بیان کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دیانتدار بادشاہ کے دل میں اسلامی حمیت نے جوش مارا اور صداقت کی حفاظت اور حمایت کا خیال اس کی طبیعت پر غالب آگیا۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے اس سید کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور ترکوں کی ایک جماعت کے علاوہ مسلمان اکابر میں سے چند معتبر اشخاص کو مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان عیسائیوں کو قتل کر ڈالیں اور جہنم رسید کر دیں جنہوں نے ظلم وستم کا ارتکاب کیا تھا۔ جب یہ فرمان حاصل ہو گیا تو انہوں نے اسے محفوظ رکھا اور جب اس ملعون فرقے کے لوگ اپنے گرجا گھر میں جمع ہوئے تو انہوں نے ان سب کو پکڑ لیا اور ان تمام لوگوں کو واصل جہنم کیا اور ان کے گرجے کو گرا کر اینٹوں کا ڈھیر بنا دیا۔

(جوز جانی صفحات ۴۴۸ تا ۴۵۰: Raverty: PP. 1288-90)۔

منگولوں کے عہد حکومت کے ابتدائی دور میں بدھ مت اور عیسائی مذہب اسلام کے ایسے طاقتور حریف تھے جن کے مقابلے میں اس کا کامیاب ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا کیونکہ حملہ تاتار کے طوفان میں مسلمانوں نے دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھایا تھا۔ مغربی ایشیا کے وہ آباد شہر جو کسی زمانے میں اسلامی مذہبی نظام اور علوم وفنون کے مرکز تھے، جلا کر خاکستر کر دیے گئے تھے اور مسلمانوں کے علما وفضلا یا تو قتل کر دیے گئے تھے یا انہیں غلام بنا لیا گیا تھا۔ (منگولوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کیے تھے کہ چینی تماشا گر بھی جب پردہ پر عکس ڈال کر تصویریں دکھاتے تھے تو ایک تصویر میں ایک سفید ریش بوڑھا آدمی نظر آتا تھا جس کی گردن گھوڑے کی دم سے بندھی ہوتی تھی اور گھوڑا اسے گھسیٹتا پھرتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منگول سوار مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔ (Howorth : Vol i , P. 159)۔ اگرچہ منگول حکمران عام طور پر تمام مذاہب کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے لیکن ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اسلام سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے۔ چنانچہ چنگیز خان نے حکم دیا کہ جو لوگ جانوروں کو اسلامی شریعت کے مطابق ذبح کریں، انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کو اس کے پوتے قوبلائی خان نے دوبارہ جاری کیا اور مخبروں کے لیے انعام مقرر کیے۔ اس سے ظلم وستم کا ایک ایسا دور شروع ہوا جو سات سال تک جاری رہا۔ چنانچہ بہت سے مفلسوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اس حکم کو دولت کمانے کا ایک آسان طریقہ سمجھا اور غلاموں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے آقاؤں پر غلط الزام لگائے۔ (جب منگولوں نے یہ دیکھا کہ اس حکم سے مسلمان تاجروں کا دربار میں آنا بند ہو گیا ہے اور اس سے تجارت کو نقصان پہنچ رہا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ (طبقات ناصری)۔

گیوک خاقان (۱۲۴۶ء سے ۱۲۴۸ء) نے اپنی مملکت کا تمام انتظام اپنے دو عیسائی وزیروں کے سپرد کر رکھا تھا اور اس کا دربار بھی عیسائی راہبوں سے بھرا پڑا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں بھی مسلمانوں پر بہت سختیاں ہوئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منگولوں کے ایک ہم عصر مورخ منہاج سراج جوز جانی کے مندرجہ ذیل بیان سے صاف ظاہر ہے کہ گیوک خان کے دربار میں مسلمان علما کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ وہ لکھتا ہے: مجھے چند معتبر آدمیوں نے بتایا ہے کہ بدھ مت کے پروہت گیوک کو مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے لیے ہمیشہ اکساتے رہتے تھے۔ ان کے ملک میں ایک امام تھا جو مسلمانوں کا ایک بڑا عالم تھا اور جس کا نام نورالدین خوارزمی تھا۔ بعض عیسائی لوگوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں اور بدھ مت کے کئی پروہتوں نے بھی گیوک سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے اس امام کو دربار میں طلب کیا جائے تاکہ ہم اس سے مناظرہ کریں اور اس سے کہیں کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کی برتری اور آپؐ کی رسالت کی صداقت کو ثابت کرے ورنہ اسے ہلاک کر دیا جائے۔ خان نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور امام کو طلب کیا۔ آں حضرتؐ کے دعویٰ نبوت پر بحث شروع ہوئی اور آپؐ کی سیرت کا دوسرے انبیا کی زندگیوں سے مقابلہ کیا گیا۔ چونکہ ان ملعونوں کے دلائل کمزور اور زور صداقت سے عاری تھے، انہوں نے آخرکار اعتراضات سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس معاملے میں جور و تعدی سے کام لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ انہوں نے گیوک سے کہا کہ آپ اس امام سے کہیں کہ وہ اپنی شریعت کے احکام اور رسوم کے مطابق دو رکعت نماز ادا کرے تاکہ عبادت کے دوران اس کی تمام حرکات و سکنات، رکوع و سجود کی کیفیت ان پر اور خان پر واضح ہو جائے۔ اس پر گیوک نے امام کو حکم دیا اور امام نے اور ایک دوسرے مسلمان نے، جو اس کے ساتھ تھا، اسلامی طریقے کے مطابق نماز شروع کر دی۔ جب اس باخدا امام اور اس کے مسلمان ساتھی نے سجدے کے وقت اپنی پیشانیاں زمین پر رکھیں تو چند کافروں نے، جن کو گیوک نے بلا رکھا تھا، ان کو تنگ کرنا شروع کیا اور ان کے سروں کو زور زور سے زمین پر پٹک دیا اور ان کے ساتھ اس طرح کی اور ناشائستہ حرکتیں کیں۔ لیکن اس خدا پرست امام نے اس تمام تعدی اور بدسلوکی کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور نماز میں کسی قسم کا اختصار نہ کیا۔ جب اس نے سلام پھیرا تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور آیہ کریمہ ادعو ربکم تضرعاً وخفیۃً کے حکم پر عمل کیا اور خان سے رخصت لے کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔ (جوز جانی صفحات ۵۰۴، ۵۰۵: Raverty, P. 1160)۔

ارغون خان (۱۲۸۴ سے ۱۲۹۱ عیسوی) نے بھی، جو فارس کے ایلخانی خاندان کا چوتھا فرماں روا تھا، مسلمانوں پر ظلم کیے اور انصاف اور خزانے کے محکموں کے تمام عہدوں سے ان کو برخاست کر دیا اور ان کا دربار میں آنا بند کر دیا۔ (De Guignes, Vol. iii, P. 265)۔

ان تمام مشکلات کے باوجود منگولوں اور دوسرے وحشی قبائل نے، جو ان کے ہمراہ تھے، آخرکار ان ہی مسلمانوں کے مذہب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جن کو انہوں نے بے دردی سے پامال کیا تھا۔ (Cahun, P. 279)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن بدقسمتی سے تاریخ اس تبلیغی تحریک پر بہت کم روشنی ڈالتی ہے اور ہمیں صرف سربرآوردہ افراد کے قبول اسلام کے متعلق تفصیلات ملتی ہیں۔ منگول سلطنت کے طول وعرض میں مختلف مقامات پر بہت سے ایسے مسلمان موجود ہوں گے جو کافروں کو اپنے مذہب پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ اوگتائی خان (۱۲۲۹ سے ۱۲۴۱ عیسوی) کے عہد میں فارس کا ایک گورنر کرگز تھا۔ وہ پہلے بدھ مت کا پیروکار تھا لیکن بعد میں بدھ مت کو ترک کر کے مسلمان ہو گیا۔ (C. d' Oksson, Vol. iii. P. 121)۔ تیمور خان (۱۳۲۳ سے ۱۳۲۸ عیسوی) کے عہد میں قوبلائی خان کا پوتا اور صوبہ کانسو کا حاکم آنندا ایک پرجوش مسلمان ثابت ہوا۔ چنانچہ اس نے تان گوت میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا اور جو لشکر اس کے زیر فرمان تھا، اس کے بہت سے آدمیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کو دربار میں طلب کیا گیا اور اس بات کی کوشش کی گئی کہ وہ بدھ مت اختیار کر لے لیکن جب اس نے اسلام کو ترک کرنے سے انکار کیا تو اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ لیکن اسے جلد ہی رہا کر دیا گیا کیونکہ اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ تان گوت کے باشندے، جو اس کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے، بغاوت کر دیں گے۔ (رشید الدین، صفحات ۲۰۰ تا ۲۰۲)۔

''منتخب التواریخ'' کے مصنف کا بیان ہے کہ آنندا نے خان بالغ (جدید پیکنگ) میں چار مسجدیں بنوائی تھیں جن میں دس لاکھ آدمی جمعہ کی نماز ادا کر سکتے تھے۔ لیکن چین میں اسلام کی اشاعت کے متعلق اس قسم کی جو روایات اس مصنف نے بیان کی ہیں، ان کو معتبر نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ اس نے آنندا کو تیمور خان کا جانشین بتایا ہے (جو غلط ہے) اور اس کے جانشینوں کا حال لکھا جو محض افسانہ ہے اور ان میں سے پانچ کو مسلمان بتایا ہے۔ لیکن مصنف کے تخیل کے باہر ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ (Blochet: PP. 74-77)۔

منگولوں کا پہلا فرمانروا جو مسلمان ہوا، وہ برکہ خان تھا جو ۱۲۵۶ سے ۱۲۶۷ عیسوی تک سنہری غول کا سربراہ تھا۔ (یہ دلچسپ بات قابل ذکر ہے کہ نجم الدین مختار الزاہدی نے ۱۲۶۰ عیسوی میں برکہ خان کے لیے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی صداقت کے دلائل بیان کیے تھے اور منکرین کو رد کیا تھا اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی مناظروں کا تذکرہ کیا تھا)۔ ابو الغازی کا بیان ہے کہ برکہ خان نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ روایت ہے کہ ایک دن وہ ایک کاروان میں پہنچا جو بخارا سے آیا تھا اور اس میں دو تاجروں کو الگ لے گیا اور ان سے اسلام کی تعلیمات کے متعلق سوال کیے۔ چنانچہ ان مسلمانوں نے اپنے دین کے عقاید ایسی خوبی سے بیان کیے کہ برکہ خان صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ اس نے اس کا ذکر سب سے پہلے اپنے چھوٹے بھائی سے کیا اور اسے بھی اپنی مثال کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ (ابو الغازی، جلد ثانی صفحہ ۱۸۱)۔ لیکن جوزجانی کی روایت یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ برکہ خان کی تربیت بچپن ہی سے ایک مسلمان کی طرح ہوئی تھی اور جب وہ بڑا ہو کر لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو اس نے شہر خجند کے ایک عالم سے قرآن مجید پڑھا۔ (جوز جانی صفحہ ۴۴۷: Raverty PP. 1283-84)۔ یہی مصنف (جس نے برکہ خان کی زندگی میں اپنی تاریخ لکھی تھی) بیان کرتا ہے کہ برکہ خان کا تمام لشکر مسلمان تھا۔ ''معتبر اشخاص نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی تمام فوج میں یہ دستور ہے کہ ہر ایک سوار کے پاس ایک قالین نما مصلّی ہوتا ہے تاکہ جب نماز کا وقت آئے تو وہ عبادت میں مصروف ہو سکے۔ اس کی پوری فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو شراب پیتا ہو۔ بڑے جلیل القدر علما یعنی مفسر، محدث، فقیہ اور مناظر اس کی صحبت میں رہتے ہیں۔ اس کے دربار میں ہمیشہ دینی مسائل پر بحث ہوتی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ اپنے دین میں بڑا اپختہ اور صحیح العقیدہ ہے۔'' (جوز جانی صفحات ۱۲۸۵۔۸۶)۔ برکہ خان نے مصر کے مملوک سلطان رکن الدین بیبرس کے ساتھ باہمی اتحاد کا معاہدہ کیا تھا۔ اس اتحاد کی درخواست سلطان مصر نے کی تھی جس نے سنہری غول کے دو سو سپاہیوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ یہ لشکری اس سے پہلے ہلاکو خان کی فوج میں شامل تھے لیکن جب ان کے آقا اور ہلاکو کے درمیان عداوت بڑھی تو وہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ اس کے بعد وہ عزت کے ساتھ قاہرہ میں بیبرس کے دربار میں پہنچے جہاں سلطان نے انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ (مقریزی، جلد دوم صفحات ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۷)۔ بیبرس خود ہلاکو سے برسر پیکار تھا اور اسے حال ہی میں شکست دے کر شام سے نکال چکا تھا۔ اس نے ان منگول لشکریوں میں سے دو آدمیوں کے ہمراہ اپنے چند اور سفیر بھیجے اور ان کی معرفت برکہ خان کے نام ایک خط روانہ کیا۔ جب یہ سفیر واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ برکہ خان کے دربار میں ہر ایک شاہزادی اور ہر ایک امیر کے ہاں ایک ایک امام اور ایک ایک موذن مقرر ہے اور مدرسوں میں بچوں کو قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے۔ (مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۱۵)۔ غرض بیبرس اور برکہ خان کے درمیان جب دوستانہ تعلقات بڑھے تو سنہری غول کے بہت سے منگول مصر میں آئے جہاں وہ اہل مصر کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔ (مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۲۲)۔

فارس میں، جہاں ہلاکو خان نے ایلخانی خاندان کی بنیاد ڈالی تھی، وہاں منگولوں کے ہاں اشاعتِ اسلام کی رفتار قدرے سست رہی۔ برکہ خان اور سلطان مصر کے حملوں سے بچنے کے لیے ہلاکو خان نے مشرق کی عیسائی حکومتوں یعنی شاہِ آرمینیا اور صلیبی جنگجوؤں سے اتحاد پیدا کیا۔ اس کی چہیتی بیوی عیسائی تھی جس نے اپنے شوہر کو اپنے ہم مذہب لوگوں کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ اس کے بیٹے اباقا خان نے قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کی بیٹی سے شادی کی۔ اباقا خان نے اگرچہ خود عیسوی مذہب قبول نہیں کیا تھا تاہم اس کا دربار عیسائی پادریوں سے بھرا ہوا تھا اور اس نے یورپ کے کئی بادشاہوں مثلاً فرانس کے شاہ سینٹ لوئیس، صقلیہ کے بادشاہ چارلس اور شاہِ ارغون جیمز کے پاس سفیر روانہ کیے اور مسلمانوں کے خلاف اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ۱۲۷۴ عیسوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لیون (فرانس) کی مجلس میں سولہ منگولوں کی ایک سفارت روانہ کی۔ وہاں پہنچ کر اس سفارت کے سربراہ نے عیسائیت قبول کر لی اور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ اصطباغ لیا۔ عیسائی اباقا خان کے بارے میں بھی بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے لیکن ان کی یہ امید پوری نہ ہو سکیں۔ اباقا خان کا بھائی تکودار، جو اس کا جانشین ہوا، ایلخانی خاندان کا پہلا حکمران تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ (وصاف نے اس کو اسلام قبول کرنے سے قبل تکودار کے نام سے یاد کیا ہے اور قبول اسلام کے بعد احمد کے نام سے پکارا ہے)۔ اس کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب کے مطابق ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک ہم عصر عیسائی مصنف (Hayton) لکھتا ہے: ''اسے بچپن میں اصطباغ ملا تھا اور اس کا نام نکولس رکھا گیا تھا۔ لیکن جب وہ بڑا ہوا تو وہ مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے، جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا، مسلمان ہو گیا۔ عیسائیت کو ترک کر کے اس نے اپنا نام محمد خان رکھ لیا۔ اس نے حتی المقدور اس بات کی پوری کوشش کی کہ تمام تاتاری دین محمدی قبول کر لیں۔ لیکن جب انہوں نے سرکشی اختیار کی اور اسے بھی مجبور کرنے کی ان کو جرأت نہ ہوئی تو اس نے ان کا اعزاز بڑھا کر اور ان کو انعام و اکرام اور تحفے تحائف دے کر ان کا مذہب تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس کے عہد میں بہت سے تارتاریوں نے مسلمانوں کا دین اختیار کر لیا۔'' شہزادہ احمد تکودار نے سلطان مصر کے نام ایک مکتوب بھیج کر اسے اپنے قبول اسلام کی خبر سے آگاہ کیا۔ خط کے متن کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی نوازش اور نور ہدایت سے ہم کو عہد جوانی ہی میں اپنی ربوبیت کے اقرار اور اپنی وحدانیت کے اعتراف کی طرف رہنمائی کی تھی اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی صداقت کی شہادت دینے اور خدا کے اولیا اور اس کے صالح بندوں کے ساتھ حسنِ اعتقاد رکھنے کی طرف رہبری کی تھی۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے، اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر ناپاکی مسلط کر دیتا ہے۔ قرآن کریم، سورہ الانعام آیت ۱۲۵)۔ پس ہم دین اسلام کا بول بالا کرنے اور اسلام اور اہل اسلام کے معاملات کی اصلاح کرنے کی طرف مائل رہے یہاں تک کہ ہمارے والد بزرگوار اور برادر کلاں کے بعد بادشاہت ہمیں ملی اور خداوند کریم نے ہم کو اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ہماری امیدوں کو پورا کیا اور عروس مملکت کی نقاب کشائی کی اور اس سے ہم کو ہمکنار کیا۔ پھر ہمارے ہاں ایک عام مجلس منعقد ہوئی جس میں ہمارے تمام بھائی، فرزند، امرائے کبار، سپہ سالار اور فوج کے بڑے بڑے افسر جمع ہوئے۔ تمام حاضرین اس رائے پر متفق ہوئے کہ ہمارے برادر کلاں کے سابق حکم کے مطابق مملکت کے تمام عساکر کے جمِ غفیر کو لشکر کے لیے جمع کیا جائے، جن کی کثرت کے سامنے روئے زمین تنگ ہے، جن کی صولت و سطوت کا رعب لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، جن کی ہمت اور شجاعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے پہاڑوں کے سر بھی جھک جاتے ہیں اور جن کے عزم و ارادے کے سامنے سخت پتھروں کا زہرہ بھی گداز ہو جاتا ہے۔ پس ہم نے ان کی تجویز پر غور کیا جس پر سب نے اتفاق کیا تھا، اور اس کے ماحصل کو اپنے مافی الضمیر کے خلاف پایا کیونکہ ہم تو عوام کی بھلائی چاہتے ہیں اور شعائر اسلام کی تقویت کے خواہاں ہیں۔ ہم حتی الامکان صرف ایسے احکام اور فرمان صادر کرنا چاہتے ہیں جن سے خوں ریزی بند ہو اور رعیت کو امن و سکون حاصل ہو۔ امن و امان اور خوشحالی کی باد سحر تمام ملکوں میں چلے اور تمام ملکوں کے سلاطین شفقت اور احسان کے گہوارے میں راحت پائیں کیونکہ ہم خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی مخلوق پر شفقت کرتے ہیں۔ خدا نے یہ بات ہمارے دل میں ڈال دی ہے کہ ہم جنگ و جدل کی آگ کو بجھائیں اور فتنہ و فساد کو دبائیں۔ جن لوگوں نے لشکر کشی کا مشورہ دیا ہے، ان کو بتا دیں کہ ہمارے لیے خدا کا ارشاد ہے کہ ہم اہل عالم کو ان کی بیماریوں سے شفا دیں اور جنگ آزمائی سے سب سے آخر میں کام لیں۔ ہم کو معرکہ آرائی اور تیر اندازی کی طرف سبقت نہیں کرنی چاہیے تاوقتیکہ ہم اتمام حجت نہ کر لیں اور حق کا اظہار نہ کر دیں اور اس کی دلیل نہ پیش کر دیں۔ امن و امان اور فلاح و صلاح پر ہماری جو رائے قرار پائی ہے، اس کی تحریک و تائید شیخ الاسلام قدوۃ العارفین کے وعظ و تذکیر سے ہوئی ہے جو دینی امور میں ہمارے بڑے اچھے مشیر اور مددگار ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہ مراسلہ صادر کیا ہے اور قاضی القضا قطب الدین اور اتابیگ بہاء الدین کو آپ کی طرف بھیجا ہے جو ہمارے ارکانِ دولت میں سے ہیں تاکہ وہ آپ کو ہمارے طریقے اور نیک نیتی سے مطلع کریں، آپ کو بتائیں کہ ہم تمام مسلمانوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور آپ کو آگاہ کریں کہ ہم کو خدا کی طرف سے بصیرت حاصل ہے کہ اسلام نے گزشتہ تمام باتوں کو مٹا دیا ہے۔ خداوند کریم نے ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ہم حق اور اہل حق کی پیروی کریں۔ اگر کوئی شخص ہماری بات کی دلیل و حجت طلب کرے تو اس کو چاہیے کہ ہماری کارکردگی کا مشاہدہ کرے جو دنیا میں مشہور ہو چکی ہے کیونکہ ہم نے توفیق الٰہی سے دین کی نشانیوں کو پسند کیا ہے اور ہر ایک بات میں، ہر ایک حکم میں اس کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہم نے شرع محمدی کے قوانین کو نافذ کیا ہے جیسا کہ عدل محمدی کا تقاضا تھا۔ چنانچہ اس طرح سے ہم نے جمہور کے دلوں کو مسرور کر دیا ہے اور جن لوگوں سے کوئی برائی یا خطا پہلے سرزد ہو چکی ہے، ہم نے ان سب کو یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ خدا تمہاری پہلی خطاؤں کو معاف کرے۔ پھر ہم مسلمانوں کے اوقاف کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے جن میں ان کی مسجدیں، زیارت گاہیں اور مدارس شامل ہیں، اور خانقاہیں اور سرائیں جن کے نشان مٹ گئے تھے، ان کو آباد کیا ہے۔ اوقاف کی آمدنی کو قدیم دستور کے مطابق اور واقفین کی شروط کے مطابق مستحق لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ حاجیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اور ان کے لیے سامانِ سفر مہیا کیا جائے اور جن راستوں سے وہ سفر کرتے ہیں، ان کو محفوظ بنایا جائے۔ ہم نے سوداگروں کو ایک ملک سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے ملک جانے کی کامل آزادی دی ہے اور وہ جہاں چاہیں، آمدورفت کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی فوج اور پولیس کو ان کی آمدورفت میں مداخلت کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا ہے۔ ہم سلطانِ مصر کے ساتھ اتحاد چاہتے ہیں تاکہ یہ دیار و امصار پھر آباد ہو جائیں اور فتنہ و فساد فرو ہو جائے، تلواریں میان میں آجائیں اور تمام لوگ آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں اور مسلمانوں کی گردنیں ذلت و خواری کے طوق سے آزاد ہو جائیں۔'' (وصاف، صفحات ۲۳۱ تا ۲۳۴)۔

جن لوگوں نے منگولوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، ان کے لیے ان کی ناقابلِ بیان سفاکیوں اور مسلسل خوں ریزیوں کا حال پڑھنے کے بعد مندرجہ بالا مراسلے کا دیکھنا راحت اور سکون کا موجب ہے۔ یہ مراسلہ ایک منگول فرمانروا کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اس میں ایسی حلیمی اور خیر اندیشی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے جو اس کی زبان سے فی الواقع عجیب معلوم ہوتے ہیں۔

منگولوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کا خان تکودار مسلمان ہو گیا ہے اور عیسائیوں کو سزائیں دیتا ہے تو وہ ناراض ہو گئے۔ منگول اگرچہ خود عیسائی نہ تھے لیکن وہ مدت سے عیسائیوں کے ساتھ میل ملاپ کے عادی ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے قوبلائی خان سے تکودار کی شکایت کی اور اس پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے آباء و اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ غرض تکودار کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی جس کا سرغنہ اس کا بھتیجا ارغون تھا۔ ارغون نے تکودار کو مروا ڈالا اور تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مختصر عہد حکومت (۱۲۸۴ سے ۱۲۹۱ عیسوی) میں عیسائیوں پر دوبارہ نوازشات ہونے لگیں اور مسلمانوں پر سختیاں شروع ہو گئیں۔ مسلمانوں کو ان کے عہدوں اور منصبوں سے برطرف کر کے انہیں دربار سے نکال دیا گیا۔(De Guignes, Vol. iii PP. 263-65)۔

تکودار کے تمام جانشین کافر تھے۔ لیکن ۱۲۹۵ عیسوی میں غازان خان، جو ہلاکو خانی خاندان کا ساتواں اور سب سے بڑا فرماں روا ہو گزرا ہے، مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام کو فارس کا شاہی مذہب قرار دے دیا۔ گزشتہ تین حکمرانوں کے زمانے میں عیسائیوں کو بڑی امید تھی کہ فارس کا شاہی خاندان عیسائی ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے عیسائیوں پر بڑی مہربانیاں کی تھیں اور ان کو سلطنت کے مناصب جلیلہ پر مقرر کیا تھا۔ غازان خان کا پیشرو بایدو خان، جو ۱۲۹۵ عیسوی میں صرف چند ماہ تک تخت شاہی پر قابض رہا، عیسائیت کی طرف اس قدر مائل تھا کہ اس نے منگولوں میں اشاعت اسلام کو قطعی طور پر بند کرنے کی کوشش کی اور اس غرض سے اس نے حکم دیا کہ کوئی شخص منگولوں کے درمیان اسلام کی تبلیغ نہ کرنے پائے۔(C.de Oksson: vol. iv, PP. 141-42)۔

مسلمان ہونے سے پہلے غازان خان کی تعلیم و تربیت بدھ مت کے مطابق ہوئی تھی اور اس نے خراسان میں بدھ مت کے پیرو کاروں کے لیے کئی مندر بھی تعمیر کیے تھے۔ فارس میں منگولوں کی حکومت قائم ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد بدھ مت کے بہت سے پروہت فارس چلے گئے اور غازان خان ان کی صحبت سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔(C.de Oksson: Vol iv, P. 148)۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے فطری طور پر مذہب کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا کیونکہ اس نے اپنے زمانے کے مختلف مذاہب کے عقاید کا مطالعہ کیا تھا اور وہ ہر مذہب کے عالموں کے ساتھ مذہبی مباحثے کیا کرتا تھا۔(c. d' Oksson: Vol iv, P. 365)۔ رشید الدین، جو غازان کا فاضل وزیر اور اس کے عہد کا ممتاز مورخ تھا، لکھتا ہے کہ غازان خان نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا تھا جس کے احکام کی اس نے اپنے پورے عہد حکومت میں سرگرمی اور خلوص کے ساتھ پابندی کی۔ غازان خان کے بعض ہم عصروں کا خیال تھا کہ اس نے چند امیروں اور مشائخ کی استدعا پر اسلام قبول کیا تھا۔ (c. d' Oksson: Vol iv, PP. 148,354)۔ بعد کے زمانے کے اکثر مصنفوں نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔ رشید الدین نے غازان کی حمایت میں لکھا ہے: ''ایسے زبردست بادشاہ کو کیا لالچ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرے اور خصوصاً ایسے بادشاہ کو جس کے بت پرست بزرگوں نے دنیا کو فتح کیا ہو؟'' بہر حال غازان خان کے مسلمان ہوتے ہی اہل فارس کے دل اس کے قبضے میں آگئے۔ چنانچہ جب وہ بایدو خان کے ساتھ تخت فارس کے لیے برسرِ پیکار تھا تو اس کے حریف کے لشکر میں جو منگول مسلمان تھے، وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ہم مذہب کی امداد کو چلے گئے۔ اسی قسم کی دوراندیشی سے کام لے کر ایک مسلمان امیر نوروز بیگ نے، جو غازان کا طرفدار تھا، اس پر اسلام قبول کرنے کے لیے زور ڈالا تھا۔ اس نے غازان سے کہا کہ ایک پیش گوئی کے مطابق تم ہی وہ بادشاہ ہو جو اس زمانے کے قریب ظہور کرنے والا ہے تاکہ وہ دینِ اسلام کی حفاظت وحمایت کرے اور اس کی گزشتہ شان وشوکت کو بحال کرے۔ اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو وہ پورے فارس کا فرمانروا ہو جائے گا اور اہل اسلام کافر منگولوں کی تکلیف دہ غلامی سے آزاد ہو کر اس کے حامی بن جائیں گے اور خداوند کریم اس کو دینِ برحق کا محافظ جان کر اسے فتح وظفر عطا کرے گا۔(c. d' Oksson, Vol. iv, PP. 148, 354)۔ غرض کسی قدر تذبذب کے بعد غازان نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اس کے افسروں اور لشکریوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی۔ اس نے عالموں اور دیندار لوگوں میں خیرات تقسیم کی اور مسجدوں میں حاضری دی اور اولیا کے مزاروں کی زیارت کی۔ چنانچہ اس نے اپنے تئیں ہر طرح سے ایک قابل تقلید مسلمان فرمانروا ثابت کیا۔ غازان خان کے بعد اس کا بھائی الجائتو، محمد خدابندہ کے نام سے ۱۳۰۴ عیسوی میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کی والدہ عیسائی تھی، اس کی تربیت بھی عیسائی طریقے پر ہوئی تھی اور اس نے اصطباغ کے وقت نکولس نام پایا تھا۔ لیکن والدہ کی وفات کے بعد، جب وہ ابھی نوجوان ہی تھا، بیوی کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں نے، جو منگولوں کی باندیاں تھیں، ان کو مسلمان کرنے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ منگولوں کے ہاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کو بظاہر عزت کا رتبہ حاصل تھا اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ وہ سیاسی اور ملکی معاملات میں نمایاں حصہ لیتی تھیں۔ اسی طرح ایسی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ عورتوں نے اپنے شوہروں کے مذہبی عقاید پر اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ ولیم آف روبروک (صفحات ۹۰،۹۱) لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان کو عیسائی کرنے میں اس کی بیوی حائل ہو گئی تھی: ''پینٹی کوسٹ کے دن ایک مسلمان ہمارے پاس آیا اور گفتگو کے دوران ہم اس سے اپنے مذہب کے عقاید بیان کرنے لگے۔ جب اس نے خدا کے احسانات کا حال سنا مثلاً خدا کا مجسم ہو کر آنا، حشر اموات، یوم الحساب اور اصطباغ سے گناہوں کا دھویا جانا تو اس نے اصطباغ پانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن جب ہم اس کو اصطباغ دینے کی تیاری کر رہے تھے تو وہ اچانک لپک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے گھر جا کر اپنی بیوی سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ جب وہ دوسرے دن ہمارے پاس آیا تو کہنے لگا کہ میں ہرگز اصطباغ نہ لوں گا کیونکہ اس صورت میں میں کبھی گھوڑی کا دودھ نہ پی سکوں گا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس کی مثال سے منگولوں پر بہت اثر پڑا اور اس زمانے سے ایلخانی مملکت میں اسلام تمام مذاہب پر غالب آ گیا۔'' (ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۵۷)۔

منگولوں کی درمیانی مملکت چغتائی اور اس کے جانشینوں کے حصے میں آئی تھی۔ اس مملکت میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی؟ اس کے متعلق ہمارے پاس معلومات اور بھی کم ہیں۔ اس خاندان کے کئی حکمرانوں کے وزیر مسلمان تھے لیکن ان حکمرانوں کو بذات خود دین اسلام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی۔ چغتائی نے جانوروں کے ذبیحے اور غسل اور وضو کرنے پر جو پابندیاں عاید کی تھیں، وہ مسلمانوں کے لیے باعث آزار تھیں۔ جوزجانی کا بیان ہے کہ تمام منگول حکمرانوں میں چغتائی اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا اور کوئی شخص اس کے سامنے تحقیر اور مذمت کے بغیر اسلام کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ (جوزجانی صفحات ۳۸۱، ۳۹۷: Raverty, PP. 1140,1145-46)۔ لیکن اس کے پوتے اور جانشین قرا ہلاکو کی بیگم ارغنہ نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقے پر کی تھی۔ اس نے ۱۲۶۴ عیسوی میں مبارک شاہ کے نام سے چغتائی سلطنت کے تخت کا دعویٰ کیا لیکن اس کے چچازاد بھائی براق خان نے اسے جلد ہی تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مبارک شاہ نے اپنے اثر و رسوخ کو اپنے مذہب کے حق میں استعمال نہیں کیا تھا بلکہ اس کے لڑکوں کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا۔ (رشید الدین صفحات ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۸)۔ روایت ہے کہ براق خان کو ۱۲۷۰ عیسوی میں اپنی وفات سے چند روز پہلے ''نور اسلام حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی'' اور اس نے سلطان غیاث الدین کا نام اختیار کیا تھا۔ (ابوالغازی جلد دوم صفحہ ۱۵۹)۔ لیکن اس کی تجہیز و تدفین اسلامی طریقے پر نہیں بلکہ منگولوں کے قدیم دستور کے مطابق ہوئی تھی۔ جو منگول اس عہد میں مسلمان ہوئے تھے، اس کے مرنے کے بعد قدیم مذہب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف لوٹ گئے۔ چودھویں صدی سے پہلے چغتائی نسل کے منگولوں میں اسلام کی اشاعت عام نہ ہو سکی۔ ۱۳۲۶عیسوی کے قریب ترماشیرین نے اسلام قبول کر لیا اور منگولوں نے اپنے خان کی پیروی کی اور اس مرتبہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ لیکن اب بھی اسلام کا غلبہ یقینی نہ تھا کیونکہ چند سال کے بعد بوزن نے ترماشیرین کو تختِ حکومت سے اتار دیا اور مسلمانوں پر ظلم وستم کیے۔ (ابنِ بطوطہ جلد سوم صفحہ ۴۷)۔ چند برسوں کے بعد ہم کاشغر کے پہلے مسلمان حکمران کا ذکر سنتے ہیں جس نے چغتائی سلطنت کے زوال کے بعد ایک الگ مملکت قائم کی تھی۔ اس کا نام تو قلق تیمور خان (۱۳۴۷ سے ۱۳۶۳عیسوی) تھا۔ روایت ہے کہ اس نے بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ شیخ چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر تو قلق تیمور کی شکارگاہ میں داخل ہو گیا اور خان نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ کر اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ خان نے غضبناک ہو کر ان سے پوچھا کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرأت کی؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق آگاہ نہ تھے کہ ہم ایک ممنوعہ قطعہ زمین میں داخل ہو رہے ہیں۔ جب خان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ فارسی ہیں تو اس نے کہا کہ ایک فارسی سے تو ایک کتا بھی بہتر ہوتا ہے۔ شیخ نے کہا: ”ہاں! یہ سچ ہے۔ اگر ہم دینِ حق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں ہم یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے۔“ شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو اس جرأت مند فارسی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔ چنانچہ خان نے شیخ کو الگ کر کے پوچھا: ”دینِ برحق“ کیا چیز ہے اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقاید ایسی گرمجوشی اور ایسے دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل، جو پہلے پتھر کی طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا۔ پھر شیخ نے حالت کفر کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا: ”اگر میں اسی وقت دینِ اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا لہٰذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر وتحمل سے کام لو۔ جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا۔“ اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور کئی برسوں کے بعد تو قلق تیمور تمام سلطنت کو اکٹھا کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس اثنا میں شیخ جمال الدین اپنے ملک کو واپس جا چکا تھا۔ وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گیا اور جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے رشید الدین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تو قلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ بننے والا ہے۔ اس وقت اس کے پاس ضرور جانا، اس کو میرا اسلام پہنچانا اور اسے بے خوف وخطر وہ وعدہ یاد دلانا جو اس نے مجھ سے کیا تھا۔ چند سال کے بعد جب تو قلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت وتاج حاصل کر چکا تو رشید الدین اس کے لشکر میں جا پہنچا تاکہ اپنے والد کی وصیت پوری کر سکے۔ لیکن اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام کوششوں کے باوجود وہ خان کے دربار میں باریاب نہ ہوسکا۔ آخر مجبور ہوکر اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح اس نے خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کردی۔ جب اس طرح تو قلق خان کی نیند خراب ہوئی تو اس نے غضب ناک ہوکر رشید الدین کو اپنے پاس بلوایا اور رشید الدین نے حاضر ہوکر اپنے باپ کا پیغام پہنچایا۔ تو قلق تیمور کو اپنا وعدہ فراموش نہیں ہوا تھا چنانچہ اس نے کہا: ''جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں، جو وعدہ میں نے کیا تھا وہ میرے ذہن میں تھا، لیکن جس شخص سے میں نے یہ وعدہ کیا تھا، وہ پھر کبھی نہ آیا۔ بہ ہر حال اب میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔'' اس کے بعد تو قلق نے کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا اور بقول ابوالغازی ''اس صبح کو آفتاب اقبال نے توفیق الٰہی کے افق سے طلوع کیا اور کفر کی تاریک رات کافور ہو گئی...... اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ اسلام کے لیے منگول شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے۔ جو لوگ اسلام قبول کریں تو یہ بات ان کے حق میں اچھی ہوگی مگر جو لوگ انکار کریں، ان کو کافر اور بت پرست سمجھ کر قتل کردینا چاہیے۔'' جس شخص کا سب سے پہلے اظہار لیا گیا وہ امیر تو لک تھا۔ خان نے اس سے پوچھا: ''کیا تم اسلام قبول کروگے؟'' اس پر وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہنے لگا: ''تین سال ہوئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی تو میں مسلمان ہوگیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا۔'' پھر تو قلق خان اٹھا اور اس کو گلے سے لگالیا اور اس کے بعد تینوں اکٹھے بیٹھ گئے۔ اسی طرح سے انہوں نے شہزادوں سے یکے بعد دیگرے گفتگو کی اور سب نے اسلام قبول کرلیا ماسوائے ایک شخص کے جس کا نام جراس تھا۔ اس نے یہ تجویز پیش کی کہ شیخ اور اس کے ملازم کے درمیان زور آزمائی کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ اس کا خادم ایک بڑا قد آور کافر تھا۔ وہ اس قدر طاقتور تھا کہ دو سال کے اونٹ کو اٹھا سکتا تھا۔ شیخ نے اس مقابلے کو منظور کر لیا اور اس سے کہا: ''اگر میں تمہارے ملازم کو گرا نہ سکا تو تمہیں مسلمان ہونے کے لیے نہیں کہوں گا۔ اگر خدا کی یہ مرضی ہے کہ منگول لوگ مشرف بہ اسلام ہوں تو وہ مجھے بے شک اس آدمی کو مغلوب کرنے کے لیے کافی طاقت بخشے گا۔'' تو قلق خان اور دوسرے مسلمانوں نے شیخ کو سمجھانے اور باز رکھنے کی کوشش کی لیکن شیخ اپنے ارادے میں پختہ رہا۔ ''ایک انبوہِ کثیر جمع ہوگیا اور کافر کو اندر لے آئے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ کافر، جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، بڑے پر غرور انداز میں آگے بڑھا۔ شیخ اس کے سامنے بہت چھوٹا اور کمزور دکھائی دیتا تھا۔ جب وہ ایک دوسرے کو گھونسے مارنے لگے تو شیخ نے اس کافر کی چھاتی پر ایک ایسی سخت ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور کلمہ شہادت زبان پر لایا۔ لوگوں نے آفرین وستائش کے نعرے بلند کیے اور اس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار منگولوں نے اپنے سروں کی بودیاں کٹوا ڈالیں اور مسلمان ہوگئے۔ خان کا ختنہ ہوا اور نورِ اسلام کی برکت سے کفر کی تاریکیاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور ہو گئیں۔" (ابوالغازی: جلد دوم صفحات ۱۶۶ تا ۱۶۸: نیز محمد حیدر صفحات ۱۳ تا ۱۵)۔ اس وقت سے اسلام ان تمام شہروں میں مضبوطی سے قائم ہو گیا جو چغتائی خان کے جانشینوں کے زیر نگیں تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے خانہ بدوش منگول پندرہویں صدی کی ابتدا تک دائرہ اسلام سے باہر رہے کیونکہ محمد خان کو، جو ۱۴۱۶ عیسوی کے قریب مغلستان کا حاکم تھا، ان کو مسلمان کرنے کے لیے سختی سے کام لینا پڑا۔ (جب چغتائی خوانین کی طاقت کو زوال آیا تو ان کی سلطنت کا مشرقی حصہ عملی طور پر خود مختار ہو گیا اور اس کا نام مغلستان ٹھہرا۔ اس میں بیشتر چراگاہیں تھیں جو خانہ بدوش گلہ بانوں کے لیے موزوں تھیں۔ یہ علاقہ آج کل چینی ترکستان میں شامل ہے)۔ محمد خان ایک دولت مند مسلمان شہزادہ تھا۔ وہ عدل وانصاف کے راستے پر گامزن رہا اور اس کے مبارک عہد حکومت میں اس کی مسلسل کوششوں سے منگولوں کے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ منگولوں کو اسلام کا معتقد بنانے کے لیے اسے سخت ذرائع استعمال کرنا پڑے تھے مثال کے طور پر جب کوئی منگول پگڑی نہیں باندھتا تھا تو اس کے سر میں میخ گاڑ دیتے تھے اور اس قسم کا سلوک عام تھا۔ جزاءاللہ، خیرا۔ (محمد حیدر، صفحات ۵۷، ۵۸)۔

لیکن اس قسم کی سختیاں بھی تمام منگولوں کو مسلمان کرنے میں ناکام رہیں کیونکہ سولہویں صدی کے اختتام پر بھی ایک درویش، جس کا نام اسحاق ولی تھا، کاشغر، یارقند اور ختن میں تبلیغ اسلام میں مصروف تھا۔ (یہ عبدالکریم خان کا عہد تھا جو ۱۵۷۵ سے ۱۵۹۴ عیسوی تک کاشغر کا حکمران رہا)۔ وہ ان شہروں میں بارہ برس تک اسلام پھیلاتا رہا۔ (Martin Hartmann: Vol. I, P. 203, Berlin 1899)۔ اس نے قرغیز اور قزاق قبائل میں بھی تبلیغ کی اور ۱۸۰ آدمیوں کو مسلمان کیا اور اٹھارہ بت کدے ویران کیے۔ (Martin Hartmann: P. 202)۔

پچھلے صفحات میں ان وسائل وذرائع کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے مسلمان ان وحشی قبیلوں کو اپنے مذہب پر لے آئے جنہوں نے ان کے تمدن کے مرکزوں کو برباد کیا تھا۔ اس طرح سے اسلام اپنے گزشتہ عروج کے کھنڈروں سے دوبارہ آہستہ آہستہ ابھرنا شروع ہوا اور اس نے ایک صدی کی افسردگی اور پژمردگی کے بعد دوبارہ ایک غالب مذہب کا مقام حاصل کر لیا۔ منگولوں کو اپنے مذہب پر لانے کے لیے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں جو باہمی کشمکش ہوئی، اس میں سیاسی مصالح بلاشبہ مسلمانوں کے حق میں اثر انداز ہوئے۔ مغرب کی عیسائی حکومتوں نے جو سازشیں کیں، ان کی وجہ سے ایشیائی ملکوں کے عیسائی باشندوں کی وفاداری مشکوک ہو گئی کیونکہ ان کو مغربی حکومتوں کے کارندے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ابتدا میں وہ منگول جو نسطوری ہو گئے تھے، قومی پارٹی ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے اور مسلمانوں پر اس بنا پر اعتراض کر سکتے تھے کہ وہ ایک غیر مذہب کے پیروکار ہیں۔ چنانچہ ارغون نے احمد تکودار پر یہی الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنے باپ دادا کے قانون کے ساتھ غداری کی ہے کیونکہ اس نے عربوں کے طریقے کی پیروی کی ہے جس سے اس کے آباء واجداد قطعاً ناآشنا تھے۔ (Assemani: P. 66)۔ اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ترماشیرین کے خلاف جو بغاوت برپا ہوئی تھی، اسے اس شکایت سے تائید ملی تھی کہ اس حکمران نے یساق یعنی منگولوں کے قدیم آئین و دستور کو نظر انداز کر دیا تھا۔ (ابنِ بطوطہ جلد سوم صفحہ ۴۰)۔ اس کشمکش کا نتیجہ اگرچہ مدت تک مشتبہ رہا لیکن اسلام آہستہ آہستہ ان ملکوں میں دوبارہ غالب آ گیا جو اس کے قبضے سے نکل چکے تھے۔

جن ذرائع اور وسائل سے اسلام کو یہ کامیابی حاصل ہوئی، وہ تاریکی میں ہیں۔ اس بارے میں پچھلے صفحات میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ بہت تھوڑی ہیں اور اس داستان کا بہت سا حصہ ابھی باقی ہے۔ لیکن جن تبلیغی عوامل سے مختلف افراد مسلمان ہوئے، ان کے متعلق ہم نے خاصی تفصیلات دے دی ہیں۔ آنندا نے تو اپنی انا کے دودھ کے ساتھ ہی اسلام کو بھی جذب کیا تھا اور مسلمان ترکوں کے قدیم خاندانوں نے ان منگولوں پر، جو ان کے درمیان آ کر آباد ہو گئے تھے، غیر محسوس طور پر اثر ڈالا تھا۔ (رشید الدین، صفحہ ۶۰۰)۔ منگولوں کو مسلمان کرنے میں جو تبلیغی عناصر کارفرما تھے، ان میں صوفیائے عظام اور ان کے مریدوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ منگولوں کے سیلاب کے بعد مسلمان بہت دل شکستہ ہو گئے تھے چنانچہ اس افسردگی کے عالم میں انہوں نے سب سے پہلے تصوف کے دامن میں پناہ لی۔ مسلمانوں کے روحانی مرشدوں اور تصوف کے مختلف سلسلوں نے ملتِ اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونک دی اور اس میں ایک تازہ ولولہ پیدا کیا۔ مثال کے طور پر چودھویں صدی عیسوی میں نقشبندی سلسلے میں ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ایک فرانسیسی مورخ کا ہوں لکھنا ہے: ''پیروں اور ان کے مریدوں کے ہاتھ میں ایشیا کا مسلمان ایک ایسا کارکن تھا جو پہلے تو بے خبر اور سست رو تھا لیکن بعد میں وہ ایک پارٹی یعنی قومی مذہب کی جماعت کا رکن بن گیا جو منگول حکومت کی مخالف تھی کیونکہ یہ حکومت غیر ملکی ہونے کے علاوہ وحشی، سنگدل اور بے دین بھی تھی۔'' (Cahun, P. 410)۔

اب ہم سنہری غول میں اسلام کی تاریخ کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ منگولوں کی اس شاخ کی سب سے بڑی چراگاہیں گھاس سے ڈھکے اس میدان میں واقع تھیں جس کو دریائے وولگا سیراب کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے دارالحکومت سرائے شہر کو بھی اسی دریا کے کنارے آباد کیا تھا۔ روسی امرا خان کی خدمت میں اپنا خراج یہیں بھیجا کرتے تھے۔ جب برکہ خان نے اسلام قبول کیا اور سلطانِ مصر کے ساتھ گہرے تعلقات استوار کر لیے تو ان اسباب سے بھی اسلام نے بڑی ترقی کی اور سنہری غول کے امرا و اعیان نے بھی بتدریج اس کی مثال کی پیروی کی۔ لیکن ان کے اکثر قبیلے اپنے درمیان اسلام کے داخلے سے بہت ناراض ہوئے۔ جب برکہ خان نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا تو انہوں نے اسے تخت و تاج کا نااہل قرار دے دیا اور اس کے حریف ہلاکو خان کو تخت حکومت پیش کیا۔ یہ مخالفت اس قدر بڑھی کہ اس کی وجہ سے نوگائی کا ایک الگ جرگہ پیدا ہو گیا۔ اس کا نام نوگائی کے نام پڑا جو برکہ خان کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ جب سنہری غول کے دوسرے امرا مسلمان ہو گئے تو نوگائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدستور اپنے شامانی طریقے پر قائم رہا۔ جو منگول اپنا پرانا مذہب ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن اس کی بیٹی، جو ایک شامانی منگول سے بیاہی ہوئی تھی، شادی کے کچھ ہی عرصے بعد مسلمان ہوگئی اور اسی وجہ سے اسے اپنے شوہر کی بدسلوکی اور تحقیر کا نشانہ بننا پڑا۔ (Howarth: Vol. ii P. 1015)۔

اوزبک خان نے، جو ۱۳۱۳ سے لے کر ۱۳۴۰ عیسوی تک سنہری غول کا حاکم رہا، اپنی تبلیغی کوششوں کے باعث بڑی شہرت پائی۔ اس کے منگول سرداروں نے اس سے کہا: ''تم کو صرف ہماری اطاعت اور فرمانبرداری پر اکتفا کرنا چاہیے۔ تمہیں ہمارے مذہب سے کیا واسطہ ہے؟ ہم چنگیز خان کا مذہب چھوڑ کر عربوں کا دین کیوں اختیار کریں؟'' لیکن اوزبک خان بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہا۔ وہ اسلام کا پرجوش حامی تھا چنانچہ اس کی کوششوں سے اسلام اس کی مملکت میں خوب راسخ ہو گیا۔ (ابوالغازی، جلد دوم صفحہ ۱۸۴)۔ اسی کے اثر سے وسطی ایشیا کے اوزبک قبائل معرضِ وجود میں آئے۔ یہ قبیلے اسی کے نام کی مناسبت سے اوزبک کہلائے اور غالباً اسی کے عہد حکومت میں وہ مسلمان ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اوزبک خان نے تمام بلادِ روس میں اسلام پھیلانے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ منگول اگرچہ دو سال تک روس پر حکمرانی کرتے رہے لیکن وہ اس ملک کے باشندوں کو، خاص طور پر مذہب کے معاملے میں، بہت کم متاثر کر سکے۔ (De Guignes: Vol, iii, P. 351)۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگرچہ اوزبک خان اپنے دین کو پھیلانے میں بڑا سرگرم تھا، وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بہت رواداری برتتا تھا۔ عیسائی لوگ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں بالکل آزاد تھے بلکہ اس نے ان کو اپنی مملکت میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔

اوزبک خان نے ۱۳۱۳ عیسوی میں مطران پیٹر کے حق میں جو درج ذیل فرمان جاری کیا تھا، اس کا شمار ان اہم دستاویزوں میں ہوتا ہے جن سے مسلمانوں کی رواداری اور کشادہ دلی کا ثبوت ملتا ہے:

''خدائے بزرگ و برتر کی مشیت، قدرت، عظمت اور رحمت کے ساتھ، اوزبک خان کا یہ فرمان ہمارے تمام چھوٹے بڑے امیروں کے نام ہے۔ کوئی شخص مطران کے کلیسا کی، جس کا پیٹر سربراہ ہے، توہین نہ کرے اور اس کے خادموں اور کلیسا کے پادریوں کی بے عزتی نہ کرے۔ کوئی شخص ان کی جائیداد، مال و متاع یا ان کے آدمیوں پر قبضہ نہ کرے اور ان کے کلیسا کے معاملات میں دست اندازی نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں مقدس ہیں۔ جو شخص ان کے معاملات میں بے جا دخل دے گا اور ہمارے فرمان سے تجاوز کرے گا، وہ خدا کے حضور میں گناہ گار اور اس کے غضب کا سزاوار ہوگا اور ہماری طرف سے اسے موت کی سزا ملے گی۔ مطران امن و امان میں رہے گا لہٰذا اس کو یا اس کے نائب کو چاہیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ کلیسا کے تمام معاملات کا انتظام و انصرام کرے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ نہ ہم خود، نہ ہماری اولاد، نہ ہماری مملکت کے امرا، نہ ہمارے صوبوں کے حاکم کلیسا اور مطران کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاملات میں کسی طرح سے مداخلت کریں گے اور نہ ہی ان کے شہروں، ضلعوں، دیہات، شکار گاہوں، مچھلی پکڑنے کے مقامات، ان کے شہد کے چھتوں، اراضی، مرغزاروں اور جنگلوں سے تعرض کریں گے، نہ ان کے تاکستانوں، چکیوں، ان کے مویشیوں کے استھانوں یا کلیسا کی جائیداد، مال واسباب اوران مقامات میں جو ان کے کارندوں کی نگرانی میں ہیں، دست اندازی کریں گے۔ مطران امن و امان کے ساتھ پریشانی سے دور رہے تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ ہمارے لیے اور ہماری اولاد اور قوم کے لیے دعائے خیر کر سکے۔ جو شخص کلیسا کی کسی مقدس چیز پر ہاتھ ڈالے گا، وہ گناہ گار قرار دیا جائے گا، خدا کے غضب کا مستحق ہوگا اور سزائے موت کا مستوجب ہوگا تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ جب خراج یا دوسرے محصول از قسم چونگی یا پل کا ٹیکس لگائے جائیں یا ڈاک کے لیے گھوڑے طلب کیے جائیں یا فوج کے لیے ہم رعایا سے آدمی بھرتی کریں تو جو گرجے پیٹر کے قبضے میں ہیں، ان سے یا ان کے پادریوں سے کوئی چیز وصول نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص پادریوں سے جبراً کوئی رقم لے گا تو اسے تگنی رقم واپس کرنا ہوگی۔ ان کے آئین وقوانین، ان کے گرجا گھروں اور خانقاہوں کا احترام کیا جائے گا۔ جو شخص اس مذہب کی مذمت کرے گا یا اسے برا کہے گا، اسے کسی حیلے یا بہانے سے بے قصور تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ پادریوں کے بھائیوں اور بیٹوں کو بھی، جو ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، ویسے ہی حقوق حاصل ہوں گے۔" (Karamzin: Vol. iv, PP. 391-94)۔

اوزبک خان کا یہ فرمان خالی الفاظ پر مشتمل نہ تھا کیونکہ اس میں جس مذہبی آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ فی الواقع عیسائیوں کو حاصل تھی۔ اس حقیقت کا اندازہ اس مراسلے سے لگایا جا سکتا ہے جو ۱۳۱۸ عیسوی میں پوپ جان XXII نے خان کے نام بھیجا تھا اور جس میں اس نے اس مسلمان فرمانروا کا شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ اپنی مسیحی رعایا پر لطف و کرم کرتا ہے اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک روا رکھتا ہے۔ اوزبک خان کے جانشینوں میں تبلیغ اسلام کے لیے ایسا جوش وخروش نہ تھا لہٰذا جہاں اوزبک خان ناکام رہا تھا، وہاں اس کے جانشینوں کی کامیابی کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ جب تک ان کی روسی رعایا اپنے ٹیکس ادا کرتی رہتی تھی، اس کو اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی۔ عیسوی مذہب ان کی زندگی میں اس قدر سرایت کر چکا تھا کہ اگر ان کو اپنے آبائی دین سے منحرف کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تو اس میں کامیابی محال تھی کیونکہ ملکِ روس میں منگولوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے روسی قوم تین سو سال سے عیسائیت کی پابند چلی آرہی تھی۔

منگولوں سے کئی برس پہلے ایک اور قوم نے روسیوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی۔ یہ بلغاریا کے مسلمان تھے جو دسویں صدی عیسوی میں دریائے وولگا کے کنارے آباد تھے اور جو غالباً ان مسلمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاجروں کے میل ملاپ سے مسلمان ہوئے تھے جو سمور اور شمالی ملکوں کی دوسری اشیا کی تجارت کے سلسلے میں ان کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔ بلغاری لوگ ۹۲۱ عیسوی سے پہلے مسلمان ہوئے ہوں گے کیونکہ اس سن میں خلیفہ المقتدر عباسی نے ان کے ہاں اپنا سفیر بھیجا تھا تاکہ انہیں اسلام کے احکام اور عقاید کی تعلیم دے اور ان کے ایمان کو راسخ کرے۔ (پیٹرز برگ جلد ہشتم صفحات ۶۲۶، ۱۸۲۲)۔

بلغاریا کے مسلمانوں نے ولادیمیر کو مسلمان کرنے کی بھی کوشش کی جو اس زمانے میں روسیوں کا بادشاہ تھا۔ ایک روسی مورخ کا بیان ہے کہ ولادیمیر نے یہ ضرورت محسوس کی کہ بت پرستی سے بہتر کوئی مذہب اختیار کرے۔ لیکن ولادیمیر کو ختنے کی رسم اور شراب کی ممانعت پر جو اعتراض تھا، مسلمان اسے دور نہ کر سکے۔ اس نے کہا کہ روسی لوگ شراب خواری کبھی نہیں چھوڑیں گے کیونکہ یہ ان کی زندگی کا پر مسرت مشغلہ ہے۔ اسی طرح یہودی بھی اسے اپنے مذہب پر لانے میں ناکام رہے۔ یہ یہودی خزر کے ملک سے آئے تھے جو بحیرہ کیسپئین پر واقع تھا اور وہ اس قوم کے حکمران کو موسوی شریعت پر لا چکے تھے۔ (ابو عبید البکری صفحات ۴۷۰، ۴۷۱)۔ ولادیمیر نے یہودیوں کے دلائل سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہمارا وطن بیت المقدس ہے لیکن خدا ہم پر غضب ناک ہوا اور اب اس نے ہم کو تمام روئے زمین پر منتشر کر دیا ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ پکار اٹھا: ''تم خدا کے معتوب ہو اور اس کے باوجود تم دوسروں کو ایسا دین سکھانا چاہتے ہو؟ جاؤ کیونکہ ہم تمہاری طرح بے وطن ہونا نہیں چاہتے۔'' ولادیمیر کے دل پر سب سے اچھا اثر یونانی کلیسا کے ایک پادری نے ڈالا۔ اس نے دوسرے مذاہب پر مختصر تنقید کی اور اس کے بعد عیسائیت کی ساری تعلیم اس کے سامنے پیش کی، آفرینش عالم، ہبوط آدم کے قصے سے کر سات مذہبی مجالس کے انعقاد کا حال بیان کیا جن کے فیصلوں کو یونانی کلیسا نے تسلیم کیا تھا۔ پھر اس بادشاہ کو روز قیامت اور یوم الحساب کی تصویر دکھائی جس میں خدا کے نیک بندے بہشت میں داخل ہو رہے تھے اور گناہ گار دوزخ میں جھونکے جا رہے تھے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تم اصطباغ لے لو تو جنت کے وارث ٹھہرو گے۔ لیکن ولادیمیر نہیں چاہتا تھا کہ بت پرستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں عجلت سے کام لے۔ چنانچہ اس نے اپنی سلطنت کے امرا کو جمع کیا اور اس نے مختلف مذاہب کی جو کیفیت سنی تھی، ان سے بیان کی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا: ''اے بادشاہ! ہر ایک شخص اپنے مذہب کی ستائش کرتا ہے۔ اگر تم بہترین مذہب کا انتخاب کرنا چاہتے ہو تو چند عقل مند افراد کو مختلف ملکوں میں بھیجو تاکہ وہ یہ دریافت کریں کہ تمام قوموں میں سے کون سی قوم ہے جو خدا کی شان و عظمت کے مطابق اس کی اطاعت اور تعظیم کرتی ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ نے اس کام کے لیے دس آدمی منتخب کیے جو عقل و فہم میں ممتاز تھے۔ یہ لوگ روانہ ہو کر بلغاریہ کے مسلمانوں کے پاس پہنچے لیکن دیکھا کہ ان کی عبادت گاہیں بظاہر معمولی سی ہیں، ان کے طریقہ عبادت میں ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کی اداسی ہے اور نمازیوں کے چہرے سنجیدہ اور مغموم ہیں۔ اسی طرح جرمن کیتھولک لوگوں کی مذہبی رسوم میں بھی انہیں کوئی شان وشوکت نظر نہ آئی۔ آخر وہ قسطنطنیہ پہنچے جہاں قیصر نے اپنے لوگوں سے کہا: ''ان روسیوں کو اپنے خداوند کا جاہ وجلال دکھاؤ۔'' چنانچہ وہ ان کو سنتا صوفیہ کے گرجا گھر میں لے گئے جہاں ان کا بطریک امامت کے پرتکلف لباس میں نماز پڑھ رہا تھا۔ عمارت کی عظمت اور شان، پادریوں کے قیمتی اور زرق برق لباس، قربان گاہوں کی زیب وزینت، بخور کی خوشبو، نمازیوں کی مودبانہ خاموشی اور طریق عبادت کی پراسرار سنجیدگی، ان سب چیزوں کو دیکھ کر روسیوں کے دل تعجب اور حیرت سے لبریز ہو گئے۔ ان کو یوں معلوم ہوا گویا یہی گرجا گھر خدائے بزرگ وبرتر کا مسکن ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ اپنا جاہ وجلال فانی بندوں پر آشکار کرتا ہے۔ جب وہ سفیر کیف کے شہر میں واپس آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے اپنی ساری سرگزشت بیان کی۔ انہوں نے اسلام کا ذکر حقارت سے کیا اور رومن کیتھولک مذہب کے حق میں بھی کچھ نہ بولے لیکن یونانی کلیسا کی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور کہا: ''جس شخص نے ایک دفعہ میٹھے شربت کو لبوں سے لگایا ہو تو پھر وہ تلخ چیز سے ہمیشہ نفرت کرے گا۔ پس جب ہمیں یونانی کلیسا کا علم ہو گیا ہے تو ہم کسی اور مذہب کی خواہش نہیں رکھتے۔'' ولادیمیر نے اپنے ارکان دولت سے دوبارہ مشورہ کیا۔ انہوں نے اس سے کہا: ''اگر یونانی کلیسا سب مذاہب سے بہتر نہ ہوتا تو تمہاری دادی اولگا، جو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ دانش مند تھی، کبھی اس مذہب کو قبول نہ کرتی۔'' یہ سن کر ولادیمیر نے مزید تذبذب نہ کیا اور ۹۸۸ عیسوی میں اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس روز اس نے اصطباغ لیا، اس کے اگلے دن اس نے ان بتوں کو توڑ ڈالا جن کو اس کے باپ دادا پوجتے آئے تھے۔ اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ تمام روسی لوگ، خواہ آقا ہوں یا غلام، امیر ہوں یا فقیر، عیسوی مذہب میں داخل ہونے کے لیے اصطباغ لیں۔ (Karamzine: Vol, i, PP. 259-71)۔

غرض اس طریقے سے عیسوی مذہب روسیوں کا قومی مذہب قرار پایا۔ منگولوں کی فتح کے بعد روسیوں اور تاتاریوں کے مختلف قومی خصائص نے دونوں قوموں کو آج تک ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ روسیوں کو تاتاری حکومت سے شدید نفرت اور اپنے مذہب کے ساتھ گہری شیفتگی تھی۔ اس کے علاوہ تاتاریوں میں مذہبی جوش وخروش مفقود تھا۔ ان اسباب سے روسی قوم تاتاری فاتحین کا مذہب اختیار نہ کر سکی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعتِ اسلام میں شراب خواری کی جو ممانعت آئی ہے، اس نے بھی روسیوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب تک زار روس نے ۱۹۰۵ عیسوی میں ایک فرمان کے ذریعے پوری روسی سلطنت میں مذہبی آزادی کا اعلان نہیں کیا تھا اور جب تک وہاں اسلام کی تبلیغ عملی طور پر شروع نہیں ہوئی تھی، اس وقت تک روسی لوگوں کے قبولِ اسلام کے واقعات دیکھنے میں نہیں آئے۔ جو روسی مسلمان ہوئے تھے، ان کے دائرہ اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں داخل ہونے کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو تاتاریوں نے مالی امداد دی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی اخلاقی قوت نے بھی اپنا اثر دکھایا۔(Babrovnikoff: P. 13)۔

پھر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روس کے تاتاریوں نے گزشتہ صدیوں میں اسلام پھیلانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ کریمیا کے تاتاریوں میں یونانی وضع قطع کے جو چہرے نظر آتے ہیں، اُن سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ ان مسلمانوں نے ان یونانیوں اور اطالویوں کو اپنی جماعت میں جذب کر لیا تھا جو کریمیا میں آباد تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اصل مقامی باشندوں اور جنوآ کے آبادکاروں کی اولاد ہیں اور اب مسلمان ہیں۔ (Reclus: vol, v, P. 831)۔ سترہویں صدی کا ایک سیاح لکھتا ہے کہ کریمیا کے تاتاری اپنے غلاموں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے غلاموں کو آزادی کا وعدہ دے کر مسلمان کر لیا تھا۔ ۱۹۰۵ عیسوی میں جب حکومت روس کی طرف سے مذہبی آزادی کا اعلان ہوا تو اس کے بعد کریمیا کے تاتاریوں میں بھی قبولِ اسلام کے واقعات کا ذکر ہوا ہے۔(Islam and Mission: P. 257)۔

اس موقعے پر لتھوانیا کے تاتاریوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جن کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اس ملک میں پندرہویں صدی کی ابتدا سے آباد ہیں۔ یہ مسلمان مہاجر عیسائی آبادی کے درمیان رہتے ہیں لیکن وہ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور اس کے اسباب غالباً سیاسی ہیں۔ ان کے ہاں لتھوانیا اور پولینڈ کی عورتوں سے شادی بیاہ کرنے کا عام دستور رہا ہے جن کی اولاد کی تربیت ہمیشہ اسلامی طریقے پر ہوتی تھی۔ لیکن اس کے برعکس کسی مسلمان لڑکی کو کسی عیسائی مرد کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پندرہویں صدی میں اس ملک کے عیسائی حاکم اپنے تاتاری لشکریوں کی عیسائی عورتوں سے شادی کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ان کو زمینیں اور دوسرے حقوق عطا کرتے تھے۔ (Gasztowtt: PP. 321-23)۔

اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں سب سے عجیب وغریب واقعہ وسطی ایشیا کے قرغیز قبیلوں کا قبولِ اسلام ہے جن کو تاتاری ملاؤں نے مسلمان کیا تھا۔ یہ ملا وہ تھے جنہوں نے روسی حکومت کے سفیروں کی حیثیت سے اٹھارویں صدی میں ان کے ہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ قرغیز قوم کے لوگ ۱۷۳۱ عیسوی سے سلطنت روس کے محکوم ہونا شروع ہوئے اور ۱۲۰ سال تک ان کے ساتھ تمام سرکاری خط وکتابت اس خیال سے تاتاری زبان میں ہوتی رہی کہ وہ دریائے وولگا کے تاتاریوں کے ہم نسل اور ہم قوم ہیں۔ روسی حکومت کو ان کے بارے میں دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ اس نے قرغیز کو مسلمان سمجھا حالانکہ اٹھارویں صدی میں قرغیز کے تقریباً تمام لوگ شامانی مذہب رکھتے تھے اور ان کے بہت سے افراد انیسوی صدی کے وسط تک اسی مذہب پر قائم تھے۔ جس وقت ان کا ملک روسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت میں شامل ہوا، ان کے چند خوانین اور سرداروں کے سوا کسی کو دین اسلام کا علم نہ تھا۔ ان کو اسلام کا جو کچھ علم تھا، وہ بھی غیر واضح اور مبہم سا تھا۔ قرغیز قوم کے تمام علاقے میں نہ تو کوئی مسجد تھی اور نہ ہی اسلام کا کوئی معلم تھا۔ ان میں اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ روسی حکومت نے ان کو مسلمان سمجھ کر ان سے مسلمان رعایا کا سا سلوک کیا، مسجدوں کی تعمیر کے لیے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیں اور ان کے ہاں مدارس جاری کرنے اور بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے ملا اور معلم روانہ کیے۔ قرغیز طالب علموں کو گذر اوقات کے لیے روزینہ ملتا تھا اور ان کے والدین کو تحائف اور دوسرے ذرائع سے اس بات کی ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسوں میں بھیجیں۔ قرغیز کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت روسی حکومت کی جانب سے ہوئی۔ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ قرغیز کے جو قبیلے یورپ سے متصل آباد تھے، وہی سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کا قدیم شامانی مذہب انیسویں صدی تک ان قبیلوں میں باقی رہا جو خیوا، بخارا اور خوقند کے قرب و جوار میں خانہ بدوشوں کی زندگی کی بسر کر رہے تھے حالانکہ یہ شہر صدیوں سے مسلمان چلے آ رہے تھے۔ (وسط ایشیا کے بارے میں روس کی پالیسی۔ پروفیسر وی گریگورف: ترکستان جلد دوم صفحات ۴۰۵، ۴۰۶ پانچواں ایڈیشن لندن ۱۸۷۶)۔

غالباً یہ واحد نظیر ہے کہ کسی عیسائی حکومت نے اسلام کی اشاعت میں اس طرح مدد دی ہو۔ یہ بات اس لحاظ سے اور بھی لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہے کہ عین اسی زمانے میں روسی حکومت یورپ میں اپنی مسلمان رعایا کو جبراً عیسائی بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی یہ کوشش اس وقت سے جاری تھی جب سے روسیوں نے سولہویں صدی میں قازان کی اسلامی ریاست کو فتح کیا تھا۔

انیسویں صدی کے شروع تک بہت سے قرغیز قبیلے، جو ان میدانوں میں آباد تھے جو ضلع ٹوبولسک سے لے کر جنوب کی طرف ترکستان تک پھیلے ہوئے تھے، بت پرست تھے لہٰذا روسی حکومت سے درخواست کی گئی کہ عیسائیت کی اشاعت کے لیے ان کے ہاں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن روسی حکومت نے اس درخواست کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ "یہ لوگ ابھی تک اس قدر وحشی اور جنگلی ہیں کہ وہ انجیل کی تعلیم کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔" اس کے بعد جلد ہی دوسرے مذاہب کے مبلغ، جنہوں نے کسی حکومت کی رضامندی کا سہارا نہیں ڈھونڈا تھا اور جو زیادہ مذہبی جوش اور فہم و فراست کے مالک تھے، اس میدان میں آ نکلے اور انہوں نے پورے قرغیز قبیلے کو دینِ اسلام میں داخل کر لیا۔ (Islam and Mission: PP. 251-52, 255)۔

سولہویں صدی میں جب روسیوں نے قازان کی اسلامی تاتاری ریاست کو فتح کر لیا تو انہوں نے عیسائیت کی اشاعت کے لیے سرکاری طور پر ایک مہم چلائی اور وہاں کے بعض بت پرستوں کو اصطباغ دیا، پولیس اور دیوانی محکموں کے افسروں نے پادریوں کے تبلیغی کام میں ان کو مدد دی لیکن روسی پادری ان تاتاریوں کی زبان نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانتے تھے چنانچہ ان کی طرف سے جلد ہی غافل ہو گئے اور ان کے بارے میں یہ تسلیم کرنا پڑا: ''یہ تاتاری لوگ عیسائی ہونے کے باوجود بے شرمی کے ساتھ اپنے قدیم مکروہ رسوم و رواج کے پابند ہیں اور ان کو عیسوی مذہب کا نہ تو علم ہے اور نہ ہی اس پر اعتقاد ہے۔'' جب دینی تعلیم و تلقین کارگر نہ ہوئی تو حکومت نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ ''جو لوگ اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے ہیں لیکن مطران کے احکام کو نہیں مانتے، ان کو پہلے نرمی سے سمجھایا جائے اور اگر نہ سمجھیں تو انہیں قید کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ ان کو ڈرا دھمکا کر ان کے دلوں سے پرانے تاتاری مذہب کا خیال نکال دیا جائے۔''

انیسویں صدی میں روسی حکومت نے بت پرست قبیلوں اور ان تاتاریوں کو، جو عیسائیت سے منحرف اور مرتد ہو چکے تھے، عیسائی کرنے کی دوبارہ کوشش کی اور ان کو اصطباغ لینے کے لیے بہت سے لالچ دیے۔ چنانچہ ملکہ کیتھرین دوم نے ۱۷۷۸ عیسوی میں حکم جاری کیا کہ جو لوگ تازہ عیسائی ہوئے ہیں، وہ اس مضمون کا تحریری اقرار نامہ داخل کریں کہ ''وہ اپنی بت پرستی کی ضلالت کو کامل طور پر ترک کر دیں گے اور کافروں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے اور عیسوی مذہب اور اس کے عقاید پر کسی تذبذب کے بغیر سختی سے عمل کریں گے۔'' لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اصطباغ پانے والے یہ عیسائی برائے نام عیسائی تھے کیونکہ انہوں نے جلد ہی آرتھوڈوکس کلیسا کی تبلیغی سرگرمیوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش شروع کر دی اور اسلام کی خاطر عیسائیت کو ترک کر دیا۔ گویا ان کا برائے نام عیسائی ہونا ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ثابت ہوا۔

سرکاری دفاتر میں اگرچہ تاتاریوں کا نام عیسائیوں کی فہرست میں لکھا جاتا تھا لیکن وہ ہمت اور استقلال کے ساتھ ان تمام کوششوں کا مقابلہ کرتے رہے جو ان کو عیسائی بنانے کے لیے کی جاتی تھیں۔ ایک نیم سرکاری مضمون میں، جو ۱۸۷۲ عیسوی میں شائع ہوا، مضمون نگار نے لکھا: ''یہ بات قابل غور ہے کہ عیسوی مذہب کو ترک کرنے کے واقعات عین اسی زمانے میں پیش آئے جب عیسائیوں کو اپنے مذہب میں پختہ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں لہٰذہ ان کوششوں کے پہلو بہ پہلو ضرور کوئی اور سبب موجود ہوگا جس کی وجہ سے ارتداد کے یہ واقعات رونما ہوئے حالانکہ توقع اس کے برعکس تھی۔'' معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری دل سے ہمیشہ مسلمان رہے تھے اس لیے انہوں نے ان تمام طریقوں کا مقابلہ کیا جن سے ان کو حقیقی طور پر عیسائی بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ (روس از ڈی میکنزی ویلس، جلد اول صفحات ۲۴۲ تا ۲۴۴ لندن ۱۸۷۷)۔ انیسوی صدی کے آخری حصے میں بت پرست اور مسلمان قبیلوں میں مدارس جاری کیے گئے اور ان کے ذریعے ان قبائل کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ روسیوں کو یہ امید تھی کہ اس طریقے سے تاتاریوں کی نئی نسل کو عیسائی بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے سوا کسی اور ذریعے سے تاتاریوں میں عیسائیت کی ترویج ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک روسی پروفیسر نے لکھا ہے: ''قازان کے لوگوں کو عیسائی کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت دشوار ہے۔لیکن ہمیں دیہات کے چند لڑکے مل جاتے ہیں جن کو ہم خدا ترسی کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب وہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ ہو جاتے ہیں تو پھر عیسائی مذہب سے کبھی روگردانی نہیں کرتے۔'' (ڈبلیو ہیورتھ ڈکسن: آزاد روس، جلد دوم صفحہ ۲۸۴،لندن ۱۸۷۰)۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روسیوں کے ضابطہ فوجداری میں کئی دفعات ایسی تھیں جن کی رو سے عیسائیت کو ترک کرنے والوں کو سخت سزائیں مل سکتی تھیں۔ان تعزیرات کی ایک مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ ۱۸۸۳ عیسوی میں ابوزوف گاؤں کے چند تاتاری کاشتکار اس جرم میں ماخوذ ہو کر قازان کی عدالت میں پیش کیے گئے کہ وہ عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ملزموں نے بیان کیا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان چلے آرہے ہیں۔اس کے باوجود عدالت نے انہیں مرتد قرار دے کر سات آدمیوں کو قید بامشقت کی سزا دی۔ چنانچہ اس طرح کے بہت سے لوگ، جنہوں نے عیسائیت سے روگردانی کی تھی، سائبیریا میں جلاوطن کر دیے گئے ہیں۔(تاریخ سلطنت زار روس مطبوعہ پیرس ۱۸۸۹)۔جو شخص کسی عیسائی کو مسلمان کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوتا تھا، وہ تمام شہری حقوق سے محروم ہو جاتا تھا اور آٹھ دس برس کی قید بامشقت پاتا تھا۔لیکن روسی حکومت کے ان تمام احکام اور فرامین کے باوجود اسلام کی تبلیغ سے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو جاتے تھے۔اسلام کی اشاعت ان قبائل میں خاص طور پر کامیاب رہی جو روس کے شمال مشرق میں آباد تھے۔(ڈی میکنزی ولیس: روس جلد اول صفحہ ۲۴۵)۔

قازان کا شہر اسلامی تبلیغ کا سب سے بڑا مرکز ہے اور یہاں ہر سال بہت سی اسلامی کتب شائع ہوتی ہیں۔ قازان یونیورسٹی سے ہر سال بہت سے مبلغ دیہات میں وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے کے لیے جاتے ہیں اور ان تاتاریوں کو، جو اصطباغ پا کر عیسائی ہو گئے ہیں، اسلام کی طرف واپس لاتے ہیں۔عیسائی تاتاری جس کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں، اس سے آرتھوڈکس کلیسا کے پادری گھبرا اٹھے ہیں لیکن وہ ابھی تک ملاؤں کی کامیابی کو روکنے میں ناکام رہے ہیں۔(پامیری، صفحات ۸۶،۸۵)۔روس میں ۱۹۰۵ عیسوی میں مذہبی آزادی کا جو اعلان ہوا ہے، اس وقت سے تاتاریوں کے گروہ کے گروہ مسلمان ہو چکے ہیں۔مثال کے طور پر ۱۹۰۹ عیسوی میں اتوموا کے گاؤں کے ۹۱ خاندانوں نے اسلام قبول کیا۔(آر ڈی ایم ایم صفحہ ۲۹۴)۔ ۱۹۰۶ اور ۱۹۱۰ عیسوی کے درمیانی عرصے میں ۵۳،۰۰۰ افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔(آر ڈی ایم ایم صفحہ ۴۱۳)۔کہا جاتا ہے کہ اسلامی تبلیغ کی کامیابی کا بڑا سبب یہ تھا کہ اسلامی معاشرے کا اخلاقی درجہ بلند تر تھا اور اس میں اتفاق اور اتحاد کا جذبہ بھی بہت مضبوط تھا۔(آر ڈی ایم ایم صفحہ ۲۷۳)۔اس کے علاوہ عیسائی پادریوں نے روسی حکومت کی تائید سے عیسائی تاتاریوں کو راسخ العقیدہ بنانے کے لیے جو طریقے اختیار کیے تھے، ان سے تاتاری عیسائیت سے متنفر ہو گئے ہیں۔(آر ڈی ایم ایم صفحہ ۲۵۲)۔اس کے برعکس اسلام کی تبلیغ بڑے جوش وخروش سے جاری ہے۔ایک روسی مصنف لکھتا ہے:''ہر ایک سیدھا سادہ ان پڑھ مسلمان بھی اپنے دین کا مبلغ ہے اور بت پرست یا نیم بت پرست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبیلے جو نادار، بے علم اور جاہل ہیں، ان مبلغوں کی قوت ایمانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عیسائیوں کے دیہات سے بہت سے لوگ سردیوں کے موسم میں درزی کا کام کرنے کے لیے مسلمانوں کے قصبوں میں چلے جاتے اور وہاں جا کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ وہ جب اپنے دیہات کو واپس آتے ہیں تو اسلامی عقاید بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں اور ان عقاید کو بڑی سرگرمی سے اپنے گھروں میں پھیلاتے ہیں۔'' (Bobrovnikoff: P.12)۔

اس اسلامی تبلیغ سے ووتیاک قبائل سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے اکثر لوگ اصطباغ پا کر عیسائی ہو چکے تھے لیکن ان کے بہت زیادہ افراد اٹھارویں اور انیسوی صدی میں مسلمان ہو گئے۔ اسلام کا اثر عیسائی اور بت پرست دونوں قسم کے قبیلوں میں روز بروز بڑھ رہا ہے۔ ووتیاک کی طرح چرمس بھی فن قوم کا ایک قبیلہ ہے۔ ان میں تقریباً ایک چوتھائی بت پرست ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور گمان غالب ہے کہ باقی افراد بھی عنقریب مسلمان ہو جائیں گے۔ اسلام کی طرف چرمس قوم کا میلان انیسویں صدی میں ظاہر ہوا تھا لیکن ان کے اکثر لوگ برائے نام عیسائی تھے۔ ان کے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے حالانکہ روسی حکومت کے قانون کے مطابق اس زمانے میں جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتا تھا، وہ آرتھوڈوکس کلیسا کے سوائے اور کوئی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ (Reclus: PP. 746,748)۔ ان لوگوں نے باشقیر اور تاتاریوں کے میل ملاپ سے اسلام قبول کیا تھا جن کے خاندانی اور معاشرتی رسم و رواج ان کے اپنے دستور کے مشابہ اور موافق تھے۔ ان کے ہاں اسلام کی اشاعت کا آغاز بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ سے ہوا۔ مثال کے طور پر کسی گاؤں میں ایک چرمس خاندان نے باشقیروں کے ساتھ شادی کی اور پھر انہی کا مذہب اختیار کر لیا۔ جب ان کے اپنے گاؤں کے عیسائی ان کو ''مختون کتے'' کہہ کر ان سے بدسلوکی کرنے لگتے تو وہ وہاں سے نقل مکانی کر کے چند میل کے فاصلے پر ایک نئی بستی بسا لیتے اور بعض خوشحال باشقیر ان کو مالی امداد دیتے۔ لیکن چونکہ سرکاری رجسٹروں میں ان کا اندراج بت پرستوں کی فہرست میں ہوتا تھا، اس لیے ان کو مسجد بنانے کی اجازت نہ تھی۔ ان کے قرب و جوار کے چند باشقیر خاندان اس نئی بستی میں آ کر آباد ہو جاتے ہیں تا کہ مسجد کی تعمیر کے لیے سرکاری طور پر مسلمانوں کی جتنی تعداد مطلوب ہے، وہ پوری ہو سکے۔ (ارسلان، صفحات ۳، ۶)۔ اسی قسم کا عمل کئی بار دوسرے دیہات میں بھی ہوا ہے جہاں مسلمان آ کر آباد ہوئے ہیں اور چرمس کے ساتھ سلسلہ ازدواج میں منسلک ہوئے ہیں۔ (ارسلان، صفحات ۷، ۸)۔ دوسرے مقامات میں خاص تعلیمی تحریک کا پتا چلتا ہے مثلاً انیسویں صدی کے شروع میں کراکول کے گاؤں میں عیسائی چرمس آباد تھے لیکن اسی صدی کے پچاسویں عشرے کے بعد ایک چرمس کی تبلیغ سے، جو ملا بن چکا تھا، ان کے چند خاندان مسلمان ہو گئے۔ جب وہ ملا مر گیا تو اس کی جگہ ایک اور گاؤں کے ایک باشقیر نے لے لی۔ جو چرمس مسلمان ہوئے تھے، وہ بعد میں تاتاری اور باشقیری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیہات میں منتقل ہو گئے اور تاتاریوں نے ان کی جگہ لے لی یہاں تک کہ پورا گاؤں عملی طور پر تاتاری بن گیا۔ نئی نسل کے اکثر لوگ چرمسی زبان بھول گئے اور صرف تاتاریوں کے ہاں شادی بیاہ کرنے لگے۔ (ارسلان، صفحات ۵، ۶)۔ ان تبلیغی کوششوں کے علاوہ چرمسی قوم پر تاتاری زبان اور تاتاری طور طریقوں کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں تاتاری زبان رائج ہو گئی ہے جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی خیالات بھی ساتھ لے کر آئی ہے۔ تاتاری لباس کا استعمال ایک اعلیٰ تہذیب کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی چرمسی تاتاری لباس نہ پہنے تو اسے اس بات کا اندیشہ ہوسکتا ہے کہ اس پر تاتاری لوگ یا اس کے اپنے ہم قوم چرمسی ہنسیں گے۔ ان تمام اثرات کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ چرمسی آخر کار تاتاریوں کا مذہب (اسلام) قبول کر لیتے ہیں۔ (ارسلان، صفحات ۹، ۱۳)۔ کہا جاتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد چرمسی لوگ اپنے نئے دین کی اشاعت میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیتے ہیں اور خوشحال تاتاری اس مقصد کے لیے ان کو امداد دیتے ہیں۔ (ارسلان، صفحات ۷، ۸)۔ اس کے برعکس روسی لوگ چرمس کو ایک نیچ ذات سمجھ کر انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو برے ناموں سے یاد کرتے ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی، جو عیسائی ہو چکے ہیں۔ (ارسلان، صفحات ۳۸، ۳۹)۔ چرمسی قوم کے تقریباً ایک چوتھائی لوگ ابھی تک بت پرست ہیں لیکن ان کے ہاں اسلامی اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ ان کے اکثر لوگ غالباً بہت جلد مسلمان ہو جائیں گے۔ (Bobrovnikoff: P. 22)۔ چواش قوم کے لوگ، جن کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے، اصطباغ لے چکے ہیں لیکن ان میں سے تقریباً بیس ہزار ابھی تک بت پرست ہیں۔ اب یہ لوگ بتدریج اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو چواش عیسائی ہیں، ان میں سے بھی بعض افراد مسلمان ہو چکے ہیں۔ جو باقی ہیں، وہ بھی اسلام کے اثر میں آ رہے ہیں۔ چواش قوم کے مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ ایک عیسائی گاؤں کے پادری نے ایک گرجا گھر کی مرمت کے لیے کئی برسوں میں بمشکل تین سو روبل جمع کیے لیکن اس کے برعکس جب چواش کے آٹھ خاندان مسلمان ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے چند مہینوں میں دو ہزار روبل اکٹھے کر لیے۔ (ارسلان، صفحات ۲۱، ۲۲، ۳۱، ۳۲)۔ اس قسم کا مذہبی جوش اس اسلامی تبلیغ کا خاصہ ہے جو اس وقت کے قدیم مقامی قبائل میں جاری ہے۔ ہر خاندان کو، جو اسلام قبول کرتا ہے، نقدی یا جنس کی صورت میں امداد ملتی ہے، کسی کے لیے گھر تعمیر کر دیا جاتا ہے اور کسی کے لیے کھیت اور مویشی خریدے جاتے ہیں۔ جب کسی گاؤں کے چند خاندان مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے ایک مسجد تعمیر کر دی جاتی ہے اور ان کے بچوں کے لیے ایک مدرسہ جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ارسلان، صفحہ ۱۳)۔

سائبیریا کے تاتاریوں میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس کے متعلق ہمارے علم میں صرف چند ایک واقعات آئے ہیں۔ سولہویں صدی سے پہلے اس ملک میں اسلام کے قدم نہ جم سکے تھے لیکن اس سے پہلے بھی اسلام کے مبلغ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقتاً فوقتاً اس امید پر اس ملک میں آتے رہے تھے کہ وہ اس ملک کے بت پرستوں کو مسلمان کرلیں گے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو سوائے مرتبہ شہادت کے اور کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ جب کوچم خان کے عہد میں سائبیریا کے ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو ان مبلغین اسلام کی سات قبریں ایک بوڑھے شیخ نے دریافت کیں جو بخارا سے ان کی تلاش میں آیا تھا اور چاہتا تھا کہ ان شہیدانِ اسلام کی کوئی یادگار سائبیریا میں قائم کی جائے۔ اس شیخ نے ان ساتوں شہیدوں کے نام بھی بتائے۔ گزشتہ صدی تک سائبیریا کے تاتاری اُن کو احترام کے ساتھ یاد کرتے رہے ہیں۔(G. F. Muller: Vol vii, P. 191)۔ جب ۱۵۷۰ عیسوی کے قریب کوچم خان، جو چنگیز خان کے بیٹے جوچی کی اولاد سے تھا، سائبیریا کو فتح کرکے وہاں کا فرماں روا بنا، یا ایک دوسری روایت کے مطابق وہاں کے بادشاہ کے لاولد مرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کی درخواست پر وہاں کا حاکم ہوا۔ (G.F.Muller: Vol Vii, PP. 183-84) تو اس نے اپنی رعایا کو مسلمان کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور بخارا سے مبلغ منگوائے تاکہ اس کارِ خیر میں اس کی مدد کریں۔ ان میں سے ایک مبلغ نے، جو بخارا سے آیا تھا، اپنا حال یوں لکھا ہے کہ وہ ایک ساتھی کے ہمراہ کوچم خان کے دارالحکومت میں پہنچا جو دریائے ارتش کے کنارے پر واقع تھا۔ دو سال کے بعد اس کا ساتھی یہاں انتقال کر گیا اور بعض وجوہ سے، جو اس نے بیان نہیں کیں، وہ اپنے وطن واپس چلا گیا۔ لیکن کوچم خان نے جب بخارا سے دوبارہ مدد طلب کی تو یہی شخص پھر سائبیریا آیا اور ایک معاون کو بھی ساتھ لایا۔(Rodloff: Vol i , P. 147)۔ لیکن اسلام کی اشاعت میں ابھی کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ روسی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے کوچم خان کی تبلیغی کوششوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ بہت سے قبیلوں نے، جو کوچم خان کے محکوم تھے، قبولِ اسلام کی سخت مخالفت کی تھی۔

روسی فتوحات نے اگرچہ اسلام کی ترقی میں خلل ڈالا تھا لیکن یہ ترقی بہ ہر حال قطعی طور پر رک نہ سکی کیونکہ بخارا اور ترکستان کے دوسرے شہروں کے علمائے دین اور قازان کے مسلمان تاجر سائبیریا میں مسلسل اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تھے۔ برابا قبیلے کے تاتاریوں میں، جو دریائے ارتش اور اوب کے درمیان آباد تھے، اسلام کا قدم پہلی مرتبہ ۱۷۴۵ عیسوی میں پہنچا۔ گو کہ انیسویں صدی کے آغاز تک ان کے اکثر لوگ بت پرست رہے لیکن اب یہ تمام لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔(Jadrinzew: P. 138)۔ قرغیز کے قبولِ اسلام کا اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن سائبیریا کے دوسرے مسلمان قبیلوں کی تاریخ پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ غالباً یہ قومیں حال ہی میں مسلمان ہوئی ہیں۔ آج کل جن وسائل سے تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں یہ طریقہ بہت دلچسپ ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے حقائق یعنی اس کے ارکان و احکام کو قرغیز کے قصے کہانیوں میں اس طرح ملا دیا گیا ہے جس سے وہ عوام کے دلوں میں اتر جاتے ہیں۔(Rodloff: vol i PP. 472,497)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت

بہت سے ہم عصر اور متاخر مورخوں نے ہندوستان پر مسلمانوں کی یورشوں کا حال لکھا ہے اور اس ملک میں اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے فروغ کی تاریخ قلم بند کی ہے لیکن کسی مورخ نے آج تک یہ کوشش نہیں کی کہ مسلمانوں کی ملکی فتوحات اور سیاسی نظم ونسق سے قطع نظر کرتے ہوئے اس ملک میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ لکھتا۔ یہ کام فی الحقیقت بہت سے لوگوں کو ناممکن معلوم ہوا ہوگا کیونکہ ہندوستان کو خصوصیت کے ساتھ ایک ایسا ملک سمجھا گیا ہے جہاں اسلام کے رائج ہونے اور رائج رہنے کا سبب یہ ہوا کہ غیر ملکوں کے مسلمان اس ملک کو فتح کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ وہ اپنا مذہب اپنی اولاد میں چھوڑ گئے اور اگر اپنے حلقے سے باہر کہیں اس کی اشاعت کی تو جور وستم اور جبر سے کام لیا۔ چنانچہ لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ مسلمانوں کی تبلیغی کوششیں اس صورت میں ظاہر ہوئیں کہ محمود غزنوی نے برہموں کا وحشیانہ طریقے پر قتل عام کیا اور اورنگ زیب نے ہندوؤں پر ظلم کیے۔ حیدر علی اور سلطان ٹیپو نے لوگوں کو مختون کر کے زبردستی مسلمان بنایا اور علیٰ ہذہ القیاس اسی قسم کی اور سختیاں کی گئیں۔

ہندوستان کے چھ کروڑ ساٹھ لاکھ مسلمانوں میں سے اکثر لوگ نومسلم ہیں یا نومسلموں کی اولاد ہیں جن کے مسلمان کرنے میں کسی طرح کے جبر وتشدد سے کام نہیں لیا گیا بلکہ انہوں نے اسلام کے پر امن مبلغوں کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس قسم کے نومسلموں کی جماعت ان لوگوں سے بالکل الگ نظر آتی ہے جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے یا ہندوستان کی مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اول وہ غیر ملکی لوگ ہیں جو اس ملک میں اپنا مذہب اپنے ساتھ لائے تھے۔ دوسری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم ان لوگوں کی ہے جو مختلف زمانوں میں مختلف قسم کی ترغیبوں سے اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ ہندوستان کے غیر ملکی مسلمان تین بڑی جماعتوں پر مشتمل ہیں۔ اول جماعت جو اپنی تعداد کے لحاظ سے سب سے اہم ہے، ان لوگوں کی ہے جو شمال مغربی سرحد کے پار سے نقل مکانی کر کے آئے تھے اور اب یہ بیشتر مسلمان پنجاب اور سندھ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو مختلف مسلمان حکمرانوں کے درباریوں اور لشکریوں کی اولاد ہیں اور اب شمالی ہندوستان اور کسی قدر دکن میں آباد ہیں۔ تیسری قسم میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی وہ مسلم آبادیاں شامل ہیں جو غالباً عربی نسل سے ہیں اور جن کے اصل بانی سمندر کے راستے ہندوستان آئے تھے۔ (مردم شماری ہند ۱۸۹۱ء نیز جے اے بینز کی جنرل رپورٹ صفحہ ۱۶۷، لندن ۱۸۹۳ء)۔

لیکن غیر ملکوں کے مسلمان خاندانوں کی تعداد، جو ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے ہیں، پنجاب اور اس کے قرب و جوار کے سوا کہیں بھی زیادہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں سے نصف سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے غیر ملکی القاب مثلاً شیخ، بیگ، خان بلکہ سید وغیرہ اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر لوگ دراصل مقامی نومسلم ہیں یا ان نومسلموں کی اولاد ہیں جنہوں نے ان ممتاز لوگوں کے القاب لے لیے ہیں جن کے ذریعے وہ مسلمان ہوئے تھے۔ بعض اوقات انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں کے ساتھ اس سے بھی کم معقول وجوہ کی بنا پر وابستہ کیا ہے۔ (مردم شماری ہند ۱۸۹۱ء از جے اے بینز، صفحات ۱۲۶، ۲۰۷، لندن ۱۸۹۳ء)۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا دوسرا حصہ مقامی لوگوں کا ہے جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان میں بعض لوگوں نے بلاشبہ مجبوری سے یا حاکموں کے دباؤ سے اسلام قبول کیا، لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جو اپنی خوشی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ مورخوں نے اشاعت اسلام کی تاریخ اور ان معاشرتی اثرات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے جن کی وجہ سے لوگوں نے اسلام اختیار کیا تھا۔ مسلمانان ہند کی متداول تاریخوں میں، جو مغربی یا ملکی مصنفوں نے لکھی ہیں، صرف لڑائیوں کا حال یا بادشاہوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کی کیفیت درج ہے لیکن ان میں اسلامی عہد کے مذہبی حالات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اگر کہیں مذہب کی بنا پر ظلم ہوا ہو یا کسی پر سختی کی گئی ہو تو اس قسم کے واقعات کا تذکرہ ضرور کیا جاتا ہے البتہ مسلمان اولیا کے تذکروں یا مقامی روایات سے ان کوششوں کا کسی قدر حال معلوم ہو سکتا ہے جو ملک کے سیاسی واقعات سے قطع نظر اسلام کی اشاعت کے لیے کی گئی تھیں۔ لیکن ان کے بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سرکاری طور پر اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی اور مسلمان حکمرانوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے میں کیا حصہ لیا۔

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے پندرہ سال بعد عربوں نے سندھ میں ایک فوجی مہم بھیجی تھی۔ اس وقت سے لے کر اٹھارویں صدی تک مسلمان کشور کشاؤں کا ایک لمبا سلسلہ ہے جنہوں نے شمال مغربی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرحد کی جانب سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ ان میں سے بعض نے بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیاد ڈالی۔ بعض منچلے لوگ تھے جو محض طالع آزمائی کے لیے اس ملک میں وارد ہوئے تھے۔ بعض حملہ آور صرف لوٹ مار کے لیے آئے تھے جو مالِ غنیمت سمیٹ کر واپس چلے گئے اور بعض ایسے تھے جنہوں نے یہاں آباد ہو کر مستقل سلطنتیں قائم کیں جن کے پائدار اثرات آج تک باقی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی فاتح کے متعلق ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ اس کے ہمراہ اسلام کے مبلغ اور واعظ بھی آئے ہوں۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب کی طرف سے بے پروا تھے کیونکہ ان میں سے اکثر نے ہندوستان کی لشکر کشی کو جہاد تصور کیا تھا۔ چنانچہ محمود غزنوی اور امیر تیمور کا بظاہر یہی خیال تھا۔ تیمور نے دہلی فتح کرنے کے بعد اپنی ''توزک'' میں یوں لکھا ہے: ''مجھے دہلی میں آئے ہوئے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ میں نے یہ زمانہ عیش و آرام میں گزارا، جشن ملوکانہ کیے اور لوگوں کو ضیافتیں دیں۔ پھر میں نے سوچا کہ میں تو ہندوستان میں کافروں کے خلاف جہاد کرنے آیا تھا۔ میری مہم ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ میں جہاں کہیں پہنچا، ظفریاب ہوا۔ میں اپنے دشمنوں پر غالب آیا تھا اور میں نے لاکھوں کافروں اور بت پرستوں کو تہ تیغ کیا اور میں نے اپنی تیغ تبلیغ کو دشمنانِ دین کے خون میں رنگین کیا تھا۔ اس فتح عظیم کے بعد میں نے خیال کیا کہ مجھے عیش و عشرت میں مستغرق نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہندوستان کے کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہیے۔'' (Eliot: Vol ii, P. 448)۔ اگرچہ امیر تیمور اپنی تیغ تبلیغ کا اکثر ذکر کرتا ہے مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تلوار نے کفار کو واصلِ جہنم کرنے کے سوا اور کوئی کام انجام نہیں دیا۔ اکثر مسلمان حملہ آوروں نے یہی طریقہ اختیار کیا، انہوں نے اللہ کا نام لے کر بتوں کو توڑ پھینکا، ان کے پجاریوں اور پروہتوں کو قتل کیا، ان کے مندروں کو مسمار کر دیا اور ان کی جگہ اکثر مقامات پر مسجدیں تعمیر کیں۔ یہ سچ ہے کہ ہندوؤں پر حملہ کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی جاتی تھی۔ (محمد بن قاسم نے ہندو راجاؤں کو قبولِ اسلام کی دعوت دی تھی اور جو حملہ آور اس کے بعد آئے، انہوں نے بھی غالباً شریعت اسلام کی پابندی کی تھی۔ ایلیٹ جلد اول، صفحات ۱۷۵، ۲۰۷)۔ ہندو لوگ بعض اوقات خوف سے اس دعوت کو قبول کر لیتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔ لیکن اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں جو ہندو اس طرح مجبوراً اسلام لاتے تھے، وہ حملہ آوروں کے رخصت ہونے کے بعد اسلام ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ بلند شہر کے راجا ہردت کے واقعے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس راجا نے محمود غزنوی کی جس طرح اطاعت قبول کی، اس کا حال سلطان کے وزیر نے اس کی فتوحات کے ضمن میں اس طرح لکھا ہے: ''آخر کار سلطان محمود ۱۰۱۹ عیسوی کے قریب بربا کے قلعے پر پہنچا جو ہردت کی عمل داری میں تھا۔ (بربایا بارن، بلند شہر کے پرانے نام ہیں)۔ وہ وہاں کا رائے تھا جس کا معنی ہندی زبان میں بادشاہ ہے۔ جب ہردت نے اس چڑھائی کا حال سنا، جس میں خدا کے مظفر و منصور غازی سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور فرشتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے گرد تھے تو وہ نہایت پریشان ہوا۔ اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور اس پر اپنی جان کا خوف طاری ہو گیا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے کیونکہ خدا کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اور سزا کا تازیانہ بلند ہو چکا تھا۔ پس وہ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا اور قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور بت پرستی ترک کی۔'' (ایلیٹ جلد دوم صفحات ۴۲،۴۳)۔

حملہ آوروں کے واپس جاتے ہی یہ نومسلم غالباً اسلام سے منحرف ہو گئے۔ اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں ہندوستان کے قدیم مسلمان مورخوں نے مسلسل شکایت کی ہے۔ چنانچہ ۱۱۹۳عیسوی میں جب قطب الدین ایبک نے برن پر حملہ کیا تو وہاں کے راجا چندر سین نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ راجا ہردت کی اولاد سے تھا اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، وہ ہندو مذہب کا پابند تھا۔ اس کے علاوہ چندر سین کی رعایا میں بھی کسی مسلمان کا ذکر نہیں ملتا۔(Gazetteer of the N.W.F.P. Vol iii, Part II, P. 85)۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ان مسلمان فاتحین میں لوگوں کو مسلمان کر کے ان کی آخرت کی بھلائی چاہنے کا جذبہ بہت کم تھا جو ایک سچے مبلغ کے دل میں موجزن ہوتا ہے اور جس کی بدولت اسلام کو بڑی شاندار روحانی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ خلجی (۱۲۹۰ سے ۱۳۲۰ عیسوی)، تغلق (۱۳۲۰ سے ۱۴۱۲ عیسوی) اور لودھی (۱۴۵۱ سے ۱۵۲۶ عیسوی) خاندانوں کے حکمران لڑائیوں میں عموماً ایسے مشغول رہے کہ انہیں دینِ اسلام کے مفاد کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ ملی یا ان کو تبلیغ کی جگہ اپنی رعایا سے خراج وصول کرنے کا زیادہ خیال رہا۔

''جن مسلمان فاتحین نے شمالی ہندوستان اور دکن میں سلطنتوں کی بنیاد ڈالی، ان کی روحانی اور مذہبی معاملات کی طرف بہت کم توجہ تھی۔ وہ ملکی فتوحات یا خانہ جنگیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ ان کو مذہب کی تبلیغ کی مطلق فرصت نہ تھی۔ یہ لوگ بالعموم وحشی تاتاری یا مغل تھے جن کو خود دینِ محمدی کا بہت کم علم تھا۔ وہ اس سامی جذبے سے عاری تھے جو اسلام کے اولین علمبرداروں کے سینوں میں موجزن تھا۔ جو سلطنت انہوں نے قائم کی، وہ خالصتاً فوجی نوعیت کی تھی اور اس کی یہ نوعیت بدستور قائم رہی کیونکہ ان کی ملکی فتوحات کبھی تکمیل کو نہ پہنچیں۔ ان کی روحانی فتح (اشاعتِ اسلام) بھی قدرے ناکام رہی۔ لیکن ان میں اتنی قوت ضرور تھی کہ انہوں نے ہندوؤں کے مذہبی اتحاد کو روک دیا اور منتشر قبیلوں کو ایک قوم نہ بننے دیا۔ ہندوستان کے لوگوں کو مسلمان بنانا تو بڑی بات تھی، مسلمان خود بھی حکومت کے تمام عہدوں پر بلا شرکت غیرے قابض نہ ہو سکے۔'' (سر ایلفر یڈ سی لائل: ایشیاٹک سٹڈیز، صفحہ ۲۸۹، لندن ۱۸۸۲)۔ ان حکمرانوں کے دل مذہبی جوش سے بالکل خالی نہ تھے۔ مثال کے طور پر شمالی پنجاب کے پہاڑی ضلعوں میں گکھڑوں کی ایک وحشی قوم آباد تھی جنہوں نے ابتدائی مسلمان حملہ آوروں کو بہت تنگ کیا تھا۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بارہویں صدی کے آخر میں سلطان محمد غوری کے اثر سے مسلمان ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید کر لیا اور اسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ جب یہ سردار مسلمان ہو گیا تو سلطان نے اسے گکھڑ قوم کی سرداری پر مستقل کر دیا اور اسے اس کی قوم کی طرف واپس بھیج دیا تا کہ وہ ان کو بھی مسلمان کرے۔ چونکہ گکھڑوں کا مذہب خود کچھ قوی نہ تھا، اس لیے وہ آسانی سے مسلمان ہو گئے۔ (فرشتہ، جلد اول صفحہ ۱۸۴)۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خلجی حکمران اشاعتِ اسلام کی ایک حد تک اس طریق سے حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ نومسلم کو بادشاہ کے حضور پیش کیا جاتا تھا اور بادشاہ اسے خلعت پہنا تا تھا اور اس کے رتبے کے مطابق اسے طلائی طوق اور کنگن عطا کرتا تھا۔ (ابن بطوطہ، جلد سوم صفحہ ۱۹۷)۔ لیکن پہلے مسلمان خاندانوں کے حکمرانوں نے تبلیغ اسلام میں عام طور پر بہت کم دلچسپی کا اظہار کیا۔ فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ سے ۱۳۸۸ عیسوی) نے اپنی خودنوشت میں اپنے شوقِ تبلیغ کے متعلق یہ پیرا لکھا ہے جو ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے: ''میں نے اپنی کافر رعایا کو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذہب قبول کرنے کی حوصلہ افزائی کی اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا، وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ سمجھا جائے گا۔ جب یہ خبر عوام کے کانوں تک پہنچی تو بہت سے ہندو حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پس روزانہ ہر طرف سے لوگ آتے تھے اور اسلام قبول کر کے جزیہ سے معافی پاتے تھے، انعام واکرام سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔'' (ایلیٹ، جلد سوم صفحہ ۳۸۶)۔

جب ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت، خاص کر مغلیہ دور میں، خوب مستحکم اور مضبوط ہو گئی تو اس سے قدرتی طور پر اسلام کے دینی اثرات میں بھی استحکام اور استقلال پیدا ہو گیا۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں ہندوؤں کے ہاں جو مذہبی تحریکیں پیدا ہوئیں، ان میں یقیناً اسلامی اثرات کارفرما نظر آتے ہیں۔ بشپ لافرائے کا خیال ہے کہ اسلام کی مثبت تعلیم نے بہت سے ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جو ''ہمہ اوست'' کے مبہم مسئلے سے مطمئن نہیں تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''مسلمان خدا کی ہستی پر کامل اور مضبوط یقین رکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک صداقت اور حقانیت ایک مستحکم حقیقت ہے۔ لہٰذا جب یہ اسلامی عقیدہ ہندوستان میں ''ہمہ اوست'' جیسے مبہم مسئلے کے ساتھ متصادم ہوا تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اسلام اس معرکے میں نہ صرف غالب رہا بلکہ شمالی ہند کی زندگی اور اس کے انداز فکر کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوا اور اس نے بہت سے لوگوں میں ایک نئی جان ڈال دی اور ان کو تازہ قوت بخشی۔''

(Mankind and the Chruch: P. 286, London 1907)۔

اسلام قبول کرنے کی سب سے بڑی ترغیب اور تحریص اس وقت ہوئی جب لوگوں کی بت پرستی اسلامی درباروں میں اعزاز پانے کے راستے میں حائل ہوئی حالانکہ ہندوؤں کے ساتھ مسامحت اور رواداری کا سلوک ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا اور یہ رواداری اکبر جیسے وسیع الخیال بادشاہ کے عہد میں حدِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ ہندو مندروں کے شاہی اوقاف کا احترام کیا جاتا تھا اور بدنامی کے خوف سے رعایا کی رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے مسلمان حکمران ان کے مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے تھے اور ابتدائی دور جیسی سختیوں اور ہنگاموں سے اجتناب کرتے تھے (سر رچرڈ ٹیمپل: ۱۸۸۰ میں ہندوستان: صفحہ ۲۸۶ لندن ۱۸۸۱ نیز گزیٹئر حکومت پنجاب جلد ۳۶ بہاول پور صفحہ ۱۸۳) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بہت سے ہندو دنیاوی فوائد کے خیال سے مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ بہت سے راجپوتوں نے اسی طرح سے اسلام قبول کیا اور ان کی اولاد آج تک دولت مند زمینداروں میں شمار ہوتی ہے۔

ان راجپوتوں میں غالباً سب سے اہم اور معزز مسلمان قبیلے بچگوتی کا سربراہ اودھ کا سب سے بڑا رئیس ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس کے مورث اعلیٰ تلوک چند کو بابر بادشاہ نے قید کر لیا تھا اور اس نے قید سے رہائی پانے کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (خطابات اودھ کی فہرست: صفحہ ۷۸ الہ آباد ۱۸۸۹)۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہمایوں کے عہد میں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب ہمایوں نے تلوک چند کی بیوی کے حسن و جمال کا شہرہ سنا تو اس نے اسے ایک میلے سے پکڑ منگوایا۔ لیکن جیسے ہی وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی، بادشاہ کے ضمیر نے اس کی ملامت کی اور اس نے تلوک چند کو طلب کر لیا۔ تلوک چند، جو اپنی بیوی کی صورت دوبارہ دیکھنے سے قطعاً مایوس ہو چکا تھا، بادشاہ کے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے شکرانے کے طور پر اس دین کو قبول کر لیا "جس نے بادشاہ کو ایسے فیاضانہ اور پاکیزہ سلوک کی تلقین کی تھی۔" (گزیٹئر صوبہ اودھ، جلد اول صفحہ ۴۶۶)۔ یہ راجپوت اسلام کے بڑے پابند ہیں لیکن ان کے اوضاع و اطوار سے اکثر اوقات اس بات کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندو تھے۔ مثال کے طور پر بلند شہر کے ضلع میں مسلمانوں کا بہت بڑا گھرانا ہے جس کے لوگ لال خانی پٹھان کہلاتے ہیں۔ سوائے چند لوگوں کے ان میں اکثر ایسے ہیں جو اپنے نام کے ساتھ اب تک قدیم ہندی لقب لگاتے ہیں اور شادی بیاہ میں ہندوانی رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی قوم کے ہندو گھرانے بھی ان کے پہلو بہ پہلو آباد ہیں۔ (کانپور کے ضلع میں دیکھت خاندان کی ایک شاخ مسلمان ہے۔ یہ بچوں کی پیدائش، شادی بیاہ اور غمی کے موقع پر اسلامی رسوم کی پابندی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ عموماً نماز ادا نہیں کرتے، اس کے باوجود وہ عبادت کے وقت سجدے کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ چیچک دیوی کو پوجتے ہیں اور اپنی ذات کے ٹھاکروں سے، جو ہندو ہیں، میل ملاپ رکھتے ہیں اور ہندوؤں کے سے نام رکھتے ہیں۔ (گزیٹئر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ششم صفحہ ۶۴)۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے کے لیے سرکاری دباؤ سب سے زیادہ سختی کے ساتھ اورنگ زیب کے عہد میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ پنجاب کے مشرقی اضلاع میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کسی گاؤں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کچھ لوگ مسلمان ہیں تو ان کے مورث اعلیٰ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ اپنی زمینیں بچانے کے لیے اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ دہلی کے نزدیک گوڑگاؤں میں بنیوں کا ایک گھرانا ہے جو اب تک اپنے ناموں کے ساتھ شیخ کا لقب لگاتے ہیں (یہ لقب وہ ہے جو عموماً نومسلم اختیار کرتے ہیں) کیونکہ اس گھرانے کے ایک آدمی نے، جس کی اب کوئی اولاد باقی نہیں ہے، اپنی موروثی جائیداد کو ضبطی سے بچانے کے لیے اسلام قبول کرلیا تھا۔ (Ibbetson: P. 163)۔ ضلع کانپور کے بہت سے راجپوت زمیندار بھی اسی وجہ سے مسلمان ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ (مسلمان زمیندار تعداد میں زیادہ نہیں ہیں اور جو ہیں، وہ بالعموم نومسلم ہیں۔ ان میں سے اکثر بیان کرتے ہیں کہ وہ اول اول اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہوگئے تھے اور ان کے بزرگوں نے یا تو سلطان کی سختیوں سے تنگ آکر اسلام قبول کیا تھا یا اس غرض سے کہ مال گزاری کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے مالکانہ حقوق برقرار رہیں۔ گزیٹئر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ششم صفحہ ۶۴)۔ اسی طرح اور خاندانوں کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے مورث کو قید کرکے یا یرغمال کے طور پر دہلی لے گئے تھے اور وہاں اسے مختون کرکے زبردستی مسلمان کر لیا گیا تھا۔ (تاریخ فرشتہ کے مولف نے اورنگ زیب کے متعلق لکھا ہے کہ ''اس نے فروغ اسلام کے جوش میں نومسلموں کے ساتھ دریادلی اور فیاضی کا سلوک کیا۔ لیکن اس نے غیر مذاہب کے لوگوں پر مذہبی امور میں سختی نہیں کی'' تاریخ ہندوستان، فارسی سے انگریزی میں ترجمہ از الیگزینڈر ڈو، جلد سوم صفحہ ۳۶۱۔ لندن ۱۸۱۲)۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس قسم کے واقعات کی شہادت میں صرف خاندانی یا مقامی روایات بیان کی جاتی ہیں لیکن جہاں تک میں تلاش کرسکا ہوں، مجھے اورنگ زیب کے عہد کی تاریخوں میں ایسی باتوں کا کہیں ذکر نہیں ملا۔ بعض مسلمان بادشاہوں نے بلاشبہ لوگوں کو جبراً مسلمان کیا تھا اور گمان غالب ہے کہ اورنگ زیب کے دور عام مذہبی جوش اور حرارت ایمانی کے سبب سے شمالی ہند کے بہت سے خاندانوں نے (جن کے تبدیلِ مذہب کی تاریخ فراموش ہوچکی ہے) اپنے قبولِ اسلام کو اس سلطان کی طرف منسوب کردیا ہے۔ اسی طرح دکن میں بھی حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کی طرح اورنگ زیب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے وہاں کے بعض خاندانوں اور اپنی رعایا کے بعض طبقوں کو جبراً مسلمان کیا تھا حالانکہ ان کا قبولِ اسلام بہت پہلے کا واقعہ ہے جس کی کوئی تاریخی روئیداد ہم تک نہیں پہنچی۔ (بمبئی گزیٹئر، جلد ۲۲، صفحہ ۲۲۲، نیز جلد ۲۳، صفحہ ۲۸۲)۔

ٹیپو سلطان غالباً وہ مسلمان بادشاہ ہے جس نے منظم انداز میں لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا۔ چنانچہ ۱۷۸۸ء میں اس نے مالابار کے لوگوں کے نام یہ فرمان جاری کیا: ''فتح کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی پچھلے ۲۴ برسوں میں تم نے ایک سرکش اور شورش پسند قوم ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ موسم برسات کی جنگوں کے دوران تم نے ہمارے لشکر کو شہادت کا جام پلایا ہے۔ خیر جو کچھ ہوا، سو ہو چکا لیکن آئندہ تمہیں ایک نیا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ تم کو چاہیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ امن کے ساتھ زندگی گزارو اور اچھے شہریوں کی طرح ٹیکس ادا کرو۔ اور چونکہ تمہارے ہاں یہ دستور ہے کہ ایک عورت دس مردوں کے ساتھ رہتی ہے اور تم نے اپنی ماؤں اور بہنوں کو ایسی شرمناک باتوں کی کسی روک ٹوک کے بغیر کھلی آزادی دے رکھی ہے اس لیے تم سب ولدالزنا ہو۔ اپنے شرمناک جنسی تعلقات میں تم جنگل کے جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ لہٰذا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم گناہوں کی یہ روش ترک کردو اور دوسرے بنی نوع انسان جیسے دستور اختیار کرو۔ اگر تم ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو میں نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ تم سب کو مشرف بہ اسلام کروں گا اور تمہارے سرداروں کو اپنے دارالحکومت میں حاضر کروں گا۔'' اس اعلان سے مالا بار میں ایک عام بغاوت برپا ہوگئی۔ ۱۷۸۹ء میں ٹیپو سلطان نے بیس ہزار فوج کی مدد سے اس فرمان پر عمل درآمد کرنے کی تیاری کی اور ایک عام حکم جاری کیا کہ مالا بار کے علاقے میں ہر شخص کو بلا امتیاز دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے۔ جو لوگ اس شرف سے بچنے کے لیے بھاگ نکلیں، ان کے گھر جلا دیے جائیں اور وہ جہاں کہیں چھپے ہوں، ان کا تعاقب کیا جائے اور انہیں مسلمان بنانے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کیے جائیں۔ چنانچہ ہزاروں ہندوؤں کا ختنہ کیا گیا اور ان کو گائے کا گوشت کھلایا گیا۔ لیکن ۱۷۹۰ء کے آخر تک برطانوی فوج نے مالا بار میں ٹیپو سلطان کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور سلطان خود بھی ۱۷۹۹ء میں سرنگا پٹم کی لڑائی میں مارا گیا۔ بعد میں بہت سے برہمن اور نائر، جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے، اپنے نئے دین سے منکر ہو گئے۔ (انس: صفحات ۷۲، ۷۳، ۱۹۰)۔

بعض مسلمان حکمرانوں کے تشدد کے باوجود ہندوستان میں اسلام کی اشاعت بہت محدود رہی۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مرکزوں میں بھی مسلمانوں کی تعداد نسبتاً بہت کم رہی ہے۔ مثال کے طور پر دہلی کے ضلعے میں زمانہ حال میں مسلمان مجموعی آبادی کا دس فی صد ہیں۔ اسی طرح آگرے کے علاقے میں بھی ان کی تعداد ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہے۔ (سر ڈبلیو ڈبلیو، ہنٹر: The Religions of India: دی ٹائمز ۲۵ فروری ۱۸۸۸)۔ مذہب کی جبری اشاعت اپنے نتائج کے اعتبار سے سودمند ثابت نہ ہو سکی جس کی تصدیق ضلع گورکھپور میں مجھولی کے راجا بودھ مل کے واقعے سے ہوتی ہے۔ مال گزاری کی عدم ادائیگی کے جرم میں اکبر اسے پکڑ کر دہلی لے گیا اور اسے مسلمان کر کے اس کا نام محمد سلیم رکھ دیا۔ لیکن جب راجا دہلی سے اپنے وطن لوٹا تو رانی نے اس کو اپنے آبائی قلعے میں داخل ہونے سے روک دیا۔ چونکہ رعایا کو رانی کے ساتھ ہمدردی تھی اس لیے رانی اپنے بیٹے بھوانی مل کی صغرسنی میں ریاست کا انتظام چلاتی رہی اور اس ہندو ریاست کی وراثت میں کسی طرح کا خلل نہ پڑا۔ (گزیٹیر شمال مغربی سرحدی صوبہ، جلد ششم صفحہ ۵۱۸)۔ مذہب کی جبری اور جھوٹی اشاعت کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہندوؤں کے دشنوفرقے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں چند عجیب وغریب رسمیں پائی جاتی تھیں۔ اس فرقے کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف وشنو کی پوجا کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ وہ اپنے مردوں کو جلانے کے بجائے انہیں دفن کرتے تھے، غلام محمد وغیرہ اسلامی نام رکھتے تھے اور مسلمانوں کی طرح سلام کرتے تھے۔ ان اسلامی رسموں کو اختیار کرنے کی وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک قاضی کو، جوان کی ستی کی رسم میں مخل ہوا تھا، مار ڈالا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں انہیں مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ لیکن اب انہوں نے یہ رسمیں چھوڑ کر ہندوؤں کے طور طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ (گزیٹر شمال مغربی سرحدی صوبہ: جلد پنجم حصہ اول صفحات ۳۰۲، ۳۰۳)۔

اگرچہ بعض مسلمان حکمرانوں کو اپنی ہندو رعایا کو جبراً مسلمان کرنے میں مذکورہ بالا واقعات کی بہ نسبت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہو اور خواہ یہ قول کتنا ہی صحیح ہو کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی حالت کا اندازہ لگائے بغیر ان کی مذہبی کیفیت کو سمجھنا ناممکن ہے (سر آرنلڈ سی لائل: ایشیاٹک سٹڈیز، صفحہ ۲۳۰)، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے بلاشبہ اپنی سب سے زیادہ عظیم الشان اور پائیدار فتوحات ان زمانوں اور مقامات میں حاصل کی ہیں جہاں ان کی سیاسی قوت سب سے زیادہ کمزور رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہم جنوبی ہند اور مشرقی بنگال کے علاقوں کی مثال پیش کر سکتے ہیں۔

اب ہم اس قسم کی تبلیغی تحریکوں کی کسی قدر تفصیلات لکھتے ہیں اور اس کا آغاز دکن یعنی جنوبی ہندوستان سے کرتے ہیں۔ پھر سندھ، کچھ اور گجرات کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بنگال کا حال قلم بند کریں گے۔ سب سے آخر میں ہم بعض ایسے مبلغوں کا ذکر کریں گے جن کا دائرہ عمل مندرجہ بالا علاقوں کے حدود سے باہر تھا۔ ہم جن مبلغوں کا ذکر کریں گے، ان میں سے بعض کے ناموں اور دائرہ تبلیغ کے علاوہ ان کے دیگر حالات بہت کم ضبط تحریر میں آئے ہیں، لہٰذا ان کے متعلق ہمیں جس قدر تفصیلات دستیاب ہوئی ہیں، ہم نے انہیں قلم بند کر دیا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں اسلام کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی سے اس وقت ہوا جب مہاجرین کی ایک جماعت، جن کے ساتھ ماپلا قوم کے لوگ اپنا نسب ملاتے ہیں، عراق سے آ کر اس ملک میں آباد ہوئی۔ (پاعلیپانی کولان کے مقام پر ایک مقبرے پر ۱۶۶ ہجری کی تاریخ کندہ ہے۔ انس: صفحہ ۴۳۶)۔ گرم مسالوں، ہاتھی دانت اور جواہرات وغیرہ کی جو تجارت سیکڑوں برس سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان عربوں اور ایرانیوں کے ذریعے رائج تھی، اس کی وجہ سے جنوبی ہندوستان کے مغربی ساحل پر اسلام کا اثر بدستور جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کی مسلسل آمد سے وہاں کے تجارتی شہروں میں ایک مخلوط آبادی پیدا ہو گئی جو آدھی ہندو اور آدھی عربی یا ایرانی تھی۔ ان مسلمان تاجروں اور وہاں کے ہندو راجاؤں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ چنانچہ یہ حکمران مسلمان تاجروں کی حفاظت اور سرپرستی کرتے تھے کیونکہ ان ہی کے دم قدم سے ان کے ہاں تجارت کا بازار گرم رہتا تھا جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگ خوش حال تھے۔ (زین الدین، صفحات ۳۴، ۳۵)۔ چنانچہ یہ راجے اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے بلکہ جو مقامی لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی غیر ملکی تاجروں کی طرح عزت کرتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے یہ نو مسلم سماج کی نیچ ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔(زین الدین، صفحہ ۳۶)۔

سولہویں صدی کے ایک مسلمان مورخ (شیخ زین الدین معبری) نے مالا بار میں اسلام کے آغاز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی، وہ زائرین کی ایک جماعت تھی جو حضرت آدمؑ کے نشانِ قدم کی زیارت کے لیے لنکا کی طرف جا رہی تھی۔ جب یہ لوگ کرنگ نور میں پہنچے تو وہاں کے راجا نے ان کو بلا بھیجا۔ اس جماعت کا سربراہ شیخ شرف بن مالک تھا۔ اس کا بھائی مالک بن دینار اور بھتیجا مالک بن حبیب بھی اس کے ہمراہ تھے۔ شرف بن مالک نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور راجا کے سامنے اسلام کی تعلیم اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کو پیش کیا۔ "خداوند کریم نے رسول خداؑ کی تعلیم کی صداقت کو راجا کے دل میں اتار دیا اور وہ ان پر ایمان لے آیا۔ اس نے شیخ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ وہ حضرت آدمؑ کے نشانِ قدم کی زیارت سے واپس آئیں تو مجھ سے دوبارہ ملاقات کریں۔" (زین الدین: صفحہ ۲۱)۔ جب یہ زائرین لنکا سے واپس آئے تو راجا چپکے سے جہاز پر سوار ہو کر، جو ساحلِ عرب کو جا رہا تھا، ان کے ساتھ روانہ ہو گیا اور اپنی مملکت کا انتظام ایک نائب کے سپرد کر گیا۔ اس نے کچھ دیر تک بلادِ عرب میں قیام کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وطن واپس پہنچ کر مسجدیں تعمیر کرے اور دینِ اسلام پھیلائے۔ لیکن جب وہ واپسی کے لیے تیاری کر رہا تھا تو اچانک بیمار ہو گیا اور انتقال کر گیا۔ لیکن اس نے مرنے سے پہلے اپنے رفیقوں کو تاکیداً وصیت کی کہ اس نے مالا بار میں تبلیغ اسلام کا جو قصد کر رکھا ہے، اس کو ترک نہ کریں۔ اس کام میں امداد دینے کی غرض سے راجا نے ان کو اپنے نائبوں کے نام چند خطوط دیے اور ان سے کہا کہ ان سے اس کی وفات کی خبر پوشیدہ رکھیں۔ شیخ شرف بن مالک اور اس کے ساتھی یہ خط لے کر کرنگ نور کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو راجا کے نائب کے سامنے پیش کیا۔ نائب ان کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آیا اور اس نے ان کو ایک قطعہ زمین عطا کیا جس پر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کی۔ مالک بن دینار نے وہاں آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا لیکن ۔ بن حبیب ایک تبلیغی دورے پر روانہ ہو گیا تا کہ پورے مالا بار میں مسجدیں تعمیر کرے۔" چنانچہ مالک بن حبیب اپنے بیوی بچوں اور کچھ اسباب کے ساتھ شہر کولم کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک مسجد بنائی، پھر اس نے اہل و عیال کو وہیں چھوڑا اور ہیلی مارادی (موجودہ نام مدائی) کی راہ لی اور وہاں ایک مسجد بنائی۔" پھر ان سات دوسرے مقامات کا ذکر کیا گیا ہے جہاں اس نے مسجدیں تعمیر کیں اور آخر کار وہ کرنگ نور واپس پہنچ گیا۔ بعد میں وہ ان تمام مقامات پر دوبارہ گیا اور اس نے ہر ایک مسجد میں نماز ادا کی، واپس آ کر خدا کی حمد و ثنا کی اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے دینِ اسلام کو ایک ایسے ملک میں پھیلایا ہے جو کافروں سے بھرا پڑا تھا۔" (زین الدین، صفحات ۲۳، ۲۴)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر چہ یہ روایت بڑی مفصل ہے (اور اس کے قرائن بھی پائے جاتے ہیں) لیکن اس تاریخی صداقت کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کا واقعہ ہے۔ لیکن شیخ زین الدین نے اس پر قدرے شک کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ تیسری صدی ہجری سے پہلے کا نہیں ہو سکتا (زین الدین، صفحہ ۲۵) البتہ اس قول کی بھی کوئی سند نہیں ہے۔ اسی طرح ماپلا (موپلا) قوم کے ہاں ایک روایت مشہور ہے کہ جنوبی عرب کے ساحل پر شہر ظفار میں ایک ہندو راجا کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ پایا جاتا ہے:

''عبد الرحمن السامری جو ۲۱۲ ہجری میں وارد ہوا اور ۲۱۶ ہجری میں انتقال کر گیا۔'' (Innes: p.41)۔ مداری کی مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے مالک بن دینار نے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن اس پر جو کتبہ نصب ہے اس میں اس کا سنِ تعمیر ۱۱۲۴عیسوی درج ہے۔ (Innes: p.398)۔

اس قصے سے اس بات کی یقینی شہادت ملتی ہے کہ مالا بار کے ساحل پر (ابن بطوطہ، جلد چہارم، صفحات ۸۲، ۸۸) اسلام کے حق میں جو تبلیغی کوششیں کئی سو سال تک جاری رہیں، ان کی نوعیت پر امن تھی۔ اس کام کو انجام دینے والے بیشتر عرب تاجر تھے۔ لیکن ابن بطوطہ بہت سے علمائے دین کا بھی ذکر کرتا ہے جو بلادِ عرب یا دوسرے ملکوں سے یہاں آئے تھے اور جن سے وہ مالا بار کے مختلف شہروں میں ملا تھا۔ کالی کٹ کا راجا زمورن عرب تاجروں کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبولِ اسلام کی حوصلہ افزائی کرتا تھا تاکہ اسے ان جنگی جہازوں کے لیے آدمی مل سکیں جن پر اس کی عظمت اور طاقت کا انحصار تھا۔ اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ اس کی مملکت میں ماہی گیروں کے ہر گھرانے میں سے ایک یا دو لڑکوں کی تربیت اسلامی طریق پر کی جائے۔ (Innes: p.190)۔ سولھویں صدی کے آغاز میں ماپلا (موپلا) کے نومسلم مالا بار کی آبادی کا پانچواں حصہ تھے۔ ان کی زبان وہ تھی جو وہاں کے ہندوؤں کی تھی اور ان کو صرف لمبی داڑھی اور مخصوص لباس سے پہچانا جا سکتا تھا۔ اگر پرتگالی ہندوستان میں نہ پہنچتے تو اس ساحل کے تمام لوگ مسلمان ہو جاتے کیونکہ وہ کثرت سے اسلام قبول کر رہے تھے۔ گجرات اور دکن کے علاوہ بلادِ عرب اور ایران کے مسلمان تاجر بھی ان پر بہت زیادہ اثر ڈال رہے تھے۔ (اوبار دو بار بوسا، صفحہ ۳۱۰)۔ اسی طرح بعض مصنفوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر پرتگالی لنکا میں نہ آتے تو وہاں ایک اسلامی حکومت قائم ہو جاتی کیونکہ بحر ہند میں پرتگال کے جنگی جہازوں کے آنے سے پہلے یہاں کی تمام تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے رسول اللہؐ کی ولادت سے کئی صدیاں پہلے یہاں تجارتی کوٹھیاں قائم کر رکھی تھیں اور عرب تاجر ہر شہر اور بندرگاہ میں موجود تھے۔ تجارتی سہولتوں کی بدولت مالا بار کے شہروں سے بھی مسلمان تاجر لنکا میں آتے تھے۔ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی مسلمان تاجروں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کر لیں اور لنکا کے ساحل پر اپنے دین کو پھیلا دیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عملی طور پر کوئی تبلیغی تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاری نہیں ہوئی تھی یا وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے رغبت اور رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ جس قدر مسلمان آج کل ان جزیروں میں ہیں، وہ عموماً عرب تاجروں کی نسل سے ہیں۔

(سر جیمس ایمرسن ٹینینٹ، سیلون جلد اول، صفحات ۶۳۱ تا ۶۳۳، پانچواں ایڈیشن لندن ۱۸۶۰)۔

جن افراد نے اس تبلیغ میں حصہ لیا تھا، ان کا ہمیں کہیں تذکرہ نہیں ملتا ماسوائے مورخ عبدالرحمٰن کے، جس نے زمورن کے دربار میں اپنی ناکام سفارت کا حال لکھا ہے۔ کالی کٹ کے حکمران زمورن نے تیموری خاندان کے فرمانروا شاہ رخ بہادر کے پاس ایک سفیر بھیجا تھا۔ شاہ رخ نے بھی ۱۴۴۱ میں اس کے جواب میں عبدالرزاق کو زمورن کے دربار میں روانہ کیا۔ زمورن کا سفیر مسلمان تھا چنانچہ اس نے سلطان سے کہا کہ زمورن کے پاس ایک خاص قاصد بھیجا جائے جو اس کو قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی دعوت دے:

''اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔'' (سورہ نحل آیت ۱۲۶)۔ ''یہ ایک بڑا کارِ ثواب ہوگا کہ زمورن کو اس ظلمت اور ضلالت سے نجات دلائی جائے جو اس کے تاریک دل پر چھائی ہوئی ہے تاکہ علمِ دین کا آفتاب اس کی روح کے روزن کو روشن کرے۔'' اس کام کے لیے عبدالرزاق کا انتخاب ہوا اور وہ ایک جان جوکھوں کے سفر کے بعد کالی کٹ پہنچا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راجا اس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آیا اور وہاں چھ مہینے ٹھہرنے کے بعد عبدالرزاق نے بالآخر اپنے اصلی مقصد کو خیر باد کہا اور واپس خراسان کا راستہ لیا۔ اس سفارت کے سلسلے میں وہ اپنے وطن سے تین سال تک غیر حاضر رہا تھا۔ (عبدالرزاق: مطلع السعدین صفحہ ۱۷۳)۔

جنوبی ہندوستان کی ایک اور مسلمان قوم راوتن ہے جس کی زبان تامل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے چند مبلغوں کی تلقین سے اسلام قبول کیا تھا جن کی قبروں کا وہ آج تک احترام کرتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سید نثار شاہ (۹۶۹ء سے ۱۰۳۹ء) تھا جس نے دیارِ عرب، ایران اور شمالی ہندوستان میں طویل سفر کرنے کے بعد آخر کار ترچناپولی میں سکونت اختیار کر لی اور اپنی عمر کے آخری سال وہیں عبادت اور اعمالِ صالح میں گزار دیے اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ مسلمانوں نے اس کے نام پر ترچناپولی کا نام نثار نگر رکھ دیا تھا اور اس کی قبر وہاں آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ اسی سلسلے میں سید ابراہیم شہید بھی قابلِ ذکر ہے جس کی قبر اردوی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی پیدائش بارھویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی۔ وہ ایک جنگجو مجاہد تھا جو پانڈین کی مملکت پر چڑھائی کر کے اس پر بارہ سال تک قابض رہا لیکن آخر کار مارا گیا البتہ لوگوں نے اس کے بیٹے کی جان بخش دی کیونکہ اس کے باپ نے اپنے عہدِ حکومت میں ان کے ساتھ بھلائی کی تھی بلکہ اسے ایک قطعہ زمین بطور جاگیر دے دیا گیا جو آج تک اس کی اولاد کی ملکیت ہے۔ (ضلع مدراس گزیٹئر ترچناپولی جلد اول صفحہ ۳۳۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مدراس ۱۹۰۷)۔ نیز شمالی ہند کے مسلمان از قادر حسین خان صفحہ ۳۶۔ (مدراس ۱۹۱۰)۔ ان اولیا میں سب سے آخری بزرگ شاہ الحامد (۱۵۳۲ء سے ۱۶۰۰ء) ہے جو شمالی ہندوستان میں مانک پور میں پیدا ہوا اور جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ جنوبی ہندوستان کی زیارت گاہوں پر حاضری دینے اور تبلیغی دوروں میں صرف کیا تھا۔ اس نے آخر میں ناگور میں سکونت اختیار کی جہاں اس کے لے پالک بیٹے کی اولاد آج کل اس کی قبر کی متولی ہے۔ (قادر حسین خان، صفحات ۳۶ تا ۳۸)۔

جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک اور قوم دودکلا ہے جن کا پیشہ اون صاف کرنا اور موٹے کپڑے بننا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ بابا فخر الدین کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے جو پنوکنڈا میں دفن ہے اور جس کی قبر کا وہ بہت احترام کرتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ ابتدا میں سیستان کا بادشاہ تھا لیکن بعد میں اس نے تخت وتاج اپنے بھائی کے حوالے کر کے درویشی اختیار کر لی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد اس نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خواب میں دیکھا اور آں حضرتؐ نے اسے ہندوستان جانے کی ہدایت کی۔ یہاں اس کی ترچنا پولی کے بزرگ نثار شاہ سے ملاقات ہوئی اور وہ نثار شاہ کا مرید بن گیا۔ نثار شاہ نے اسے دوسو درویشوں کے ساتھ تبلیغ کے لیے باہر روانہ کیا اور ان لوگوں نے آخر کار پنوکنڈا میں ایک ہندو مندر کے پاس سکونت اختیار کر لی۔ وہاں کا راجا ان کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس نے جبر سے کام لینے کے بجائے مختلف طریقوں سے اس بات کی آزمائش کی کہ مسلمان ولی اور اس کے اپنے پروہت میں کون سا شخص اپنے تقدس اور روحانی طاقت کی بنا پر اس مندر کی ملکیت کا زیادہ اہل ہے۔ اس نے آخری آزمائش یہ کی کہ دونوں کو بوریوں میں بند کر دیا اور ان میں چونا بھر کر ایک حوض میں پھینک دیا۔ پروہت تو ایسا غرق ہوا کہ کبھی پھر ابھر نہ سکا لیکن بابا فخر الدین نے اپنے دین کی برتری کا یوں ثبوت دیا کہ معجزانہ طور پر شہر سے باہر ایک پہاڑی پر جا نکلا۔ یہ کرامت دیکھ کر راجا مسلمان ہو گیا اور قرب وجوار کے بہت سے باشندوں نے بھی اس کی پیروی کی اور مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ (قادر حسین خان، صفحات ۳۹ تا ۴۲ نیز مدراس گزیٹر اننت پور جلد اول، صفحات ۱۹۳، ۱۹۴۔ (مدراس ۱۹۰۵)۔

جنوبی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہمیشہ ایسے ہی پرامن طریق پر جاری نہیں رہی البتہ وہاں کی پرانی تاریخ میں ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنے کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس کا ارتکاب حیدر علی (۱۷۶۷ء سے ۱۷۸۲ء) اور ٹیپو سلطان (۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۹ء) کے عہد میں ہوا جب اسلامی حکومت اپنے عروج پر تھی۔ بہ ہر حال اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ نیچ ذاتوں کے لوگ پرامن طریقوں سے بکثرت مسلمان ہوئے۔ (زین الدین صفحات ۳۳ تا ۳۶)۔ یہ عمل اب تک جاری ہے کیونکہ تیان (جو ہندوستان کی نہایت ترقی پسند قوموں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۔۔ں سار ہوتے ہیں) اور مکون (جو ماہی گیر ہیں) اور چیرومن (جو کاشت کار ہیں) اور دوسری نیچ ذاتوں کے لوگ وقتاً فوقتاً اسلام قبول کرتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ذات پات کی رو سے یہ لوگ ملیچھ ہیں اس لیے بے بس اور مجبور ہیں لیکن قبول اسلام انہیں لاچاری سے نجات دلاتا ہے۔ بعض اوقات نائر قوم کے لوگ اور مقامی عیسائی باشندے بھی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ پونانی میں، جہاں مالابار کے مسلمانوں کا مذہبی پیشوا رہتا ہے، مسلمانوں کی ایک انجمن ہے جس کا نام منت الاسلام سبھا ہے۔ یہ انجمن نومسلموں کو دینی تعلیم اور طالب علموں کو مالی امداد دیتی ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی تین برسوں میں جو نومسلم اس ادارے میں داخل ہوئے، ان کی اوسط تعداد ۵۷۰ تھی۔ (Innes، صفحہ ۹۰، مردم شماری ہند ۱۹۱۱ء جلد بارہ، حصہ اول صفحہ ۵۴)۔ لوگ ہندومت کو چھوڑ کر اس کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں کہ جنوبی ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحلوں کے مسلمان ہندو لوگوں یا قدیم مقامی باشندوں کی وضع قطع اختیار کر رہے ہیں۔ اب ماسوائے چند اشراف خاندانوں کے، وہاں کے اکثر مسلمانوں میں ملک کے اصلی باشندوں کی خصوصیات ظاہر ہو رہی ہیں اور غیر ملکی خون کا اثر بہت کم نظر آتا ہے۔ (مردم شماری رپورٹ مدراس پریذیڈنسی ۱۸۷۱ از ڈبلیو کورنش صفحات ۷۱، ۷۲، ۱۰۹ (مدراس ۱۸۷۴)۔ مغربی ساحلی علاقوں میں ذات پات کی شدت اور روک رکاوٹ خاص طور پر نمایاں ہے جس کی یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے۔ ٹراونکور میں بعض نیچ ذاتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ برہمن سے ۷۴ قدم کے فاصلے پر رہیں اور جب سڑک پر چلیں تو اونچی آواز سے بولتے چلیں تاکہ لوگوں کو ان کی آمد سے آگاہی ہو۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہو۔ یہ لوگ اسلام قبول کر کے ان ذلت آمیز سختیوں سے نجات پاتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے اپنا اور اپنی اولاد کا درجہ بلند کرتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے مغربی ساحل پر نیچ ذاتوں کے مسلمان ہونے سے ماپلا قوم کے مسلمانوں کی تعداد اس قدر بڑھ رہی ہے کہ چند برسوں میں مغربی ساحل کی تمام ادنیٰ قوموں کا مسلمان ہو جانا عین ممکن ہے۔ (۱۸۸۲-۸۳ میں کلکتہ میں منعقد دوسری مشنری کانفرنس کی رپورٹ، صفحات ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۴۸، کلکتہ ۱۸۸۳)۔

آج کل جزائر مالدیپ اور لکادیپ کی کل آبادی مسلمان ہے۔ ان جزیروں میں اسلام غالباً مالابار ہی کے راستے سے پھیلا اور یہاں کے باشندے عرب اور ایرانی تاجروں کے ذریعے مسلمان ہوئے تھے۔ یہ تاجران جزیروں میں آباد ہوئے اور انہوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کیں اور اس طرح اسلام کی عملی تبلیغ کا راستہ صاف ہو گیا۔ اندازہ ہے کہ جزائر مالدیپ کا پہلا مسلمان سلطان احمد شنورازہ ۱۲۰۰ عیسوی کے قریب اسلام لایا تھا۔ (ابن بطوطہ جزائر مالدیپ میں ۱۳۴۳ اور ۱۳۴۴ء میں مقیم رہا تھا۔ اس نے یہاں کے ایک وزیر کی بیٹی سے شادی کی جو سلطان داؤد کا پوتا تھا۔ (رحلۃ ابن بطوطہ جلد چہارم صفحہ ۱۵۴)۔ اس بیان سے ہم نے ۱۲۰۰ عیسوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اندازہ لگایا ہے۔ لیکن یہ بات عین ممکن ہے کہ اس سے تین سو سال پہلے مسلمان تاجروں نے ان جزیروں میں اسلام کی اشاعت کی ہو۔ (ایچ سی بل: جزائر مالدیپ، صفحات ۲۳ تا ۲۵، ۵۷، ۵۸، ۷۱۔ کولمبو ۱۸۸۳ء)۔

بہرحال یہاں کے لوگ بتدریج مسلمان ہوئے لیکن ان کے قبول اسلام کی تفصیلات ہم تک نہیں پہنچیں۔

جزائر مالدیپ کے دارالحکومت مالے میں شیخ یوسف شمس الدین کی تربت ہے۔ یہ بزرگ ایران کے شہر تبریز سے آئے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ان جزیروں میں اسلام پھیلانے میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ وہاں کے لوگ آج تک ان کے مزار کا بہت احترام کرتے ہیں اور اسے اچھی حالت میں رکھتے ہیں۔ جزیرے کے اسی حصے میں ان کے بعض اور ہم وطن بھی مدفون ہیں جو ان کی تلاش میں یہاں آئے تھے اور پھر مرتے دم تک ان ہی جزیروں میں مقیم رہے۔ (جے اے ینگ اور ڈبلیو کرسٹوفر: جزائر مالدیپ کے باشندوں سے متعلق یادداشت، جیاگرافیکل سوسائٹی آف بمبئی ۱۸۳۶ء سے ۱۸۳۸ء، صفحہ ۷۴۔ بمبئی ۱۸۸۴ء)۔

جزائر مالدیپ کے نزدیک لکادیپ کے جزیرے ہیں۔ روایت ہے کہ ان جزیروں میں اسلام کی اشاعت ایک عرب مبلغ کے ذریعے ہوئی تھی جس کا نام مبالمیا کا تھا۔ اندروتھ کے مقام پر اس کی قبر اب تک موجود ہے اور وہاں کے موجودہ قاضی کا بیان ہے کہ وہ ۶۲ ویں پشت میں اسی مبلغ کی اولاد سے ہے۔ اس حساب سے وہ مبلغ غالباً بارہویں صدی میں ان جزیروں میں وارد ہوا ہوگا۔ (Innes: صفحات ۴۸۴، ۴۹۲)۔

دکن میں بھی بہت سے مسلمان مبلغین اسلام پھیلانے میں کامیاب رہے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر نہایت قدیم زمانے سے عرب تاجروں کی آمدورفت رہی ہے۔ چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں عرب لوگ کونکن کے بہت سے شہروں میں بکثرت آباد تھے اور وہاں کی عورتوں سے شادیاں کر کے اپنے دین و آئین کے مطابق زندگی بسر کر رہے تھے۔ (مسعودی جلد دوم، صفحات ۸۵، ۸۶)۔ بہمنی خاندان (۱۳۴۷ء سے ۱۴۹۰ء) اور بیجاپور کے حکمرانوں (۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ء) کے عہد میں عربوں کو دکن میں آباد ہونے کی تازہ تحریک ہوئی۔ چنانچہ تاجروں اور سیاحوں کے ساتھ مسلمان مبلغ بھی دکن میں وارد ہوئے تاکہ اس ملک میں اسلام کی تبلیغ کریں اور جو لوگ منکر ہیں، ان کو اپنے وعظ و نصیحت اور اپنی ذاتی مثال سے مسلمان کریں۔ جہاں تک جبر و اکراہ کا تعلق ہے، اس کا دکن کی اسلامی سلطنتوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا کیونکہ مذہبی رواداری ان کے اصول حکومت کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ (بمبئی گزیٹر، جلد ۱۰، صفحہ ۱۳۲، جلد ۱۶، صفحہ ۷۵)۔

ان عرب مبلغین میں سے ایک واعظ کا نام پیر مہابیر کھمدایت تھا۔ وہ ۱۳۰۴ عیسوی میں دکن میں اسلام پھیلانے کے لیے آیا۔ بیجاپور کے مسلمان کاشت کاروں میں اب تک جین مت کے ان لوگوں کی اولاد موجود ہے کو اس نے مسلمان کیا تھا۔ (بمبئی گزیٹر جلد ۲۳، صفحہ ۲۸۲)۔ اسی صدی کے خاتمے کے قریب گلبرگہ کے ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور بزرگ سید محمد گیسو دراز نے ضلع پونا کے بعض ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ (بعض اوقات آپ کو سید مخدوم گیسو دراز کہا گیا ہے)۔ بیس برس کے بعد بلگام میں بھی ان کی تبلیغی کوششوں کو ویسی ہی کامیابی نصیب ہوئی۔ (بمبئی گزیٹر جلد ۱۸ صفحہ ۵۰۱، جلد ۲۱ صفحات ۲۱۸، ۲۲۲)۔ دہانو میں شیخ بابا کی اولاد اب تک موجود ہے۔ یہ بزرگ اسلام کے ایک بہت بڑے ولی سید عبدالقادر جیلانی" کے قرابت دار تھے۔ وہ تقریباً پندرھویں صدی میں مغربی ہندوستان میں آئے اور کونکن میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے کے بعد انتقال کر گئے اور دہانو میں دفن ہوئے۔ (بمبئی گزیٹر جلد ۱۳، حصہ دوم صفحہ ۲۳۱)۔ دھاروار کے ضلعے میں بہت سے باشندے آباد ہیں جن کے باپ دادا کو ہاشم پیر گجراتی نے مسلمان کیا تھا۔ ہاشم پیر بیجاپور کے بادشاہ ثانی کے مرشد تھے جو سولھویں صدی کے آخیر میں گزرا ہے۔ یہ مسلمان جولا ہے اب تک اپنے پیر کا بہت احترام کرتے ہیں اور اس کی اولاد کے ساتھ بہت ادب سے پیش آتے ہیں۔ (بمبئی گزیٹر جلد ۲۲، صفحات ۲۴۲)۔ ایک اور بزرگ شاہ محمد صادق سرمست حسینی کی اولاد اب تک ناسک میں پائی جاتی ہے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان مبلغوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہے۔ وہ ۱۵۸۶ عیسوی میں مدینہ منورہ سے آئے اور مغربی ہندوستان کے اکثر مقامات کا سفر کر کے آخر کار ناسک میں مقیم ہو گئے۔ اسی ضلعے میں ان سے تقریباً پچاس سال پہلے ایک اور کامیاب مبلغ خواجہ خوند میری حسینی اسلام کی تبلیغ کر چکے تھے۔ (بمبئی گزیٹر: جلد ۲۶، صفحات ۷۵، ۷۶)۔ اسی سلسلے میں دو اور عرب مبلغ سید محمد بن سید علی اور سید عمر عیدروس باشیبان قابل ذکر ہیں جو ضلع بلگام میں اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ (بمبئی گزیٹر جلد ۲۱، صفحہ ۲۰۳)۔

تبلیغی تحریک کا ایک اور مرکز ملتان کا شہر تھا۔ (عربوں کی فتح کے وقت سندھ کے ہندو راجا کی عمل داری شمال میں ملتان تک پہنچی تھی لیکن اب یہ شہر سندھ میں شامل نہیں)۔ عرب فتوحات کے ابتدائی دنوں میں جب محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلامی حکومت قائم کی (۷۱۴ عیسوی) تو ملتان عالمِ اسلام کا ایک سرحدی شہر تھا۔ عربوں کے دور حکومت میں، جو تین سو سال تک جاری رہا، بہت سے لوگوں نے قدرتی طور پر فاتحین کا مذہب اختیار کر لیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر سندھ کے کئی شہزادے بھی مسلمان ہو گئے۔ (بلاذری صفحہ ۴۴۱)۔ ساوندری کے لوگوں نے جب محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کی تو ان کو اس شرط پر امن و امان دیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مہمانداری کریں گے اور ان کے لیے رہبر مہیا کریں گے۔ چنانچہ اس واقعے کے ایک سو سال بعد بلاذری لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں یہ لوگ مسلمان تھے۔ محمد بن قاسم کے مراسلوں میں بھی ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا اکثر ذکر آیا ہے۔

جب عربوں کے حملے کا پہلا جوش و خروش ختم ہو گیا تو انہوں نے اپنی بت پرست رعایا کو مذہبی آزادی دے دی۔ آزادی کی اس فضا میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہ بیشتر اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے تھے۔ مثال کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر برہمن آباد کے باشندوں کو، جن کا شہر بزور شمشیر فتح ہوا تھا، اپنے شہر کے مندر کو مرمت کرنے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ ان کے برہموں کی روزی اسی مندر کی آمدنی پر موقوف تھی۔ رعایا کے کسی شخص کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے کی ممانعت نہ تھی۔ (ایلیٹ جلد اول صفحات ۱۸۵، ۱۸۶)۔ جب کسی مقام کے باشندے اطاعت اختیار کرتے تو ان کو فوراً امان دے دی جاتی تھی اور ان کو اپنے مذہب و آئین کی پیروی کرنے کی عام اجازت تھی۔

نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں جب خلافتِ بغداد طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہوگئی تو مرکزی حکومت سندھ کی طرف سے غافل ہوگئی اور یہ ملک کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔ ان میں سے ملتان اور منصورہ کے امیر سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ اس نااتفاقی سے مسلمانوں کی سیاسی قوت میں قدرتی طور پر ضعف آ گیا۔ یہ انحطاط درحقیقت اس صدی کی ابتدا ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ خلیفہ معتصم (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء) کے عہد میں سندان کے ہندوؤں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن انہوں نے مسجدوں سے کچھ تعرض نہ کیا اور مسلمان ان میں کسی خلل کے بغیر بدستور نماز ادا کرتے رہے۔ (بلاذری صفحہ ۴۴۶)۔ ملتان کے مسلمان اپنی سیاسی خودمختاری قائم رکھنے میں کامیاب رہے اور آس پاس کے ہندو راجاؤں کو یہ دھمکی دے کر بچ بچاؤ کرتے رہے کہ اگر تم نے ہم پر حملہ کیا تو ہم تمہارے بت توڑ ڈالیں گے۔ ہندو لوگ اس بت کا بہت احترام کرتے تھے اور دور دور سے ہندو یاتری اس کے مندر کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ (اصطخری صفحات ۱۷۳، ۱۷۴)۔ لیکن اپنے سیاسی انحطاط کے زمانے میں بھی اسلام تبلیغی میدان میں فتوحات حاصل کرتا رہا۔ چنانچہ مورخ بلاذری نے عیسفان کے راجا کے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے: عیسفان کا ملک کشمیر، ملتان اور کابل کے درمیان واقع تھا۔ یہاں کے باشندے ایک بت کو پوجتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے ایک مندر تعمیر کر رکھا تھا۔ اتفاقاً راجا کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور اس نے مندر کے پروہتوں سے کہا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے حضور میں اس کے بیٹے کی شفایابی کے لیے درخواست کریں۔ وہ پروہت کچھ عرصے کے لیے چلے گئے اور پھر واپس آ کر انہوں نے راجا سے کہا کہ ہم نے اپنے دیوتا سے دعا کی ہے اور اس نے ہماری دعا کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ راجا کا بیٹا مر گیا۔ اس پر راجا نے مندر پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا، بت کو توڑ دیا اور پروہتوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے مسلمان تاجروں کی جماعت کو بلایا اور انہوں نے اس کے سامنے باری تعالیٰ کی توحید پیش کی۔ راجا عقیدۂ توحید پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہوگیا۔ (بلاذری صفحہ ۴۴۶)۔ اسی طرح کی تبلیغی کوششیں ان مسلمان تاجروں کی بہت سی جماعتوں کے ذریعے جاری رہیں جو اپنے مال تجارت کے ساتھ ساتھ اپنے دین کو بھی ہندوستان کے بت پرست شہروں میں لے جاتے تھے۔ دسویں اور بارہویں صدی عیسوی کے عرب جغرافیہ دانوں نے ساحلِ ہند اور اندرونِ ملک کے ایسے بہت سے شہروں کے نام لکھے ہیں جہاں مسلمانوں نے اپنی مسجدیں بنا رکھی تھیں اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامی راجاؤں کی حفاظت اور سرپرستی میں رہتے تھے بلکہ ان راجاؤں نے ان کو اپنی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ (اصطخری، ابن ہوقل صفحہ ۲۳۰، پی اے جوبیری جلد اول صفحہ ۱۷۵)۔ اس زمانے میں سندھ، ہند اور دنیا کے باقی ملکوں کی باہمی تجارت کا سلسلہ عرب تاجروں ہی کے دم سے قائم تھا۔ وہ چین اور لنکا کی پیداوار سندھ کی بندرگاہوں پر لاتے تھے اور وہاں سے ملتان کے راستے ترکستان اور خراسان میں لے جاتے تھے۔ (مسعودی، جلد اول صفحہ ۲۰۷)۔ اگر یہ مسلمان تاجر، جو بت پرستوں کے شہروں میں جابجا پھیلے ہوئے تھے، تبلیغِ اسلام میں ویسی ہی سرگرمی اور ہمت نہ دکھاتے جو مسلمان تاجروں نے دوسرے شہروں میں دکھلائی تھی تو یہ بات تعجب کا باعث ہوتی۔ غالباً ایسے ہی تاجروں کی تلقین سے سمہ قوم کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا جو ۱۳۵۱ء سے ۱۵۲۱ عیسوی تک حکمران رہے۔ اسی خاندان کے ایک بادشاہ نندا بن بابنیہ کے عہد حکومت کے متعلق خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اس کا زمانہ ایسے امن وسکون کا تھا کہ اسے نہ تو کبھی سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جانا پڑا اور نہ ہی کوئی دشمن اس کے خلاف کبھی صف آرا ہوا۔ (ایلیٹ جلد اول صفحہ ۲۷۳)۔ اس کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کا عہد عدل وانصاف اور اسلام کے فروغ کے اعتبار سے بھی ممتاز اور مشہور تھا" ظاہر ہے کہ ان حالات میں یہ فروغ صرف پرامن تبلیغی وسائل سے ہی ہو سکتا تھا۔ اس عہد کے مبلغین میں سب سے زیادہ مشہور سید یوسف الدین تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کو خواب میں حکم ہوا کہ بغداد چھوڑ کر ہندوستان جائیں اور وہاں کے لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام بنائیں۔ چنانچہ وہ ۱۴۲۲ عیسوی میں سندھ آئے اور وہاں دس برس تک تبلیغ کرتے رہے۔ اس طرح وہ لوہانہ قوم کے سات سو گھرانوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سے پہلے اس قوم کے دو آدمی سندرجی اور ہنس راج سید صاحب کی کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کا نام آدم جی اور تاج محمد رکھا گیا۔ آدم جی کا پوتا لوہانہ قوم کا سردار تھا۔ اس کی سرکردگی میں یہ لوگ سندھ سے اٹھ کر کچھ میں آباد ہو گئے اور کچھ کے لوہانوں کے اسلام لانے سے بھی ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ (بمبئی گزیٹئر، جلد اول صفحہ ۹۳)۔

پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ ہوا جب سندھ میں پیر صدر الدین نے اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ وہ ایک اسماعیلی داعی اور ۱۴۳۰ عیسوی کے قریب کھوجہ قوم کا سربراہ تھا۔ اسماعیلی داعیوں کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ شروع میں اپنے آپ کو دوسروں کے موافق اور مطابق بنا لیتے تھے۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق پیر صدر الدین نے ہندو نام اختیار کیا اور ان ہندوؤں کے بعض عقاید کو تسلیم کر لیا جن کو وہ مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام "دس اوتار" تھا۔ اس نے اس کتاب میں لکھا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ یہ کتاب ابتدا ہی سے کھوجہ فرقے کا مقدس صحیفہ سمجھی جاتی ہے اور تمام مذہبی موقعوں اور تہواروں کے علاوہ حالتِ نزع میں مریض کے بستر کے قریب پڑھی جاتی ہے۔ یہ کتاب وشنو کے پہلے ۹ اوتاروں کو تسلیم کرتی ہے لیکن ان کا سلسلہ ناقص اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامکمل رہتا ہے اور پوری حقیقت تک نہیں پہنچتا جب تک اس میں یہ عقیدہ شامل نہ کیا جائے کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار اور عنقریب ظہور کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ برہما کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے، وشنو کو حضرت علیؓ سے اور شیو کو حضرت آدمؑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پیر صدر الدین کی تعلیم کو سب سے پہلے شمالی سندھ کے شہروں اور دیہات کے لوگوں نے قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ میں بھی وعظ کہے اور اس فرقے کے عقاید ان علاقوں سے جنوب کی طرف گجرات اور بمبئی تک پھیل گئے۔ آج کل اس فرقے کے لوگ مغربی ہندوستان اور اس کے ساحل کے تقریباً تمام بڑے بڑے تجارتی شہروں میں پائے جاتے ہیں۔

لیکن پیر صدر الدین پہلا اسماعیلی داعی نہ تھا جو ہندوستان میں وارد ہوا بلکہ اس سے بہت پہلے ۱۰۶۷ء کے قریب عبداللہ نامی داعی کو یمن سے بھیجا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک بڑا عالم آدمی تھا اور اس نے بہت سی کرامات بھی دکھائی تھیں جن کی وجہ سے بہت سے ہندو اس کے دین کی صداقت کے قائل ہوگئے تھے۔ (بمبئی گزیٹر جلد نہم حصہ دوم صفحہ ۲۶)۔ ہندوستان کا دوسرا اسماعیلی داعی نور الدین ہے۔ اس نے نورستاگر کا ہندوانہ نام اختیار کرلیا تھا اور وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ وہ اسماعیلیہ کے شیخ الجبل کے قلعہ الموت سے ہندوستان میں بھیجا گیا تھا۔ وہ راجا سدھاراج (۱۰۹۴ سے ۱۱۴۳ء) کے عہد میں گجرات پہنچا تھا۔ اس نے ہندوانہ نام رکھ لیا تھا البتہ اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ اس کا اصلی نام سید سعادت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے گجرات کی نیچ ذاتوں، کنبی، کھاروا اور کوری قوموں کو مسلمان کیا تھا۔

جس طرح نورستاگر کھوجہ قوم کا پہلا داعی تھا اور اس لحاظ سے اس کا احترام کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ عبداللہ کو بوہرہ فرقے کا بانی سمجھتے ہیں۔ بوہرہ شیعہ لوگوں کی ایک اہم اور کثیر التعداد جماعت ہے جو بمبئی پریذیڈنسی کے بڑے بڑے تجارتی شہروں میں بکثرت آباد ہے۔ لیکن دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بوہرہ قوم کا پہلا داعی ہونے کا اعزاز ملا علی کو حاصل ہے۔ چنانچہ ایک شیعہ مورخ نے اس کے طریقہ تبلیغ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''اس زمانے میں گجرات کے لوگ کافر تھے اور ایک بوڑھا آدمی ان کا گورو تھا جس کے ساتھ وہ بدرجہ غایت اعتقاد اور ارادت رکھتے تھے۔ چنانچہ ملا علی نے یہ تدبیر سوچی کہ اول اس گورو کے پاس جا کر اظہارِ ارادت کرے اور اس کو دلائل قاطعہ کے ساتھ مسلمان کرے اور اپنے ساتھ متفق کرے، اس کے بعد دوسروں کو تبلیغ کرکے مسلمان کرنا شروع کرے۔ اس منصوبے کے مطابق اس نے چند سال اس پیشوا کی خدمت میں گزارے اور ان لوگوں کی زبان کو سیکھا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے علوم پر حاوی ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے دینِ اسلام کی حقیقت کو بتدریج اس پیرِ روشن ضمیر پر ظاہر کیا اور اس کو مسلمان کرلیا۔ جب وہ پیر مرد مسلمان ہوگیا تو اس کے بعض مرید بھی اپنے پیشوا کی پیروی میں مسلمان ہوگئے۔ آخر کار جب اس ملک کے بادشاہ کے وزیر کو اس پیشوا کے مسلمان ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خبر پہنچی تو وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی پیروی میں وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ لیکن اس پیشوا، وزیر اور دوسرے نومسلموں نے راجا کے خوف سے کچھ مدت تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا لیکن آخر وزیر کے مسلمان ہونے کی خبر راجا تک جا پہنچی۔ راجا حقیقت حال معلوم کرنے کے درپے ہوا اور وہ ایک دن اچانک وزیر کے گھر جا پہنچا اور اسے نماز کی حالت میں رکوع کرتے دیکھا اور اس سے ناراض ہو گیا۔ جب وزیر نے راجا کی آمد کا سبب بھانپ لیا اور اسے معلوم ہوا کہ راجا کی ناراضی اور بدظنی کا سبب اس کا رکوع وسجود ہے تو لطفِ ربانی اس کے شاملِ حال ہوا۔ اس نے ارشادِ الٰہی سے فوراً کہا کہ میں گھر کے ایک گوشے میں ایک سانپ کو دیکھ کر اس کو دور کرنے کی تدبیر میں کبھی اٹھ رہا اور کبھی بیٹھ رہا تھا۔ جب راجا نے گھر کے ایک گوشے کی طرف نگاہ کی تو خدا کے حکم سے اسے ایک سانپ دکھائی دیا۔ چنانچہ راجا نے وزیر کا عذر قبول کر لیا اور اس کی بدگمانی رفع ہو گئی۔ آخر کار راجا بھی در پردہ مسلمان ہو گیا لیکن مصلحت عامہ کے پیش نظر اس نے اپنے قبول اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے وصیت کی کہ اس کی لاش کو کفار کے دستور کے مطابق جلایا نہ جائے۔ راجا کی وفات کے بعد جب سلطان ظفر نے، جو دہلی کے بادشاہ سلطان فیروز شاہ کے امرا میں سے تھا، گجرات کو فتح کیا تو چند سنی علما نے، جو اس کے ہمراہ تھے، لوگوں کو اہل سنت کے مذہب کی طرف رہنمائی کی۔ اس طرح بوہرہ قوم کے بعض لوگ سنی مذہب میں داخل ہو گئے لیکن اکثر لوگ اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے۔" (نور اللہ شوستری، مجالس المومنین، صفحہ ۶۵۔ انڈیا آفس دستاویز نمبر ۱۴۰۰)۔

کچھ اور گجرات کے مسلمانوں کی کئی جماعتوں کا بیان ہے کہ وہ پیرانہ کے امام شاہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ (پیرانہ کا شہر احمد آباد کے جنوب مغرب کی طرف دس میل کے فاصلے پر واقع ہے)۔ امام شاہ نے پندرھویں صدی کے آخری حصے میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے دو موسموں کے بعد بارش برسائی تھی۔ یہ کرامت دیکھ کر بہت سے ہندو کاشت کار مسلمان ہو گئے۔ ایک اور موقعے پر پیرانہ میں چند ہندو یاتریوں سے اس کی ملاقات ہوئی جو بنارس جا رہے تھے۔ اس نے ان کو بنارس لے جانے کی پیش کش کی جس کو یاتریوں نے منظور کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک لمحے میں بنارس پہنچ گئے ہیں، گنگا میں نہا رہے ہیں اور اپنی منتیں پوری کر رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ابھی تک پیرانہ میں ہیں لہٰذا انہوں نے اس ولی اللہ کا دین قبول کر لیا جس نے ایسی کرامت دکھائی تھی۔ امام شاہ نے ۱۵۱۲ء میں وفات پائی اور مسلمان اور ہندو دونوں اس کی تربت کی آج تک زیارت کرتے ہیں۔ (بمبئی گزیٹئر، جلد نہم حصہ دوم، صفحات ۶۶، ۷۶)۔

کچھ کے بہت سے مسلمان، جو ہندو نسل سے ہیں، اپنے مذہبی پیشوا داول شاہ پیر کا بڑا احترام کرتے ہیں جس کا اصل نام ملک عبداللطیف تھا۔ (بمبئی گزیٹئر جلد پنجم صفحہ ۸۹)۔ وہ محمود بیگڑہ (۱۴۵۹ سے ۱۵۱۱ء) کے ایک امیر کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹا تھا۔ محمود بیگرہ گجرات کے مسلمان حکمران خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہوگزرا ہے جس کے عہد میں عام روایت کے مطابق بہت سے ہندو مسلمان ہوگئے تھے۔ (بمبئی گزیٹر جلد دوم صفحہ ۲۷۸، جلد سوم صفحات ۳۶، ۳۷)۔

جہاں تک نومسلموں کی تعداد کا تعلق ہے، ہندوستان میں مسلمان مبلغین نے بنگال میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہے۔ محمد بختیار خلجی نے یہاں سب سے پہلے بارہویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایک اسلامی مملکت قائم کی۔ اس نے بہار اور بنگال کو فتح کر کے گور کو بنگال کا دارالحکومت مقرر کیا۔ یہاں اسلامی حکومت مدت دراز تک قائم رہی اور اس سے قدرتی طور پر اسلام کی اشاعت میں مدد ملی۔ اگرچہ ہندو راج دس سال کے لیے راجا کانس کے عہد میں دوبارہ بحال ہوگیا تھا جو اپنی رواداری کی وجہ سے مسلمان رعایا میں بھی ہردلعزیز تھا لیکن اس کے بیٹے جٹ مل نے ہندومت کو ترک کر کے اسلام قبول کرلیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس کا باپ مرگیا تو اس نے ۱۴۱۴ عیسوی میں اپنی سلطنت کے تمام امرا کو بلایا اور ان کو بتایا کہ وہ اسلام اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر وہ اس کی تخت نشینی پر رضامند نہ ہوں تو وہ اپنے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جائے گا۔ یہ سن کر سرداروں نے کہا کہ راجا خواہ کوئی مذہب اختیار کرے، ہم اسے بدستور اپنا بادشاہ تسلیم کریں گے۔ چنانچہ راجا نے چند علمائے اسلام کو طلب کیا تاکہ جب وہ ہندومت ترک کر کے اسلام قبول کرے تو وہ اس کی شہادت دینے کے لیے موجود ہوں۔ راجا نے اپنا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا اور روایت ہے کہ اس کے عہد میں اور بھی بہت سے ہندو مسلمان ہوئے تھے۔ (جے ایچ ریون شا: Gaur: Its ruins and inscriptions صفحہ ۹۹ لندن ۱۸۷۸ نیز فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۳۳۷)۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ زبردستی مسلمان کیے گئے تھے۔ مشرقی بنگال میں اسلامی حکومت ساڑھے پانچ سو سال تک قائم رہی لیکن اس طویل عرصے میں صرف جلال الدین ہی کا زمانہ ایسا ہے جس میں ہندو رعایا کے ساتھ عام طور پر زبردستی کی گئی تھی۔ (Wise: P. 29)۔

لیکن اس عہد کے علاوہ اور زمانوں میں بھی اسلام کی ترویج اور اشاعت میں اسلامی حکومت کے سرکاری دباؤ سے کام لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کھرگ پور کے راجے ابتدا میں دراصل ہندو تھے لیکن جب انہوں نے اکبر بادشاہ کے ایک جرنیل سے شکست کھائی تو ان کو اپنی خاندانی ریاستوں پر بدستور قابض رہنے کی اس شرط پر اجازت دی گئی تھی کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اسی طرح چٹا کانگ میں اسد علی خان کے خاندان کا مورث اعلیٰ ہندو تھا۔ لیکن اسے اپنی اصلی ذات سے اس طریق سے محروم کردیا گیا کہ اسے گائے کا گوشت سونگھنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اسے مجبوراً مسلمان ہونا پڑا۔ اسی طرح کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ (مردم شماری ہند ۱۹۰۱، جلد ہشتم، حصہ اول صفحہ ۱۷۰)۔

مرشد قلی خان ایک نومسلم برہمن کا بیٹا تھا جس کو شہنشاہ اورنگ زیب نے اٹھارویں صدی کے شروع میں بنگال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ اس نے یہ قانون نافذ کیا کہ جو افسر یا جاگیردار سرکاری لگان یا مالیہ ادا نہ کر سکے یا اس کی تلافی نہ کر سکے، اسے اپنے بیوی بچوں سمیت مسلمان بنایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ ایک عام دستور تھا کہ جب کوئی ہندو اپنے دھرم کی ریت رسم توڑنے سے اپنی ذات کھو بیٹھتا تو وہ اسلامی حکومت ہی کے واسطے سے اپنی ذات کو دوبارہ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اگر حاکم اس معاملے میں دخل دینے سے انکار کر دیتا تو اس شخص کے لیے ہندو برادری میں دوبارہ جگہ پانے کی صورت باقی نہ رہتی اور اسے مسلمان ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ (مردم شماری ہند ۱۹۰۱ء جلد ششم حصہ اول صفحہ ۳۰)۔

جو افغان لوگ بنگال میں آباد ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسلام کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ ان کی جو اولاد ہندو بیویوں کے بطن سے پیدا ہوتی تھی وہ تو بہ ہر حال مسلمان ہی ہوتی تھی مگر ان کے علاوہ وہ قحط کے زمانے میں مفلس ہندوؤں کے بچوں کو بھی خرید لیتے تھے اور ان کی پرورش اسلامی طریقے پر کرتے تھے۔ لیکن بنگالی مسلمانوں کی اکثریت ایسے شہروں میں نہیں ہے جو پہلے زمانے میں اسلامی حکومت کے مرکز میں رہ چکے تھے بلکہ ان کی کثرت ایسے ضلعوں اور مقامات میں ہے جہاں مغربی صوبوں کے مسلمانوں کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا اور جہاں نیچ ذاتوں کے ہندو ملیچھ بکثرت آباد ہیں۔ نیچ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے عادات و اطوار یکساں ہیں۔ اس کے علاوہ نومسلموں میں ابھی تک ذات پات کی تمیز باقی ہے اور جسمانی لحاظ سے بھی ان میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگال کے مسلمان اور وہاں کے قدیم باشندے ایک ہی اصل سے ہیں۔ بنگال میں اسلام کے راستے میں کوئی مضبوط مذہبی نظام حائل نہیں ہوا لیکن اس کے برعکس ہندوستان کے شمال مغربی صوبوں میں مسلمان حملہ آوروں نے دیکھا کہ بدھ مت پر غالب آنے کے بعد برہموں کا مذہب پورے زوروں پر ہے اور اس میں ایک تازہ زندگی آچکی ہے۔ مسلمانوں کی سخت گیری کے باوجود ہندو مذہب نے ان میں شدید مخالفت کی روح پھونک دی ہے اور انتہائی مصیبت اور ذلت کے زمانے میں بھی ان پر اس کی گرفت مضبوط رہی ہے۔ لیکن بنگال کے قدیم باشندوں اور نیچ ذات کے ہندوؤں نے مسلمان مبلغوں کا کشادہ دلی سے خیر مقدم کیا کیونکہ یہ لوگ ہندو سماج سے تقریباً خارج تھے اور ان کے آریہ حکمران ان کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بنگال کے مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتے ہیں: ''ان مفلس لوگوں کے لیے، جن میں ماہی گیر، شکاری، سمندری ڈاکو اور نیچ ذات کے کاشت کار شامل تھے، اسلام ایک نعمت عظمیٰ تھا جو ان پر عرش بریں سے اترا۔ اسلام حکمران قوم کا مذہب تھا اور اس کے پرجوش مبلغ خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا مژدہ لے کر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جس کو سب لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ قبولِ اسلام کی ابتدائی رسم سے ان کے لیے ارتداد ناممکن ہو جاتا تھا اور نومسلم اور اس کی اولاد ہمیشہ کے لیے مومنِ صادق بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے تھے۔ اس طرح اسلام ہندوستان کے سب سے زیادہ شاداب اور سرسبز صوبے میں مضبوطی سے قائم ہو گیا جو ایک نہایت گنجان اور روز افزوں آبادی کی پرورش کے قابل تھا۔ جبراً مسلمان کرنے کے واقعات کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو جو مستقل اور پائیدار کامیابی حاصل ہوئی، اس کا سبب جبر و اکراہ نہیں ہے۔ اس مذہب میں لوگوں کے لیے کشش تھی اور اس کو بیشتر ماننے والے غریب اور نادار طبقے سے ملے۔ اسلام نے ان کو خدا کی ذات کا ایک اعلیٰ تصور دیا، انسانی اخوت اور مساوات کے ایک اشرف تخیل سے آشنا کیا۔ بنگال میں نیچ ذاتوں کے لاکھوں افراد صدیوں سے ہندو سماج کے رحم و کرم پر ذلت اور خواری کے دن کاٹ رہے تھے (بلکہ اس سے تقریباً خارج تھے) لیکن اسلام نے ان کے لیے ایک نئے معاشرے میں داخل ہونے کا راستہ کھول دیا۔''

(سرڈبلیو ڈبلیو ہنٹر: The Religions of India: دی ٹائمز ۲۵ فروری ۱۸۸۸ نیز Wise, P. 32)۔

خاص خاص اشخاص کے مذہبی جوش اور ولولے کے متعلق بنگال کے لوگوں میں جو قصے مشہور ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کی اشاعت کے لیے خاص کوششیں کی گئی تھیں۔ ان مبلغوں میں سے بعض کے مزاروں کا لوگ آج تک احترام کرتے ہیں اور ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں ان پر حاضری دیتے ہیں۔ ان قدیم مبلغوں میں شیخ جلال الدین تبریزی شامل ہیں جن کا ۱۲۴۴ عیسوی میں انتقال ہوا۔ وہ ولی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ اپنے تبلیغی سفر کے دوران وہ بنگال پہنچے جہاں ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی جائیداد بھی وقف کر دی گئی۔ لیکن ان کے مدفن کا صحیح مقام معلوم نہیں۔ لوگ ان کی بہت سی کرامتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہندو گوالے کو ایک ہی نگاہ سے مسلمان کر لیا تھا۔ (Blockmann: P.260)۔

انیسویں صدی میں بنگال میں دین اسلام میں ایک نئی زندگی آئی اور وہابی اصلاحی تحریک کے اثر سے کئی فرقے ظہور میں آئے۔ ان فرقوں نے اپنے مبلغ تمام صوبوں میں بھیجے تاکہ ہندوانہ توہمات کو دور کریں، مذہبی ولولے کو بیدار کریں اور کافروں میں اسلام پھیلائیں۔ (Wise: PP. 48-55)۔

ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اسلام کی اشاعت کے لیے جو کوششیں ہوئیں، ان کا ذکر کرنا ابھی باقی ہے۔ ابتدائی دور کے بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ شیخ اسماعیل ہیں جو بخارا کے سادات عظام میں سے تھے اور دینی اور دنیوی علوم میں اعلیٰ دست گاہ رکھتے تھے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مبلغ اسلام تھے جو ۱۰۰۵ عیسوی میں لاہور کے شہر میں وارد ہوئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہوئے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں لوگ بکثرت شریک ہوتے تھے اور نومسلموں کی تعداد ہر روز بڑھتی رہتی تھی۔ کہتے ہیں کہ جو شخص ایک مرتبہ ان کے وعظ میں آتا تھا، وہ اسلام قبول کیے بغیر واپس نہ جاتا تھا۔ (جن لوگوں نے اسلامی دور کے شروع میں پنجاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسلام پھیلایا، ان میں شیخ فخر الدین زنجانی بھی قابل ذکر ہیں جو لاہور میں مدفون ہیں ۔ ان ہی بزرگوں میں حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری خاص طور پر مشہور ہیں جو عام طور پر داتا گنج بخش کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ آپ کا اصلی وطن غزنی تھا۔آپ نے بہت سے اسلامی ملکوں کی سیاحت کی اور وہاں کے علماء اور مشائخ سے فیض حاصل کیا اور پھر لاہور میں سکونت اختیار کی۔آپ ہر وقت درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے۔لاہور میں ابھی غزنوی دور کی ابتدا تھی اور اگرچہ پنجاب میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی لیکن ہندوؤں کے دل اسلام دشمنی سے لبریز تھے اور وہ مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ان حالات میں ان کو اسلام کی دعوت دینا ایک کٹھن کام تھا۔لیکن آپ نے تبلیغ کا کام پورے استقلال کے ساتھ جاری رکھا اور اس میں بڑی کامیابی حاصل کی۔آپ کی تالیف ''کشف المحجوب'' تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں ایک جامع اور قابل قدر تصنیف ہے جو مذہبی حلقوں میں ہمیشہ سے مقبول و متداول رہی ہے۔عام روایت کے مطابق آپ نے ۴۶۵ ہجری میں وفات پائی لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اصلی سن وفات اس سے متاخر ہے۔آپ لاہور میں مدفون ہوئے جہاں ان کے مزار پر ہمیشہ زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور ہر سال ۲۰ صفر کو ان کا عرس بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔۔۔مترجم)۔

روایت ہے کہ پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے بہاء الحق ملتانی اور پاک پتن کے بابا فرید الدین کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔(بہاء الدین ملتانی، جو عام طور پر بہاء الدین زکریا کے نام سے مشہور ہیں، کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم خراسان اور ترکستان میں پائی۔اس کے بعد وہ حج کے لیے حجاز مقدس گئے اور واپسی پر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ان کی ہدایت کے مطابق آپ نے ملتان میں اقامت اختیار کی اور سہروردی سلسلے کی ترویج کے علاوہ اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔آپ کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جن میں کئی غیر مسلم راجپوت قبیلے بھی شامل تھے۔آپ نے ۶۶۶ ہجری میں رحلت پائی اور ملتان میں دفن ہوئے جہاں ان کا عالیشان مزار ملتان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔اس کے قرب و جوار میں کئی دوسرے بزرگ اور مشاہیر بھی مدفون ہیں......مترجم)۔یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی کے خاتمے اور چودھویں صدی کے آغاز میں گزرے ہیں۔ایک تذکرہ نویس نے بابا فرید الدین کے حالات میں ان سولہ قوموں کی فہرست دی ہے جو ان کے وعظ و نصیحت سے مسلمان ہوئیں۔(اصغر علی: جواہر فریدی صفحہ ۳۹۵، لاہور، ۱۸۸۴)۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے آپ کی تبلیغ کی تفصیل بیان نہیں کی۔

ہندوستان کے مشہور و معروف اولیائے کبار میں خواجہ معین الدین چشتی بھی شامل ہیں جنہوں نے راجپوتانہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور ۱۲۳۴ عیسوی میں اجمیر میں انتقال کیا۔وہ سجستان کے رہنے والے تھے جو ایران کے مشرق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں واقع ہے۔ مشہور ہے کہ خواجہ صاحب جب مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے تو وہاں آپ کو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا حکم ملا۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے خواب میں تشریف لائے اور ان سے فرمایا: ''خدا نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد کیا۔ وہاں جا اور اجمیر میں سکونت اختیار کر، خدا کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے ارادت مندوں کی پرہیزگاری سے اس سرزمین میں پھیل جائے گا۔'' خواجہ صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور اجمیر میں آئے۔ یہاں کا راجا ہندو تھا اور ملک میں ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد جس ہندو کو پہلے پہل آپ نے مسلمان کیا، وہ راجا کا ایک جوگی گورو تھا۔ رفتہ رفتہ مریدوں کی ایک کثیر جماعت ان کے پاس جمع ہوگئی جنھوں نے آپ کی تعلیم وتلقین سے بت پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ اب ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے آپ کی شہرت سب طرف پھیل گئی اور آپ کا شہرہ سن کر بہت سے ہندو لوگ اجمیر میں آئے اور آپ کی ترغیب سے مسلمان ہوگئے۔ روایت ہے کہ جب آپ اجمیر جاتے ہوئے راستے میں دہلی میں ٹھہرے تھے تو وہاں آپ نے سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ (خواجہ صاحب نے ۶۳۳ ہجری میں وفات پائی اور آپ کو اسی حجرے میں دفن کیا گیا جس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ بعد میں مالوہ کے ایک بادشاہ نے آپ کے مدفن پر ایک پختہ عمارت بنوادی اور شاہان مغلیہ اس میں مسلسل اضافے کرتے رہے۔ شاہ جہاں نے مزار کا شاندار گنبد بنوایا اور اس کے پاس سنگ مرمر کی ایک خوب صورت مسجد بھی تعمیر کروائی۔ آج کل آپ کا مرقد ہندوستان کی ایک بہت بڑی زیارت گاہ ہے جہاں بے شمار ارادت مند حاضری دیتے ہیں۔۔۔۔ مترجم)۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سید جلال الدین کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے جو ۱۱۹۹ عیسوی میں بخارا میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے ۱۲۴۴ء میں اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی جو آج کل بہاول پور کے علاقے میں واقع ہے۔ آپ نے اس کے قرب وجوار میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ سید جلال الدین نے ۱۲۶۲ء میں وفات پائی۔ آپ کی اولاد، جن میں بہت سے لوگ اولیا میں شمار ہوتے ہیں، آج تک آپ کے مزار کی متولی چلی آرہی ہے اور اس کا مذہبی اثر دور دور کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کے پوتے سید احمد کبیر ''مخدوم جہانیاں'' کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے پنجاب کے کئی قبیلوں کو مسلمان کیا تھا۔ (پنجاب اسٹیٹس گزیٹئر جلد ۱۳۶، بہاول پور، اسٹیٹ لاہور ۱۹۰۸، صفحہ ۱۶۰۔ مخدوم جہانیاں نے جن قبیلوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا، ان کی فہرست صفحہ ۱۶۲ پر درج ہے)۔ اوچ کے مشرق میں کوئی ایک میل کے فاصلے پر حسن کبیرالدین کا مزار ہے جو سید صدرالدین کے بیٹے تھے اور سید صدرالدین، سید جلال الدین کے ہم عصر تھے۔ کہتے ہیں کہ سید صدرالدین اور ان کے بیٹے دونوں نے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا تھا۔ حسن کبیرالدین کی قوت تاثیر کے متعلق مشہور ہے کہ جیسے ہی کسی ہندو پر ان کی نگاہ پڑتی تھی، وہ فوراً اسلام قبول کر لیتا تھا۔ (پنجاب اسٹیٹس گزیٹئر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلد ۳۶ ۱ اے، بہاول پور اسٹیٹ صفحہ ۱۷۱)۔

تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک بزرگ ابوعلی قلندر نے، جو عراق عجم کے رہنے والے تھے، پانی پت میں آکر سکونت اختیار کی اور سو سال کی عمر پا کر ۱۳۲۴ء میں انتقال کیا۔ اس شہر کے مسلمان راجپوت، جن میں تین سو مرد ہیں، ایک شخص امیر سنگھ کی اولاد سے ہیں جس کو اسی ولی نے مسلمان کیا تھا۔ لوگ ان کے مزار کی آج تک بہت تعظیم کرتے اور اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور بزرگ قابل ذکر ہیں جن کا نام بھی شیخ جلال الدین تھا۔ وہ وطن کے لحاظ سے ایرانی تھے۔ آپ چودہویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور جنوبی آسام میں سلہٹ کے مقام پر سکونت اختیار کی تاکہ وہاں کے لوگوں کو مسلمان کریں۔ ان کے تقدس کا بڑا شہرہ ہوا اور ان کو اپنی تبلیغ میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

حالیہ برسوں میں بہت سے مبلغینِ اسلام نے اپنے دین کو ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور ان کو اس کام میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ انیسویں صدی کے نصف ثانی میں تبلیغی کوششوں میں خاص طور پر ایک نئی جان آئی ہے اور ہندوستان میں جتنے لوگ ہر سال مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تعداد دس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ بلکہ چھ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن اس تعداد کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ تبلیغی کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں اور مسلمانوں کے ہاں ایسی کوئی مرکزی تنظیم نہیں ہے اور نہ ہی تبلیغی کارگزاری کی کوئی روئیداد شائع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان مبلغوں کو اپنے کام میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کے بارے میں بعض اوقات مبالغے سے کام لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرانس کے مشہور مستشرق Garcin de Tassy نے لکھا ہے کہ پنجاب میں ایک شخص حاجی محمد نے دو لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ بنگلور کے ایک مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بنگلور اور اس کے مضافات میں پانچ برسوں میں ایک ہزار آدمیوں کو مسلمان کیا۔ یہ بیانات خواہ کتنے ہی مشکوک ہوں، پھر بھی اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان مبلغ اپنے کام میں مصروف ہیں اور کامیاب ہیں۔ چنانچہ انیسویں صدی کے درج ذیل واقعات کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے:

مولوی بقا حسین خان نے، جو چل پھر کر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، چند برسوں میں ۲۲۸ افراد کو مسلمان کیا جو بمبئی، کانپور، اجمیر اور دوسرے شہروں کے رہنے والے تھے۔ مولوی حسن علی نے پچیس آدمیوں کو مسلمان کیا جن میں سے بارہ پونا کے رہنے والے تھے اور باقی حیدرآباد اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے باشندے تھے۔ (مولوی حسن علی نے ۱۸۹۶ء میں اپنے انتقال سے پہلے مجھ کو یہ تعداد بتائی تھی۔ ۴ اپریل ۱۸۹۶ء کو مسلم کرانیکل میں مولوی صاحب کے انتقال کی جو اطلاع چھپی، اس میں ان کی زندگی کے مندرجہ ذیل حالات شائع ہوئے تھے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مولوی صاحب طالب علمی کے زمانے میں بہت ذہین تھے اور تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اپنے کام میں بہت ترقی کر لی تھی۔ وہ صغرسنی میں ہی انٹرنس کے امتحان میں کامیاب رہے اور ان کو وظیفہ ملا جس کی مدد سے انہوں نے ایف اے کلاس میں پڑھنا شروع کیا۔ لیکن اسی زمانے میں انہیں تلاشِ حق میں دنیا دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ لکھنا پڑھنا چھوڑ کر انہوں نے مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا، فقیروں، پنڈتوں اور عیسائیوں سے ملاقات کی، گرجا گھروں میں جا کر بیٹھے اور ویرانوں، صحراؤں اور شہروں میں گھومے پھرے۔ اس دوران محض خدا کی رحمت اور توکل کی امید ان کی مددگار اور معاون تھی۔ ایک سال تک وہ مختلف مذاہب کی تحقیق میں مصروف رہے۔ ۱۸۷۴ء میں وہ پٹنہ کے ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ چونکہ وہ تبلیغ اسلام کے لیے پیدا ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے اس عہدے کو، جس سے انہیں سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی، چھوڑنا چاہا اور اپنے دوستوں کے مشورے کے برعکس ملازمت سے استعفا دے دیا۔ پھر ایک ماہوار رسالہ ''نور الاسلام'' نکال کر کچھ عرصے تک گذر اوقات کرتے رہے۔ انہوں نے پٹنہ میں اسلام پر کئی لیکچر دیے اور پھر کلکتہ چلے گئے جہاں انہوں نے انگریزی میں ایک لیکچر دیا۔ سامعین پر اس لیکچر کا ایسا اثر ہوا کہ کئی یورپی پادریوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا۔ ایک معزز بنگالی بابو بپن چندر پال تو مسلمان ہونے کے قریب تھے۔ پھر ڈھاکا کے لوگوں نے ان کو بلایا جن کے دلوں پر ان کے مواعظ حسنہ کا نقش ابھی تک باقی ہے۔ ان کی مختلف کتابوں، رسالوں اور لیکچروں کی بدولت، جو انہوں نے مختلف شہروں میں دیے، ان کا نام ہندوستان میں زندہ ہے۔ تقریباً ۱۸۰ افراد ان کی کتابیں پڑھ کر یا ان کے لیکچر سن کر مسلمان ہوئے۔'' تبلیغ اسلام کا جوش وخروش ان کے دل میں آخر تک قائم رہا۔ چنانچہ نزع کی حالت میں بھی ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے گئے: ''اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔'' اور جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس سے باتیں کر رہے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک عیسائی سے گفتگو کر رہا تھا۔ بمبئی پریذیڈنسی کے ضلع خاندیش میں نصیر آباد کے قاضی سید صفدر علی کی تلقین سے کاریگروں کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کر لیا جو آہنگری اور اسلحہ سازی کا کام کرتے ہیں۔ اسی پیشے کے کچھ اور لوگ، جن کی تعداد ضلع ناسک میں تقریباً دو سو تھی، عجیب طرح سے مسلمان ہوئے۔ ناسک کے عیسائی مبلغ مدت دراز سے کوشش کر رہے تھے کہ ان لوگوں سے ہندو مت چھڑا کر ان کو عیسائی کر لیں۔ یہ لوگ بھی پس وپیش میں تھے کہ عیسائی مذہب اختیار کر لیں یا نہیں؟ اسی اثنا میں بمبئی سے ایک درویش آیا جو ان کے خصائل اور اندازِ فکر سے خوب واقف تھا۔ اس نے ان لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم کو پیش کیا اور ان کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہا۔ (بمبئی گزیٹیئر جلد بارہ صفحہ ۱۲۶)۔

پٹیالہ میں مولوی عبید اللہ نے، جو مسلمان ہونے سے پہلے ہندو برہمن تھے، اپنے تئیں اسلام کا ایک پرجوش مبلغ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت کیا اور باوجود ان رکاوٹوں کے، جو ان کے رشتے داروں نے ان کے کام میں پیدا کیں، تبلیغ اسلام میں ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ پٹیالہ کا ایک پورا محلّہ ان لوگوں سے آباد ہے جو مولوی صاحب کی تلقین سے مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے عیسائیت اور ہندومت کے رد میں چند کتابیں مناظرانہ رنگ میں لکھیں جو بار بار طبع ہو چکی ہیں۔

ایک کتاب میں انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے: ''محمد عبید اللہ ولد منشی کوٹا مل ساکن قصبہ پیال واقع ریاست پٹیالہ لکھتا ہے کہ یہ فقیر لڑکپن میں اور اپنے باپ کی زندگی میں بت پرستی میں گرفتار تھا کہ اتنے میں رحمت الٰہی نے میری دستگیری کی اور مجھے اسلام کی طرف راغب کیا۔ مجھ پر اسلام کی خوبیاں اور ہندومت کی خامیاں منکشف ہو گئیں اور میں نے دل و جان سے اسلام کو قبول کیا اور اپنے آپ کو پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غلاموں میں شمار کیا۔ اس وقت عقلِ خداداد نے مجھ کو سمجھایا کہ اپنے باپ دادا کی رسوم کی آنکھیں بند کر کے پیروی کرنا اور گمراہی کے جال میں پھنسے رہنا کمال حماقت اور غفلت ہے۔ دین اور ایمان کے معاملوں میں تحقیق نہ کرنا، جس پر انسان کی سعادت اور شقاوت کا دارومدار ہے، سخت نادانی ہے۔ اس خیال سے میں نے مروجہ مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور بلا رو رعایت ہر ایک مذہب کی تحقیق کی۔ چنانچہ میں نے ہندومت کی خوب تحقیق و تدقیق کی اور ہندو پنڈتوں سے گفتگو کی۔ اسی طرح میں نے عیسائیت کی پوری واقفیت حاصل کی۔ میں نے اسلامی کتابیں بھی پڑھیں اور علمائے دین سے تبادلہ خیالات کیا۔ میں نے تمام مذاہب کو غلطی اور گمراہی پر پایا سوائے دینِ اسلام کے، جس کی صداقت مجھ پر صاف طور پر واضح ہو گئی۔ اس کے بانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے اخلاق حسنہ سے متصف ہیں کہ زبان ان کے بیان سے عاجز ہے۔ اور جو شخص اس دین کے عقاید، عبادات، اخلاق اور معاملات کو معلوم کرتا ہے، وہی ان کی خوبی کو پورے طور پر جان سکتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا سچا دین ہے جس کی ہر بات انسان کو راستہ دکھاتی ہے۔ الغرض خدا کی توفیق سے مجھ پر حق اور ناحق کا امتیاز ایسی وضاحت سے منکشف ہو گیا جس طرح دن اور رات اور اندھیرے اور اجالے کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ ہر چند کہ میرا دل ایک مدت سے نورِ اسلام سے منور اور میرا دہان کلمہ شہادت سے معطر تھا لیکن نفسِ امارہ اور شیطان نے مجھے عیش و آرام اور دنیائے بے بنیاد کی آسودگی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور رسومِ کفر کی ظاہری پابندی سے ایک مدت تک خراب حال رہا۔ آخر کار توفیق الٰہی نے مجھے یوں فہمائش کی کہ ''تو کب تک اس گوہر بے بہا کو پردۂ صدف میں پوشیدہ رکھے گا اور اس عطرِ راحت فزا کو حجاب کے صندوقچے میں بند رکھے گا۔ تجھے اس گوہر کو گلے کا ہار بنانا چاہیے اور اس عطر کی خوشبو سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' اس کے علاوہ علمائے دین کا بھی یہ فتویٰ ہے کہ ایمان بالاسلام کو چھپانا اور کفر کا لباس اور ان کی وضع قطع اختیار کرنا انسان کو جہنم میں پہنچاتا ہے۔ سو الحمد اللہ کہ ۱۲۶۴ ہجری میں عید الفطر کے دن اس فقیر کا آفتاب اسلام حجاب سحاب سے نکل کر جلوہ گر ہوا اور میں نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ (تحفۃ الہند صفحہ ۳ (دہلی ۱۳۰۹ ہجری)۔

بہت سے مسلمان واعظین نے عیسائی مشنریوں جیسے طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ وہ گلی کوچوں میں وعظ کہتے پھرتے ہیں، رسالے تقسیم کرتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر وسائل اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمان واعظ بازاروں میں روزانہ وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ بنگلور میں یہ طریقہ بہت عام ہے اور وہاں کا ایک واعظ، جو کسی مسجد کا امام تھا (۱۸۹۰ء) اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ ہندو لوگ بھی اس کو بلا کر اس کا وعظ سنتے تھے۔ وہ مارکیٹ میں وعظ کہا کرتا اور سات آٹھ سال کے عرصے میں اس نے ۴۲ آدمیوں کو مسلمان کر لیا تھا۔ بمبئی میں ایک مسلمان مبلغ شہر کی بڑی مارکیٹ کے قریب تقریباً ہر روز وعظ کرتا ہے۔ کلکتہ میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں ہر وقت مسلمان واعظ موجود ہوتے ہیں۔ نومسلموں میں کبھی کبھی یورپی لوگ بھی پائے جاتے ہیں لیکن ایسے اشخاص بالعموم مفلوک الحال ہوتے ہیں اور اکثر نومسلم ہندو ہی ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں پچھلے برسوں میں بہت سی اسلامی انجمنیں قائم ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض انجمنوں مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن حامی اسلام اجمیر کے مقاصد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بازاروں میں وعظ ونصیحت کے لیے واعظ بھیجے جائیں۔ ان انجمنوں کے مقرر کردہ واعظ تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن بازاروں میں وعظ کہنے کا کام زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو دن بھر تو کسی پیشے یا تجارت میں مصروف رہتے ہیں اور شام کو فرصت کا وقت اس کارِ خیر میں صرف کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا تبلیغی جوش اس بات میں بھی بکثرت صرف ہوتا ہے کہ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی اسلام مخالف تعلیم کا رد کیا جائے لہٰذا ان کی کوششیں تبلیغی ہونے کے بجائے دفاعی ہیں۔ بعض واعظ ایسے لوگوں کا مذہب پختہ کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ جاہل مسلمانوں کے ذہن سے ہندوانہ توہمات کو دور کریں اور ان کے دلوں پر مذہب اسلام کی زیادہ پاکیزہ صورت کو نقش کریں۔ اس قسم کی کوششوں سے اکثر اوقات پہلے مبلغوں کے ادھورے کام کی تکمیل ہوتی ہے کیونکہ بعض صورتوں میں لوگوں کو مسلمان کرنے کا کام بہت ناقص اور ادھورا رہ گیا ہے۔ بہت سے برائے نام مسلمان ایسے ہیں جو آدھے ہندو ہیں کیونکہ وہ ذات پات کی تمیز کرتے ہیں، ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں اور بہت سی بت پرستانہ رسموں کی پابندی کرتے ہیں۔ بعض ضلعوں مثلاً میوات اور گڑگاؤں میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنے مذہب سے بجز نام کے اور کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں نہ تو مسجدیں ہیں اور نہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ یہ حال خاص طور پر ان دیہات یا ایسے مقاموں کے مسلمانوں کا ہے جو مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے دور اور الگ واقع ہیں۔ لیکن شہروں میں علمائے دین کی موجودگی سے مسلمانوں کے دلوں میں قدیم توہمات بڑی حد تک رفع ہو چکے ہیں اور ان کی مذہبی زندگی پاکیزہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قریب الفہم صورت اختیار کر چکی ہے۔ حالیہ برسوں کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں میں اس بات کی تحریک نظر آتی ہے کہ لوگوں کی مذہبی زندگی کو اسلامی شریعت کے زیادہ مطابق بنایا جائے۔ عیسائی مشن سکولوں کے اثر سے بھی بعض مسلمان نوجوانوں کو اپنے مذہب پر غور وخوض کرنے کی تحریک ہوئی ہے اور ان میں مذہبی ولولہ بیدار ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم کے عام ہونے سے لوگ اپنے مذہبی اصولوں کو بہتر سمجھنے لگے ہیں اور مذہبی معلم ایسے دور دراز ضلعوں میں زیادہ ہو گئے ہیں جن کی طرف پہلے کبھی توجہ نہیں کی گئی تھی۔ یہ تبلیغی اور اصلاحی تحریک خواہ کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو، ہندوستان کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب کے مشرقی اضلاع میں غدر کے بعد مسلمانوں کے مذہب میں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی ہے چنانچہ واعظوں نے ملک بھر میں شہر بہ شہر دور دور تک سفر کیا اور مسلمانوں کو بت پرستی کی رسمیں چھوڑنے کی تاکید کی اور ان کو اسلام کے صحیح عقاید کی تلقین کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے بہت سے دیہات میں جہاں مسلمانوں کے پاس زمینیں تھیں، مسجدیں تعمیر ہو گئی ہیں اور لوگ ایسی قبیح رسموں کو چھوڑ رہے ہیں جو بظاہر مشرکانہ ہیں۔ (Ibbetson, P. 184)۔ راجپوتانے کے دیہات میں بھی وہ ہندو قومیں، جو وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتی رہی ہیں، درست عقاید اختیار کر رہی ہیں اور صوم وصلوٰۃ کی زیادہ پابند ہو رہی ہیں۔ وہ ان قدیم رسموں کو، جو ان میں اور ان کے بت پرست ہمسایوں میں مشترک تھیں، چھوڑ رہی ہیں مثلاً میوات قوم کے مسلمان اب شادی بیاہ کے ہندوانہ طریقے کے بجائے اسلامی شریعت کے مطابق نکاح پڑھاتے ہیں اور سور کے گوشت سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ (راجپوتانہ گزیٹر جلد اول صفحہ ۹۰، جلد دوم صفحہ ۴۷، کلکتہ ۱۸۷۹ء)۔ اسی طرح کی جو مذہبی اصلاح بنگال میں ہوئی ہے، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ جو ترقی ہوئی ہے، مذکورہ بالا تحریکیں اور انفرادی کوششیں اس کی توجیہ کے لیے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آبادی کے قدرتی اور طبعی اضافے کے علاوہ وہ کون سے اسباب ہیں جن سے مسلمانوں کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے؟ (مردم شماری رپورٹ ۱۹۰۱، جلد ششم صفحہ ۱۷۲)۔ اس سوال کا جواب ہندوؤں کے سماجی حالات میں مضمر ہے۔ اعلیٰ ذاتوں کے ہندو ادنیٰ ذاتوں کی تحقیر کرتے اور ان کو ذلیل وخوار سمجھتے تھے اور اگر نیچ ذات کا کوئی فرد اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا تو اونچی ذات کے ہندو اس کے راستے میں طرح طرح کی سخت رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ ایسے سماج کے مقابلے میں اسلام کے مذہبی نظام کے فوائد نمایاں نظر آتے ہیں جس میں کوئی شخص برادری سے خارج نہیں ہے اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لیے پوری آزادی حاصل ہے۔ مثال کے طور پر بنگال کے جولاہے، جو سوتی کپڑا بنتے ہیں، ہندو لوگ ان کو ناپاک سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لیے یہ جولاہے بکثرت مسلمان ہو رہے ہیں تاکہ اس طرح وہ اپنی ذلیل حالت سے چھٹکارا پائیں۔ (E. T. Dalton: P. 324)۔ اسی قسم کی ایک اور نمایاں مثال ہمیں اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صوبے بنگال کے شمال مشرقی حصے کی تاریخ سے ملتی ہے۔اس علاقے میں ۱۵۵۰ عیسوی میں کوچ قوم کے آدباسیوں نے اپنے ایک بڑے سردار باجو کی سرکردگی میں ایک حکمران خاندان کی بنا ڈالی۔ جب باجو کے پوتے کا زمانہ آیا تو ریاست کے اعلیٰ طبقوں کے لوگ تو ہندوؤں میں شامل کر لیے گئے لیکن جب ادنیٰ ذاتوں کے اکثر لوگوں نے دیکھا کہ ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور وہ ہندو برادری سے بدستور خارج ہیں، تو وہ مسلمان ہو گئے۔(E. T. Dalton: P. 89)۔

قبولِ اسلام سے نیچ ذاتوں کے ہندو اعلیٰ ذاتوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرتے ہیں۔اس کی ایک روشن مثال ہمیں انیسویں صدی کے آخیر میں ملتی ہے۔نیچ ذات کے شنار چند برسوں سے خوشحال ہو گئے تھے اور ان سے اکثر نے عمدہ مکان بنا لیے تھے۔ان پر ہندو مندروں کے دروازے اب تک بند تھے لیکن اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی مندروں میں پوجا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔اس بات پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور اس بلوے میں شنار قوم کے لوگوں نے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ہاتھوں سخت نقصان اٹھایا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شنار نے اسلام کے دامن میں پناہ لے لی۔ چنانچہ ایک گاؤں کے چھ سو شنار ایک ہی دن میں مسلمان ہو گئے اور دیگر مقامات کے شنار نے بھی ان کی پیروی کی۔(مشنری ریویو آف دی ورلڈ: جلد آٹھ صفحات ۷۶، ۳۷۷، نیو یارک ۱۹۰۰)۔

اس قسم کی کئی اور مثالیں ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔اگر کوئی ہندو کسی وجہ سے ذات سے خارج ہو جاتا ہے تو اس کے رشتے دار اور وہ لوگ، جن کے ساتھ اس کی نشست و برخاست ہوتی ہے، اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ایسے شخص کو فطری طور پر ایک ایسے مذہب کی طرف رغبت ہوگی جو اپنے حلقے میں ہر ایک شخص کو کسی امتیاز اور تفریق کے بغیر قبول کرتا ہے اور اس کو اپنے معاشرے میں وہی درجہ دیتا ہے جو اس کو اپنے پہلے سماج میں حاصل تھا۔اس طریقے سے جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرے گا، اس کے قبولِ اسلام میں خلوص اور یقین شامل ہوگا بلکہ وہ بھی، جن کو اپنے دیوتاؤں کے نام اور ان کی گنتی بھی یاد نہ ہو، ذات برادری سے خارج ہونے کو بہت سختی سے محسوس کرتے ہیں اور کسی مذہبی جذبے کے بغیر مسلمان ہو جاتے ہیں۔اسلامی کتابیں پڑھنے اور مسلمانوں کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی ہندوؤں نے اکثر اوقات غیر محسوس طور پر اسلام کا اثر قبول کیا ہوگا۔ انیسویں صدی میں راجپوتانہ اور بندھیل کھنڈ کے راجپوت حکمرانوں میں اسلام کی طرف اس قسم کا میلان پایا گیا ہے ۔اگر مغلیہ سلطنت کو دوام حاصل ہوتا تو یہ راجے بالآخر مسلمان ہو جاتے۔وہ نہ صرف مسلمان اولیا کا احترام کرتے تھے بلکہ اپنے لڑکوں کے لیے مسلمان مودب اور معلم مقرر کرتے تھے۔وہ اپنے کھانے کے لیے جانوروں کو اسلامی طریقے پر ذبح کراتے تھے اور اسلامی تہواروں میں فقیروں کے بھیس میں شریک ہوتے تھے اور سچے مسلمانوں کی طرح دعائیں مانگتے تھے۔اس کے علاوہ اس خیال کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ موجودہ صورت حال، جب کہ انگریزی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت مذہبی معاملات میں پورے طور پر غیر جانبدار ہے، ہندوؤں کے درمیان اشاعت اسلام کے لیے اسلامی عہد حکومت کے بہ نسبت زیادہ سازگار ہے جب کہ ہندو لوگ مسلمان دشمنوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہنے کی وجہ سے آپس میں متحد ہو کر خوب طاقتور ہو گئے تھے۔ مسلمان اولیا اور بزرگوں کے مزاروں پر ہندو لوگ ان کے عرس کے موقع پر بڑی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ ایک بے اولاد ہندو، جو مشرک ہے اور ہزاروں خداؤں کو مانتا ہے، اس خیال سے کہ مراد مانگنے میں اس سے کوئی خدا چھوٹ نہ جائے، مسلمانوں کے خدا کے حضور میں بھی اپنی گزارش پیش کرتا ہے۔ اگر اس دعا کے بعد وہ صاحب اولاد ہو گیا تو اس صورت میں اس کا سارا کنبہ مسلمان ہو جاتا ہے چنانچہ اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس طرح کی صرف ایک مثال ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ ضلع کانپور میں گھاتم پور کے گاؤں میں ایک بڑے ہندو کنبے کی ایک شاخ مسلمان ہے۔ یہ شاخ اپنے کسی بزرگ گھاتم دیو بائس کے منت ماننے سے مسلمان ہوئی تھی۔ گھاتم نے ایک مسلمان بزرگ مدار شاہ کے مزار پر یہ منت مانی تھی کہ اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کی آدھی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ (شمال مغربی صوبے کا گزیٹئر جلد ششم صفحات ۶۴، ۲۲۸)۔ ہندوؤں کی بعض نیچ ذاتوں میں مسلمان پیروں کی پرستش اتنی عام ہے کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں صرف شمال مغربی صوبوں اور اودھ میں ۲۳،۳۳،۶۴۳ ہندوؤں نے، جو ان صوبوں کی ہندو آبادی کا پانچ اعشاریہ سات آٹھ فی صد تھے، اپنے تئیں پیر پرست لکھوایا۔ (ہندوستان کی مردم شماری رپورٹ جلد ۱۶ حصہ اول صفحات ۲۱۷، ۲۴۴ الہ آباد ۱۸۹۴)۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی ہندو کسی مسلمان عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا کیونکہ اسلامی شریعت میں مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح قطعاً ممنوع ہے۔ ہندوؤں کے بچوں کو اگر کسی دولت مند مسلمان نے اپنا متبنیٰ کر لیا تو ان بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کی بیوی بن جائے تو وہ بھی اپنے خاوند کے مذہب میں آ جاتی ہے۔ (اس قسم کے تبدیلِ مذہب کی مثالیں ۱۹۱۰ء کی مردم شماری رپورٹ میں دی گئی ہیں۔ جلد ۶ حصہ اول ضمیمہ ۲)۔ چونکہ اس کے برعکس کوئی عمل نہیں ہوتا (یعنی کوئی مسلمان ہندو نہیں بن سکتا، اس لیے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کا بڑھنا لازمی ہے۔ وہ ہندو جو کسی وجہ سے اپنی ذات برادری سے خارج کر دیے جاتے ہیں، اور ایسے مفلس ہندو بھی جو مسلمانوں کی خیرات پر پلتے ہیں یا عورتیں اور بچے جو ماں باپ کے مرجانے سے لاوارث ہو جاتے ہیں یا ماں باپ ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی حفاظت اور کفالت میں آ جاتے ہیں، جیسا کہ قحط کے زمانے میں اکثر ہوتا ہے، ایسے لوگ بھی مسلمان کر لیے جاتے ہیں اور اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد میں ہندوؤں کی نسبت برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (شمال مغربی صوبے اور اودھ کی مردم شماری رپورٹ ۱۸۸۱ء از ایڈورڈ وائٹ صفحہ ۶۲، الہ آباد ۱۸۸۲ء)۔ اکثر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوقات مقامی حالات بھی اسلام کی ترقی کے لیے سازگار ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ ترائی کی بعض بستیوں میں، جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد تقریباً برابر ہوتی ہے، اگر کبھی مسلمانوں کا شمار بڑھ گیا تو گاؤ کشی کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی باتوں سے، جو ہندوؤں کو ناگوار گزرتی ہیں، فساد برپا ہو جاتے ہیں۔ ہندو رفتہ رفتہ گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے صرف چمار کاشت کار چھوڑ جاتے ہیں جو مسلمان زمینداروں کی ملازمت میں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ آخرکار اپنے آقاؤں کا مذہب اختیار کر لیتے ہیں اور دلی اعتقاد سے نہیں، تنہائی اور علیحدگی کی تکلیف سے بچنے کے لیے مسلمان ہو جاتے ہیں۔

نیچ ذات کے ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی بعض نمایاں مثالیں اودھ کے زرعی اضلاع میں بھی ملتی ہیں۔ اگرچہ اس صوبے کے مسلمان کل آبادی کا صرف دسواں حصہ ہیں لیکن جہاں کہیں بھی مسلمان کاشت کاروں کے گروہ موجود ہیں، وہ گویا اس بغاوت کے متفرق مرکز ہیں جو نیچ ذاتوں پر ہندوؤں کے حقارت آمیز ظلم وستم کے خلاف برپا ہوتی ہے۔ کوری اور چمار قوموں کے لوگ ہندو سماج کے نہایت ادنیٰ طبقے شمار ہوتے ہیں۔ ان کو قبول اسلام سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اعلیٰ ذاتوں کی بدسلوکی سے جس طرح نجات ملتی ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے ہو سکتا ہے جس میں ان کی سماجی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے:

''کوری، چمار، جولاہے اور موچی، ان قوموں کی بدحالی اور ذلت وخواری اسفل السافلین کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ ان میں اکثر لوگ، جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں، عملی طور پر غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں اتنی ہمت نہیں کہ انگریزی عدالتوں میں جا کر اس کے خلاف فریاد کریں۔ وہ اور ان کی اولاد نسل در نسل دوسرے کے قبضے میں اس طرح چلی آتی ہے جیسے کوئی خرید کردہ مال ہو۔ وہ اپنے برہمن اور چھتری مالکوں کے لیے ہل جوتتے ہیں جو اپنی اونچی ذات کے غرور میں ہل کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ وہ گاؤں سے دور الگ جگہوں میں سوروں کے باڑے کے پاس رہتے ہیں اور سوروں سے بھی ناپاک سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ فاقہ کشی کے قریب رہتے ہیں۔ ان کے بدن نحیف ونزار، رنگ سیاہ اور صورتیں بدہیئت ہیں اور چہرے پر بے وقوفی کے آثار نمایاں ہیں، ان کی نفرت انگیز اور ناپاک عادات سے ان کی بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہے جس نے ان کو ذلت وخواری کے درجے پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ انسان ہو کر بھی حیوانوں اور جانوروں سے بھی بدتر شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ترقی کرنے کے قابل ہیں کیونکہ ان کے بہت سے آدمیوں نے اصطبل کی نوکریوں میں اپنے تئیں مفید اور ہوشیار نوکر ثابت کیا ہے۔ وہ اچھی تنخواہیں پاتے ہیں اور یورپی آقاؤں کی ملازمت میں اچھی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا قوموں کے لیے اپنی بدحالی سے چھٹکارا پانے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنا مذہب تبدیل کریں کیونکہ ان کو اپنے موجودہ مذہب کے ساتھ وفادار رہنے کی کوئی معقول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ نظر نہیں آتی۔'' (گزیٹر صوبہ اودھ، جلد اول صفحہ ۱۹)۔

اسلام ذات پات کی تمیز اور طبقاتی منافرت کو روا نہیں رکھتا۔ ہندوستان میں اسلام کو اسی بات سے حقیقی قوت حاصل ہوئی ہے اور اس کی بدولت اس نے ہندوؤں کو اس کثرت سے اپنا حلقہ بگوش بنایا ہے۔

ہندوستان میں دعوتِ اسلام کی تاریخ مکمل کرنے کے لیے یہ بیان کرنا باقی ہے کہ کشمیر میں اسلام کیسے پھیلا اور پھر وہاں سے ہندوستان کی سرحدوں کو عبور کر کے اس نے تبت میں کیسے اشاعت پائی؟ صوبہ سندھ کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کے مقابلے میں کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد وہاں کی کل آبادی کی نسبت سے سب سے زیادہ یعنی سترفی صد ہے۔ کشمیر کے اکثر مسلمان ہندی یا تبتی اصل سے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ایسے تاریخی واقعات اور معلومات کی بہت کمی ہے جن سے اس بات کی تشریح ہو سکے کہ کشمیر کے لوگ اس کثرت سے کیسے مسلمان ہوئے؟ لیکن جس قدر تاریخی شہادتیں دستیاب ہیں، ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت فقیروں اور درویشوں کی مسلسل تبلیغی کوششوں سے ہوئی اور ان میں وہ اسماعیلی داعی بھی شامل ہیں جو الموت سے یہاں بھیجے گئے تھے۔ (Khoja Vrttant: P. 14)

یہ بتانا مشکل ہے کہ کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کب شروع ہوئی۔ مشہور روایت یہ ہے کہ کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ صدرالدین ہوا ہے۔ (ایک دوسری روایت کے مطابق اس بادشاہ کا نام شمس الدین تھا۔ تاریخ رشیدی از محمد حیدر، صفحہ ۴۳۳)۔ اس نے چودہویں صدی کے شروع میں ایک درویش بلبل شاہ کی تلقین سے اسلام قبول کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ اپنے قدیم مذہب ہندومت سے مطمئن نہیں تھا اور ایک بہتر اور زیادہ قابلِ قبول مذہب کی تلاش میں رہتا تھا۔ صرف بلبل شاہ ہی ایسا مرشد تھا جس کی تبلیغ سے اس نے دینِ برحق کی طرف رہنمائی حاصل کی اور اس کے ذریعے روحانی تسکین پائی۔ اسی صدی کے آخر یعنی ۱۳۸۸ عیسوی میں سید علی ہمدانی کی آمد سے اسلام نے کشمیر میں بڑی ترقی پائی۔ سید علی شہر ہمدان (ایران) کے رہنے والے تھے لیکن امیر تیمور کے عتاب کی وجہ سے ان کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ان کے ہمراہ سات سو سادات تھے جنہوں نے ملک بھر میں خانقاہیں قائم کیں اور اپنے روحانی اثر سے نئے دین کو وہاں کے باشندوں میں مقبول بنایا۔ اس کے بعد سلطان سکندر (۱۳۸۹ء سے ۱۴۱۷ء) کا زمانہ آیا جس نے ہندوؤں کے بتوں اور بت خانوں کو توڑا اور بت شکن کا لقب پایا۔ اس کے وزیراعظم نے، جو ہندو سے مسلمان ہوا تھا، ہندوؤں پر بڑے ظلم کیے لیکن سلطان کی وفات کے بعد مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول اس کی مملکت میں دوبارہ جاری ہو گیا۔ (فرشتہ، جلد چہارم صفحات ۴۶۴، ۴۶۹)۔ پندرہویں صدی کے خاتمے کے قریب ایک مبلغ میر شمس الدین، جو شیعہ مذہب رکھتے تھے، عراق سے آئے اور اپنے مریدوں کی مدد سے انہوں نے کشمیر کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اکبر بادشاہ کے عہد میں کشمیر مغلیہ سلطنت کا صوبہ بن گیا تو اس سے فطری طور پر اسلامی اثرات اور زیادہ مستحکم ہوگئے اور بہت سے علمائے دین کشمیر میں وارد ہوئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں کشتوار کا راجپوت راجا، سید شاہ فرید الدین کی کرامات دیکھ کر مسلمان ہوگیا اور اس کے قبولِ اسلام سے اس کی بہت سی رعایا بھی مسلمان ہوگئی۔ شاہانِ مغلیہ جس راستے سے کشمیر جاتے تھے، اس راستے پر ایسے راجے اب تک موجود ہیں جو نومسلم راجپوتوں کی اولاد ہیں۔

(F Drew: The Jummoo and Kashmir Territories: PP. 58, 155, London 1875)۔

کشمیر کے شمال اور شمال مشرق میں بلتستان اور لداخ کے علاقے ہیں جہاں ایک مخلوط تبتی نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں کئی صدیوں سے اسلام مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے۔ لیکن ہمیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ اسلام یہاں کب اور کیسے پھیلا؟ بلتستان کے مسلمانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے ملک میں خراسان سے چار بھائی آئے تھے اور انہوں نے اسلام کو ایک نئی زندگی دی تھی۔ لیکن اولین مبلغوں کے متعلق ان کے ہاں کوئی روایت نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک اسلام یہاں برابر ترقی کرتا رہا لیکن جب مہاراجا رنبیر سنگھ والئ کشمیر نے بدھ مت کے پیروؤں کی حوصلہ افزائی کی تو اس سے اسلام کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ لداخ میں ایک مخلوط قوم کے لوگ آباد ہیں جو ارغون کہلاتے ہیں۔ وہ تبتی عورتوں کے بطن سے ہیں لیکن ان کے باپ مسلمان تاجر تھے جو لیہ میں آئے تھے اور انہوں نے تبتی عورتوں سے شادیاں کر کے ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی۔ یہ تمام ارغون مسلمان ہیں اور اپنے باپ دادا کی طرح تبتی عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خالص تبتی نسل کے لوگوں کے مقابلے میں ان کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ کشمیری تاجروں نے اسلام کو تبت خاص میں پہنچا دیا ہے اور ان مسلمان تاجروں کی بستیاں ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ تبتی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اور یہ عورتیں اکثر اوقات اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت تبت کے دار الحکومت لہاسہ میں مسلمانوں کے دو ہزار خاندان آباد ہیں۔ اسلام تبت میں چین کے صوبے یونان کی طرف سے بھی داخل ہوا ہے اور سو چنگ کے مقام میں، جو تبت اور صوبہ سی چون کی سرحد پر واقع ہے، تبتی باشندوں میں سے بعض لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایران اور ترکستان سے بھی اسلامی اثرات تبت میں آئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب

چین میں اسلام کی اشاعت

روایت ہے کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''علم کی جستجو کرو اگر چہ وہ علم چین میں ہو۔'' (کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۲۰۲)۔ اگر چہ اس روایت کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے تاہم یہ بات بہت ممکن ہے کہ چین کا نام آں حضرتؐ کو معلوم ہو کیونکہ آپؐ کی پیدائش سے بہت پہلے ہی بلادِ عرب اور چین کے درمیان تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ دیارِ عرب ہی کے واسطے سے مشرقی ملکوں کی بیشتر پیداوار شام اور مشرقی بحیرہ روم کی بندرگاہوں میں پہنچتی تھی۔ چھٹی صدی عیسوی میں چین اور بلادِ عرب کے درمیان سیلون کے راستے سے خاصی تجارت ہوتی تھی۔ ساتویں صدی کے شروع میں چین، ایران اور عرب کی باہمی تجارت مزید وسیع ہو گئی اور سیراف کا شہر، جو خلیج فارس میں ہے، چینی تاجروں کی سب سے بڑی تجارت گاہ بن گیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب تانگ خاندان (۶۱۸ء سے ۹۰۷ء) کے عہد کی چینی تواریخ میں سب سے پہلے عربوں کا ذکر آتا ہے۔ (Bretschneider: (2) P.6)۔ چنانچہ یہ تاریخیں مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کا ذکر کرتی ہیں اور ارکان اسلام کو مختصر طور پر بیان کرتی ہیں۔

صوبہ کوانگ تنگ کی تاریخ میں چین میں مسلمانوں کی آمد کا اس طرح تذکرہ کیا گیا ہے: ''تانگ خاندان کے ابتدائی عہد میں انام، کمبوڈیا، مدینہ اور دوسرے ملکوں سے بہت سے اجنبی لوگ کانٹن میں وارد ہوئے۔ یہ اجنبی خدا کی پرستش کرتے تھے اور ان کی عبادت گاہوں میں نہ تو کوئی بت تھا اور نہ کوئی مورتی۔ مدینہ کی مملکت ہندوستان کے قریب ہے اور یہی وہ سلطنت ہے جس میں ان اجنبی لوگوں کے مذہب نے، جو بدھ مت سے مختلف ہے، ظہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا تھا۔ وہ سور کا گوشت نہیں کھاتے، شراب نہیں پیتے اور اس جانور کے گوشت کو ناپاک سمجھتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے۔ آج کل وہ ہوئی کہلاتے ہیں۔ (Deveria: P. 311: Mission d, Olone P. 420) شہنشاہ کی اجازت سے وہ کانٹن میں رہتے ہیں جہاں انہوں نے عالیشان مکان بنا لیے ہیں جن کا طرز تعمیر ہمارے ملک کے طرز تعمیر سے مختلف ہے۔ وہ بہت دولت مند ہیں اور اپنے ہی سردار کا حکم مانتے ہیں جس کو وہ خود منتخب کرتے ہیں۔'' (De Thiersant: Vol I, PP. 19, 20)۔

اگرچہ کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں (چین کے مسلمانوں کے متعلق ہماری معلومات غیر یقینی ہیں۔ اس بارے میں ایک فرانسیسی مصنف دالون نے ان الفاظ میں اعتباہ کیا ہے: ''چینی مسلمانوں کے بارے میں صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں کہ اسلام چینی سلطنت میں کب اور کیسے پھیلا اور اس نے وہاں کتنے پیروکار جمع کیے۔ وہاں کے مسلمان صحیح العقیدہ ہیں یا نہیں؟ ان کی تنظیم کیسی ہے اور کیا باقی عالم اسلام کے ساتھ ان کے تعلقات قائم ہیں یا نہیں؟'' عربی اور فارسی کتابوں میں اس ضمن میں جو حوالے پائے جاتے ہیں، پروفیسر شیفیر نے انہیں ایک تالیف میں جمع کر دیا ہے)۔ چین میں اسلام غالباً سب سے پہلے ان تاجروں کے ذریعے داخل ہوا تھا جو قدیم بحری راستے سے یہاں آئے تھے۔ سب سے قدیم تاریخی تحریر میں، جس پر ہم اعتقاد کر سکتے ہیں، ان سفارتی تعلقات کا ذکر آیا ہے جو خشکی کے راستے ایران کے توسط سے قائم ہوئے تھے۔ جب ایران کے ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ یزدگرد ہلاک ہو گیا تو اس کے بیٹے فیروز نے عرب حملہ آوروں کے خلاف اہل چین سے مدد طلب کی لیکن فغفور چین نے جواب دیا کہ ایران کا ملک اتنی دور ہے کہ وہاں کوئی لشکر نہیں بھیجا جا سکتا۔ لیکن روایت ہے کہ اس نے اپنا ایک سفیر دربار خلافت میں روانہ کیا تھا اور مفرور شہزادے کے حق میں سفارش کی تھی۔ اس سفیر کو غالباً یہ حکم بھی ملا تھا کہ وہ اس نئی سلطنت کی وسعت اور قوت کا حال معلوم کرے جو مغربی ممالک میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب یہ چینی سفیر ۶۵۱ عیسوی میں واپس ہوا تو خلیفہ عثمانؓ نے اس کے ہمراہ اپنا ایک عرب سپہ سالار روانہ کیا تھا اور فغفور نے اس کا تعظیم و تکریم کے ساتھ استقبال کیا تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ء سے ۷۱۵ء) کے عہد میں جب مشہور عرب سپہ سالار قتیبہ بن مسلم خراسان کا والی مقرر ہوا تو اس نے دریائے جیحوں کو عبور کر کے ترکستان پر چڑھائی کر دی اور بخارا، سمرقند اور دوسرے شہر یکے بعد دیگرے تسخیر کر لیے اور اپنی فتوحات کا قدم سلطنت چین کی سرحدوں تک بڑھایا۔ ۷۱۳ عیسوی میں اس نے فغفور کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور عرب مورخوں کا بیان ہے کہ فغفور نے ان کو قیمتی تحائف دے کر واپس بھیجا۔ چینی تواریخ میں لکھا ہے کہ چند برسوں کے بعد ایک سفیر، جس کا نام سلیمان تھا، ۷۲۶ء میں خلیفہ ہشام اموی کی طرف سے شہنشاہ سوان سنگ کے دربار میں آیا۔ عرب اور چینی سلطنت کے ان سفارتی تعلقات نے اس شہنشاہ کے عہد کے آخر میں ایک نئی اہمیت اختیار کر لی۔ جب ایک باغی نے غلبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کر کے اس کو تخت سے اتار دیا تو وہ اپنے بیٹے سو سنگ (۷۵۶ عیسوی) کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ سو سنگ نے خلیفہ المنصور عباسی سے امداد کی درخواست کی اور خلیفہ نے اس کے جواب میں عربوں کی ایک فوج بھیجی اور شہنشاہ نے اس فوج کی مدد سے اپنے دو صدر مقام سی نگان فو اور ہونا نفو باغیوں سے واپس لے لیے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو یہ عرب فوجی اپنے وطن کو واپس نہ گئے بلکہ انہوں نے چین میں شادیاں کر لیں اور وہیں آباد ہو گئے۔ ان کے چین میں آباد ہونے کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ وہ واپس وطن چلے گئے تھے لیکن ان کو وہاں رہنے کی اس بنا پر اجازت نہ دی گئی کہ وہ ایک مدت تک ایک ایسے ملک میں قیام پذیر رہ چکے تھے جہاں لوگ سور کا گوشت کھاتے تھے، اس لیے وہ چین کو واپس چلے گئے۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ جب وہ کانٹن میں بلاد عرب جانے کے لیے جہاز میں سوار ہونے کی غرض سے تیار تھے کہ لوگوں نے انہیں دوران جنگ میں لحم خنزیر کھانے کا طعنہ دیا، اس لیے انہوں نے وطن جانے سے انکار کر دیا مبادا کہ ان کے اہل وطن ان کو ویسا ہی طعنہ دیں۔ جب کانٹن کے حاکم نے ان کو مجبور کرنا چاہا تو انہوں نے اپنے ہم مذہب عرب اور ایرانی تاجروں سے مل کر شہر کی بڑی بڑی دکانوں کو لوٹ لیا اور حاکم نے شہر کی فصیل میں پناہ لے کر جان بچائی۔ آخر شہنشاہ نے ان فوجیوں کو ملک میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ان کو مختلف شہروں میں مکان اور زمینیں عطا کیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور چینی عورتوں سے شادیاں کر لیں۔ (De Thiersant: PP. 70,71)۔

چینی مسلمانوں کے ہاں یہ روایت مشہور ہے کہ چین میں سب سے پہلے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک ماموں نے اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کی قبر کانٹن میں موجود ہے اور مسلمان اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ لیکن اس روایت کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے اور یہ روایت زمانہ مابعد کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تہ میں بلاشبہ یہ خواہش مخفی معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے، چین میں اسلام کے داخلے کو عہد رسالت کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ جو ملک اسلامی مرکزوں سے دور ہیں، وہاں بھی اسی قسم کی روایتیں مشہور ہیں۔ (ختن (مشرقی ترکستان) کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے ملک میں سب سے پہلے حضرت جعفرؓ اسلام کا پیغام لائے تھے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کے چچازاد بھائی تھے)۔

لیکن اس بات کی واضح شہادت موجود ہے کہ تانگ خاندان کے عہد میں چین میں مسلمان موجود تھے، خاص طور پر بندرگاہوں میں مسلمان تاجر پائے جاتے تھے۔ چنانچہ اس عہد (۷۱۳ء سے ۷۴۲ عیسوی) کا ایک چینی سیاح لکھتا ہے: ''مغرب کے وحشیوں کے گروہ کے گروہ مملکتِ وسطیٰ میں وارد ہوئے۔ وہ کم از کم ایک ہزار کوس اور ایک سو ملکوں سے طوفان کی طرح امڈ آئے اور اپنی مقدس کتابیں بطور خراج لائے۔ ان کتابوں کو وصول کر کے شاہی محل کے اس ایوان میں رکھ دیا گیا جو مقدس مذہبی کتابوں کے تراجم کے لیے مخصوص ہے۔ اس طرح اس عہد سے ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف ملکوں کے مذہبی عقاید (چین میں) پھیل گئے اور تانگ کی سلطنت میں لوگ ان پر علانیہ عمل کرنے لگے۔" (De Thiersant: Vol I, P. 153)۔ ایک عرب جغرافیہ دان نے ۸۵۱عیسوی ان بستیوں کی تفصیل لکھی ہے اوران مسجدوں کی کیفیت بیان کی ہے جوان تاجروں نے عبادت کے لیے حکومت کی اجازت سے تعمیر کی تھیں۔ اس نے لکھا ہے کہ جہاں تک اسے معلوم ہے، کسی چینی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ قول قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اس نے یہی بات ہندوستان کے متعلق کہی ہے اور ممکن ہے کہ ان دونوں ملکوں کے بارے میں اس کی معلومات یکساں طور پر ناقص ہوں۔

لیکن چین کے مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمی کی یقیناً کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے۔ تیرہویں صدی کی تاتاری فتوحات کے زمانے تک ان کے متعلق ہمارے پاس بہت کم معلومات ہیں۔ ان فتوحات کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عرب، ایرانی، ترک اور دوسری قوموں کے مسلمان چینی سلطنت میں چلے آئے۔ (بعض چین میں نقل مکانی کر کے اسلامی ملکوں میں آباد ہو گئے تھے اور اسلامی اثرات سے متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک چینی بھکشو، جس نے ۱۲۲۱ء سے ۱۲۲۴عیسوی تک وسط ایشیا میں ایران تک سیاحت کی تھی، اپنے روزنامچے میں سمرقند کے بارے میں لکھتا ہے کہ چینی کاریگر ہر جگہ پائے جاتے ہیں)۔ ان میں سے بعض تاجر تھے، بعض کاریگر، بعض فوجی اور بعض نوآبادکار تھے اور بعض ایسے تھے جو لڑائی میں بطور قیدی پکڑے ہوئے آئے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ دائمی طور پر اس ملک میں آباد ہو گئے اور انہوں نے ایک کثیر اور خوشحال جماعت کی صورت اختیار کر لی۔ وہ چینی عورتوں سے شادیاں کر کے اپنی اصلی قومی خصوصیات کو بتدریج کھو بیٹھے۔ تاتاری حکمرانوں کے عہد میں کئی مسلمان اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ مثال کے طور پر ۱۲۴۴عیسوی میں عبدالرحمٰن سلطنت کے محکمہ مالیات کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا اور اس نے اہل چین کے محاصل کی لگان بندی کی۔ (Howorth: Vol I, P 161)۔ جب قوبلائی خان ۱۲۵۹عیسوی میں تخت نشین ہوا تو اس نے عمر شمس الدین کو، جو بخارا کا رہنے والا اور سید اجل کے نام سے مشہور تھا، محکمہ مال کا منتظم بنایا اور جب یونان کا صوبہ فتح ہو کر چینی سلطنت میں شامل ہوا تو سید اجل اس کا والی مقرر ہوا۔ سید اجل نے ۱۲۷۰ء میں انتقال کیا اور ایک روشن ضمیر اور عادل حاکم کی حیثیت سے اس نے بڑی شہرت پائی۔ اس نے یونان کے شہر میں کنفوشس کے پیروکاروں کے لیے مندر اور مسلمانوں کے لیے مسجدیں تعمیر کیں۔ (Broomhall: P. 127)۔

سید اجل کی اولاد نے چین میں اسلام کو مستحکم کرنے میں بڑا حصہ لیا چنانچہ اس کے پوتے نے ۱۳۳۵عیسوی میں خاقان سے یہ اقرار کروایا کہ اسلام "ایک سچا اور پاک مذہب" ہے اور اس کے لیے یہ نام آج تک مستعمل ہے۔ سید اجل کی اولاد میں سے ایک اور شخص کو شہنشاہ نے ۱۴۲۰ء میں سی تان فو اور نانکن کے صدر مقامات میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجدیں تعمیر کرنے کی اجازت دی۔(Mission d' ollone: PP. 435-36)۔

قوبلائی خان کے عہد کے چینی مورخ اس بات کے شاکی ہیں کہ اس نے ترکوں اور ایرانیوں کی جگہ چینیوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر نہیں کیا۔ چینی سلطنت میں سید اجل کو جو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا اور منگول فتوحات کے بعد چین اور مغربی ملکوں کے درمیان آمد و رفت میں جو آسانیاں پیدا ہوئیں، ان اسباب سے بہت سے ترک اور ایرانی شمالی چین میں چلے آئے۔ غالباً ان ہی مہاجرین کی وجہ سے ان مسلمان جماعتوں کی ابتدا ہوئی جنہوں نے بعد میں چین کے بہت سے حصوں میں بڑی اہمیت اختیار کر لی۔ مارکو پولو، جو ۱۲۵۷ء سے ۱۲۹۲ عیسوی تک چین میں مقیم رہا اور جس پر قوبلائی خان بہت مہربان تھا، یونان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔ (Marco Polo: Vol I, PP 219,274)۔ چودھویں صدی کے شروع میں ایک معاصر مورخ کے بیان کے مطابق یونان کے صدر مقام تلیغو کے تمام باشندے مسلمان تھے۔ (رشید الدین صفحہ ۹)۔ ابن بطوطہ، جس نے چودھویں صدی کے وسط میں ساحل چین کے کئی شہروں کی سیاحت کی تھی، لکھتا ہے کہ اس کے ہم مذہب لوگوں نے ہر جگہ اس کا کشادہ دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ (جلد چہارم، صفحات ۲۷۰، ۲۸۳)۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے: ''ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک خاص محلہ ہے جس میں صرف مسلمان رہتے ہیں اور جہاں ان کی مسجدیں ہیں اور چینی لوگ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔'' (جلد چہارم، صفحہ ۲۵۸)۔

منگولوں کے دور حکومت تک مسلمانوں کو چین میں غیر ملکی سمجھا جاتا تھا لیکن چودھویں صدی کے آخر میں جب منگول حکمرانوں کو ملک سے نکال دیا گیا تو چین کے مسلمانوں کی تعداد میں نو واردوں کے ذریعے اضافہ نہ ہو سکا کیونکہ چین کی حکومت نے اب دیگر ملکوں اور قوموں سے الگ تھلگ رہنے کی پالیسی اختیار کر لی تھی۔ اس طرح جب چین کے مسلمانوں کے تعلقات باہر کے اسلامی ملکوں سے منقطع ہو گئے تو وہ چینی عورتوں سے شادیاں کر کے اور چینی رسم و رواج اختیار کر کے دیسی باشندوں کے سواد اعظم میں آہستہ آہستہ مدغم ہو گئے۔ منگ خاندان کے بانی شہنشاہ ہنگ وو نے ان کو بہت سی مراعات دیں اور اس خاندان کے عہد حکومت (۱۳۶۹ء سے ۱۶۴۴ عیسوی) تک ان کو جو خوشحالی نصیب ہوئی، وہ ان مسجدوں سے ثابت ہے جو اس دور میں تعمیر ہوئی تھیں۔

منگ خاندان کے بادشاہوں نے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے اور تیموری فرماں رواؤں کے ساتھ کئی مرتبہ سفیروں کا تبادلہ کیا۔ ان میں سے ایک سفارت اشاعتِ اسلام کی تاریخ کے لحاظ سے دلچسپ ہے کیونکہ جب ایک چینی سفیر شاہ رخ بہادر کے دارالحکومت سمرقند میں وارد ہوا تو شاہ رخ نے ۱۴۱۲ء میں جو جوابی مراسلہ ارسال کیا، اس میں فغفور چین کو قبولِ اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ جب چینی سفیر واپس ہوئے تو شاہ رخ نے اپنا قاصد ان کے ہمراہ روانہ کیا اور اس کے ہاتھ دو مراسلے بھیجے۔ ان میں سے ایک خط عربی زبان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ!

رسول خدا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو احکام الٰہی کو قائم رکھے گی۔ جو شخص ان کو چھوڑ دے گا یا ان کی مخالفت کرے گا، کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آدمؑ اور اس کی ذریت کو پیدا کرے تو اس نے کہا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ لوگ مجھے جانیں پہچانیں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ مجھے پہچانے۔ سو معلوم ہوا کہ نوع انسان کو پیدا کرنے میں خدا کی حکمت یہ تھی کہ (اس کی قدرت بڑی ہے اور اس کا بول بالا ہے) کہ معرفتِ الٰہی کے آثار کو زندہ کرے اور ہدایت اور ایمان کے جھنڈوں کو بلند کرے۔ خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام مذاہب پر غالب کرے اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند کریں، نیز اس لیے کہ وہ لوگوں کو احکامِ شریعت اور حلال وحرام کی تعلیم دے۔ اور خداوند کریم نے اپنے رسولؐ کو قرآن مجید بطور معجزہ عطا کیا تا کہ منکروں کو لاجواب کردے اور مباحثے اور مناظرے میں ان کے منہ بند کردے۔ اور خدا نے اپنی پوری مہربانی اور مکمل ہدایت کے ساتھ اس کے آثار کو روز قیامت تک بقا دی ہے، اور اس نے اپنی قدرت سے ہمیشہ کے لیے مشرق ومغرب کے تمام ملکوں میں ایک ایسے ذی مقدرت سلطان کی حکومت کو قائم کیا ہے جو لشکر جرار کا مالک ہے تا کہ وہ رعایا کے ساتھ عدل واحسان کا سلوک کرے اور ان کو امن وامان دے، ان کو نیکی کا حکم دے، ان کو برائی اور سرکشی سے روکے، شریعتِ اسلامی کے جھنڈے کو بلند کرے، ان کے ہاں شرک اور کفر کو دور کر کے توحید کو قائم کرے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ہم کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم شریعت مطہرہ کے قوانین اور احکام دین کے نفاذ میں کوشاں رہیں۔ اور الحمد اللہ ہم نے حکم دیا ہے کہ رعایا کے تمام مقدمات اور معاملات کا فیصلہ شریعتِ نبویہ کے مطابق کیا جائے اور ہر ملک میں مساجد اور مدارس تعمیر کیے جائیں، خانقاہیں اور عبادت گاہیں بنائی جائیں مبادا کہ علوم وفنون مٹ جائیں اور شریعت کے آثار اور دستور محو ہو جائیں۔ دنیا کی بقا اور حکومت وسلطنت کا دوام اس بات پر موقوف ہے کہ حق وصواب کی اعانت کی جائے اور روئے زمین سے شرک وکفر کو مٹایا جائے تا کہ خیر وبرکت کی توقع کی جاسکے۔ لہٰذہ ہم آں جناب سے اور آپ کے ارکانِ دولت سے یہ التماس کرتے ہیں کہ آپ امور مذکور بالا میں ہماری موافقت کریں اور شریعتِ اسلامیہ کی بنیادیں مضبوط کرنے میں ہمارے ساتھ شرکت کریں اور آپ ایلچی اور قاصد روانہ کریں اور مسافروں اور تاجروں کے لیے راستے کھلے رکھیں تا کہ محبت اور الفت کے ذرائع اور دوستی اور اتحاد کے وسائل مضبوط ہوں اور تمام ملکوں کی رعایا راحت وآرام پائے اور لوگوں کے تمام طبقوں کے اسباب معیشت درست رہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ رخ بہادر کا دوسرا خط فارسی میں تھا اور اس میں صراحت کے ساتھ تبلیغ دین کی گئی تھی۔ خط کا متن حسب ذیل ہے:

جب خداوند نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے آدم کو پیدا کیا اور اس کے بعض فرزندوں کو رسول اور پیغمبر بنایا اور ان کو لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ ان کو سچائی کی طرف بلائیں اور ان پیغمبروں میں سے بعض کو مثلاً ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داوٗدؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب دی اور شریعت کی تعلیم دی اور لوگوں سے فرمایا کہ وہ شریعت پر عمل کریں اور ان کے دین پر قائم رہیں۔ ان تمام پیغمبروں نے لوگوں کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی اور ان کو سورج، چاند، ستاروں، بتوں اور شیطان کی پرستش سے روکا۔ اگرچہ ان پیغمبروں میں سے ہر ایک کی مخصوص شریعت تھی لیکن خدا کی یکتائی کے بارے میں سب متفق تھے۔ جب پیغمبری کی نوبت ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچی تو دوسری شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور آپ پیغمبر آخرالزمان ٹھہرے۔ لہٰذہ تمام اہل عالم کو یعنی سلطان ووزیر، امیر وفقیر، صغیر وکبیر کو آپؐ کی شریعت پر عمل کرنا چاہیے اور گزشتہ ملتوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے اور مسلمانی اسی سے عبارت ہے۔

اس سے پیشتر چند سال ہوئے چنگیز خان نے خروج کیا اور اپنے بعض فرزندوں کو مختلف ولایتوں اور ملکوں کی طرف بھیجا۔ چنانچہ جوچی خان کو سرائے، کریمہ اور دشت قبچاق کی جانب روانہ کیا۔ وہاں بھی بعض بادشاہ مثل اوزبک، جانی خان اور ارس خان اسلام پر قائم تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ ہلاکو خان کو خراسان، عراق اور ان کے قریبی ملکوں پر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد اس کے فرزندان ملکوں کے حکمران رہے۔ آخرکار شریعتِ محمدی کے آفتاب نے ان کے دلوں پر طلوع کیا اور وہ سعادتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور دار آخرت کو سدھار گئے۔ مثلاً پادشاہ راست گو غازان خان، اولجایتو سلطان اور ابوسعید بہادر۔ آخر جب حکومت، فرماں روائی، سلطنت اور کامرانی میرے باپ مخدومی امیر تیمور گورگاں تک پہنچی تو انہوں نے بھی تمام ملکوں میں شریعت محمدی پر عمل کیا اور ان کے عہد حکومت میں اسلام اور اہل اسلام نے خوب رونق پائی۔ ان ایام میں جب کہ خدا کے لطف وکرم سے خراسان، ماوراالنہر اور عراق وغیرہ کے ملکوں کی حکومت ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، ہم ان تمام ملکوں میں شریعتِ نبویہ کے مطابق فرماں روائی کرتے ہیں اور امر معروف اور نہی منکر کرتے ہیں اور چنگیز خان کے آئین متروک ہو چکے ہیں۔ جب یہ بات یقین کو پہنچ چکی ہے کہ قیامت کے روز ہماری نجات وسرخروئی اور اس دنیا میں بھی سلطنت ودولت کی کامیابی اسلام، ایمان اور عنایتِ خداوندی کے سبب سے ہے، تو ہم پر واجب ہے کہ ہم رعیت کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کریں۔ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے امید ہے کہ آپ بھی اپنے ممالک محروسہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو قوت دیں گے اور اس دنیا کی چند روزہ بادشاہی کو آخرت کی کامرانی کے ساتھ متصل کر دیں گے۔

(عبدالرزاق السمر قندی: مطلع السعدین صفحات ۶۰، ۶۱)۔

غالباً اسی قسم کے مراسلوں سے بعد میں یہ قصہ مشہور ہوا کہ چین کا ایک بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ دیگر مصنفوں کے علاوہ ایک مسلمان تاجر سید علی اکبر نے اس قصے کا ذکر کیا ہے جس نے پندرھویں صدی کے آخر میں پیکنگ میں چند سال گزارے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ چین میں بہت سے مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ چنانچہ کنجا نفو کے شہر میں مسلمانوں کے پچاس ہزار خاندان موجود تھے، ان پر ٹیکس معاف تھے، شہنشاہ ان پر مہربان تھا اور اس نے ان کو زمینیں دے رکھی تھیں۔ مسلمان اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد تھے۔ چینی لوگ اسلام کے ساتھ رواداری برتتے تھے اور لوگوں کو مسلمان ہونے کی پوری اجازت تھی۔ خود دارالحکومت میں چار بڑی مسجدیں تھیں اور سلطنت کے باقی حصوں میں نوے مسجدیں اور تھیں۔ یہ تمام مساجد بادشاہ کے صرفے سے تعمیر ہوئی تھیں۔ (شیفر: صفحات ۲۹، ۳۰ نیز زینکر: صفحہ ۷۹۶)۔

مانچو خاندان ۱۶۴۴ عیسوی میں چین میں قائم ہوا۔ اس وقت تک ہمیں مسلمانوں کی کسی بغاوت کا ذکر نہیں ملتا کیونکہ وہ اس مذہبی آزادی سے پوری طرح مطمئن نظر آتے ہیں جو ان کو حاصل تھی۔ لیکن نئے خاندان کے برسراقتدار آنے کے بعد مشکلات کا آغاز ہوا اور ۱۶۴۸ء میں کانسو کے صوبے میں بغاوت برپا ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے چینی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اس قسم کی جو بغاوت انیسویں صدی میں برپا ہوئی، اس سے بڑے پر مصائب نتائج پیدا ہوئے ورنہ اس وقت تک چینی مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے درمیان قریبی دوستانہ تعلقات چلے آرہے تھے۔ چین کی حکومت اور اس کی مسلمان رعایا کے باہمی تعلقات کے بارے میں جو سرکاری رائے تھی، اس کا اظہار اس فرمان سے ہوتا ہے جو شہنشاہ یونگ چن نے ۱۷۷۱ء میں شائع کرایا تھا: ''ہماری سلطنت کے ہر صوبے میں صدہا سال سے بہت سے مسلمان موجود ہیں۔ وہ ہماری رعایا کا ایک حصہ ہیں اور ہم دیگر رعیت کی طرح ان کو بھی مثل اولاد کے سمجھتے ہیں۔ ہم ان مسلمانوں میں اور ان لوگوں میں، جو ان کے مذہب پر نہیں ہیں، کچھ فرق اور امتیاز نہیں کرتے۔ ہمیں بعض حکام کی طرف سے ان مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی شکایتیں پہنچی ہیں کہ ان کا مذہب دوسرے چینیوں کے مذہب سے مختلف ہے۔ مسلمان وہ زبان نہیں بولتے جو اور چینی بولتے ہیں اور ان کا لباس بھی دوسرے لوگوں کے لباس سے مختلف وضع قطع کا ہے۔ ان پر نافرمانی، گستاخی اور باغیانہ خیالات کا الزام لگایا گیا ہے اور ہم سے درخواست کی گئی ہے کہ ان کے خلاف سخت اقدامات کیے جائیں۔ لیکن ان شکایات اور الزامات کی تحقیق کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں۔ مسلمان جس مذہب کی پیروی کرتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے آباء واجداد کا دین ہے۔ یہ بات درست ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کی زبان دیگر چینیوں کی زبان کی مثل نہیں ہے لیکن چین کی مملکت میں بہت سی مختلف زبانیں رائج ہیں۔ باقی رہیں ان کی عبادت گاہیں، ان کا لباس اور ان کا رسم الخط جو دوسرے چینیوں سے الگ ہے، سو یہ معاملات اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ محض رسم ورواج کی باتیں ہیں۔ ان کا چال چلن ایسا ہی اچھا ہے جیسے ہماری دوسری رعایا کا ہے، اور کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔ لہٰذہ ہماری یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے مذہب کی پیروی میں آزاد رہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیک زندگی بسر کرنے اور اپنے معاشرتی اور ملکی فرائض ادا کرنے کی تلقین کی جائے۔ یہ مذہب ہماری حکومت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرتا ہے، اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔ اگر مسلمان اپنے تیئں نیک اور وفادار رعایا ثابت کرتے رہیں تو ان پر ہمارا لطف وکرم ایسے ہی جاری رہے گا جیسے ہماری دوسری اولاد پر ہے۔ مسلمانوں میں بہت سے سول اور فوجی عہدے دار پیدا ہوئے ہیں جو اعلیٰ منصبوں تک پہنچے ہیں۔ یہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ انہوں نے ہماری رسوم وعادات کو اختیار کرلیا ہے اور ہماری مقدس کتابوں کی تعلیم کے ساتھ موافقت کرتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح ادب کے امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں اور قانون کی مقررہ قربانیاں دیتے ہیں۔ غرض وہ ہمارے عظیم چینی کنبے کے سچے ارکان ہیں جو اپنے مذہبی، ملکی اور سیاسی فرائض ادا کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ جب حکام کے سامنے کوئی دیوانی مقدمہ پیش ہو تو ان کو فریقین کے مذہب وملت سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ میری پوری رعایا کے لیے صرف ایک ہی قانون ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ نیکی کریں گے، اس کا ان کو اجر ملے گا اور جو لوگ برائی کریں گے، وہ اس کی سزا پائیں گے۔'' (De Thiersant: Vol i, PP. 154-56)۔

اس بادشاہ کے ۳۰ سال بعد اس کے جانشین شہنشاہ کین لنگ نے مسلمانوں کو اپنے خاص لطف وکرم سے نوازا۔ چنانچہ اس نے دو ترک سرداروں کو، جنہوں نے کاشغر اور مملکت کے شمال مغربی حصے میں بغاوت فرو کرنے میں مدد دی تھی، امیر کے منصب پر فائز کیا اور ان کے لیے پیکنگ میں محلات تعمیر کروائے۔ شہنشاہ نے دارالحکومت میں ایک مسجد بھی بنوائی۔ یہ مسجد ان ترک امرا کے لیے تھی جو وقتاً فوقتاً دربار میں آیا کرتے تھے۔ اس میں وہ جنگی قیدی بھی نماز ادا کرسکتے تھے جو کاشغر سے پکڑے آئے تھے۔ ان قیدیوں میں ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی جو بادشاہ کی چہیتی بیگم بن گئی۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس خاطر سے شہنشاہ نے اپنے محل کے عین مقابل یہ مسجد بنوائی تھی اور محل کے باغات میں ایک کوشک بھی تیار کرایا تھا جس میں بیٹھ کر وہ کاشغری حسینہ اپنے ہم وطنوں کو نماز پڑھتے دیکھ سکتی تھی بلکہ ان کی عبادت میں شریک بھی ہوسکتی تھی۔ یہ مسجد ۶۳-۱۷۶۴ء عیسوی میں تعمیر ہوئی۔ اس میں ایک کتبہ نصب ہے جو چار زبانوں میں ہے۔ اس کی چینی عبارت خود بادشاہ نے لکھی تھی۔ (Broomhall: P. 92)۔

زنگاریہ کی بغاوت کچلنے کے بعد شہنشاہ کین لنگ نے ۱۷۷۰ء عیسوی میں چین کے دوسرے حصوں سے دس ہزار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سپاہی پیشہ لوگ مع ان کے کنبوں کے زنگاریہ میں منتقل کر دیے تھے تاکہ وہ بربادملک کو دوبارہ آباد کریں۔ زنگاریہ میں مسلمان ہر طرف موجود تھے اس لیے یہ سب لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ آیا سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی لوگ اسی طرح جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ لیکن چین کے ہر صوبے میں مسلمان آبادی موجود ہے اور اس کی توجیہ محض غیر ملکیوں کی آمد اور آبادی کی قدرتی افزائش سے نہیں کی جاسکتی۔ (De Thiersant: Vol ,i, PP. 163-64)۔ بہ ہر حال مسلمانوں کی تعداد ان صوبوں میں زیادہ ہے جہاں غیر ملکی مہمان آکر آباد ہوئے ہیں۔ یہ بات خلاف قیاس ہے کہ چین کے مسلمان، جن کو مذہبی آزادی کے علاوہ متعدد شہنشاہوں کی سرپرستی حاصل رہی ہے، اس تبلیغی جوش سے خالی رہے ہوں جو ان کے موجودہ جانشینوں میں پایا جاتا ہے۔ چین کے جو یہودی مسلمان ہوئے تھے، ان کا قبولِ اسلام بھی غالباً تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہودی قدیم زمانے سے چین میں آباد اور حکومت کے عہدوں پر فائز تھے۔ وہ بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک تھے لیکن سترہویں صدی کے آخر تک ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ (کہا جاتا ہے کہ چین کے مسلمان عام چینیوں کے مقابلے میں کثیر الاولاد ہیں اور چین کی مردم شماری کے مطابق، جس میں خاندانوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے، ہر چینی کنبے میں پانچ اور مسلمان کنبے میں چھ افراد ہوتے ہیں)۔ چین میں اسلام کی اشاعت بالکل خاموش اور چپ چاپ طریقے سے ہوئی ہوگی کیونکہ علانیہ تبلیغ سے ارباب حکومت کے دلوں میں شک وشبہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس کی تصدیق اس دلچسپ رپورٹ سے ہوتی ہے جو صوبہ خوانگ سی کے گورنر نے ۱۷۸۳ء میں روانہ کی تھی۔ اس رپورٹ کا متن یہ ہے: ''میں جہاں پناہ کی خدمت میں مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ صوبہ خوانگ سی کا ایک اوباش، جس کا نام بانفویون ہے، آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار ہوا ہے۔ جب اس شخص سے اس کے پیشے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ پچھلے دس سال کے عرصے سے سلطنت کے ہر ایک حصے میں سفر کرتا رہا ہے تاکہ اپنے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اس کے ایک صندوق سے ۳۰ کتابیں نکلی ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں خود اس کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض ایسی زبان میں تحریر ہیں جس کو یہاں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ کتابیں ایک مبالغہ آمیز اور مضحکہ خیز طریقے پر ایک مغربی بادشاہ کی ستائش کرتی ہیں جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ جب مذکورہ بالا بانفویون کو (اقبال جرم کے لیے) اذیت دی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ اس کی سیر وسیاحت کا حقیقی مقصد اس مذہب کی اشاعت ہے جس کا ان کتابوں میں بیان ہے اور وہ دیگر مقامات کی بہ نسبت صوبہ شانسی میں سب سے زیادہ عرصہ ٹھہرا ہے۔ میں نے ان کتابوں کو بذات خود دیکھا ہے۔ ان میں سے بعض یقیناً کسی غیر زبان میں لکھی ہوئی ہیں کیونکہ میں ان کو سمجھ نہیں سکا۔ لیکن جو کتابیں چینی زبان میں تحریر ہیں، وہ بہت خراب بلکہ مضحکہ خیز ہیں کیونکہ ان میں ایسے لوگوں کی مبالغہ آمیز پیرائے میں تعریف وتوصیف کی گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو اس تعریف کے یقیناً مستحق نہیں ہیں کیونکہ میں نے کبھی ان کا ذکر نہیں سنا۔ شاید بانفویون صوبہ کانسو کا کوئی باغی ہے۔ اس کا چال چلن یقیناً مشکوک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مختلف صوبوں میں دس برس تک سفر کرنے سے اس کا حقیقی مقصد کیا تھا؟ میں اس معاملے کی اچھی طرح تحقیق کرنا چاہتا ہوں لیکن اس اثنا میں حضور والا سے میری درخواست یہ ہے کہ بانفویون کے عزیزوں کے پاس چھاپنے کی جو تختیاں ہیں، وہ جہاں پناہ کے حکم سے جلا دی جائیں۔ جن لوگوں نے ان پر عبارت کندہ کی ہے، ان کو گرفتار کر لیا جائے اور جو کتابیں میں نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں روانہ کی ہیں، ان کے مصنف بھی پکڑے جائیں۔ ان کے بارے میں حضور عالی کا جو حکم ہو، اس سے مجھ کو اطلاع بخشی جائے۔'' (De Thiersant: Vo, II, PP. 361-63)۔

اس رپورٹ سے اٹھارویں صدی کے کم سے کم ایک مسلم مبلغ کی کارگزاری کی شہادت ملتی ہے۔ مسیحی مشنریوں نے اٹھارویں صدی میں چین میں اسلام کی جس ترقی کا ذکر کیا ہے، وہ غالباً براہ راست تبلیغ سے اس قدر بے تعلق نہیں ہے، جس قدر ان مشنریوں نے فرض کیا ہے۔ فرانسیسی مصنف دوبالد نے اپنی شاندار تصنیف میں جو چند جملے چینی مسلمانوں کے متعلق لکھے ہیں، ان میں وہ رقمطراز ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ قحط سالی کے زمانے میں مفلس لوگوں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں: ''مسلمان چین کے مختلف صوبوں میں چھ سو سال سے زیادہ عرصے سے آباد ہیں اور وہاں خاموشی سے زندگی بسر کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے عقاید پھیلانے اور لوگوں کو مسلمان کرنے میں زیادہ کوشش صرف نہیں کرتے۔ گزشتہ زمانے میں ان کی تعداد محض (چینی عورتوں سے) شادیاں کرنے سے بڑھی ہے۔ لیکن چند برسوں سے انہوں نے اپنے مال و دولت کے ذریعے بھی بڑی ترقی پائی ہے۔ وہ ہر جگہ غیر مسلموں کے بچوں کو خرید لیتے ہیں اور چونکہ ان بچوں کے والدین ان کے لیے خوراک مہیا نہیں کر سکتے، اس لیے وہ ان کو فروخت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ ایک قحط کے زمانے میں، جس نے صوبہ چان تو نگ کو تباہ کر دیا تھا، انہوں نے دس ہزار سے زیادہ بچے خرید لیے۔ مسلمان ان کی شادیاں کر دیتے ہیں اور پھر ان کے لیے شہر میں الگ مکان خرید لیتے ہیں یا تعمیر کر دیتے ہیں بلکہ اس طریقے سے پورے گاؤں آباد کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ رفتہ رفتہ اتنا اثر و رسوخ حاصل کر لیتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں نہ جاتا ہو، اسے اپنے محلوں میں نہیں رہنے دیتے۔ چنانچہ ان طریقوں سے انہوں نے گزشتہ صدی میں اپنی تعداد کو بڑھایا ہے۔

(فرانسیسی تصنیف: ''سلطنت چین کا جغرافیائی، تاریخی اور سیاسی بیان''، جلد سوم صفحہ ۶۴ مطبوعہ پیرس ۱۷۳۵ء)۔

کہا جاتا ہے کہ اسی طرح اس قحط کے زمانے میں، جس نے ۱۷۹۰ء میں کوان تو نگ کے صوبے کو ویران کر دیا تھا، مسلمانوں نے دس ہزار بچے خرید لیے اور چونکہ ان کے والدین ان کی پرورش کرنے سے قاصر تھے، اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے ان بچوں کو فاقہ کشی سے بچانے کے لیے ان کی جدائی گوارا کرلی۔ پھر ان تمام بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر ہوئی۔ (اینڈرسن صفحہ ۱۵۱، نیز گروسیئر جلد ششم صفحہ ۵۰۷)۔ صوبہ یونان کا ایک چینی مسلمان، جس کا نام سید سلیمان تھا، ۱۸۹۴ء میں قاہرہ میں وارد ہوا۔ یہاں ایک عربی اخبار ''ثمرات الفنون'' کے نمائندے نے اس کا انٹرویو لیا۔ سید سلیمان نے بتایا کہ اس طریقے سے مسلمانوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا ہے، وہ شمار سے باہر ہے۔ موسیو دولون نے بھی اسی طرح کی شہادت دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ چین کے تمام مسلمانوں کے ہاں قحط میں بچوں کو خرید لینے کا دستور آج تک موجود ہے۔ اس دستور کے مطابق انہوں نے ان عیسائیوں کے بچوں کو خرید لیا تھا جن کو باغیوں نے ۱۹۰۰ عیسوی میں مار ڈالا تھا اور پھر ان کو مسلمانوں کی طرح پالا تھا۔ (Mission d' ollone: P. 279)۔

چین کے مسلمانوں کا یہ عام رجحان ہے کہ وہ الگ گاؤں یا شہر میں رہتے ہیں یا شہروں میں اپنے محلے الگ کرلیتے ہیں اور جو شخص مسجد میں حاضر نہ ہوتا ہو، اسے اپنے درمیان آباد نہیں ہونے دیتے۔ (Broomhall: P. 226, Grocier: Vol iv, P. 508)۔ اگرچہ وہ اس طرح سے اپنے تئیں عوام سے ایک حد تک الگ رکھتے ہیں لیکن وہ محتاط رہتے ہیں اور اپنے دینی شعائر کی امتیازی خصوصیات کے علانیہ اظہار سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے ہمسایوں کے لیے باعثِ آزار نہ ہوں۔ چنانچہ وہ احتیاط سے کام لے کر اپنے چینی ہم وطنوں کے توہمات اور تعصبات کی بھی رعایت کرتے ہیں اور معمول کی زندگی میں اپنے ماحول کے مروجہ رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ چوٹی رکھتے ہیں اور چینیوں کا عام لباس پہنتے ہیں۔ عام طور پر وہ عمامہ صرف مسجد میں پہنتے ہیں۔ ایک خاص چینی توہم کی رعایت سے وہ بلند منارے بنانے سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ان کی مسجدیں بڑی حد تک چینی طرزِ تعمیر کے مطابق ہوتی ہیں اور بسا اوقات ان میں اور مندروں اور گھروں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا۔ (Brommhall: P. 237)۔ قانون کی رو سے ہر مسجد میں شہنشاہ کے اعزاز میں ایک تختی کا ہونا لازمی ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہوتے ہیں: ''شہنشاہ لایزال زندہ باد۔'' چین کے عام دستور کے مطابق مسلمان بھی اس تختی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ضمیر کی تسلی اور تسکین کے لیے اور بت پرستی کی تہمت سے بچنے کی غرض سے مختلف ترکیبیں اور تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔ (Broomhall: PP. 168, 228)۔ ملکِ تاتار کے چینی علاقے میں بھی، جہاں مسلمان فوجیوں کو الگ رہنے اور علیحدہ جماعت بنانے کی اجازت ہے، اعلیٰ مسلمان عہدے دار وہی لباس پہنتے ہیں جو ان کے عہدے کے لیے مقرر ہے۔ وہ لمبی مونچھیں اور چوٹیاں رکھتے ہیں، تہواروں کے موقعے پر شہنشاہ کی تصویر کے سامنے حسب معمول بندگی بجالاتے ہیں اور اپنی پیشانی تین بار زمین پر رکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Arminius Vambery: Travels in Central Asia: P 404, London 1864)۔

یہ بندگی تمام سرکاری عہدے داروں کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان حکام اور صوبوں کے دوسرے افسر تہواروں کے دنوں میں کنفوشس کے مندروں میں وہ تمام رسوم ادا کرتے ہیں جو سرکاری اہلکاروں کے لیے مقرر ہیں۔ غرض مسلمان اس بات کی ہر ممکن احتیاط کرتے ہیں کہ ان کا مذہب سرکاری مذہب سے الگ نظر نہ آئے اور اس طرح سے وہ اس نفرت سے بچ گئے ہیں جس نفرت سے چینی لوگ غیر ملکی مذاہب کے پیروکاروں مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے ہیں۔ چینی مسلمان اپنے ہم وطنوں کے سامنے اپنے مذہب کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں گویا وہ کنفوشس کی تعلیم کے مطابق ہے۔ صرف اتنا فرق جتلاتے ہیں کہ وہ شادی بیاہ اور غمی کے موقعے پر لحم خنزیر، شراب خوری، قمار بازی اور تمباکونوشی کی ممانعت اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے معاملے میں اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ (Vasil,ev: P. 16)۔ اسی طرح چینی مسلمان کنفوشس کی تصانیف اور دوسری چینی ادبی کتابوں کا احترام کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو، کنفوشس کی تعلیم اور اسلامی عقاید کی باہمی موافقت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ (De Thiersant: Vol II PP. 367, 372)۔

دوسری طرف چین کی حکومت نے بھی مسلمان رعیت کو ہمیشہ سے وہی حقوق اور مراعات دے رکھی ہیں جو رعایا کے دوسرے طبقوں کو حاصل ہیں۔ حکومت کا کوئی عہدہ ان کے لیے بند نہیں ہے اور مسلمان گورنروں، سپہ سالاروں، عدالت کے منصفوں اور سلطنت کے مسلمان وزیروں کو چین کی حکومت اور عوام دونوں کا اعتماد اور احترام حاصل ہے۔ چین کی تاریخ میں ہمیں نہ صرف سول اور فوجی محکموں کے عہدے داروں میں مسلمانوں کے نام ملتے ہیں بلکہ چینی مسلمانوں نے صنعت و حرفت اور علوم و فنون مثلاً ریاضی اور علم ہیئت میں بھی بڑا نام پیدا کیا ہے۔ (ثمرات الفنون صفحہ ۳ :De Thiersant: Vol I, P. 247)۔

کہا جاتا ہے کہ چینی مسلمان بہت کامیاب تاجر اور ہوشیار بیوپاری ثابت ہوئے ہیں۔ گائے کے گوشت کی تجارت پر ان کا پورا قبضہ ہے اور وہ کاروبار کے دوسرے شعبوں میں بھی بڑے کامیاب ہیں۔ (Broomhall: P. 224)۔ اسی طریقے سے چینی عوام کے ہر طبقے کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہے اور ان کو اپنے مذہب کی اشاعت کا ہر موقع حاصل ہے البتہ عیسائی مشنریوں کی رائے ہے کہ ان میں تبلیغ کا کوئی خاص ولولہ اور جوش نہیں پایا جاتا۔ (Broomhall: P.282)۔ لیکن گزشتہ برسوں میں بہت سے نومسلم دیکھنے میں آئے ہیں۔ چونکہ بہت سے چینی مسلمان اپنے اس مورث اعلیٰ کا نام بتا سکتے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوا تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔ مسلمانوں کو پروٹسٹنٹ مشنریوں کی طرح سڑکوں پر وعظ کہنے کی بظاہر اجازت نہیں ہے لیکن اگر انہیں اپنی ملت کو بڑھانے کا موقع ملے تو اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Broomhall: P. 307)۔ ان کی مذہبی کتاب میں، جس کا نام ''ہدایہ الی شرائع دین الحق'' ہے اور جو کانٹن میں ۱۶۶۸ء میں چھپی تھی، تبلیغ دین کو کارِ ثواب کہا گیا ہے اور اس میں ان لوگوں کا حوالہ آیا ہے جو غیر مسلم حلقوں کو چھوڑ کر حال ہی میں مسلمان ہو چکے ہیں۔(Broomhall: pp. 231-32)۔نومسلموں کو اسلام کے بنیادی عقاید منظوم کتابوں کے ذریعے سکھائے جاتے ہیں۔ سید سلیمان کا بیان ہے کہ گزشتہ برسوں میں بہت سے لوگ چینی مسلمانوں کی کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔(W. J. Smith: P. 175)۔ کہتے ہیں کہ صوبہ کانسو میں ہوچو کے اسلامی مدرسے میں مسلمان طلبا مذہبی تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے اپنے صوبوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ (ثمرات الفنون)۔ کہا جاتا ہے کہ دس سے زیادہ صوبوں میں اس طرح کے مرکز قائم کیے گئے ہیں جہاں اسلام کی اشاعت کے لیے ملا تیار کیے جائیں گے۔ (The Missionary Review of the world: Vol: 25, P. 786(1912)۔مسلمان فوجی افسر اپنے بہت سے ماتحت فوجیوں کو مسلمان کر لیتے ہیں اور اسی طرح مسلمان سول حکام اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ایک سے دوسری جگہ اکثر تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اس لیے مسلمان فوجی افسروں کے مقابلے میں ان کا اثر و رسوخ کم ہے۔(Mission d' ollone: P. 431)۔قبولِ اسلام کے بعض ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو براہ راست تبلیغ کا نتیجہ نہ تھے۔ ایک ترک سیاح، جو ۱۸۹۵ء میں پیکنگ گیا تھا، بیان کرتا ہے کہ اس نے وہاں ۳۰ مسجدیں دیکھیں۔ ان میں سے ایک مسجد پہلے ایک متمول چینی کی خاندانی عبادت گاہ تھی۔ بوکسر کی بغاوت میں مفتی عبدالرحمٰن نے اس چینی کی جان بچائی اور اس کے شکریے میں اس نے جان بچانے والے مفتی کا دین اختیار کر لیا۔(R. du' M. M. P. 124, (1907)۔

پچھلے برسوں میں ترک اور دوسرے مسلمان مبلغ چین گئے ہیں اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ چینیوں کے علمِ دین کو زیادہ مکمل اور راسخ بنائیں اور ان میں مذہبی ولولہ پیدا کریں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں ان کی کوششیں کچھ زیادہ بارآور ثابت نہیں ہوئیں۔(Broomhall: PP. 242, 286, 292)۔

ایک روسی مصنف واسلیف نے ۱۸۶۷ء عیسوی میں چین کے مسلمانوں کے متعلق ایک لائق توجہ کتاب شائع کی تھی جس میں اس نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اسلام سلطنتِ چین کا قومی مذہب بننے والا ہے اور اس کے بعد مشرقی ملکوں کے سیاسی حالات یکسر تبدیل ہو جائیں گے۔ اس خطرے کی پیش گوئی پر تقریباً نصف صدی بیت چکی ہے لیکن اس عرصے میں کوئی ایسا امر واقع نہیں ہوا جس سے اس پیش گوئی کی تصدیق ہو سکے۔ اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے ایک سو سال میں چین میں اسلام کو ترقی پانے کے بجائے تنزل ہوا ہے کیونکہ صوبہ یونان میں پینتھے کی بغاوت (۱۸۵۵ء سے ۱۸۷۳ء) اور صوبہ شانسی اور کانسو میں تنگان کی بغاوت (۱۸۶۴ء سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۷۷ء اور ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۶ء) کو فرو کرنے کے دوران جو قتل عام ہوئے ہیں، ان سے چین کے مسلمانوں کی تعداد کئی لاکھ کم ہو گئی ہے۔ (مسلمانوں کی بغاوتوں کی طویل فہرست کے لیے Mission d' ollone صفحہ ۴۳۶ ملاحظہ کیجیے)۔ چین میں نئی جمہوریت کے قیام سے مسلمانوں کو ایسی آزادی حاصل ہوئی ہے جو انہیں گزشتہ حکومتوں میں کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ اس سیاسی تبدیلی سے ان کو ترقی کا جو موقع ملا ہے، اس سے وہ کس حد تک فائدہ اٹھا سکیں گے۔ تبلیغ کا کام ابھی تک جاری ہے اور اگرچہ اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہے لیکن اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مسلمان ابھی تک اسلام کی ترقی و توسیع کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ چار سو سال کی بات ہے جب چین کے ایک مسلمان سیاح نے فغفور چین اور اس کی رعایا کے مسلمان ہونے کے امکان پر بحث کی تھی اور آج بھی موجودہ نسل کے ایک چینی مسلمان سید سلیمان کا بیان ہے کہ اس ملک کے مسلمان بڑے اعتماد کے ساتھ اس دن کے منتظر ہیں جب سلطنتِ چین کے طول و عرض میں اسلام کا بول بالا ہو گا۔ (چین کے مسلمان سیاح سید علی اکبر نے ختائے نامہ کے صفحہ ۸۳ پر لکھا ہے کہ اگر چین کا شہنشاہ اسلام قبول کر لے تو اس کی رعایا بھی لامحالہ مسلمان ہو جائے گی کیونکہ اس کی رعیت کے تمام لوگ اس کا اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جب مغرب سے آنے والا نوروز زور پکڑے گا تو مشرق کے کفار جوق در جوق اسلام کی طرف چلے آئیں گے اور کسی طرح کا جھگڑا نہیں کریں گے کیونکہ مذہبی معاملات میں وہ تعصب سے بالکل پاک ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارہواں باب

افریقا میں اسلام کی اشاعت

افریقا میں اسلام کی تاریخ تقریباً تیرہ سو سال پر محیط ہے اور اس لق ودق براعظم کے دو تہائی حصے پر پھیلی ہوئی ہے جس میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ اس تاریخ کے ترتیب وار بیان میں بڑی مشکلات حائل ہیں چنانچہ افریقا کے مختلف حصوں میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ کو بیک وقت تاریخی ترتیب کے ساتھ قلم بند کرنا ناممکن ہے۔ مصر، شمالی افریقا، نوبیا اور حبشہ کے مسیحی گرجا گھروں کے ساتھ اسلام کے جو تعلقات رہ چکے ہیں، ان کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اس باب میں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شمالی افریقا کے غیر مسلم باشندوں میں اسلام کیسے پھیلا اور پھر سوڈان اور افریقا کے مغربی سواحل میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی۔ سب سے آخر میں ہم یہ بتائیں گے کہ مشرقی افریقا اور کیپ کالونی میں اسلام کو کیسے فروغ حاصل ہوا۔ (انٹرنیشنل ریویو آف مشنز جلد اول صفحہ ۶۵۲ پر افریقا میں اسلام کے حدود پر مبنی ایک شاندار نقشہ شائع کیا گیا ہے)۔

افریقا میں اسلام کی آمد سے عیسائی مذہب کے ناپید ہونے کے متعلق ہم نے گزشتہ صفحات میں صرف چند ایک واقعات لکھے ہیں۔ شمالی افریقا کے غیر مسلم باشندوں کے ہاں اسلام کی اشاعت کے بارے میں بھی ہماری معلومات ویسی ہی محدود ہیں۔ بربروں نے عرب فوجوں کی پرزور مزاحمت کی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قبول اسلام میں ترغیب کی بہ نسبت طاقت کا عمل دخل زیادہ ہے۔ چنانچہ عرب مورخوں نے لکھا ہے کہ بربر لوگ بارہ مرتبہ مرتد ہوئے تھے۔ (Fournel: Vol i, P. 271)۔ عربوں اور بربروں کی طویل آویزش کے دوران ہمیں اسلام کی اشاعت کے متعلق صرف چند مختصر حوالے ملتے ہیں۔ قبول اسلام کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ بربروں نے عربوں سے شکست کھانے کے بعد اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ عرب فوجوں کا مزید مقابلہ کرنا بے سود ہے اور اسلام قبول کرنا ہی قرینِ مصلحت ہے چنانچہ ۷۰۳ عیسوی میں جب بربر آخری مرتبہ عربوں کے مقابل صف آرا ہوئے اور ان کی دلیر اور نڈر ملکہ کاہنہ نے دیکھا کہ جنگ کا پانسہ ان کے خلاف پلٹنے والا ہے تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو عرب سپہ سالار کی لشکر گاہ میں بھیج دیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر اسلام اختیار کرلیں اور عربوں کے ساتھ متحد ہو جائیں۔ لیکن خود ملکہ نے اپنے حق میں یہی بہتر سمجھا کہ اپنے ہم وطن بہادروں کے ہم رکاب لڑتی ہوئی میدانِ جنگ میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردے۔ آخر وہ اس معرکۂ عظیم میں ماری گئی جس میں بربروں کی سیاسی قوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا اور شمالی افریقا عربوں کے قبضے میں چلا گیا۔ پھر عربوں کے ساتھ بربروں کی اس شرط پر صلح ہوگئی کہ وہ عرب فوج کے لیے بارہ ہزار آدمی مہیا کریں گے۔ عربوں نے بارہ ہزار کی اس نفری سے دو فوجی دستے تیار کیے اور ہر دستے پر ملکہ کاہنہ کے ایک ایک بیٹے کو سپہ سالار مقرر کیا۔ (Fonmel: Vol i, P. 244)۔ عرب سپہ سالاروں کو امید تھی کہ وہ بربروں کو اپنی فوج میں بھرتی کر کے ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرلیں گے۔

۷۱۱ عیسوی میں سات ہزار بربروں کا جو لشکر طارق کی سرکردگی میں (جو خود بربر تھا) اسپین کو فتح کرنے کے لیے افریقا کے ساحل سے روانہ ہوا، اس میں شامل بیشتر لوگ وہ بربر تھے جو تھوڑی دیر پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں خاص طور پر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ المقری کا بیان ہے: ''عرب عالم اور فقیہ مقرر تھے جو بربروں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے اور اس کی تشریح کرتے تھے، اسلام کی طرف سے ان پر جو فرائض اور احکام عاید تھے، ان کی تلقین کرتے تھے۔'' (المقری جلد اول صفحہ ۲۵۳)۔ افریقا کا فاتح اعظم موسیٰ بن نصیر اسلام کے فروغ کے لیے بڑی سرگرمی کا اظہار کرتا تھا۔ خلیفہ عبدالملک کی جانب سے جو بھاری رقمیں وصول ہوتی تھیں، ان کو وہ ایسے بربری غلام خریدنے میں صرف کرتا تھا جن کے متعلق اس کو یہ امید ہوتی تھی کہ وہ اسلام کے لائق فرزند ثابت ہوں گے۔ چنانچہ اس بارے میں المقری لکھتا ہے: ''فتح کے بعد جب کبھی بربری بطور غلام فروخت کیے جاتے تھے تو موسیٰ ایسے تمام لوگوں کو خرید لیتا تھا جو شریف النسب ہوتے تھے اور شکل وصورت سے بھی چست و چالاک نوجوان معلوم ہوتے تھے اور جن کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ خوشی سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ ایسے نوجوانوں کو پہلے اسلام کی دعوت دیتا تھا اور اگر وہ ذہن اور عقل کی جلا پا کر دینِ حق کے حقائق کو قبول کرنے کے لائق ہو جاتے تو ان کو مسلمان کرلیا جاتا تھا۔ موسیٰ جب یہ دیکھتا کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کی قابلیت کو آزمانے کے لیے ان کو اپنی ملازمت میں لے لیتا تھا اور کسی کام پر مقرر کردیتا تھا۔ اگر وہ اچھے مزاج اور عمدہ قابلیت کا ثبوت دیتے تو ان کو فوراً آزاد کردیتا، انہیں فوج کے اعلیٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہدوں پر مامور کر دیتا اور ان کی قابلیت کے مطابق ان کو ترقی دیتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ لوگ اپنے عہدوں کے اہل ثابت نہ ہوتے تو موسیٰ انہیں قیدیوں کے کیمپ میں واپس بھیج دیتا اور مال غنیمت کے طور پر وہ دوبارہ لوگوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔" (المقری جلد دوم، صفحہ ۱۶۵)۔

بربروں کا قبول اسلام شروع میں سطحی نوعیت کا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۰ ہجری (۷۱۸ عیسوی) میں اسماعیل بن عبداللہ کو افریقا کا والی مقرر کیا تو اس کے ہمراہ دس علما بھی روانہ کیے تا کہ وہ نومسلم بربروں کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں کیونکہ انہوں نے اس وقت تک یہ نہیں سمجھا تھا کہ اسلام میں شراب خوری ممنوع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نئے والی نے بربروں کو اسلام کی دعوت دینے میں بڑی سرگرمی دکھائی اور اس کی کوششیں ایسی بار آور ثابت ہوئیں کہ بربر قوم کا کوئی آدمی ایسا نہ رہا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (Fournel: Vol i, P. 270)۔ اصل میں بربروں کو مسلمان کرنا صدہا برس کا کام ہے اور ان کے ہاں آج تک بہت سے ایسے قدیم دستور پائے جاتے ہیں جو شریعت اسلام کے منافی ہیں۔ (Goldziher: Vol xii, P. 37)۔ ان کے ہاں اسلام کی جڑیں اس وقت تک مضبوط نہیں ہوئیں جب تک کہ اس نے ایک قومی تحریک کی صورت اختیار نہ کر لی اور وہ مقامی حکمران خاندانوں کے قیام کے ساتھ وابستہ نہ ہوا۔ بہت سے بربران ہی خاندانوں کے زمانے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ وہ اس سے پہلے قبول اسلام کو اپنی سیاسی شکست کی علامت سمجھتے تھے۔ ان مختلف سیاسی انقلابات کو ہم اس موقع پر بیان نہیں کر سکتے لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ میں مرابطین کے ظہور کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی وہ تحریک تھی جس کی وجہ سے بہت سے بربر قبیلے ملت اسلام میں شامل ہوئے تھے۔ گیارہویں صدی کے شروع میں بربر قبیلے سنہاجہ کا ایک سردار یحییٰ بن ابراہیم جب حج کے بعد مکہ مکرمہ سے واپس آیا تو اس کو شمالی افریقا کے اسلامی شہروں میں ایسے عالم اور پرہیز گار معلم کی تلاش ہوئی جو اس کے ہمراہ چل کر اس کی جاہل اور گمراہ قوم میں اسلام کی تبلیغ کرے۔ اول اول اس کو کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو علم کے گوشہ عافیت کو چھوڑ کر صحراؤں کے مصائب جھیلنے پر آمادہ ہوتا لیکن آخر کار عبداللہ بن یاسین سے اس کی ملاقات ہوئی جو اس کام کے لیے موزوں تھا۔ وہ الٰہیات، فقہ اور دیگر علوم میں کامل دستگاہ رکھتا تھا اور تبلیغ دین جیسے دشوار کام کا بیڑا اٹھانے کے لیے تیار تھا۔ اگرچہ نویں صدی ہی میں مبلغین اسلام صحرا کے بربر قبیلوں میں پہنچ چکے تھے اور ان کے ہاں اسلام پھیلا چکے تھے لیکن اسے بہت کم قبولیت حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن یاسین نے دیکھا کہ جو لوگ اسلام کا اقرار کرتے تھے، وہ بھی اس کے احکام کی پابندی میں بہت سست اور ہر قسم کی بری عادتوں میں گرفتار تھے۔ لیکن عبداللہ نے ان کو راہ راست پر لانے اور دینی فرائض کی تبلیغ کرنے میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ اس نے ان کی زجر و توبیخ کرنے اور ان کے چال چلن کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کرنے میں جس سختی اور درشتی سے کام لیا، اس نے بربروں کو اس سے برگشتہ کر دیا اور عبداللہ نے اپنی مہم کی کامیابی سے مایوس ہو کر اس سرکش قوم کو چھوڑنے اور سوڈان کے باشندوں کو مسلمان کرنے کا عزم کر لیا۔ لیکن لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ جو کام تم نے شروع کیا ہے، اس کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنے مریدوں کے ساتھ دریائے سینیگال کے ایک جزیرے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ایک خانقاہ بنائی جہاں پیر اور مرید ہر وقت عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ دیندار بربروں کو اس خیال سے بڑی پشیمانی ہوئی کہ ان کی بدکرداری کی وجہ سے ایک خدا رسیدہ شخص ان سے الگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے جزیرے میں گئے اور بڑی عاجزی سے معافی کے طلب گار اور حقائق دین کی تلقین پانے کے ملتجی ہوئے۔ غرض اس طریقے سے اس کے مریدوں کی جمعیت روز بروز بڑھنے لگی خاص طور پر قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ لمطونہ کے بہت سے لوگ اس کے پاس آئے یہاں تک کہ اس کے مریدوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ اب عبداللہ بن یاسین کو یہ خیال آیا کہ اس تبلیغی مہم کو وسیع پیمانے پر جاری کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مریدوں سے کہا کہ خداوند کریم نے ان پر جو ہدایت منکشف کی ہے، اس کے اظہار کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہ اس ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں۔ ''اپنے اپنے قبیلے والوں کے پاس جاؤ، ان کو شریعت الٰہی کی تعلیم دو اور اس کے عذاب سے ان کو ڈراؤ۔ اگر وہ توبہ کریں اور اپنے طریقوں کی اصلاح کریں اور سچائی کو تسلیم کریں تو ان کو امن و امان سے رہنے دو لیکن اگر وہ انکار کریں اور اپنی گمراہی اور بدکرداری پر اصرار کریں تو ان کے خلاف خدا کی مدد طلب کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ خدا ان کے اور ہمارے درمیان اپنا فیصلہ صادر کر دے۔'' عبداللہ بن یاسین کا حکم سن کر اس کا ہر مرید اپنے قبیلے میں گیا اور ان کو توبہ کرنے اور خدا پر ایمان لانے کی فرمائش کی لیکن ان میں سے کوئی شخص کامیاب نہ ہو سکا حتیٰ کہ خود عبداللہ کی کوششیں بھی بار آور نہ ہو سکیں جس نے اپنے جزیرے کو اس امید پر خیرباد کہا تھا کہ بربر سردار اس کے وعظ و نصیحت پر زیادہ توجہ سے کان دھریں گے۔ آخر اس نے ۱۰۴۲ عیسوی میں اپنے مریدوں کو جمع کیا اور قرب و جوار کے قبیلوں پر حملہ کر کے ان کو جبراً مسلمان کر لیا۔ اس نے اپنے پیروؤں کا نام مرابطین رکھا۔ یہ نام اسی مادہ سے مشتق ہے جس سے رباط (خانقاہ) کا لفظ ماخوذ ہے جو اس نے سینیگال کے جزیرے میں بنائی تھی۔ عبداللہ کو اس جنگ و جدال میں جو فتح و ظفر نصیب ہوئی، وہ صحرائی قبائل کی نگاہ میں اس کے وعظ و تذکیر کے مقابلے میں اس کی صداقت کی ایک مضبوط دلیل تھی۔ چنانچہ وہ اپنی رغبت اور رضا سے جلد ہی ایسا دین اختیار کرنے کے لیے چلے آئے جس نے اپنے معتقدین کو ایسی شاندار فتوحات ارزانی کی تھیں۔ عبداللہ بن یاسین ۱۰۵۹ عیسوی میں انتقال کر گیا لیکن جو اسلامی تحریک اس نے شروع کی تھی، وہ اس کی وفات کے بعد بھی زندہ رہی اور بہت سے بربر قبیلوں نے مسلمان ہو کر اسلام کی طاقت کو بڑھایا۔ انہوں نے مذہب کے علاوہ دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقاصد میں بھی ان کی ہم نوائی اختیار کی اور اپنے صحرا سے نکل کر پورے شمالی افریقا پر چھا گئے۔ بعد میں انہوں نے اندلس پر بھی قبضہ کر لیا۔ (ابن ابی زر: صفحات ۱۶۸ تا ۱۷۳ نیز طر: جلد دوم صفحات ۶۱۱ تا ۶۱۳)۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ بارہویں صدی کے شروع میں جب بربروں کی دوسری بڑی قومی تحریک کا آغاز ہوا اور موحدین کے فرقے نے ظہور کیا تو اس تحریک سے بھی بعض بربر قبیلے، جو ابھی تک اسلام سے الگ تھلگ رہے تھے، مسلمان ہو گئے۔ موحدین کا بانی ابن تومرت تھا جس نے عقیدۂ توحید کی تائید میں بربروں کی زبان میں کتابیں لکھیں اور ان میں اسلام کے بنیادی اصول کی اپنے انداز میں تشریح کی اور اس طریقے سے اپنے فرقے کے موحدانہ عقاید کو بربر عوام تک پہنچایا۔ اس نے بربروں کے قومی جذبے کے ساتھ ایک رعایت یہ روا رکھی کہ ان کو اپنی بربری زبان میں اذان کہنے کی اجازت دے دی۔ (ابن ابی زر صفحہ ۲۵۰ نیز گولڈزیہر صفحہ ۱۷)۔

لیو افریقی کا بیان ہے کہ بعض بربر قبائل پندرہویں صدی تک دائرہ اسلام سے باہر رہے لیکن بربروں کا عام میلان اسی طرف تھا کہ چھوٹے چھوٹے قبیلے مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں شامل ہو جائیں۔

سولہویں صدی نے مغرب (مراکش) میں ایک سرگرم تبلیغی تحریک کا مشاہدہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں کو اسپین اور شمالی افریقا میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں، یہ تحریک اسی کا ردعمل تھی۔ بہ ہر حال اس سے مرابطین کو بڑی ترغیب و تحریص ہوئی اور انہوں نے جنوبی مراکش کی خانقاہوں سے نکل کر پورے مغرب میں ایک پر امن تبلیغی مہم شروع کر دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ ضعیف الاعتقاد ہیں، ان کے مذہب میں ایک نئی روح پھونکی جائے اور ان کے قرب و جوار میں جو قبیلے ابھی تک غیر مسلم ہیں، ان کو مسلمان کیا جائے۔ جیسا کہ ہم باب چہارم میں بیان کر چکے ہیں، اندلس کے مسلمان پناہ گزینوں نے بھی اس تبلیغی تحریک میں حصہ لیا اور ادریس بن عبداللہ کے جانشینوں کی تائید کی جس نے ہارون الرشید کے عتاب سے بھاگ کر مراکش میں پناہ لی تھی۔ (Doutte: P. 354)۔

سوڈان کی نیگرو قوم میں اسلام کی اشاعت پہلے پہل صحرا ہی کی جانب سے شروع ہوئی تھی۔ اس تبلیغی تحریک کی ابتدائی تاریخ تاریکی کے پردے میں مستور ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بربر ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے دریائے سینیگال اور نائجیریا کے علاقوں میں اسلام کو پھیلایا تھا۔ یہاں کے بربروں کو کفار کی مملکتوں سے سابقہ پڑا جن میں سے بعض حکومتیں مثلاً گھانا اور سنگامی کی ریاستیں بہت قدیمی تھیں۔ دو بربر قبیلوں لمطونہ اور جدالہ نے، جو صنہاجہ قبیلے کی شاخیں تھیں، اس تبلیغی کام میں بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا اور ان ہی کے ذریعے مرابطین کی تبلیغی تحریک سوڈان کے بت پرستوں پر اثر انداز ہوئی۔ یوسف بن تاشفین کا عہد حکومت، جس نے ۱۰۶۴ عیسوی میں مراکش شہر کی بنیاد ڈالی اور جو مرابطین کے خاندان کا دوسرا فرماں روا تھا، اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے بہت بار آور ثابت ہوا۔ اس کے زمانے میں بہت سے سوڈانی باشندے اسلامی عقاید سے روشناس ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۷۶ عیسوی میں ان بربروں نے، جو کچھ مدت سے گھانا کی مملکت میں اسلام پھیلا رہے تھے، وہاں کے حکمران خاندان کو بے دخل کر دیا جو غالباً قبطی نسل سے تھا۔ بہرحال اس قدیم مملکت کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ تیرہویں صدی کے شروع میں منڈنگو قوم کے لوگوں نے گھانا کی سلطنت کو فتح کر لیا۔(Meyer: P. 91)۔

سونگھائی کی مملکت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۷۰۰ عیسوی میں بھی موجود تھی۔ اس قدیم مملکت میں اسلام کی اشاعت کے ضمن میں سب سے پہلے جس مسلمان فرماں روا کا نام آتا ہے، وہ زاکاسی ہے جو زا خاندان کا پندرہواں حکمران تھا۔ وہ ۴۰۰ ہجری (۱۰۰۹،۱۰ عیسوی) میں مسلمان ہوا تھا۔ سونگھائی زبان میں اس کا لقب ''مسلم دم'' تھا جس سے یہ مراد تھی کہ اس نے جبراً نہیں بلکہ اپنی رضا اور رغبت سے اسلام قبول کیا تھا تاہم جن اثرات کی وجہ سے وہ مسلمان ہوا، ان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ (تاریخ السوڈان صفحہ ۳)۔

پانچویں صدی ہجری میں دریائے نائیجر کے بالائی حصے پر دو شہر آباد ہوئے جنہوں نے بعد کی صدیوں میں مغربی سوڈان میں اسلام کی اشاعت پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ ان میں سے پہلا شہر جنہ ہے جو ۴۳۵ ہجری (۱۰۴۴ عیسوی) میں آباد ہوا اور آخر کار ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ دوسرا شہر تمبکتو ہے جس کی بنیاد ۱۱۰۰ عیسوی کے قریب ڈالی گئی اور جہاں شمالی ملکوں کے تجارتی قافلوں کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی۔ چھٹی صدی ہجری کے اختتام یعنی ۱۲۰۰ عیسوی کے قریب جنہ کا بادشاہ جس کا نام کنبورو تھا، مسلمان ہو گیا اور شہر کے دوسرے باشندوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی کی۔ روایت ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو اس نے اپنی مملکت کے تمام علما کو جمع کیا جن کی تعداد ۴۲۰۰ بیان کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ تعداد مبالغہ آمیز ہے لیکن اس قصے سے کم از کم اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلام اس وقت تک اس کی مملکت میں خاصی ترقی کر چکا تھا۔ بادشاہ نے ان علما کی موجودگی میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے شہر کی خوش حالی کے لیے دعا کریں۔ اس کے بعد اس نے محل کو گرا دیا اور اس کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی۔ (تاریخ السوڈان صفحات ۱۲، ۱۳)۔ جنہ شہر کے برعکس تمبکتو شروع ہی سے ایک اسلامی شہر تھا ''جو بت پرستی سے کبھی آلودہ نہیں ہوا تھا اور جہاں کوئی شخص خداوند رحیم کے سوا کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوا تھا۔'' (تاریخ السوڈان صفحہ ۲۱)۔ بعد کے زمانے میں تمبکتو اسلامی علوم و فنون کا ایک زبردست مرکز بن گیا اور حکومت کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی وجہ سے علما اور طلبا کی ایک بڑی تعداد وہاں جمع ہو گئی۔ ابنِ بطوطہ نے چودھویں صدی کے وسط میں اس ملک کی سیاحت کی تھی چنانچہ وہ سوڈانی مسلمانوں کی دینداری کی تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں نمازیوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص وقت سے پہلے مسجد میں نہ پہنچے تو اسے جگہ نہیں ملتی۔ (ابنِ بطوطہ جلد چہارم صفحات ۴۲۱، ۴۲۲)۔ اس کے زمانے میں مالے یا ملی مغربی سوڈان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سب سے طاقت ور مملکت تھی۔ اس سے تقریباً ایک صدی پہلے منڈنگو قوم کے لوگوں نے گھانا کو فتح کر کے اس مملکت کو بڑی اہمیت دے دی تھی۔ منڈنگو افریقا کی بہترین قوموں میں سے تھی چنانچہ لیو افریقی ان کے متعلق لکھتا ہے کہ تمام سوڈانی قوموں میں منڈنگو سب سے زیادہ شائستہ اور سب سے زیادہ عقل مند اور معزز لوگ ہیں۔ زمانہ حال کے سیاحوں نے بھی ان کی سخت کوشی، ہوشیاری اور دیانتداری کی تعریف کی ہے۔ یہ منڈنگو اسلام کے بڑے سرگرم مبلغ ثابت ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمسایہ قوموں میں اسلام کی اشاعت کی ہے۔ (ونوڈ ریڈ Winwood Reade لکھتا ہے: منڈنگو بلند قامت، خوب صورت اور گندمی رنگ کے لوگ ہیں جو از روئے مذہب مسلمان ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کپاس، مونگ پھلی اور کئی قسم کے اناج کی بھی کاشت کرتے ہیں۔ میں ان کی مہربانی اور مہمان نوازی سے بہت محظوظ ہوا اور ان کی عورتوں کی متانت، خوش اطواری اور ان کے گاؤں کی صفائی اور خاموشی کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

(W. Winwood Reade: African Sketch book: Vol i, P. 303)۔

کانو کرانیکل کے مطابق یہ منڈنگو قوم کے ہی لوگ تھے جنہوں نے ہوسا قوم کو اسلام سے روشناس کرایا تھا۔ (پامر Palmer نے لکھا ہے کہ کانو میں اسلام ۱۳۴۹ء اور ۱۳۸۵ عیسوی کے درمیان پھیلا تھا۔ ہوسا کی ایک اور تاریخ میں لکھا ہے کہ زوزو کے پہلے مسلمان حکمران کا عہد حکومت ۱۴۵۶ء کے قریب شروع ہوتا ہے۔ (Journal of the African Society: Vol ix, P. 161)۔ جس طرح ہوسا حکومتوں کی دوسری تاریخیں غیر یقینی ہیں، اسی طرح اسی واقعے کی تاریخ بھی غیر یقینی ہے کیونکہ جب انیسویں صدی کے اوائل میں فلبے قوم نے ان پر فتح پائی تھی تو ان کے اکثر تاریخی دفتر برباد کر دیے گئے تھے۔ بہ ہر حال ہوسا قوم کے قبولِ اسلام کو بلا مبالغہ بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ لوگ بڑے باہمت اور ہوش مند ہیں اور اپنی کاروباری لیاقت کی وجہ سے ان کو ان تمام قوموں میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہے جن کے ساتھ ان کو سابقہ رہتا ہے۔ ہوسا قوم کے تاجر گنی سے قاہرہ تک جاتے ہیں، ان کی زبان وہاں کی تجارتی زبان بن جاتی ہے۔ وہ دینِ اسلام کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں چنانچہ ان کے تبلیغی کام کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔ جہاں تک ان کے اپنے قبولِ اسلام اور ان کی سات ریاستوں کے قیام کا تعلق ہے، اس بارے میں تاریخی شہادت تقریباً مفقود ہے۔ (عالم اسلام کے دیگر حصوں کی طرح سوڈان میں بھی اسلام کے داخلے کو عہدِ رسالت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ الفزازی نے، جو رسولِ خداؐ کے صحابی تھے، ہوسا قوم میں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ (J. Lippert Sudanica: P. 20)۔ اسلام کے جن مبلغوں نے کانو اور کت سینا میں اسلام پھیلایا، ان میں تلمسان کا ایک دین دار عالم محمد بن عبدالکریم بن محمد الجیلی بھی تھا جس کا زمانہ ۱۵۰۰ عیسوی کے قریب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Mischlich and Lippert: PP. 138-139)۔ ممکن ہے کہ ہوسا قوم کے لوگ ان اسلامی اثرات سے بھی متاثر ہوئے ہوں جو بارہویں صدی میں مصر کے ملک سے نمودار ہوئے تھے۔ کردوفان کے تاجر اور مشرق سوڈان کے لوگ عموماً اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ ان عربوں کی اولاد ہیں جو ۱۱۷۱ء میں مصر میں فاطمیہ خلافت کے زوال کے بعد ان ملکوں میں آ نکلے تھے۔ لیکن وسطی افریقا میں اسلامی اثرات غالباً اس سے بھی پہلے مصر کی جانب سے پہنچ چکے تھے۔ مثال کے طور پر کانم کی مملکت میں، جو بحیرہ چاڈ کے شمال اور شمال مشرق میں واقع تھی، اسلام مصر ہی کی طرف سے آیا تھا۔ کانم کی ریاست نے قبولِ اسلام کے بعد خاصی اہمیت اختیار کر لی اور مصر اور نوبہ کی سرحدوں تک مشرقی سوڈان کے تمام قبیلوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ روایت ہے کہ کانم کی سلطنت کا پہلا مسلمان فرماں روا گیارہویں صدی کے اختتام کے قریب یا بارہویں صدی کے نصف اول میں حکمران تھا۔ لیکن شمال مشرق کی جانب سے اسلام کی اشاعت کے متعلق ہمارے پاس جو معلومات ہیں، وہ ان معلومات کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو مغربی سوڈان کی سلطنتوں کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں۔ مسلمان فرماں رواؤں کے قبولِ اسلام اور حکمران خاندانوں کے قیام کی صرف تاریخیں درج کرنے سے اشاعتِ اسلام کی حقیقت واضح نہیں ہوتی البتہ اس مختصر روئیداد سے کم از کم یہ بات نمایاں اور واضح نظر آتی ہے کہ وہاں اسلام کی اشاعت بہت آہستگی سے ہوئی تھی۔ ان ملکوں میں بھی، جو صدیوں سے اسلامی حکومت کے زیر نگیں چلے آتے ہیں۔ بت پرستوں کے متفرق گروہ بدستور موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اثر مدت تک شہروں تک محدود رہا تھا اور اس نے بت پرست قوموں میں اپنا راستہ بتدریج بنایا تھا اور اس کو اس ضمن میں سخت مزاحمت پیش آئی تھی۔ مثال کے طور پر بمبارا قوم کے لوگ، جو دریائے سینیگال اور دریائے نائیجر کے بالائی دیہاتی علاقے میں رہتے ہیں، ابھی تک بت پرست ہیں حالانکہ ان کے اردگرد صدیوں سے مسلمان قومیں آباد چلی آ رہی ہیں۔

بیسویں صدی کے شروع میں ایک مرابط نے، جس کا نام عمر کابا تھا، بمبارا قوم کو مسلمان کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس نے ایک نئی مذہبی برادری کی بنا ڈالی تھی جو قادریہ سلسلہ کے ساتھ منسلک تھی۔ جب وہ اپنے ہم مذہب مسلمانوں کو اپنا مرید بنانے میں ناکام رہا تو اس نے بمبارا قوم کی طرف توجہ کی اور ان کو مسلمان کر کے اپنے طریقے میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب وہ سنسانڈنگ کے صوبے میں ایک گاؤں کے بت پرست باشندوں کو مسلمان کر چکا تو صوبے کے حاکم نے اسے اچانک اپنی سرحدوں سے باہر نکال دیا اور بمبارا قوم کے جو افراد مسلمان ہو چکے تھے، ان کو اپنے قدیم مذہب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا۔ (Maurvice Delafosse: P. 87)۔

ان علاقوں میں، جہاں عربوں اور بربروں کے درمیان کثرت سے شادی بیاہ ہوا ہے، اسلام ثابت قدمی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برابر سرایت کرتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ فلبے، ہوسا اور منڈنگو قوموں نے بھی اسلامی حمیت اور گرم جوشی کے لحاظ سے بڑا امتیاز پیدا کیا ہے۔ اگر مسلمان سلطنتیں باہمی جنگوں میں ایک دوسرے کو تباہ و برباد نہ کرتیں تو ان قوموں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمانوں کی آبادی میں نمایاں اضافہ ہو جاتا۔ تیرھویں صدی میں مالی کی سلطنت گھانا کے کھنڈروں پر قائم ہوئی لیکن سولہویں صدی کی ابتدا میں سونگھائی قوم کے لوگوں نے اس کو برباد کر دیا اور اس کے ایک صدی بعد مراکش کے لوگوں نے سونگھائی کی مملکت کو ویران کر دیا۔ ان لڑائیوں میں لوگوں کا قتل عام ہوا جو سوڈانیوں کے جنگ و جدال کا لازمہ اور خاصہ ہے۔ جب ان اسلامی حکومتوں کو زوال آیا تو بت پرستی نے اپنا کھویا ہوا مقام بڑی حد تک واپس لے لیا۔ مسیحی قوم کی طرح عالمِ اسلام پر بھی ایسے دور آئے ہیں جب تبلیغی سرگرمی اور جوش سرد پڑ گیا تھا۔ چنانچہ سوڈان کے بعض حصوں میں مسلمانوں نے اپنے گردو پیش کے بت پرستوں کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے اور وہ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

چودھویں صدی عیسوی میں تجر قبیلے کے عرب تیونس سے نکل کر جنوب کی سمت چلے اور بورنو اور ودائی کے علاقوں سے گزر کر دارفور جا پہنچے۔(Recker: PP. 161-162)۔ بعد میں کئی دوسرے عرب قبیلے مشرق کی طرف وارد ہوئے۔ ان میں سے ایک عرب کا نام احمد تھا۔ دارفور کے بت پرست حاکم نے اس کا خوشی سے استقبال کیا اور مہربان ہو کر اس کو اپنے محل کا منتظم مقرر کر دیا اور ہر معاملے میں اس سے مشورہ لینے لگا۔ چونکہ احمد کو متمدن ملکوں کے اصولِ سیاست کا تجربہ تھا، اس لیے اس نے شاہی محل کے بندوبست اور سلطنت کے انتظام میں چند ایک اصلاحات نافذ کر دیں۔ روایت ہے کہ اس نے اپنے حسنِ انتظام سے سرکش امیروں کو بادشاہ کا مطیع بنایا اور سرکاری زمین مفلس لوگوں میں تقسیم کر دی اور آئے دن کی لوٹ مار کا خاتمہ کر دیا۔ ان اصلاحات سے رعایا کو ایسا امن و سکون میسر ہوا جو اس سے پہلے ان کو کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لیے اس نے احمد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اسے اپنا وارث اور جانشین مقرر کر دیا۔ رعایا نے بھی اس تقرر کو بڑی خوشی سے قبول کیا۔ غرض جو مسلمان خاندان اس طرح دارفور میں قائم ہوا، وہ اب تک موجود ہے۔ احمد اور اس کے جانشینوں نے دارفور کے باشندوں کی تہذیب و ثقافت کے لیے جو کام کیے، ان میں بلاشبہ اسلام کی تبلیغ بھی شامل تھی۔ لیکن ان عرب مہاجرین نے اپنے ہمسایہ بت پرستوں کو مسلمان کرنے کی بہت کم کوشش کی بلکہ دارفور کے باشندے قطعی طور پر اپنے ایک بادشاہ سلیمان کی کوششوں سے مسلمان ہوئے جس کا عہد حکومت ۱۵۹۶ عیسوی سے شروع ہوا تھا۔

(R.C. Slatin Pasha: Fire and Sword in the Sudan. PP. 38,40-42, London 1896)۔

سولہویں صدی سے پہلے دیگر سلطنتوں مثلاً ودائی یا باگھرمی کی ریاستوں میں، جو کوردوفان اور بحیرہ چاڈ کے درمیان واقع تھیں، اسلام کی اشاعت نہ ہو سکی۔ باگھرمی کا پہلا مسلمان فرماں روا سلطان عبداللہ تھا جس نے ۱۵۶۸ء سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر ۱۶۰۸عیسوی تک حکومت کی۔ لیکن اس زمانے میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز ودائی کی سلطنت تھی جس کی بنیاد عبدالکریم نے ۱۶۱۲ء کے قریب رکھی تھی تاہم باگھری کی مملکت کے باشندے اٹھارویں صدی کے نصف ثانی سے پہلے مسلمان نہ ہوسکے۔(Westermann: P. 628)۔

افریقا میں انیسویں صدی میں تبلیغ اسلام کے کام میں جو حیرت انگیز سرگرمی ازسرنو پیدا ہوئی، اس کے مقابلے میں سترہویں اور اٹھارویں صدی میں اشاعتِ اسلام کے واقعات کا بہت کم ذکر آیا ہے اور وہ نسبتاً بہت کم اہمیت رکھتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں افریقا کے مسلمان اپنے مذہب کے معاملے میں غافل اور بے پروا ہوچکے تھے لہٰذہ ان کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک قوی محرک کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے آخر میں وہابی اصلاحی تحریک کے اثر سے ان میں روحانی بیداری آئی اور یہ اسی بیداری کا نتیجہ ہے کہ عہد حاضر میں سوڈانی اقوام کے ہاں بعض تبلیغی تحریکوں کا تذکرہ سننے میں آتا ہے اور ان کی تبلیغی کوششوں کی تفصیلات ہمارے علم میں آئی ہیں۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں فلبے قوم میں ایک مذہبی مصلح اور مبلغ ومجاہد پیدا ہوا جس کا نام شیخ عثمان وانفودیو تھا۔(Oppel: p.92: Meyer: pp. 36,37: Westermann: pp.629-30)۔ وہ سوڈان سے حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ گیا۔ جب وہ واپس وطن آیا تو اس کے دل میں مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کا جوش بھرا ہوا تھا۔ جس زمانے میں عثمان مکہ مکرمہ میں تھا، وہابی فرقے کے لوگ زور پکڑ رہے تھے۔ چنانچہ عثمان بھی ان کے عقاید سے متاثر ہوا اور اس نے بھی ان کی طرح پیر پرستی اور مردوں کو ایصال ثواب کی مذمت کی بلکہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کرنے کی ممانعت کی۔ اس کے علاوہ اس نے دو سماجی برائیوں شراب خوری اور بدکاری کی سخت مخالفت کی جو سوڈان میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

اس وقت تک فلبے قوم کے لوگ چند منتشر قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور مویشی پال کر گزارا کرتے تھے۔ (یہ لوگ اپنے تئیں فلبے کہتے ہیں لیکن ان کی ہمسایہ اقوام ان کو مختلف ناموں سے پکارتی ہیں۔ ان میں فلاح یا فلانی سب سے زیادہ عام ہیں)۔ یہ لوگ ایک مدت سے مسلمان ہوچکے تھے اور سوڈان کے مختلف حصوں میں گذریوں اور کاشت کاروں کی بستیاں بسا کر قناعت کی زندگی بسر کررہے تھے۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں ان کے جو حالات معرضِ تحریر میں آئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک امن پسند اور محنتی قوم تھی۔ چنانچہ ایک سیاح نے، جس نے ان کی بستیوں کو ۱۷۳۱ء میں دریائے گیمبیا کے کنارے دیکھا تھا، ان کے بارے میں یوں لکھا ہے: ”دریا کے دونوں طرف ہر ایک ملک اور مملکت میں گندمی رنگ کی ایک قوم آباد ہے جس کو لوگ فولے کہتے ہیں۔ وہ عربوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان ہی کی زبان بولتے ہیں کیونکہ عربی زبان ان کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن، جو ان کی شریعت ہے، وہ بھی اسی زبان میں ہے۔ یہ لوگ عربی میں اس سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں جس قدر یورپ کے لوگ لاطینی میں درک رکھتے ہیں کیونکہ اکثر فولے عربی بول سکتے ہیں۔ یہ لوگ قبیلوں میں رہتے ہیں، شہر آباد کرتے ہیں اور ملک کے کسی بادشاہ کے محکوم نہیں ہیں اگرچہ وہ ان کی مملکت میں رہتے ہیں۔ اگر کسی قوم کی طرف سے ان کے ساتھ بدسلوکی ہو تو وہ اپنی بستیاں توڑ کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو جاتے ہیں۔ ان کے اپنے سردار ہیں جو ان پر اس اعتدال اور نرمی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں کہ ان کا حکم کسی فرد واحد کے بجائے کل قوم کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ ان کا طرز حکومت ایسا ہے جس سے ان کی حکومت آسانی سے چل سکتی ہے کیونکہ تمام لوگ نیک مزاج اور عافیت پسند ہیں۔ عدل و انصاف کے اعتبار سے ان کی تربیت اس طریقے سے کی گئی ہے کہ جو شخص کوئی بری حرکت کرتا ہے، پوری قوم اس سے نفرت کرتی ہے۔ سب لوگ جفاکش اور سادہ مزاج ہیں۔ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ اناج اور کپاس پیدا کر لیتے ہیں اور فاضل مقدار کو واجبی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔ ان کی مہمان نوازی کا ایسا شہرہ ہے کہ اگر ان کا کوئی قصبہ دوسری قوموں کے پڑوس میں ہو تو وہ ان کی ہمسائیگی کو اپنے لیے نعمت تصور کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے چال چلن کی بدولت ایسے نیک نام ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ بدسلوکی یا بے مروتی سے پیش آئے تو اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ سب لوگوں کے ساتھ انسانیت اور مہربانی کا سلوک کرتے ہیں لیکن اپنی قوم کے ساتھ ان کی ہمدردی دوچند ہے۔ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی قوم کا کوئی آدمی غلام بنا لیا گیا ہے تو پوری قوم مل کر اس کو آزاد کرا لیتی ہے۔ چونکہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان بکثرت ہوتا ہے، وہ اپنی قوم کے کسی آدمی کو بھوکا نہیں رہنے دیتے۔ وہ قوم کے دوسرے لوگوں کی طرح بوڑھے، نابیناؤں اور اپاہجوں کی بھی خدمت کرتے ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہی غضب میں آتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ ان میں سے کسی نے دوسرے کو گالی دی ہو۔ لیکن ان کی نرم مزاجی کا یہ مطلب یہ نہیں کہ ان میں دلیری نہیں ہے بلکہ وہ ایسے ہی بہادر اور دلیر ہیں جیسے کہ افریقا کے اور لوگ! وہ ہتھیاروں کے استعمال میں بڑے مشاق ہیں اور ان کے ہتھیاروں میں نیزے، تلواریں، تیر کمان اور بعض اوقات بندوقیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ وہ بڑے پکے مسلمان ہیں اور سوائے پانی کے شراب اور برانڈی وغیرہ نہیں پیتے۔'' (Francis Moore: PP. 75-77)۔

ہوسا قوم کی مختلف ریاستوں میں فلبے نسل کے جو قبیلے منتشر تھے، عثمان وانفودیو نے ان کو متحد کر کے ایک طاقتور قوم بنا دیا۔ ان کی پہلی شورش ۱۸۰۲ء میں گوبر کی سلطنت میں برپا ہوئی۔ یہ سلطنت ابھی تک بت پرست تھی اور اس نے ہوسا قوم کی شمالی ریاستوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ جب گوبر کے بادشاہ نے فلبے کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دبانے کی کوشش کی تو عثمان نے بغاوت کر دی اور ایک طاقتور لشکر جلد ہی اس کے پرچم تلے جمع ہو گیا جس کے ساتھ اس نے نہ صرف بت پرست قبیلوں پر حملہ کیا اور ان کو مسلمان بنایا بلکہ ہوسا قوم کی مسلمان ریاستوں کو بھی تسخیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لیا۔ ان تمام ریاستوں نے یکے بعد دیگرے شکست کھائی یہاں تک کہ عثمان کی وفات (۱۸۱۶ عیسوی) سے پہلے ہوسا قوم کا پورا ملک اس کے قبضے میں آگیا۔ سوکوٹو میں عثمان کی قبر کا لوگ اب تک بہت احترام کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ عثمان نے اپنی سلطنت کو اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا اور انہوں نے فلبے کی سلطنت کو مزید وسعت دی۔ آدموا کا شہر، جو ۱۸۳۷ء میں بت پرستوں کی متعدد ریاستوں کے کھنڈر پر تعمیر ہوا، جنوب مشرق کی سمت میں ان کی فتوحات کی آخری حد کی نشاندہی کرتا ہے۔ الورین کا شہر، جو یوروبا کے علاقے میں عثمان کی حینِ حیات ہی میں آباد ہو چکا تھا، جنوب مغرب کی جانب اس کی سلطنت کا پشتیبان تھا۔ اگرچہ فلبے کی سلطنت نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے لیکن انیسویں صدی کے دوران حکومت اور ریاست بدستور فلبے قوم کے قبضہ اقتدار میں رہی۔ فلبے نے اسلام کی اشاعت میں بڑے جوش و خروش کا ثبوت دیا یہاں تک کہ ۱۹۰۰ عیسوی میں برطانیہ نے نائجیریا میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

جب سے برطانیہ نے جنوبی نائجیریا میں امن و امان قائم کیا ہے، افریقہ کے دوسرے علاقوں کی طرح، جو یورپی تسلط میں آئے ہیں، اسلام کی اشاعت کے لیے آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہوسا قوم کے مسلمان، جو تجانیہ طریقے سے تعلق رکھتے ہیں، اب ملک میں آزادی سے چل پھر سکتے ہیں۔ وہ ان بت پرست قبیلوں کے علاقوں میں داخل ہو چکے ہیں جنہوں نے اب تک اسلامی اثرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یروبا کے علاقے میں اسلام خاص طور پر بہت ترقی کر رہا ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس علاقے میں گیارہویں اور بارہویں صدی میں ایک مسلمان مبلغ نے اشاعت اسلام کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام ہوا۔ وہ ہوسا قوم کا ایک شخص تھا جو ایفا کے شہر میں وارد ہوا جو یروبا کے بت پرست علاقے کا مذہبی مرکز تھا۔ وہ لوگوں کو جمع کر کے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا اور یروبا کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں حاضرین سے کہتا تھا: ''آؤ ہم اللہ کی عبادت کریں جس نے پہاڑ اور میدان بنائے ہیں، اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور ہمیں بھی اسی نے بنایا ہے۔'' وہ ان باتوں کو وقتاً فوقتاً دہراتا رہا لیکن وہ ایک شخص کو بھی قائل نہ کر سکا اور ایفا میں آنے کے چند ماہ بعد انتقال کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا قرآن اس کے کمرے میں دیوار کے ساتھ ایک کھونٹی سے لٹک رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی قرآن کو بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

(R.E. Dennett: Nigerian Studies: PP. 12,75: London 1910)

جس ملک میں اسلام کا یہ قدیم مبلغ ناکام رہا، عہد حاضر میں اس کے ہم مذہب لوگوں نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ برطانوی تسلط سے پہلے ملک میں بڑی بدنظمی تھی اور اکثر مسلمان فصیل دار شہروں کے اندر رہتے تھے۔ لیکن جب سے ملک میں امن کی نئی صورت پیدا ہوئی ہے، انہوں نے دیہات میں اپنی کھیتی باڑی کے نزدیک اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستقل سکونت اختیار کر لی ہے اور اس طریقے سے اسلامی اثرات ملک میں اور بھی وسیع تر ہو گئے ہیں۔ جرمن مشرقی افریقا کی طرح نائجیریا میں بھی دیسی فوج میں مسلمان سپاہیوں کی موجودگی اسلام کی اشاعت کے لیے معاون ثابت ہوئی ہے کیونکہ بت پرست فوجی ہنسی ٹھٹھے سے بچنے اور عزت و وقار حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہو جاتے ہیں۔(Islam and Mission: PP. 71-73: The Moslem world: PP. 296-97,351)

جنوبی نائجیریا کے اسجبو علاقے میں بھی ایک تحریک دیکھنے میں آئی ہے۔ اس علاقے میں اسلام سب سے پہلے ۱۸۹۳ء میں داخل ہوا تھا لیکن ۱۹۰۸ء میں ایک شہر میں بیس اور دوسرے شہر میں بارہ مسجدیں تعمیر ہو چکی تھیں۔ (Church Missionary Review (1901) P. 640)۔ دینِ اسلام کی سریع اشاعت دریائے نائجیریا کے جنوبی حصے میں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے چنانچہ ایک عیسائی مشنری اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

''جب میں ۱۸۹۸ء میں نائجیریا میں گیا تو ادہ کی زیریں جانب بہت کم مسلمان دیکھنے میں آئے تھے لیکن اب وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اگر وہ اسی رفتار سے ترقی کرتے رہے تو ۱۹۱۰ء تک دریائے نائجیریا کے کناروں پر بت پرستوں کا ایک گاؤں بھی باقی نہیں رہے گا۔(Church Missionary Intelligencer (1902) P. 353)۔

افریقا کے اس حصے میں اسلام کی اشاعت کے لیے ایسے لوگوں نے بھی بہت کچھ کام انجام دیا ہے جنھوں نے بت پرستوں کو مسلمان کرنے کے مقصد کے حصول کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ لوگ ان اسلامی طریقوں اور سلسلوں کے ارکان تھے جن کو شمالی افریقا کی مذہبی زندگی میں ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ ان کی کوششوں سے انیسوی صدی میں بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اگرچہ ان کے تبلیغی کام کی کیفیت بڑی حد تک قلم بند نہیں ہوئی تاہم ان کی چلائی ہوئی بعض تحریکوں کے حالات ہمارے پاس موجود ہیں۔

ان تحریکوں میں سے ایک تحریک کی ابتدا سیدی احمد بن ادریس نے کی تھی۔(Rinn: pp 403-4)۔ وہ خضریہ طریقے کا پیشوا تھا اور اسے مکہ مکرمہ میں ۱۷۹۷ء سے ۱۸۳۳ء تک اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل رہی تھی۔ ۱۸۳۵عیسوی میں اپنی وفات سے پہلے اس نے اپنے ایک مرید کو، جس کا نام محمد عثمان الامیر غنی تھا، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے افریقا روانہ کیا۔ وہ بحیرہ احمر کو عبور کر کے قصیہ پہنچا اور وہاں سے اس نے وادی نیل کا راستہ لیا۔ یہاں اس کی صرف یہ کوشش رہی کہ وہاں کے مسلمانوں کو اپنے طریقے خضریہ میں داخل کرے۔ اس کے بعد اس نے دریائے نیل کے کنارے جنوب کی سمت میں سفر شروع کیا لیکن جب تک وہ اسوان تک نہ پہنچا، اس کو تبلیغ میں زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی تاہم اسوان سے دنقلہ تک اس کا سفر بہت کامیاب رہا کیونکہ نوبہ کے لوگ اس کے سلسلے میں داخل ہونے کے لیے جوق در جوق دوڑے آئے۔ محمد عثمان کو جو شاہانہ جاہ و جلال حاصل ہو گیا تھا، اس سے اہل نوبہ کے دل بہت متاثر ہوئے اور اس کی کرامات کی شہرت سے بہت سے لوگ اس کے مرید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن گئے۔ دنقلہ کو چھوڑ کر محمد عثمان نے کوردوفان کا رخ کیا جہاں اس نے عرصہ دراز تک قیام کیا اور بت پرستوں کو مسلمان کرنے کا کام اس نے یہیں سے شروع کیا۔ کوردوفان میں بہت سے قبیلے ابھی تک بت پرست تھے جن کے ہاں محمد عثمان کی تبلیغ وتلقین بڑی کامیاب رہی۔ اپنے اثر ورسوخ کو مستحکم کرنے کے لیے محمد عثمان نے مقامی قبیلوں میں کئی شادیاں کیں اور جب اس نے ۱۸۵۳ء میں وفات پائی تو اس کی اولاد نے اس کے بعد اس کے سلسلے کے کام کو جاری رکھا جو اس کے نام پر امیر غنیہ کہلایا۔ (Le Chatelier (I) PP. 231-33)۔

محمد عثمان کے تبلیغی سفر سے چند سال پہلے محمد علی والئی مصر نے مشرقی سوڈان میں اپنی فتوحات کا آغاز کر دیا تھا۔ مصری حکومت نے مصر کے مختلف مذہبی طریقوں کے مریدوں کے اس خیال سے ان مفتوحہ ملکوں میں جانے کی حوصلہ افزائی کی کہ ان کی کوششوں سے وہاں امن وامان ہو جائے گا۔ ان کو اپنے کام میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ سوڈان میں مہدی کی جو شورش اٹھی تھی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اسی مذہبی جوش کا نتیجہ تھی جو ان تبلیغی کوششوں سے پیدا ہوا تھا۔ (Le Chatelier: PP. 89-91)۔

مغربی افریقا میں اسلام بالخصوص دو طریقوں قادریہ اور تجانیہ کے ذریعے پھیلا ہے۔ طریقہ قادریہ کو، جس کا سلسلہ تمام اسلامی طریقوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بارہویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا جو تمام اولیائے اسلام میں سب سے زیادہ ہردلعزیز بزرگ گزرے ہیں اور جن کا پورے عالم اسلام میں بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ (Rinn: P. 175)۔ قادریہ طریقے کو مغربی افریقا میں ان مہاجرین نے رواج دیا تھا جو پندرھویں صدی میں توات کے مقام سے اٹھ کر آئے تھے جو مغربی سوڈان کا ایک نخلستان ہے۔ انہوں نے پہلے ولاتا کو اپنے سلسلے کا مرکز بنایا لیکن کچھ عرصے کے بعد ان کے جانشینوں کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور انہوں نے تمبکتو میں پناہ لے لی جو ولاتا سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں مذہبی تحریک نے، جس سے پوری اسلامی دنیا متاثر ہو رہی تھی، مغربی صحرا اور مغربی سوڈان کے سلسلہ قادریہ میں بھی ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جید علما اور قادریہ سلسلے کے چھوٹے چھوٹے گروہ سینیگال سے لے کر نائجیریا کے دھانے تک پورے مغربی سوڈان میں جابجا نظر آنے لگے۔ ان کی تبلیغی تنظیم کے بڑے بڑے مرکز کنکا، تمبو اور منڈنگو کے ملک میں مساردو میں تھے۔ (Bonet. Maury: P.239)۔ قادریہ سلسلے کے ارادت مندوں نے بت پرستوں کے درمیان اپنے مرکز بنا لیے اور ان لوگوں نے ان کو منشیوں، فقیہوں، تعویذ لکھنے والوں اور معلموں کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے نئے ماحول میں اثر ورسوخ پیدا کر لیتے اور نومسلموں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں وجود میں آ جاتی تھیں۔ ان میں سے جو افراد ہونہار ہوتے، ان کو تعلیم مکمل کرنے کے لیے اپنے مرکزوں یا قیروان اور طرابلس کے مدرسوں یا فیض اور قاہرہ کی جامعہ الازہر میں بھیج دیا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Bonet. Maury: P. 239)۔ وہ ان درس گاہوں میں کئی کئی برس گزارتے تھے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن کو واپس آتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے ابنائے وطن میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کرنے کے لیے بخوبی تیار ہوتے تھے۔ غرض سوڈان کے بت پرست باشندوں میں اس طریقے سے ایک ایسا خمیر ملا دیا گیا جس کی وجہ سے اسلام بڑی ثابت قدمی کے ساتھ بتدریج پھیلتا گیا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط تک سوڈان میں جتنے مدارس قائم ہوئے، ان میں سے اکثر مدرسے ایسے معلموں نے جاری کیے تھے جنہوں نے قادریہ طریقے پر تربیت پائی تھی۔ اس طرح قادریہ کی تنظیم نے بت پرست قوموں کے درمیان اسلام کی تبلیغ کا ایک باقاعدہ اور مسلسل انتظام کر دیا۔ ان کا تبلیغی کام نہایت پر امن طریقے سے انجام پایا ہے اور انہوں نے ذاتی مثال اور پند و نصیحت پر اعتماد کیا ہے۔ انہوں نے تعلیم کی اشاعت کے علاوہ اس اثر و رسوخ سے بھی کام لیا ہے جو ایک استاد اپنے شاگردوں پر ڈال سکتا ہے۔ (Le Chatelier (2) P. 100-9)۔ اس طرح سوڈان کے قادری مبلغ اپنے سلسلے کے بانی کے اصولوں پر پورے اترے ہیں کیونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی زندگی کے اصول یہ تھے کہ اپنے ہمسائے سے محبت کرو اور ہر ایک سے رواداری کا سلوک کرو۔ اگرچہ بادشاہ اور امرا شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں اکثر نذرانے بھیجتے رہتے تھے لیکن ان کی سخاوت اور دریا دلی ہمیشہ ان کو مفلس رکھتی۔ ان کی تالیفات اور ملفوظات میں کوئی قول ایسا نہیں ملتا جس میں عیسائیوں کے خلاف بدخواہی یا دشمنی پائی جاتی ہو۔ انہوں نے جب کبھی اہل کتاب کا ذکر کیا ہے، ان کی گمراہیوں پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ ان کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرے۔ رواداری اور بردباری کے یہ اصول انہوں نے اپنے مریدوں کو ورثے میں دیے ہیں اور یہی وہ اصول ہیں جو ہمیشہ سے ان کے پیرووں کی امتیازی خصوصیت رہے ہیں۔ (Rinn: P. 174)۔

تجانیہ طریقے کی بنیاد انیسوی صدی کے آخر میں الجزائر میں پڑی تھی۔ جب سے یہ سلسلہ سوڈان میں قائم ہوا ہے، انہوں نے قادریہ جیسے تبلیغی طریقے اختیار کر رکھے ہیں اور ان کے جاری کردہ مدارس سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی ہے۔ لیکن قادریہ کے برعکس انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول میں تلوار کے استعمال سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ ان کے جہاد کی شہرت نے ان مبلغوں کی کامیابی پر پردہ ڈال دیا ہے جنہوں نے مغربی افریقا میں پر امن طریقوں سے کام لیا ہے۔ لیکن اسلام کی اشاعت کے لیے پر امن مبلغین کی کوششیں ان مجاہدین کے مقابلے میں زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہیں جنہوں نے چھوٹی چھوٹی عارضی ریاستیں قائم کی ہیں۔ اہل یورپ نے فطری طور پر مسلمان واعظوں اور معلموں کی مساعی کے مقابلے میں ان فوجی مہموں اور جنگوں کی طرف زیادہ توجہ کی ہے جن سے ان کے تجارتی کاروبار یا ملک گیری کے منصوبوں میں خلل پڑا ہے۔ بہ ہر حال ان مجاہدانہ تحریکوں کی تاریخ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ملکی فتوحات سے اشاعتِ دین کے لیے نئی راستے کھل گئے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ صورت حال مسیحی تبلیغ کے سلسلے میں بھی پیش آئی ہے البتہ ان جنگوں نے مولفین کے دلوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ ابھی بہت سے ایسے وسیع علاقے موجود ہیں جہاں کے باشندوں کو راہِ حق پر لانا باقی ہے۔

تجانیہ طریقے کے مریدوں کی پہلی مجاہدانہ تبلیغی تحریک کو حاجی عمر نے جاری کیا تھا۔ وہ ایک بزرگ کے ذریعے اس طریقے میں داخل ہوا تھا جس سے اس کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ۱۷۹۷ عیسوی میں پودور کے قریب، جو زیریں سینیگال میں واقع ہے، پیدا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حاجی عمر اعلیٰ اوصاف کا مالک تھا اور ذاتی اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ وہ بڑا بارعب شخص تھا۔ حاجی عمر ایک مرابط کا بیٹا تھا اور اس کی مذہبی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی تھی۔ جب وہ ۱۸۲۷ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوا تو اس زمانے میں اس کے علم و فضل اور تقوے کا شہرہ ہو چکا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں جب وہ اپنے وطن میں واپس آیا تو اس نے تجانیہ طریقے کے عقاید کی اشاعت شروع کر دی اور اپنے ہم مذہب لوگوں کی جہالت اور ضعیف الاعتقادی کی سخت مذمت کی اور قادریہ سلسلے کی رواداری اور مسامحت پر خاص طور پر سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ اس نے وسطی سوڈان کا سفر کر کے بہت سے مرید بنا لیے اور لوگوں نے اس انداز سے اس کی تعظیم و تکریم کی گویا ایک نئے نبی نے ظہور کیا ہے۔ جب وہ ۱۸۴۱ عیسوی میں فوتہ جلون میں پہنچا تو اس نے اپنے پیرووں کو مسلح کیا اور ان بت پرست قبیلوں کے خلاف، جو بالائی نائجیریا اور سینیگال کے درمیان آباد تھے، تبلیغی مہموں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن ۱۸۶۵ء میں وہ ایک مہم کے دوران مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا احمد شیخو اپنے باپ کی مملکت کے مختلف صوبوں کو صرف چند سال تک متحد رکھ سکا اور آخر کار اندرونی جھگڑوں اور اہل فرانس کی آمد سے تجانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کے تمام علاقے فرانس کے قبضے میں چلے گئے۔(Oppel, 292-93: Blyden, P. 10:Le Chatelier (3) P. 167)۔

افریقا کے اس حصے (مغربی سوڈان) میں اسلام کی ترویج کا کسی قدر حال اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ عبداللہ بن یاسین اور اس کے ساتھیوں نے یہاں جو پودا لگایا تھا، وہ مسلمان تاجروں، معلموں اور نخلستانِ الحوض کے عربوں کی مسلسل آمد و رفت سے خوب بارآور ہوا۔ پندرھویں صدی کے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ عربوں نے نیگرو سرداروں کو شریعتِ محمدی سکھانے کی کوشش کی اور ان کو سمجھایا کہ ان کے لیے یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ سردار ہوتے ہوئے بھی خدا کی شریعت کے بغیر زندگی بسر کریں اور سفلے لوگوں کی طرح زندگی گزاریں جو کسی دین اور آئین کے پابند نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم مسلمان مبلغ ان غیر مہذب وحشیوں کے دلوں پر اسلام کے شاندار نظام کا رعب ڈالتے تھے۔(Ramusio: Vol i, P. 101)۔

عہد حاضر کی ایک اور تبلیغی تحریک کے متعلق ہمیں زیادہ مفصل حالات معلوم ہیں۔ اس تحریک کو جنوبی سینی گیمبیا میں منڈنگو قوم کے ایک شخص نے جاری کیا جس کا نام صمدو تھا لیکن وہ عام طور پر سامری کے نام سے مشہور تھا۔ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۴۶عیسوی میں پیدا ہوا۔ اگرچہ پہلے وہ بت پرست تھا لیکن فوجی ملازمت کے دوران وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے سینی گیمبیا کے جنوبی علاقے میں ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کو دریائے نائجیریا اور اس کے معاون دریا سیراب کرتے ہیں۔ ایک مقامی تاریخ نگار نے عربی میں اس کے حالات قلم بند کیے ہیں اور اس کے کارناموں کے متعلق چند ایک دلچسپ تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے: ''یہ منڈنگو قوم کے ایک شخص امام احمد صمدو کے جہاد کا بیان ہے۔ جب سے اس نے بت پرست قوموں کے ہاں جانا شروع کیا ہے، جو سمندر اور وسولو کے علاقے کے درمیان رہتی ہیں اور جب سے اس نے ان کو خدا کے دین اسلام کی پیروی کرنے کی دعوت دی ہے، خدا کی توفیق اس کے شاملِ حال رہی ہے۔ امام صمدو نے سب سے پہلے شہر فولندیہ کا قصد کیا اور کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہوئے اس نے اپنے قاصد شہر کے بادشاہ کی طرف روانہ کیے جس کا نام سندیدو تھا۔ احمد صمدو نے اس سے کہا کہ وہ اس کی حکومت کی اطاعت قبول کرے اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے جو بزرگ و برتر ہے اور جس کی اطاعت کرنا اس کے بندوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں جگہ مفید ہے۔ لیکن فولندیہ کے بت پرستوں نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر صمدو نے قرآن کے حکم کے مطابق ان پر جزیہ مقرر کیا لیکن بت پرستوں نے اپنی جہالت اور نادانی پر اصرار کیا۔ اس پر امام نے پانچ سو بہادر اور دلیر آدمیوں کا مختصر لشکر جہاد کے لیے جمع کیا اور شہر پر چڑھائی کر دی۔ خدا نے بت پرستوں کے خلاف اس کی مدد کی اور اس کو فتح دی۔ امام نے اپنے سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ وہ آخر کار مطیع ہو گئے۔ اب وہ بت پرستی کی طرف واپس نہیں جائیں گے کیونکہ ان کے تمام بچے اب مکتبوں میں قرآن پڑھتے اور علم دین سیکھتے ہیں۔ والحمد اللہ علیٰ ذلک۔'' (Blyden: PP. 357-60)۔ صمدو کی فتوحات کے دوران لوگوں کا قتل عام ہوا اور بڑی تباہی پھیلی لیکن یہاں اس کی تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں۔ (Le Chatelier: (3) P. 255)۔ ۱۸۸۱عیسوی کے قریب اس کی صولت وسطوت اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھی۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی فرانسیسیوں کے ساتھ اس کا تصادم ہو گیا اور اہل فرانس نے اس کے خلاف مسلسل لشکر کشی کر کے اس کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ آخر ۱۸۹۸ء میں اسے گرفتار کر لیا گیا اور وہ ۱۹۰۰عیسوی میں انتقال کر گیا۔ اگرچہ اس کی فتوحات کے دوران اس کی بے رحم فوج کے ہاتھوں بہت سے بت پرستوں کا قتل عام ہوا اور باقی لوگوں نے خوف کے مارے برائے نام اسلام قبول کر لیا تاہم حاجی عمر کی طرح اس کے مقاصد مذہبی نہ تھے۔ (Le Chatelier: (3) P. 237)۔ اس طرح تبلیغ کا کام قادریہ سلسلے کے پاس رہا۔ کہا جاتا ہے کہ قادریہ نے اپنی پرانی رواداری اور بردباری سے کام لے کر اس کے وحشیانہ طرز عمل کے اثرات بد کو بڑی حد تک دور کر دیا۔ انہوں نے مفتوحہ شہروں میں مدرسے اور مکتب جاری کیے، وہاں اپنے طریقے کے مطابق نظام قائم کیا اور نو مسلموں کی تعلیم و تلقین کے علاوہ دوسرے لوگوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو مسلمان کرنے کی بھی کوشش کی۔

اسلامی تبلیغ کی ان عسکری تحریکوں کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان ملکوں میں اسلام نے جو ترقی کی ہے، اس میں فوجی مہموں اور ملکی فتوحات کو بہت کم دخل رہا ہے کیونکہ حاجی عمر کی سلطنت کے حدود سے باہر جبری تبلیغ کے واقعات لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو چکے ہیں اور اس کی فتوحات کی عارضی شان و شوکت اور اس کی فوجوں کے جوش و خروش کے باوجود اس جبری تبلیغ کے بہت کم آثار باقی ہیں۔

(Le Chatelier (2) P. 112: R du M. M. Vol xii, P. 22)

مغربی افریقا کی اسلامی تاریخ میں ان تحریکوں کی حقیقی اہمیت اس بنا پر ہے کہ ان سے لوگوں میں وہ مذہبی جوش و خروش پیدا ہوا جو بعد میں بت پرست قوموں میں پرامن تبلیغ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسلام کی موجودہ بیداری میں یہ جہاد محض اتفاقی اور ناگہانی حیثیت رکھتے ہیں اور جن ذرائع اور وسائل سے افریقا میں اسلام پھیلا ہے، یہ ان کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔ اگر ان کے بعد مسلمان مبلغوں کی پرامن کوششیں جاری نہ رہتیں تو افریقا کی سرزمین میں سچے مسلمانوں کی جماعت کبھی وجود میں نہ آتی۔ اصل میں ان تباہ کن جنگوں اور حاجی عمر اور سامری جیسے فاتحین کی سختی اور بے رحمی، خاص طور پر تجانیہ طریقے کے مبلغوں کی وجہ سے دریائے سینی گال اور نائیجر یا کے علاقوں کی بت پرست قوموں میں اسلام کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ اس نے ان کے ہاں ایک قومی تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کے باوجود اسلامی تبلیغ سے گنی اور سینی گیمبیا کے بہت سے حصوں میں اسلام پھیل چکا ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں فلبے اور ہوسا قوموں کے مسلمان تاجر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہے وڈ (Haywood) نے فلبے قوم کے متعلق لکھا ہے کہ اس قوم کے تمام لوگ پرجوش مسلمان ہیں۔ جہاں کہیں فلبے آباد ہیں، وہاں ایک مسجد بھی پائی جاتی ہے۔ یہ مسلمان قبیلے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں قادریہ سلسلے کے مبلغوں اور مسلمان تاجروں کی کوششیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب سے فرانسیسی تسلط کے بعد ملک میں امن و امان قائم ہوا ہے، انہوں نے بہت سے نئے لوگوں کو مسلمان کیا ہے۔ فرانسیسی سوڈان میں اس پرامن تبلیغ کے لیے اس وجہ سے بھی آسانی پیدا ہوئی ہے کہ فرانسیسی حکام تعلیم یافتہ سوڈانیوں کی قدر کرتے ہیں اور یہ تمام لوگ مسلمان ہیں۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ بت پرست لوگوں کو ان کے توہمات اور ان کی رذیل عادتوں کے باعث حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

(Le Chaterlier (3) PP. 231, 273, 303" Wester mann: PP. 632-33)۔

اب ہم جس طریقے یا سلسلے کے تبلیغی کام کا ذکر کریں گے، اس کو سینہ زوری یا جنگ و جدل سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا بلکہ اس نے مذہب کی خدمت کے لیے صرف ترغیب اور پرامن ذرائع سے کام لیا ہے۔ ۱۸۳۷ عیسوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں الجزائر کے ایک فقیہہ نے، جس کا نام محمد بن علی السنوسی تھا، ایک مذہبی انجمن یا جماعت کی بناڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ شیخ سنوسی ۱۸۵۹ء میں اپنے انتقال سے پہلے محض اپنی لیاقت سے اور بغیر کسی خوں ریزی کے ایک دینی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے پیرو اس سلطنت کے مخلص وفادار ہیں اور اس کے جانشین اس سلطنت کے حدود کو روز بروز وسیع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کے مرید قواعد کے سخت پابند ہیں اور اور ان پر فرض ہے کہ وہ قرآن کے احکام کی توحید کے اصولوں کے مطابق پیروی کریں۔ اصولِ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ چنانچہ سنوسیہ کے ہاں اولیا سے دعائیں مانگنا اور ان کے مزاروں پر حاضری دینا قطعاً ممنوع ہے۔ ان کو حکم ہے کہ قہوے اور تمباکو سے پرہیز کریں اور یہودیوں اور عیسائیوں سے کسی طرح کی راہ ورسم پیدا نہ کریں۔ اگر وہ اپنے آپ کو سلسلے کی خدمت کے لیے کلی طور پر وقف نہ کر سکیں تو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ طریقے کو دیں۔ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی تمام قوت اور ہمت کو اسلام کی ترقی کے لیے صرف کر دیں اور ہر حالت میں یورپی اثرات کی مزاحمت کریں۔ یہ فرقہ پورے شمالی افریقا میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے زاویے اور خانقاہیں مصر سے لے کر مراکش تک بلکہ اندرونِ ملک صحرا اور سوڈان کے نخلستانوں میں بھی ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ سنوسی تنظیم کا مرکز جغبوب کے نخلستان میں ہے جو صحرائے لیبیا میں مصر اور طرابلس کے درمیان واقع ہے۔ ۱۸۹۵ عیسوی میں سیدی محمد السنوسی کا بیٹا اور جانشین سیدی المہدی کفرہ کی طرف منتقل ہو گیا کیونکہ وہ جغبوب کی بہ نسبت زیادہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد میں وہ اس سے بھی جنوب کی طرف بور کو تبستی کے علاقے میں چلا گیا جہاں اس نے ۱۹۰۲ء میں وفات پائی۔ ۱۹۰۸ عیسوی میں اس سلسلے کا شیخ، سیدی احمد تھا جو اس کے بانی کا ایک قرابت دار تھا۔ یہاں ہر سال سیکڑوں مبلغوں کی تربیت کی جاتی ہے اور پھر ان کو شمالی افریقا کے تمام حصوں میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ سنوسیہ کی تمام شاخیں، جن کی تعداد ۱۲۱ بیان کی جاتی ہے، جغبوب کے مرکزی زاویے سے اپنے طریقے کے انتظام اور اس کی توسیع کے بارے میں ہدایات حاصل کرتی ہیں۔ سنوسیوں کی اس حیرت انگیز تنظیم میں مختلف قوموں اور نسلوں کے ہزاروں افراد شریک ہیں جن کے وطن اور دنیوی مشاغل ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ اس سلسلے کے مبلغوں نے حد درجہ کامیابی حاصل کی ہے چنانچہ ان کے زاویے نہ صرف پورے شمالی افریقا میں مصر سے لے کر مراکش تک اور سوڈان، سینی گیمبیا اور صومالیہ (سومالی لینڈ) میں پائے جاتے ہیں بلکہ اس طریقے کے ارادت مند بلادِ عرب، عراق اور ملایا کے جزیروں میں بھی موجود ہیں۔ (Riedel (1) PP. 7, 59, 162)۔ اگرچہ سنوسی طریقہ اصل میں ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصدِ اولین مسلمانوں کی اصلاح تھا، لیکن یہ لوگ عملی طور پر اسلام کی اشاعت میں بھی مصروف ہیں۔ چنانچہ افریقا کے کئی قبیلے، جو اس سے پہلے بت پرست یا برائے نام مسلمان تھے، سنوسی مبلغوں کی آمد کے بعد اسلام کے پر جوش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلقہ بگوش بن گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ان مبلغوں نے کوشش کی ہے کہ بائلی قوم کے اس حصے کو مسلمان کر لیں جو ابھی تک بتوں کو پوجتا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس قبیلے کے باقی ماندہ افراد میں بھی اپنے جیسا مذہبی جوش وخروش پیدا کر دیا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ برائے نام مسلمان تھے اور دین اسلام کا محض سطحی علم رکھتے تھے۔(G. Nachtigal, Vol ii: P. 175. Berlin, 1879-81)۔ اسی طرح صحرا میں فزان کے جنوب میں تبستی کی رہنے والی تیدا قوم کے لوگ، جو سنوسی مبلغوں کے آنے سے پہلے برائے نام مسلمان تھے، پکے اور متشرع مسلمان بن گئے ہیں۔(Duveyrier: P 45)۔ یہ لوگ سنوسی مبلغوں کی کامیاب تبلیغ کا واضح ثبوت ہیں۔ اس فرقے کے مبلغ گالا کے ملک میں بھی زور وشور سے تبلیغ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر سال ہرر سے تازہ واعظ روانہ کیے جاتے ہیں۔ ہرر میں سنوسیوں کو بڑا اثر ورسوخ حاصل ہے۔ امیر کے دربار میں جتنے سردار ہیں، وہ سب سنوسی کے ارادت مند ہیں۔(Paulitschke: P. 124)۔ اپنی تبلیغ کو کامیاب بنانے کے لیے سنوسی مبلغ مدرسے کھولتے ہیں، صحرا کے نخلستانوں میں بستیاں آباد کرتے ہیں اور ودائی کے علاقے میں انہوں نے غلام خرید کر اپنی تعداد میں خاصا اضافہ کر لیا ہے۔ وہ جغبوب کے زاویے میں ان کی تربیت کرتے ہیں اور جب وہ سنوسی عقاید میں خوب پختہ ہو جاتے ہیں تو ان کو آزاد کر کے اپنے وطن میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے ابنائے وطن کو بھی مسلمان کریں۔(Louis Rinn: PP. 481, 531)۔ ایسا لگتا ہے کہ اب یہ سلسلہ انحطاط پذیر ہے۔(R. Du M. M: Vol i P. 181, Vol viii PP. 64-65)۔

سوڈان کی بت پرست قوموں میں تبلیغ اسلام کے مذکورہ حالات وواقعات اگرچہ قلیل ہیں تاہم وہ اس لحاظ سے اہم ہیں کہ افریقا کے اس حصے میں اشاعتِ اسلام کے بارے میں معلومات کا قحط ہے۔ اگرچہ تاریخی شہادت مفقود ہے لیکن بت پرستوں کے درمیان مسلمانوں کی جو جماعتیں بستی ہیں، وہ ایک اعلیٰ مذہب اور ارفع تہذیب کی نمائندہ اور مسلمان مبلغوں کی کوششوں کا زندہ ثبوت ہیں۔ وہ ان بت پرست قبیلوں سے نمایاں طور پر منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں جن کے اخلاق کو یورپی قوموں کی شراب فروشی نے تباہ کر دیا ہے۔ زمانہ حال کے ایک سیاح نے اس تفاوت کی خوب وضاحت کی ہے چنانچہ وہ زیریں نائجر کے قبیلوں کی رذالت اور پستی کا یوں ذکر کرتا ہے: ''دریائے نائجر میں جب ہمارا دخانی جہاز چڑھاؤ پر جارہا تھا تو پہلے دو سو میل تک مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے میرے خیالات میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا ہوتی کیونکہ اس علاقے میں بت پرستی کے ساتھ ساتھ مردم خواری اور شراب فروشی خوب رونق پر تھی۔ لیکن جب ساحل کا نشیبی علاقہ پیچھے رہ گیا اور میں وسطی سوڈان کی جنوبی سرحد کے قریب پہنچا تو مجھے دیسی باشندوں کے اخلاق اور شکل وصورت میں روز افزوں بہتری نظر آئی۔ مردم خواری کے ساتھ بت پرستی بھی رخصت ہوگئی اور شراب فروشی بھی بڑی حد تک موقوف ہوگئی۔ اس کے علاوہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے بدن پر شائستہ لباس نظر آنے لگا، صفائی اور پاکیزگی ان کا معمول تھا اور ان کی رفتار اور گفتار کی متانت بھی ان کی روحانی بیداری کا پتا دیتی تھی۔ غرض ہر ایک چیز سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی اعلیٰ عنصر نے ان میں تاثیر کی ہے، ایک ایسا عنصر جس نے نیگرو قوم کے دل و دماغ پر زبردست گرفت کی ہے اور ان کی فطرت کو تبدیل کر کے انہیں ایک نئی قوم بنا دیا ہے۔ آپ کو شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ عنصر اسلام ہے۔ جب میں وسطی سوڈان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کی سلطنت کا انتظام نسبتاً بہتر ہے، ملک خوب آباد ہے اور وہاں کے تاجر بہت ہوشیار ہیں۔ ان کے ہنرمند کاریگر عمدہ کپڑا بنتے ہیں اور پیتل اور چمڑے کی اعلیٰ چیزیں بناتے ہیں۔ غرض وہ ایک ایسی قوم ہے جو تہذیب اور شائستگی کے میدان میں بہت ترقی کر چکی ہے۔'' (Joseph Thomson(2) P. 185)۔

سوڈان میں مسلمان مبلغوں کی کارگزاری کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے اس بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ افریقا کے ساحل اور سوڈان کے اسلامی علاقے کی جنوبی سرحد کے ساتھ ساتھ اگرچہ مسلمان مبلغ اپنے دین کی اشاعت کر رہے ہیں لیکن اس کی پشت کی جانب اندرونِ ملک ایک وسیع علاقہ ایسا موجود ہے جہاں ابھی تک تبلیغِ اسلام کی ضرورت باقی ہے۔ مثال کے طور پر فونج قوم، جو سینار کے سیاہ فام لوگوں کی ایک سرکردہ قوم ہے، اس کے بعض طبقے ہیں کہ ان کے کئی لوگ مسلمان ہیں اور بعض بت پرست لیکن نوبہ کے مسلمان تاجران کو مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (Oppel: P. 303)۔

اسی طرح جکم کا قبیلہ بھی ابھی تک بت پرست ہے۔ (یہ قبیلہ شمالی نائجیریا کے موری صوبے میں آباد ہے)۔ کسی زمانے میں ان لوگوں کی ایک زبردست سلطنت تھی جو فلبے قوم کے عروج سے ملیامیٹ ہوگئی لیکن انہوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا مقابلہ کیا ہے۔ اگرچہ ان کے بادشاہ کا وزیر امور خارجہ ہمیشہ سے مسلمان رہا ہے اور ہوسا اور دوسری قوموں کے مسلمان ان کے درمیان آباد ہیں لیکن یہ مسلمان آباد کار جکم قوم کو مسلمان کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ اس قوم کے لوگ اپنی گزشتہ عظمت کی بنا پر اپنے قومی مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں اور بادشاہ کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔ (Journal of African Society: Vol vii PP. 379-81)۔

اسی طرح سوڈان اور سینی گیمبیا کی آبادی کے بعض حصے ایسے ہیں جو ابھی تک بت پرستوں کے عادات و اطوار کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں یا ان پر اسلامی دستور کی محض ایک ہلکی سی تہ چڑھی ہوئی ہے حالانکہ ان کے چاروں طرف صدیوں سے مسلمان آباد چلے آرہے ہیں۔ کنوہ قوم کے لوگ جو قبیلہ منڈنگو کی ایک شاخ سے ہیں، ابھی تک اکثر بت پرست ہیں اور ابھی چند سال کی بات ہے کہ ان کے ہاں اسلام رواج پذیر ہوا ہے۔ (Haywood. P. 33)۔ اس وجہ سے انیسویں صدی میں ان ملکوں میں اسلام کے پرجوش مبلغوں کو اپنی تبلیغ کے لیے کہیں دور علاقے میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ ان کے لیے اپنے ہی ملک میں تبلیغ کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاصا وسیع میدان موجود تھا۔ چنانچہ افریقا میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ کے سلسلے میں ایسی اسلامی تحریکوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جن سے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی بیداری مقصود تھی، اسی لیے ہم نے صفحات بالا میں ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔

افریقا کے مغربی ساحل پر مسلمان مبلغوں کے لیے ایک اور میدان عمل کھلا ہے۔ اگرچہ گنی، سیرالیون اور لائبیریا کے علاقوں میں اسلام قدرے ترقی کر چکا ہے لیکن اسے ایک کثیر آبادی کا سامنا ہے جواب بھی بت پرست ہے۔ سیرالیون کے قرب و جوار میں تبلیغ اسلام کی ایک ابتدائی کوشش کا ذکر ایک عرضداشت میں آیا ہے جو سیرالیون کمپنی کو توڑنے کے لیے پیش کی گئی تھی اور جس کی طباعت کا حکم برطانیہ کے دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) نے ۲۵ مئی ۱۸۰۲ء کو جاری کیا تھا۔ اس عرضداشت کا متن یہ ہے: ''ستر سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا کہ سیرالیون کے شمال میں تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ایک علاقے میں چند مسلمانوں کی ایک جماعت قائم ہوئی تھی۔ یہ علاقہ ان کے نام پر منڈنگو ملک کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اہل سلام کا دستور ہے، انہوں نے یہاں مدرسے جاری کیے جن میں عربی زبان اور سلامی عقاید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے رسوم و عادات اختیار کیے جن میں سے ایک خاص دستور یہ تھا کہ اپنے ہم مذہب لوگوں میں سے کسی شخص کو بطور غلام فروخت نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ ایسے قوانین کو نافذ کیا گیا ہے جن کی بنیاد قرآن پر ہے۔ چنانچہ ان تمام دستوروں کا قلع قمع کر دیا گیا ہے جن سے ملک ویران اور برباد ہو رہا تھا۔ بہت سے اندرونی ہنگاموں کے باوجود ملک میں پہلے زمانے کی بہ نسبت شائستگی، اتفاق و اتحاد اور امن و امان کی فضا پیدا ہوگئی ہے۔ غرض وہاں کی آبادی بہت بڑھ رہی ہے۔ جس علاقے میں وہ آباد ہیں، وہاں کا سارا اقتدار بتدریج ان کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا ہے۔ جن اشخاص نے ان کے مدرسوں میں تعلیم پائی ہے، وہ ہمسایہ ملکوں میں ثروت اور اقتدار حاصل کر رہے ہیں اور وہاں اپنے دین اور قوانین کو رواج دے رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے سردار بھی مسلمانوں کے سے نام اختیار کر رہے ہیں کیونکہ یہ نام باوقار سمجھے جاتے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اسلام پرامن طریقے سے اس پورے ملک میں پھیل جائے گا جہاں ان لوگوں کی نوآبادی قائم ہے۔ اسلام کی اشاعت کے ساتھ نومسلموں کو وہ تمام فوائد حاصل ہوں گے جو نیگرو قوم کے توہمات پر غالب آنے سے ہمیشہ مترتب ہوتے ہیں۔''

(Claude George: The Rise of British West Africa, PP. 20-21, London 1902)۔

اسلام مینڈی کے علاقے میں، جو سیرالیون کی جنوبی سمت میں تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے، صرف انیسویں صدی میں رواج پذیر ہوا تھا اور اب برابر ترقی کر رہا ہے۔ ''تبلیغ کا کام مبلغوں یا معلموں کی کوئی خاص جماعت انجام نہیں دے رہی بلکہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا ایک مستعد مبلغ ہے۔ جب کبھی پانچ چھ مسلمان کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہر میں جمع ہوتے ہیں اور کچھ عرصے کے لیے وہاں سکونت کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں فوراً ایک مسجد تعمیر کر لیتے ہیں اور تبلیغ کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ حاکم شہر کے پاس پہنچتے ہیں اور اس سے اپنی مجوزہ تبلیغ کے لیے اجازت حاصل کرتے ہیں۔ شاید اس سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ وہ ان کا پیرو بن جائے گا۔ وہ اسے عربی میں نماز سکھاتے ہیں یا اس کا جس قدر حصہ وہ از بر یاد کر سکتا ہے، اس کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ اس کو رکوع و سجود یعنی نماز ادا کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں اور مسکرات کے استعمال سے روکتے ہیں اگر چہ وہ اس ممانعت کی کبھی پابندی کرتا ہے اور کبھی اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ ان چند باتوں کی تلقین کے بعد وہ شخص مسلمان سمجھا جاتا ہے۔'' (Islam and Mission: PP. 73,74)۔ گنی کے ساحل پر اسلام کی اشاعت زیادہ تر ہوسا قوم کے تاجروں کے ذریعے انجام پائی ہے جو اس ساحل کے تمام تجارتی شہروں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جب کبھی کوئی بستی بساتے ہیں تو فوراً وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کر لیتے ہیں اور بت پرستوں کے دلوں پر اپنی پرہیز گاری اور ارفع تہذیب کا نقش بٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ بت پرستوں کے قبیلے کے قبیلے مسلمان ہو رہے ہیں کیونکہ وہ اسلامی تہذیب کو اپنے طرز زندگی کے مقابلے میں اعلیٰ اور ارفع سمجھتے ہیں۔ اس طرح ان کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (Lippert: P. 200)۔

اشانتی میں ۱۷۵۰ عیسوی ہی سے مسلمانوں کی ایک جماعت کا وجود پایا گیا ہے اور اسی زمانے سے مسلمان مبلغ وہاں سست روی لیکن ثابت قدمی کے ساتھ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ (Waitz: P. 250)۔ وہاں کے لوگ ان کا خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کو حاکم کے دربار میں بھی خاصا اثر و رسوخ حاصل ہے۔ اسلامی مدارس کے ذریعے بت پرستوں کی نئی نسل کے دل و دماغ مسلمان مبلغوں کی گرفت میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس بات کی صریح علامتیں موجود ہیں کہ اسلام اشانتی میں غالب آ جائے گا کیونکہ وہاں کے بہت سے سردار اسے قبول کر چکے ہیں۔ (C S Salmon: P. 891)۔ ڈاہومی اور گولڈ کوسٹ میں اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اگر وہاں کے سردار خود اسلام قبول نہ بھی کریں، پھر بھی وہ اکثر اوقات مسلمان مبلغوں کے اثر میں آ جاتے ہیں۔ وہ مبلغ اسی اثر سے عوام میں تبلیغ کرنے میں خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (Pierre Bouche: P. 256)۔ ڈاہومی اور اشانتی افریقا کے اس حصے کی بڑی اہم سلطنتیں ہیں جو ابھی تک بت پرست حکام کے زیر نگیں ہیں۔ لیکن ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا مسلمان ہونا صرف چند دنوں کی بات ہے۔ (Blyden: P. 357)۔ لاگوس کے شہر میں دس ہزار کے قریب مسلمان ہیں اور مغربی ساحل کے تجارتی شہروں میں کئی مسلمان پائے جاتے ہیں جو فلبے، منڈنگو اور ہوسا کی اعلیٰ نیگرو نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب یہ لوگ ساحلی شہروں میں تجارت کے لیے آتے ہیں یا یورپی سلطنتوں کی سپاہ میں فوجیوں کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنی دلیری اور جوانمردی سے ساحل کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیگرو لوگوں کو مرعوب کیے بغیر نہیں رہتے۔ بت پرست نیگرو دیکھتا ہے کہ گورنر، افسر اور تاجر سب لوگ ہر جگہ مسلمانوں کی عزت کرتے ہیں اور مسلمان لوگ نسل، لباس، عادات اور ظاہری شکل وصورت میں اس سے اس قدر مختلف نہیں ہیں کہ وہ ان کی برادری میں داخل نہ ہو سکے، اگر وہ ان کا مذہب اختیار کر لے تو وہ بھی ان کے حقوق اور مراعات میں شریک ہو سکتا ہے۔(C. S. Salmon: P. 887)۔ایک بت برست نیگرو، خواہ وہ کتنا ہی گمنام یا رذیل کیوں نہ ہو، جوں ہی اسلام قبول کرنے پر رضا مند ہوتا ہے تو مسلمان اس کو فوراً اپنی برادری میں شامل کر لیتے ہیں اور اس کو برابر کا درجہ دیتے ہیں۔ اسلامی برادری میں شریک ہونے کا جو حق ہے، اس کے دینے میں کسی کو دریغ نہیں کیا جاتا بلکہ اسلام کے پر جوش اور سرگرم مبلغ نومسلم کو یہ حق بخوشی پیش کرتے ہیں۔ دریائے سینیگال کے دھانے سے لے کر لاگوس تک دو ہزار میل کی مسافت میں کوئی بڑا شہر ایسا نہیں ہے جس میں کم سے کم ایک مسجد نہ ہو اور جہاں عیسائی مشنریوں کے دوش بدوش مسلمان مبلغین مصروف عمل نہ ہوں۔(Blyden: P. 88: Wester mann PP. 633-34)۔

اب ہم مشرقی افریقا میں اسلام کی اشاعت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کے باشندے اسلام کے مولد ومنشا (بلادِ عرب) کے زیادہ قریب ہیں۔افریقا کے مشرقی ساحل پر عربوں نے جو آبادیاں پہلے پہل قائم کی تھیں، ان کے متعلق ہمیں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ جب ۱۵۰۵ عیسوی میں پرتگالی امیر البحر دون فرانسسکو دا المائدہ نے کلوا کے شہر کو برباد کیا تو پرتگالیوں کو وہاں ایک عربی تاریخ ملی جس میں لکھا تھا کہ اس ساحل پر سب سے پہلے عربوں کی ایک جماعت آباد ہوئی تھی جن کو اپنے وطن سے اس بنا پر جلاوطن کر دیا گیا تھا کہ انہوں نے ایک شخص زید کے ملحدانہ عقاید کی پیروی کی تھی۔ یہ شخص رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد میں سے تھا اور اس کے پیروامتِ زیدیہ کہلاتے تھے۔جس زید کا اس روایت میں ذکر آیا ہے وہ غالباً زید بن علی ہے جو حضرت حسینؓ بن علی کا پوتا تھا۔اموی خلیفہ ہشام کے عہد میں اس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ جب اس نے اپنے طرف داروں کے ساتھ مل کر خروج کیا تو اس نے اموی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور ۱۲۲ ہجری (۷۴۰ عیسوی) میں مارا گیا۔(ابن خلدون: جلد سوم، صفحات ۹۸ تا ۱۰۰)۔

افریقا کے مشرقی ساحل پر جو عرب شروع میں آباد ہوئے، وہ وہاں کے اصلی بت پرست باشندوں سے خائف رہتے تھے تاہم وہ اپنی آبادیوں کو ساحل کے ساتھ ساتھ بتدریج پھیلاتے رہے یہاں تک کہ عرب مہاجرین کی ایک جماعت خلیج فارس کے ایک مقام سے وارد ہوئی جو جزیرہ بحرین کے قریب واقع تھا۔ یہ لوگ سات بھائیوں کی قیادت میں تین جہازوں میں سوار ہو کر آئے تھے کیونکہ وہ الاحسا کے حاکم کے ظلم وستم سے بچنا چاہتے تھے جس کی مملکت ان کے وطن سے متصل تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے مقدشو کا شہر تعمیر کیا جس کو بعد میں اتنا عروج حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ ساحل کے تمام عربوں پر اس کی حکومت قائم ہوگئی۔ جو عرب اس ساحل پر سب سے پہلے آباد ہوئے، وہ شیعہ تھے لیکن بعد میں وارد ہونے والے سنی تھے اور وہ مقدشو کی حکومت میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ ملک کے اندرونی حصوں میں چلے گئے۔ انہوں نے مقامی باشندوں کے ہاں شادیاں کرلیں اور ان کے اوضاع واطوار اختیار کرلیے اور ان میں بتدریج مدغم ہوگئے۔ (J D. Barros: PP. 211-12)۔

مقدشو کا شہر، جو دسویں صدی عیسوی کے وسط میں آباد ہوا تھا ستر برس تک بڑے عروج پر رہا یہاں تک کہ خلیج فارس سے ایک اور جماعت وارد ہوئی اور اس نے مقدشو کے جنوب کی سمت میں ایک اور شہر بسا لیا جو مقدشو کا حریف ثابت ہوا۔ اس جماعت کا سردار علی تھا جو شیراز کے سلطان حسن کا بیٹا تھا۔ اس کے چھ بھائی اور تھے۔ چونکہ علی کی ماں ایک حبشن تھی، اس لیے اس کے بھائی اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب سلطان حسن کا انتقال ہوگیا اور علی کے بھائیوں نے اس سے بے رحمی کا سلوک کیا تو اس نے اپنا وطن چھوڑ کر کہیں اور آباد ہونے کا قصد کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے اہل وعیال اور چند مصاحبوں کے ساتھ جزیرہ ہرمز سے روانہ ہوا اور مقدشو کو ایک طرف چھوڑ کر، جہاں کے باشندے مختلف مذہب رکھتے تھے، جنوب کی طرف بڑھتا گیا کیونکہ اس نے سنا تھا کہ زنجبار کے ساحل پر سونا دستیاب ہوتا ہے۔ اس نے کلوا کا شہر آباد کیا تاکہ وہ ایک خودمختار حاکم کی حیثیت سے رہ سکے اور شمال کے عربوں کی دست اندازی سے بھی بچا رہے۔ (De Barros: PP. 224-5)۔

غرض اس طرح افریقا کے مشرقی ساحل پر خلیج عدن سے لے کر خطِ جدی تک عربوں کے کئی شہر آباد ہوگئے۔ یہ شہر اس ملک کی سرحد پر واقع تھے جس کو قرونِ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ دانوں نے بلادِ الزنج کہا ہے۔ ان زنگیوں کو مسلمان کرنے کے لیے عرب آبادکاروں نے جس قدر کوششیں کی ہوں گی، ان کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ کتاب ''عجائب الہند'' میں، جو غالباً دسویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھی، ایک عجیب وغریب حکایت ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زنگی قبیلے کے بادشاہ نے خود اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ۹۲۲ عیسوی میں عربوں کا ایک تجارتی جہاز ایک طوفان میں راستے سے بھٹک گیا اور وہ لوگ مردم خور زنگیوں میں جا پہنچے جہاں ان کو یقین ہوگیا کہ اب وہ کوئی دم میں لقمہ اجل بننے والے ہیں۔ لیکن اس اندیشے کے برعکس وہاں کا بادشاہ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اس نے کئی ماہ تک ان کو اپنا مہمان رکھا۔ ان تاجروں نے اپنا مال خوب نفع پر فروخت کیا لیکن انہوں نے بادشاہ کی مہربانی کے عوض بڑی دغابازی سے کام لیا۔ چنانچہ جب بادشاہ ان کو رخصت کرنے کے لیے اپنے ملازموں اور مصاحبوں کے ساتھ ان کے جہاز میں آیا تو انہوں نے ان سب کو گرفتار کرلیا اور عمان میں پہنچ کر ان کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ چند سال کے بعد یہ تاجر پھر طوفان میں گھر گئے اور اسی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ زنگیوں نے ان عرب تاجروں کو پہچان لیا اور کشتیوں میں سوار ہوکر ان کے جہاز کو گھیر لیا۔ عربوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو یقین ہو گیا کہ اب ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ وہ توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے۔ زنگی ان کو پکڑ کر اپنے بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ عربوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی اور پریشانی ہوئی کہ بادشاہ وہی شخص ہے جس کے ساتھ چند سال پہلے انہوں نے شرمناک دغابازی کی تھی۔ ان کی غداری کا انتقام لینے کے بجائے بادشاہ نے ان کی جان بخش دی اور ان کو اپنا مال فروخت کرنے کی اجازت دے دی لیکن ان کے قیمتی تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رخصت ہونے سے پہلے ایک عرب تاجر نے جرأت سے کام لے کر بادشاہ سے پوچھا کہ وہ غلامی سے کیوں کر آزاد ہوا؟ اس کے جواب میں بادشاہ نے بیان کیا کہ لوگ اس کو غلام بنا کر بصرہ لے گئے تھے اور اس کے بعد بغداد، جہاں اس کو مسلمان کر لیا گیا اور اسلام کی تلقین کی گئی۔ بغداد میں اپنے آقا سے بھاگ کر وہ حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ ہو گیا جو مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ حج کے مناسک سے فارغ ہو کر وہ قاہرہ میں آیا اور وہاں سے دریائے نیل کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے اپنے وطن کا قصد کیا۔ اس سفر میں اس کو بہت سے خطرات اور مصائب کا سامنا ہوا اور کئی دفعہ اس کو غلام بنایا گیا لیکن آخر کار وہ اپنے وطن میں آ پہنچا۔ جب اس کو اپنی مملکت دوبارہ مل گئی تو اس نے اپنی رعایا کو دینِ اسلام کی تلقین کی اور کہا: ''اب مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ خدا نے مجھ کو اور میری قوم کو اسلام کا علم بخشا ہے جو دینِ برحق ہے۔ زنج کے ملک میں کسی اور کو یہ نعمت نہیں ملی۔ چونکہ تم لوگ میرے قبولِ اسلام کا باعث بنے ہو اس لیے میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ جاؤ اور مسلمانوں کو بتلاؤ کہ وہ ہمارے ملک میں آ سکتے ہیں اور ہم، جو ان کی مثل مسلمان ہیں، ان سے بھائیوں کی طرح ملیں گے۔'' (عجائب الہند صفحات ۵۱ تا ۶۰۔ لیڈن ۱۸۸۳ء)۔

اسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں بھی بہت سے عرب تاجر ساحلی علاقوں میں آمدورفت رکھتے تھے۔ لیکن اس صدہا سال کی آمدورفت کے باوجود ساحل کی دیسی قوموں پر، سوائے سومالی قوم کے اسلام کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ سولہویں صدی کی پرتگالی فتوحات سے پہلے جو چند زنگی لوگ مسلمان ہوئے، وہ ساحل تک محدود تھے۔ ان علاقوں میں پرتگالی حکومت کے زوال کے بعد جب ساداتِ عمان کے عہد میں عربوں کا تسلط دوبارہ قائم ہوا تو گالا اور سومالی قوموں کے سوائے اندرون ملک کی دیگر اقوام میں اشاعتِ اسلام کے لیے کوئی کوشش نہ کی گئی۔ چنانچہ زمانہ حال کے ایک سیاح نے لکھا ہے: ''وسطی افریقا کے مشرقی حصے میں مجھے تین مرتبہ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن اس دوران مجھے کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اسلام تہذیب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اسلام میں جو کچھ قوتیں اور قابلیتیں ہوں، مشرقی افریقا میں وہ مخفی اور مستور ہیں اور ان علاقوں میں عربوں نے یا ان کے اخلاف نے اسلام کی اشاعت نہیں کی۔ چنانچہ اسلام کی تلقین کے لیے کوئی مبلغ موجود نہ تھا اور مسقط کے عرب اسی بات کو غنیمت سمجھتے تھے کہ ان کے غلام ایک حد تک احکام اسلام کے پابند ہیں۔ عربوں نے مشرقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقا کی بت پرست قوموں سے کچھ سروکار نہ رکھا اور یہ قومیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے گمراہی میں بدستور مبتلا ہیں۔ ان میں تہذیب وثقافت سے استفادہ کرنے کی مطلق صلاحیت نہ تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ پانچ سو سال تک مسلمانوں کی نیم شائستہ قوموں کے ساتھ ان کا میل ملاپ رہا لیکن اس کے باوجود ان میں اعلیٰ صفات کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیدا نہ ہو سکی جو ان کے ہمسایوں میں موجود تھیں۔ ان صد ہا برسوں میں نیکی کا ایک تخم بھی ایسا نہ پھوٹا جو بڑا ہو کر پروان چڑھتا۔"

(Joseph Thomson: Mohammadanism in Central Africa, P. 877)۔

مشرقی افریقا کے عربوں کو سوداگری اور غلاموں کی تجارت میں ایسا گہرا انہماک رہا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کی ترقی کے لیے کسی شوق کا اظہار نہ کیا۔ ان کی یہ سرد مہری اس جوش وخروش کے بالکل برعکس ہے جو ان کے ہم مذہبوں نے افریقا کے دوسرے حصوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے دکھایا۔

لیکن اس سے وہ عرب تاجر مستثنیٰ ہیں جو انیسویں صدی کے نصف اول میں یوگنڈا کے ملک میں پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بگنڈا قوم کے لوگ بڑے جواں مرد اور آزاد طبع ہیں اور ان کو پکڑ کر غلام بنانا ناممکن ہے چنانچہ عربوں نے یہ کوشش کی کہ ان کو مسلمان کر کے ان کا اعتماد حاصل کریں۔ اس طرح شاہ موتیسا کے دور میں بگنڈا قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن جب اسٹینلے Stanley نے ۱۸۷۵ عیسوی میں اس بادشاہ سے ملاقات کی اور اگلے سال عیسائی مشنری بھی اس کے ملک میں جا پہنچے تو اس سے مسلمانوں کی طاقت میں انحطاط آ گیا۔ عیسائیوں کی تعداد جلد جلد بڑھنے لگی اور یوگنڈا کا ملک برطانیہ کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا گیا۔ (Roscoe: P. 229)۔ لیکن چند مسلمان ابھی تک یوگنڈا کے اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یوگنڈا کے مشرقی علاقے کے مسلمان ہونے کا امکان موجود ہے۔ یوگنڈا کے شمال میں بوسوگا کا خوشحال خطہ اس کا باج گزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں وہاں کے بہت سے حکام مسلمان تھے۔ (Zwemer, P. 236)۔

لیکن انیسوی صدی کے نصف ثانی تک اسلام وسطی افریقا کے مشرقی حصے میں یوگنڈا کو چھوڑ کر صرف ساحلی علاقوں اور ان کے متصلہ خطوں تک محدود رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بت پرست قبیلوں میں اسلام کی اشاعت ان عربوں کے مفاد کے منافی تھی جو غلاموں کی تجارت کرتے تھے کیونکہ جب بت پرست قبیلے اسلام قبول کر کے ایک مرتبہ اسلامی برادری میں شامل ہو جاتے تو عرب تاجران پر غارت گری نہیں کر سکتے تھے اور ان کو غلام نہیں بنا سکتے تھے۔ (Richter: PP. 146-47,154: Merensky: P. 156: Klamroth: P. 4)۔

جب وسطی افریقا میں یورپی سلطنتوں نے اپنے دائرہ حکومت کو وسیع کیا اور غلاموں کی تجارت کو بند کر دیا تو اس سے مسلمان مبلغوں کے کام میں حیرت انگیز وسعت آ گئی۔ اندرون ملک امن قائم ہوا اور ریل کی پٹڑیاں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہراہیں تعمیر ہوئیں۔ چنانچہ مسلمان تاجر اب امن و امان کے ساتھ ایسے اندرونی علاقوں میں جانے لگے جن کے دروازے ان کے لیے آج تک مسدود تھے۔ حکام اپنے اہلکار اور ملازم آبادی کے تعلیم یافتہ اور شائستہ طبقے سے منتخب کرتے تھے۔ اس طرح مشرقی افریقا کی جرمن حکومت نے مسلمان افسروں کو ہزاروں عہدے دیے جن کے اثر و رسوخ سے گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ (R .du. M. M. Vol ix, (1909) P. 322)۔ اسی طرح سرکاری مدرسوں کے استاد بھی مسلمان تھے۔ چنانچہ سواحلی قوم کے مسلمان مدرس بندوئی اور وادیگو کے باشندوں میں کامیابی سے تبلیغ کرتے رہے جو ساحل سے قدرے فاصلے پر اندرون ملک آباد تھے۔ لیکن یہ جدید تبلیغی تحریک بیسویں صدی کے شروع میں جرمن مشرقی افریقا کی ۱۹۰۵ء کی بغاوت کے بعد خاص طور پر نمایاں ہوئی ہے۔ یہ تحریک ریل کی پٹڑیوں اور تجارتی شاہراہوں کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے اور جرمن مشرقی افریقا کے پورے علاقے کو طے کرتی ہوئی اس کی مغربی سرحد پر جھیل ٹانگانیکا کے کناروں تک شمال کی سمت میں کلیمن جارو کے ضلع تک اور جنوب میں جھیل نیاسا تک پھیل چکی ہے۔ (Becker: PP. 10,13)۔ اس تحریک کو چلانے والے بیشتر لوگ تاجر ہیں خصوصاً سواحلی قوم کے وہ سوداگر جو ساحلی علاقوں سے آتے ہیں۔ ان کے علاوہ فوج کے سپاہی اور سرکاری اہل کار بھی اس تبلیغ میں حصہ لے رہے ہیں۔ (Becker: P. 53)۔ جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو یہ قبول اسلام گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس نے ایک اعلیٰ تہذیب اور بلند تر معاشرتی درجے پر ترقی پائی ہے۔ چونکہ مسلمان لوگ بت پرستوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، اس سے بھی ان کو اسلام اختیار کرنے کی ترغیب ملی ہے۔ (Klemroth: PP. 21,25,54)۔ اس کی ایک مثال ہمیں مغربی اوسمبارا میں ملتی ہے جس کے دروازے ۱۸۹۱ عیسوی تک اسلام کے لیے بند تھے۔ وہاں کے سردار اور عوام دونوں مسلمانوں کے مخالف تھے کیونکہ غلاموں کی تجارت کے باعث وہ ان سے نفرت کرتے تھے اور ان سے خوف بھی کھاتے تھے۔ لیکن جب اس تجارت کے دن بیت گئے اور ملک میں ایک باقاعدہ حکومت کا نظام قائم ہو گیا تو سب سے پہلے جو دیسی افسر اور اہل کار مقرر ہوئے، وہ تقریباً سب مسلمان تھے۔ انہوں نے سرداروں اور دوسرے سرکردہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ جو لوگ سرکاری حلقوں میں آمد و رفت رکھتے ہیں، ان کے لیے مسلمان ہونا مناسب ہے۔ اس طریقے سے انہوں نے بہت سے سرداروں کو مسلمان کر لیا۔ پھر ان نو مسلم سرداروں نے اپنے سے کم تر درجے کے سرداروں کو بھی اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ (Klemroth: PP. 23.24)۔ پیشہ ور مبلغوں، مذہبی طریقوں اور سلسلوں کی کارگزاری کا بہت کم پتا چلتا ہے لیکن اس کے ساتھ باقاعدہ تبلیغ کی شہادت بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان واعظ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ کلیمن جارو کے ایک ضلع میں پانچ مہینوں تک ہر ہفتے باقاعدگی کے ساتھ جاتا رہا اور اسلام کا وعظ کہتا رہا۔ وہاں کے لوگ اس کے پند و نصیحت کا خیر مقدم کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور وہ بھی چاول وغیرہ سے ان کی ضیافت کرتا تھا۔(Klemroth: p.26)۔اس پرجوش تبلیغ کے متعلق بات قابلِ ذکر ہے کہ مبلغینِ اسلام اپنی توجہ صرف بت پرستوں تک محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ دیسی عیسائیوں کو بھی مسلمان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔(Klemroth: P. 67)۔

نیاسالینڈ میں بھی اسلام کی اشاعت مشرقی ساحل ہی کی جانب سے ہوئی تھی۔اس کی اشاعت ان عربوں کے ذریعے ہوئی تھی جو غلام پکڑنے کے لیے اس ملک میں غارت گری کیا کرتے تھے۔اس تبلیغ میں ان کے ہمراہ ان کے حلیف یاؤ قوم کے لوگ بھی شریک تھے جن کے اسلاف مشرقی ساحل سے آئے تھے اور جو مدت دراز سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اب نیاسالینڈ میں مشکل ہی سے کوئی عرب نظر آتا ہے لیکن یاؤ قوم کا نیاسالینڈ کے نہایت طاقت ور قبائل میں شمار ہوتا ہے اور وہ اسلام کو اپنا قومی مذہب سمجھتے ہیں۔اگرچہ تبلیغ اسلام کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بیسویں صدی کے پہلے دس برسوں میں اسلام اس خطے میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلا ہے۔ یہاں کے چند نہایت ہوشیار اور ذی شعور قبائل نے اسے قبول کر لیا ہے۔(Becker: P. 14: The Muslim world: Vol II P. 3)۔

گالا اور سومالی قوموں میں بھی اسلام نے اسی قسم کی کامیابی حاصل کی ہے۔گالا قوم کے لوگوں نے حبشہ کے ملک میں جو بستیاں بسائی تھیں،ان کا ذکر اس سے پہلے چوتھے باب میں آچکا ہے۔یہ لوگ،جو سات بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں اور والوگالا کہلاتے ہیں،حبشہ میں داخل ہوتے وقت غالباً سب کے سب بت پرست تھے اور اس قوم کا بڑا حصہ اب بھی بت پرست ہے۔حبشہ میں آباد ہونے کے بعد وہ گویا اسی ملک کے باشندے ہوگئے۔اکثر لوگوں نے زبان کے علاوہ وہاں کے اصل باشندوں کے عادات واطوار بھی اختیار کر لیے۔
(Henry Salt: A Voyage to Abyssinia: P. 299, London 1814)۔

گالا قوم نے اسلام کیسے قبول کیا؟اس کی کیفیت تاریکی کے پردے میں مستور ہے۔ان کے بعض قبیلوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو زبردستی عیسائی بنایا گیا تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ سیاسی اقتدار سے خالی تھے،اس لیے مسلمان قبیلوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جبراً مسلمان کیے گئے تھے۔اٹھارویں صدی میں ان کے جو قبیلے جنوب میں آباد تھے،وہ بیشتر مسلمان تھے البتہ جو قبیلے مشرق اور مغرب کے اطراف میں رہتے تھے،وہ اکثر بت پرست تھے۔ (James Bruce: Travels to Discover the Source of the Nile: Vol III, P. 243 Edinburgh 1805)۔ان کے بارے میں ہمیں جو معلومات حال ہی میں حاصل ہوئی ہیں،ان سے پتا چلتا ہے کہ وہاں اہل اسلام کی تعداد بڑھ رہی ہے۔چنانچہ ۱۸۶۷عیسوی میں منسنگر نے پیش گوئی کی تھی کہ گالا قوم کے تمام قبیلے تھوڑے ہی عرصے میں مسلمان ہو جائیں گے۔(Munzinger, P. 408)۔ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ''بہت جنونی'' تھے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ مذہب کی پابندی میں ست اور لاپروا نہیں تھے۔(Krapf: Vol i, P. 105)۔

گالا قوم کے ایک آزاد شدہ غلام سے خیبر کے مقام پر ڈاوٹی Doughty کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقعے پر اس نے جس مذہبی جوش و جذبے کا اظہار کیا، وہ یقیناً حیرت انگیز ہے۔ جب وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ لوگ اس کو اپنے وطن سے پکڑ کر لے آئے تھے اور اسے جدہ میں لا کر بطور غلام فروخت کر ڈالا تھا۔ ڈاوٹی نے اس سے پوچھا کہ جن لوگوں نے تمہیں اپنے وطن سے چرا کر دیارِ غیر میں غلام بنانے کے بعد بیچ دیا تھا، کیا تم دل میں ان کے خلاف غیظ و غضب محسوس نہیں کرتے؟ اس نے جواب میں کہا: ''ایک بات ہے جس نے میرے لیے ان سب باتوں کی تلافی کر دی ہے، وہ یہ ہے کہ میں دوسرے بت پرستوں کی طرح جہالت کی ظلمت میں مبتلا نہیں رہا۔ اللہ کی توفیق کس قدر حیرت افزا ہے جس کی بدولت میں رسولِ خداؐ کے دیار میں پہنچا اور مجھ دینِ برحق سے آگاہی ہوئی۔ آہا! ایمان میں کس قدر حلاوت ہے! اے میرے عزیز دوست! یقین کرو کہ یہ وہ چیز ہے جو بیان سے باہر ہے۔ خدا کرے کہ تم کو بھی اس کی معرفت نصیب ہو۔ خداوند کریم یقیناً تمہاری نگہبانی کرے گا اور تم سچے دین کو پہچانے بغیر اس دنیا سے رخصت نہیں ہو گے۔ کتنی خوشی کی بات ہو اگر میں تمہیں مسلمان دیکھ سکوں اور تم ہمارے ساتھ یک جان ہو جاؤ۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وقت خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہے گی۔''
(Arabia Deserts: Vol ii, PP. 109,168)۔

گالا قوم کے حقیقی وطن میں آبادی کا کچھ حصہ مسلمان ہے جس کے بعض قبیلے ۱۵۰۰ عیسوی کے قریب مسلمان ہوئے تھے۔(Morie: Vol ii P. 248)۔ لیکن اس قبیلے کے کچھ حصے ابھی تک بت پرست ہیں۔ اس سے وہ قبیلے مستثنیٰ ہیں جو حبشہ کی سرحد پر رہتے ہیں اور جن کو اس ملک کے بادشاہ نے انیسویں صدی کے آخر میں عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔(Reclus:P. 309: Basset: PP.270-71)۔ پہاڑی علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن میدانوں میں مسلمان مبلغین نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی تعلیم و تلقین نے وہاں بڑی مقبولیت پائی ہے۔ انتونیو چیکی نے، جس نے ۱۸۷۸ عیسوی میں لمو Limmu کی چھوٹی سی ریاست کی سیاحت کی تھی، ابا باغبو کے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے۔ (۱۸۴۶ء میں جب رومن کیتھولک فرقے کے عیسائیوں نے گالا قوم کے ہاں اپنا مشن کھولا تو ابا باغبو نے ان سے کہا: ''اگر تم تیس برس پہلے آتے تو نہ صرف میں بلکہ میرے تمام ہم وطن تمہارا مذہب قبول کر لیتے لیکن اب یہ بات ناممکن ہے)۔'' وہ حکمران وقت کا باپ تھا اور اس کو ان تاجروں نے مسلمان کیا تھا جو سوداگروں کے بھیس میں اس کے دیس میں آئے تھے اور اسلام کی اشاعت کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ دیگر گالا ریاستوں کے حکمرانوں اور ان کے درباریوں نے بھی اس کی مثال کی پیروی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اور بعض عوام بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام ان کے ہاں برابر ترقی کرتا رہا لیکن اس قوم کے اکثر لوگ ابھی تک اپنے آبائی مذہب کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔(Massaja: Vol iv, P. 103, Vol vi P. 10)۔ گالا قوم کے حکمران اور سردار مسلمان تاجروں کا خوشی سے استقبال کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے پاس اپنے ملک کی تجارتی پیداوار بیچتے اور اس کے عوض غیر ملکوں کی مصنوعات حاصل کرتے تھے۔ چونکہ یہ تاجر سال پر سال یا دو سال میں صرف ایک مرتبہ جاتے تھے اور باقی تمام وقت گالا کے ملک میں گزارتے تھے اس لیے ان کو اسلام کی اشاعت کے لیے خاصا موقع مل جاتا تھا اور وہ اس سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ غرض وہ جہاں کہیں قدم رکھتے تھے، ان کو اس بات کا پورا یقین ہوتا تھا کہ وہ مختصر عرصے میں بہت سے لوگوں کو مسلمان کر لیں گے۔ (Massaja: Vol iv, P. 132)۔ گالا کے ملک میں اسلام کو ان عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنا پڑا جو یورپ سے آئے تھے۔ لیکن ان کو بحیثیت مجموعی بہت کم کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ چیکی نے عیسائی مشنریوں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے برسوں میں ان ملکوں میں اسلام کی بکثرت اشاعت ہوئی ہے۔ یہ اشاعت کئی سو مسلمان مبلغوں اور تاجروں کے ذریعے ہوئی ہے جن کو اس کام کے لیے ضروری وسائل میسر ہیں یعنی وہ ہوشیار ہیں اور ملک کی زبان خوب جانتے ہیں۔'' (Vol ii, Page 542)۔ چنانچہ جب کارڈینل ماسایا کو (جو رومن کیتھولک تھا)، ملک سے نکال دیا گیا تو جن لوگوں کو اس نے عیسائی کیا تھا، وہ یا تو مسلمان ہو گئے یا کافر۔ ان کو نہ خدا پر یقین رہا اور نہ مسیح پر۔(Massaja: P.343)۔ اس کے برعکس مسلمان مبلغوں کو مسلسل کامیابی حاصل ہوتی رہی اور انہوں نے جنوب کی طرف بڑھتے بڑھتے دریائے وابی کو عبور کر لیا۔ (Reclus: Vol xiii, P. 834)۔ گالا قوم کے اکثر قبیلے، جو ملک کے مغربی حصے میں رہتے ہیں، انیسویں صدی کے خاتمے تک بت پرست تھے لیکن جو قبیلے بالکل مغربی سرحد پر آباد ہیں مثلاً لیگا، ان کے ہاں قدیم صنم پرستی زوال پذیر معلوم ہوتی تھی۔ گمان غالب ہے کہ مبلغوں کے اثر سے چند برسوں میں لیگا قبیلے کے تمام لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔(Reclus: Vol x, P. 350)۔

آج کل افریقا کے شمال مشرقی حصے میں مسلمان مبلغ بڑے جوش و خروش سے سرگرم عمل ہیں۔ چنانچہ کئی سو مبلغ بلادِ عرب سے ہر سال یہاں آتے ہیں۔ وہ گالا قوم کی بہ نسبت سومالی قوم کو مسلمان کرنے میں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ صومالی قوم کا ملک دیارِ عرب سے بہت قریب ہے اس لیے اشاعت اسلام کا کام یہاں بہت ابتدائی زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے متعلق ہمیں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ عرب جغرافیہ دان ابن حوقل کا بیان ہے کہ نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں زیلع کے باشندے عیسائی تھے (ابن حوقل صفحہ ۴۱) لیکن چودھویں صدی کے نصف اول میں ابوالفدا ان کو مسلمان بتاتا ہے۔ (ابوالفدا: جلد دوم صفحات ۲۳۱، ۲۳۲)۔ یہ نیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین سمندر پار سے غالباً عرب تاجروں یا پناہ گزینوں ہی کے ذریعے اس ملک میں پہنچا تھا۔ شمالی علاقے کے صومالیوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک شریف النسب عرب اپنے ملک سے بھاگ کر اور سمندر عبور کر کے ادل کے شہر میں آیا تھا اور اس نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ (M Guilain: Vol i, P. 399)۔ پندرھویں صدی میں ۴۴ عرب مبلغوں کی ایک جماعت حضر موت سے آئی۔ یہ لوگ بحر احمر کی بندرگاہ بربرا میں اترے اور پھر وہاں سے اسلام کی اشاعت کے لیے پورے صومالیہ میں پھیل گئے۔ ان میں ایک شخص، جس کا نام شیخ ابراہیم زربی تھا، ۱۴۳۰ء کے قریب سفر کرتے کرتے (حبشہ میں) ہرر کے شہر میں جا پہنچا اور اس نے وہاں کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کر لیا۔ چنانچہ اس شہر میں ابھی تک اس کا مزار موجود ہے اور لوگ اس کا احترام کرتے ہیں۔ بربرا کے نزدیک ایک پہاڑی ہے جس کو لوگ ان مبلغوں کی یاد میں جبل اولیا کہتے ہیں۔ اس کے متعلق لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے ملک میں منتشر ہونے سے پہلے ان مبلغوں نے اکٹھے ہو کر اس پہاڑی پر ایک جلسہ کیا تھا۔ (R.F. Burton: First Footprints in East Africa, PP. 76,404-London 1856)۔ اسلام نے آہستہ آہستہ پورے شمال مشرقی افریقہ میں غلبہ حاصل کر لیا لیکن جب حبشہ کے شہنشاہ منی لک نے زور پکڑا اور اس نے ۱۸۸۶ء میں ہرر پر قبضہ کر لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے چند لوگ عیسائی ہو گئے۔ (R. du. M.M. vi, P.288)۔

افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے تاریخی جائزے کو مکمل کرنے کے لیے اب صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا باقی ہے کہ اسلام اس براعظم کے انتہائی جنوبی حصے یعنی کیپ کالونی میں بھی داخل ہو چکا ہے۔ کیپ کالونی کے مسلمان ملایا قوم کے ان لوگوں کی اولاد ہیں جن کو سترھویں یا اٹھارویں صدی سے ولندیزی (ڈچ) قوم کے لوگ لائے تھے۔ (کیپ آف گڈ ہوپ ۱۶۵۲ء سے ۱۷۹۵ عیسوی تک ڈچ حکومت کے قبضے میں رہا۔ ۱۸۰۲ء میں امینز کے صلح نامے کی رو سے اس کو واپس دے دیا گیا لیکن جب لڑائی دوبارہ شروع ہوئی تو انگریزوں نے اس پر فوراً قبضہ کر لیا)۔ یہ لوگ بوئر زبان کی ایک بگڑی ہوئی بولی بولتے ہیں جس میں عربی الفاظ بکثرت موجود ہیں اور انگریزی اور ملایا کی زبان کے چند الفاظ بھی ملے ہوئے ہیں۔ ۱۸۷۷ عیسوی میں ترکی کے وزیر تعلیم نے اس زبان کی ایک عجیب و غریب کتاب عربی حروف میں چھپوا کر قسطنطنیہ سے شائع کی تھی جس میں اسلام کے احکام اور ارکان درج تھے۔ (M.J. du Geoje: PP. 2, 6)۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ کیپ کالونی کے مسلمانوں کے لیے دستور العمل کا کام دے گی۔ ان میں سے بعض لوگوں کے نام خالص ڈچ ہیں اور اکثر لوگوں کے چہروں کی وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ڈچ نسل کے لوگ ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے یا کم سے کم ان کی رگوں میں ڈچ خون کی آمیزش ہے۔ ہاٹن ٹاٹ نسل کے بعض لوگ بھی مسلمان ہو کر ان میں شامل ہو چکے ہیں۔ یورپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سیاحوں بلکہ خود ان کے ہم مذہب لوگوں نے بھی کیپ کالونی کے مسلمانوں کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔
(William Adams: The Modern Voyager and Traveller: Vol i, P. 93, London 1834)۔

۱۸۱۹ عیسوی میں کول بروک نے کیپ کالونی کے متعلق چند دلچسپ یادداشتیں قلم بند کی تھیں جن میں اس نے اسلام کی ترقی کا بھی ذکر کیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: "کہا جاتا ہے کہ اسلام کیپ کالونی کے غلاموں اور سیاہ فام آزاد لوگوں میں فروغ پا رہا ہے یعنی نیگرو اور ہر قسم کی دوسری سیاہ فام نسلوں میں سے بیشتر لوگ عیسائی بننے کے بجائے مسلمان ہو رہے ہیں حالانکہ مشنری عیسائیت کی اشاعت کے لیے سرگرم کوششیں کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کج روی کا ایک سبب یہ ہے کہ غلاموں کے مالک ان کو بپتسمہ لینے کی اجازت دینے پر رضامند نہیں ہوتے کیونکہ وہ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو غلام بپتسمہ لے لیتا ہے، اس کو خاص حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ غلاموں کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ ان کے آقا ان کے عیسائی ہونے پر رضامند نہیں ہیں۔ چنانچہ جب کسی غلام سے اس کے مسلمان ہونے کا سبب پوچھا جاتا ہے تو وہ اکثر اوقات یہ جواب دیتا ہے: "میرے لیے کسی نہ کسی مذہب پر ہونا ضروری ہے لیکن مجھے عیسائی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔" اس سلسلے میں لوگوں کے توہمات دور ہو رہے ہیں اور اب تبدیل مذہب کے معاملے میں غلاموں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی کیونکہ ان کے مالکوں نے دیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی غلام مذہبی فرائض واحکام کی تعلیم پائے تو اس سے اس کی خدمت گزاری میں کوئی کمی نہیں آتی۔ جو عیسائی مشنری خاص طور پر غلاموں کی تلقین کے لیے وقف ہیں (اور ہر ایک بڑے شہر میں اس قسم کا ایک مشنری مقرر ہے) ان کے سامعین کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ان کو امید ہے کہ ان کی محنت اور کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس ایک مسلمان مبلغ کے عقیدت مندوں کا حلقہ زیادہ وسیع ہوتا ہے حالانکہ وہ مشنریوں کے مقابلے میں بہت کم کوشش صرف کرتا ہے۔" (The Life of H.T. Colebrooke: P. 335, London 1873)۔ گزشتہ پچاس برسوں میں کیپ کالونی خاص طور پر اس کے مغربی حصے میں بعض پرجوش مسلمان دوسرے ملکوں سے یہاں پہنچے ہیں چنانچہ اب وہاں تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور ان کی زندگی میں مذہب کا زیادہ چرچا ہو رہا ہے نیز کہا جاتا ہے کہ وہ سرگرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ایک حد تک کامیاب ہیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ کیپ ٹاؤن کے قرب وجوار میں کلیر ماونٹ کے مقام پر ایک کالج قائم کیا جائے اور اسے تبلیغ کا مدرسہ بنایا جائے۔ اسلام کی ترقی کے لیے آج کل جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جن بچوں کو ان کے والدین چھوڑ دیتے ہیں یا ان کی خبرگیری نہیں کرتے، ان کو مسلمان لے لیتے ہیں اور اسلامی طریقے پر ان کی پرورش کرتے ہیں۔ (Kumm: P. 233)۔ کیپ ٹاؤن کے کئی مسلمان ہر سال حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں جہاں ان کے معاملات کی نگرانی کے لیے ایک خاص شیخ مقرر ہے۔ (Snouch Hurgronje(3) Vol ii, PP. 296-97)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی قلی بھی، جو جنوبی افریقا میں ہیرے کی کانوں میں کام کرتے ہیں، اسلام کی اشاعت کرتے ہیں۔(Jacques Bonzon: Vol xiii, P. 295 Paris 1893)۔

مڈغاسکر کا جزیرہ افریقا سے ۲۰۰ سے ۵۴۰ میل تک کے فاصلے پر واقع ہے۔ چونکہ یہ جزیرہ براعظم سے الگ تعلگ ہے، اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔ یہاں کے صرف ایک قبیلے انتامورونا نے اسلام قبول کیا ہے جو جنوب مشرقی ساحل پر رہتا ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ بلادِ عرب سے آنے والے مبلغوں کے ذریعے مسلمان ہوئے تھے لیکن ہمیں یہ بات بالکل معلوم نہیں کہ وہ کس زمانے میں اسلام لائے تھے۔ ان کی روایت کے مطابق انہوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں اسلام اختیار کیا تھا۔ ان کے بارے میں سب سے پہلا قابلِ اعتماد تذکرہ ہمیں اطالوی اور پرتگالی جغرافیہ نگاروں کی کتابوں میں ملتا ہے جو سولھویں صدی میں لکھی گئی تھیں۔(G. Ferrand: PP.19, 50, 138, Paris 1891)۔

مندرجہ بالا واقعات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ افریقا میں مسلمان مبلغوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے پرامن وسائل اختیار کیے ہیں۔ اگرچہ اسلام نے بعض اوقات اپنی روحانی فتوحات کے لیے تلوار اٹھائی ہے لیکن اس سے پہلے مبلغین اسلام نے دین کے فروغ کے لیے پرامن کوششیں کی ہیں اور ملکی فتوحات کے بعد واعظین اسلام نے تبلیغ کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ افریقا کے بہت سے حصوں میں اسلام کی کامیابی میں اس وجہ سے آسانی پیدا ہوئی ہے کہ مسلمان فاتحین کو فتح وظفر حاصل ہوئی اور بت پرستوں کی ریاستوں کی جگہ اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ بت پرستی کی بیخ کنی کے لے جو جہاد کیے گئے تھے، ان میں بہت سا کشت وخون بھی ہوا۔ چنانچہ افریقا کے بہت سے مسلمانوں کی دلی آرزو کا اظہار ان لفظوں سے ہوتا ہے جو بورنو کے ایک نوجوان عرب نے ابوکوتا کے محل میں کپتان برٹن سے کہے تھے: ''یہ بندوقیں اور بارود ہم کو دے دو تو ان کتوں کو ہم ابھی مسلمان کیے لیتے ہیں۔'' (Richard F. Burton (1) Vol i, P.256)۔ ان ہی لفظوں کی صدائے بازگشت ہمیں اس پیغام میں سنائی دیتی ہے جو منگو پارک کے بیان کے مطابق فوتہ تورو کے مسلمان بادشاہ نے اپنے ایک کافر ہمسائے کو بھیجا تھا: ''اگر دامیل مسلمان ہو جائے تو عبدالقادر اس استرے سے دامیل کا سر مونڈے گا اور اگر دامیل مسلمان نہ ہوا تو عبدالقادر اس دوسرے استرے سے دامیل کا گلا کاٹے گا۔ اب ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرلو۔'' (Travels in the Interior of Africa: Chapter xxv)۔

اس قسم کے متعصب لوگوں کی جنگجوئی سے اسلام نے خواہ کیسی ہی ترقی پائی ہو لیکن سیاحوں اور دوسرے لوگوں نے پرامن تبلیغ کی زبردست شہادت فراہم کی ہے اور مسلمان مبلغوں کی پرامن کوششوں کی گواہی دی ہے جنھوں نے عہدِ حاضر میں افریقا میں اسلام کی سریع اشاعت کے لیے جبروتشدد کے مقابلے میں بہتر خدمت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انجام دی ہے۔ تشدد اور سختی نے اسلام کے مخالفوں کو نیست و نابود کر دیا ہو گا لیکن افریقا کے اکثر لوگ مبلغوں ہی کی کوششوں سے مسلمان ہوئے ہیں اور ساحلی اور اندرونی علاقوں میں تبلیغ کا یہ کام برابر جاری ہے:
(D.J.East: PP. 118-20: W. Winwood Reade: Vol i P.312 Blyden: PP.13, 202)۔

اسلام نے جہاں کہیں دخل پایا ہے، وہاں مسلمان مبلغ دیکھا گیا ہے جو اسلامی عقاید کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مبلغ عموماً کوئی تاجر ہوتا ہے خواہ وہ عرب نسل سے ہو یا فلبے یا منڈنگو قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ اپنے سامانِ تجارت کی فروخت کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ بھی کرتا ہے۔ اس کے کاروبار کی نوعیت ہی ایسی ہے جس سے لوگوں کے ساتھ اس کا گہرا میل ملاپ رہتا ہے اور کسی شخص کو اس کی طرف سے کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہوتی۔ اس قسم کا مسلمان جب بت پرستوں کے کسی گاؤں میں داخل ہوتا ہے اور بار بار وضو کر کے عبادت کے مقررہ اوقات پر رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو گاؤں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ نماز میں کسی غیبی ذات کے ساتھ ہم کلام ہے۔ چنانچہ بت پرست اس کی عقلی اور اخلاقی برتری کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتے اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ شخص اس بات کے لیے رضا مند اور تیار ہوتا ہے کہ جو علمی اور اخلاقی محاسن خود اس میں موجود ہیں، وہی دوسروں میں پیدا کرے۔ اسی طرح جب کوئی حاجی مکہ سے واپس آتا ہے تو اس کا دل تبلیغ اسلام کے جوش سے لبریز ہوتا ہے اور وہ اس مقصد کے لیے اپنی تمام قوتیں وقف کر دیتا ہے۔ وہ قریہ بہ قریہ سفر کرتا ہے اور مسلمان صدقہ و خیرات سے اس کی خدمت کرتے ہیں اور بت پرستوں کی بستیوں میں دینِ برحق کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان طالب علم، جس نے اسلامی شریعت اور فقہ کی تحصیل کی ہے، ایک عالمِ دین کی حیثیت سے بڑی عزت پاتا ہے۔ بعض اوقات وہ طبابت بھی کرتا ہے یا کم سے کم تعویذ گنڈوں کے لیے اس کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ وہ قرآنی آیات لکھتا ہے اور لوگ ان کو چمڑے یا کپڑے میں منڈھ کر بازو پر باندھ لیتے یا گلے میں لٹکا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں اس طریقے سے بھی اضافہ ہوتا ہے کہ عورتیں، جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا کم سنی میں مرجاتی ہے، ان تعویذ گنڈوں کے لیے آتی ہیں تو یہ چیزیں ان کو اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ آئندہ جو اولاد ان کے ہاں پیدا ہو، اس کی اسلامی طریقے پر پرورش کی جائے گی۔ (Church Missionary Intelligencer: P. 254, April 1888)۔

دینِ اسلام کے یہ معلم اور مبلغ مرابط یا الوف کہلاتے ہیں اور لوگوں کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ مغربی افریقا کے بعض قبیلوں کے ہر گاؤں میں ان کے قیام کے لیے ایک مکان مخصوص ہوتا ہے اور لوگ ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ دارفور کے ملک میں اربابِ حکومت کے بعد ان کا درجہ سب سے بلند ہے اور منڈنگو قوم میں ان کا مرتبہ اس سے بھی بلند تر ہے کیونکہ بادشاہ کے بعد ان ہی کا درجہ سمجھا جاتا ہے اور امیر اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سردار عزت و وقار میں ان سے کمتر تصور کیے جاتے ہیں۔ جن ریاستوں میں لوگوں کے تمام معاملات قرآنی احکام کے مطابق طے پائے جاتے ہیں، وہاں علمائے دین کی بہت مانگ رہتی ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو قرآن کے مطالب سمجھاتے ہیں۔ ان کی ذات کا اس درجہ احترام کیا جاتا ہے کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر ان سرداروں کی عملداری میں سفر کرتے ہیں جو نہ صرف آپس میں مخالفت رکھتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہوتے ہیں۔ صرف اسلامی ملکوں میں ہی ان کا احترام نہیں ہوتا بلکہ وہ بت پرستوں کی بستیوں میں بھی مدرسے جاری کرتے ہیں اور وہاں کے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے بچوں کے معلم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان کو اپنے اور خدا کے درمیان ایک ایسا واسطہ تصور کرتے ہیں جس سے ان کی ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں یا ان کی آفات و مصائب دور ہوتے ہیں۔(D.J East: PP. 112-13, Blyden: P. 202)۔ ان معلموں میں اکثر قیروان، فاس اور طرابلس کی مسجدوں یا دوسرے اسلامی مرکزوں، خاص طور پر قاہرہ کی جامع الازہر کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ طرابلس سے ہر سال ایک ہزار سے زیادہ مبلغ تبلیغ کرنے کے لیے سوڈان جاتے ہیں)۔ اسلامی دنیا کے تمام ملکوں کے طالب علم جامع الازہر میں بکثرت آتے ہیں جن میں نیگرو افریقہ، دارفور، ودائی اور بورنو علاقوں کے طلبا شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے کئی طالب علم مغربی ساحل کے دور افتادہ علاقوں سے پیدل سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ جب یہ لوگ دینیات اور فقہ کی تحصیل سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اپنے وطن کے بت پرستوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ جن شہروں میں یہ مبلغ پہنچتے ہیں، وہاں مدرسے جاری کرتے ہیں جن میں مسلمان بچوں کے علاوہ بت پرستوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں۔ ان بچوں کو قرآن پڑھایا اور دین کے احکام اور ارکان سکھائے جاتے ہیں۔ جب یہ مبلغ اس طرح اپنے قدم مضبوط کر لیتا ہے تو اسے جلد ہی اپنے علم و فضل کی بدولت ان لوگوں کے ہاں اثر و رسوخ حاصل ہو جاتا ہے جن کے درمیان وہ سکونت پذیر ہو۔ اس کو اپنے کام میں اس وجہ سے بھی سہولت ہوتی ہے کہ اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑی حد تک مشابہت ہوتی ہے۔ لوگ اسے شک و شبے کی نظروں سے نہیں دیکھتے کیونکہ مسلمان تاجر اپنی دیانتداری سے پہلے ہی راستہ ہموار کر چکا ہوتا ہے۔ جب وہ دیسی باشندوں کے ہاں شادی بیاہ کر کے ان کے سماجی نظام میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کا اثر و رسوخ اور بھی زیادہ مضبوط اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ وہ اس فطری طریقے سے لوگوں کے درمیان آہستہ آہستہ اسلام کا علم پھیلاتا ہے۔

مسلمان مبلغ کی تبلیغی مساعی میں اس بات سے بھی سہولت پیدا ہوتی ہے کہ بہت سے بت پرستوں کے مذہبی شعور میں خدا پرستی کا جو تصور ہے، وہ آسانی سے اسلامی تصور میں تبدیل ہو سکتا ہے نیز زندگی کے متعلق ان کا عام انداز فکر اور مذہبی دستور اس نوعیت کے ہیں کہ وہ اسلامی رنگ اختیار کر سکتے ہیں اور زیادہ تبدیلی کے بغیر نئے مذہبی نظام میں منتقل ہو سکتے ہیں۔(Forget: P. 28: Merensky: P. 155)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان جب بت پرستوں کے کسی ملک میں وارد ہوتے ہیں تو ان کی آمد سے ان کی تجارت میں ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں مثلاً جین، سیگو یا کانو کے ساتھ ان کا رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی تمدن کے فوائد سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ چنانچہ سر بارٹل فریر نے لکھا ہے: ''مسلمان مبلغ کو ہمیشہ یہ یقین ہوتا ہے کہ غیر مہذب نیگرو قبیلے اس کی بات کو توجہ سے سنیں گے۔ وہ نہ صرف ان کو خدا اور انسان کے متعلق بہت سے حقائق سے آگاہ کرتا ہے جو ان کے دلوں میں اتر جاتے اور ان کی عقل و فکر کو بلند کرتے ہیں بلکہ اس کے علاوہ وہ ان کو فوراً ایک ایسی سند عطا کرتا ہے جس کی بدولت وہ اسلام کے سیاسی معاشرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے لیے پروانہ راہداری کا کام دیتی ہے جس کے ذریعے وہ پورے عالم اسلام میں بحیرہ اوقیانوس سے لے کر دیوار چین تک ابنائے ملت سے حفاظت اور امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں کہیں کسی مسلمان کا گھر موجود ہوگا، وہاں نیگرو نومسلم کو، جو اپنے اسلامی کلمہ کے چند الفاظ دہرا سکتا ہو، ٹھہرنے کی جگہ، کھانا اور صلاح مشورہ یقیناً مل سکتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن میں ایک ایسی ملت اور قوم کا رکن بن گیا ہے جو اگرچہ حکمران نہیں ہے لیکن کم از کم با اثر ضرور ہے۔ مغربی افریقا میں مسلمان مبلغ کی کامیابی کا حقیقی راز بظاہر اسی بات میں مضمر ہے۔ تعداد کے لحاظ سے اسلام بہت جلد ترقی کر رہا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ جب سے نومسلم کلمہ شہادت پڑھتا ہے، مسلمان مبلغ مومنوں کی باہمی مساوات اور اخوت کے اصولوں پر عملی طور پر کاربند ہو جاتا ہے جو اسلام اور عیسائیت میں مشترک ہیں اور عام طور پر وہ عیسائی مشنری کی بہ نسبت ان اصولوں کی پابندی مصمم طور پر زیادہ سرعت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی مشنری اپنا فرض سمجھتا ہے کہ دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے پہلے وہ اس بات کی اچھی طرح تحقیق اور تصدیق کر لے کہ عیسائیت کا اقرار کرنے والا شخص صدق دل سے عیسائی ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ اس کو نسلی منافرت کا سامان کرنا پڑتا ہے جو ایک ہی نسل میں اس وجہ سے دور نہیں ہو سکتی کہ وہاں کئی نسلوں سے سفید فام عیسائی کو آقا اور سیاہ فام بت پرست کو غلام سمجھا جاتا ہے۔ (Sir Bartle Frere (1) PP. 18-19)۔

اس ضمن میں یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ افریقا کے مسلمان کسی نومسلم سے اس کی قوم یا رنگت کی بنا پر نفرت نہیں کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ افریقا کی نیگرو قوموں میں اسلام کو اس وجہ سے بڑی ترقی حاصل ہوئی ہے کہ وہاں نیگرو کے خلاف کوئی نسلی منافرت موجود نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے نیگرو کو کبھی حقیر نہیں سمجھا مگر افسوس ہے کہ عیسائی ملکوں میں یہ صورت حال نہیں ہے۔

(E .W. Blyden: PP. 18-24: E Allegret P. 200: Westermann: PP. 644-45)۔

(لندن کی اینتھرو پولوجیکل سوسائٹی کے ایک اجلاس میں ایک مرتبہ اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی کہ عیسائی مشنریوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے وحشی قوموں میں کیا کوششیں کی ہیں؟ اس میں ایک مشنری کا ذکر آیا جس نے ایک سیاہ فام عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس سے وہاں کے عیسائی اس قدر ناراض ہوئے کہ مشنری اس نو آبادی کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا)۔

افریقا کے لوگوں کے سامنے عیسائیت اور اسلام کو جن مختلف طریقوں سے پیش کیا جاتا ہے، ان کے تفاوت کو ایک نیگرو نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''عیسائی مشنریوں کو دیسی عیسائیوں کی جماعت قائم کرنے اور ان کے مذہبی پیشوا مقرر کرنے کے لیے ایک مدت مدید درکار ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس مسلمان مبلغ افریقا کے اندرونی حصوں میں دور تک گھس جاتے ہیں اور بت پرستوں تک آسانی سے رسائی حاصل کر کے ان کو مسلمان کر لیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل نیگرو یعنی سوڈانی، اسلام کو سیاہ فام قوموں کا دین سمجھتے ہیں اور عیسائیت کو سفید فام لوگوں کا مذہب تصور کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عیسائی مذہب نیگرو کو نجات کی طرف بلاتا ہے لیکن اس کو اس قدر ذلیل درجہ دیتا ہے کہ وہ شکستہ خاطر ہو کر اپنے دل میں کہتا ہے کہ ''اس ملت میں میرے لیے نہ کوئی حصہ ہے اور نہ کوئی نصیبا۔'' اسلام بھی نیگرو کو نجات کی طرف بلاتا ہے لیکن اس سے کہتا ہے کہ ''اب یہ بات تم پر موقوف ہے کہ اپنی سعی اور کوشش سے جس قدر بلندی پر پہنچنا ممکن ہو، پہنچ جاؤ۔'' یہ سن کر نیگرو میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دل و جان سے اسلام کا خدمت گزار بن جاتا ہے۔

نیگرو قوم میں عیسائی مشنریوں کے مقابلے میں مسلمان مبلغوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی ایک حد تک یہی وجہ ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس بات کی طرف اکثر اشارہ کیا جاتا ہے کہ جب کوئی نیگرو عیسائی ہوتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے یورپی ہم مذہب ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے اوضاع و اطوار اس کی اپنی طرز زندگی سے مختلف ہیں۔ اس کے برعکس جب کوئی نیگرو مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسلامی معاشرے کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ اس نکتے کو حال کے ایک مبصر نے نہایت خوبی سے واضح کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''اسلام اپنی کوتاہیوں کے باوجود نائجیریا کے لوگوں سے قبول اسلام کے ساتھ نسلی خودکشی کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ ان کی معاشرت میں انقلابی تبدیلیوں کو ضروری قرار نہیں دیتا جو ان کے ارتقا کی موجودہ منزل میں ناممکن ہیں۔ خاندان اور جماعت کو جو اختیارات حاصل ہیں، وہ ان کو بھی کمزور نہیں کرتا۔ مسلمان مبلغ اور نومسلم کے درمیان کوئی خلیج حائل نہیں ہے، خدا کے حضور میں دونوں برابر ہیں اور نہ صرف نظری اعتبار سے بلکہ عملی طور پر بھی مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ دونوں افریقی ہیں اور ابنائے وطن ہیں، انسانی اخوت کے اصول کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ جب کوئی نیگرو اسلام قبول کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا اپنے مشاغل، خاندان اور معاشرے سے قطع تعلق ہو جاتا ہے یا حکام کے اختیارات کا احترام باقی نہیں رہتا۔ نائجیریا اور مغربی افریقا کے مسلمان کی باوقار رفتار اور گفتار سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی چال ڈھال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اپنی شہریت کا احساس ہے اور اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسل پر فخر ہے، گویا وہ اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے: ''میں اور تم ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ہم دونوں آخر کار انسان ہیں۔'' جنوبی نائجیریا میں آج کل اسلام کی جو اشاعت ہو رہی ہے، وہ اپنے اثر و عمل کے اعتبار سے معاشرتی نوعیت کی ہے۔ اسلام نو مسلموں کو معاشرے میں ایک بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کائنات میں انسان کا جو درجہ ہے، اس کا اعلیٰ و ارفع تصور دیتا اور ان کو ہزاروں وہمی اور خیالی خطروں کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔''

(E. D. Morel: Nigeria, its people and its problems, PP. 216-17, London 1911)۔

اسلامی روایت کے مطابق حضرت موسیٰؑ سیاہ فام تھے جس کا اظہار قرآن کریم کی ان آیات سے ہوتا ہے: (اے موسیٰ) اپنے ہاتھ کو اپنے پہلو کی طرف لے جاؤ تو وہ سفید ہو کر بے عیب نکل آئے گا۔ اور یہ دوسرا معجزہ ہے (جو تم کو عطا ہوتا ہے)۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۳)۔ اور اس نے (یعنی موسیٰ نے) اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آیا۔ اس پر فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ کوئی ماہر جادوگر ہے۔ سورہ الاعراف آیات ۱۰۵، ۱۰۶)۔

اس ضمن میں عباسی خلفا کا یہ واقعہ بھی اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا حبشیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے بھائی ابراہیم نے، جو ایک حبشن کنیز کے بطن سے تھا، بغداد میں خلافت کا دعویٰ کیا لیکن اس نے شکست کھائی اور المامون نے، جو اس وقت (۸۱۸عیسوی) سریرِ خلافت پر فائز تھا، اس کا قصور معاف کر دیا۔ اس کے بعد خلیفہ مامون سے ابراہیم کی جو ملاقات ہوئی، اس کا حال اس نے یوں بیان کیا ہے: ''جب المامون مجھ کو معاف کر چکا اور میں اس کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے مجھ سے کہا: ''کیا کالے خلیفہ تم ہی ہو؟'' اس کے جواب میں میں نے کہا: ''امیر المومنین! ہاں میں وہی ہوں جس کو آپ معاف کر کے رہینِ منت کر چکے ہیں اور بنو حسحاس کے غلام کے یہ اشعار میرے حسب حال ہیں:

مفاخرت کے وقت بنو حسحاس کے غلام کے اشعار جڑ اور پتوں کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ میں غلام ہوں لیکن شرافت کے لحاظ سے میرا نفس آزاد ہے۔ اور اگرچہ میرے جسم کا رنگ تاریک ہے لیکن میرا اخلاق روشن ہے۔

اس پر مامون بولا: ''چچا! میں نے تو ہنسی میں بات کی تھی اور آپ اتنے سنجیدہ ہو گئے۔'' پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

رنگت کی سیاہی شریف آدمی کو عیب نہیں لگاتی اور نہ ہی ادیب دانش مند کو۔ اگر رنگت کی سیاہی تمہارے حصے میں آئی ہے تو تمہارے اخلاق کی روشنی (اور نورانیت) میرے حصے میں آئی ہے۔ (ابن خلکان: جلد اول صفحہ ۱۸)۔

چنانچہ جب کوئی نیگرو مسلمان ہوتا ہے تو اسے اسلامی برادری میں فوراً برابر کا درجہ مل جاتا ہے اور اس کا رنگ یا اس کی نسل یا گزشتہ تعلقات اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس آسانی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بت پرستوں کو اسلامی معاشرے میں جگہ مل جاتی ہے، اس کی وجہ سے وہ بڑی خوشی سے ایک ایسی ملت میں داخل ہونے پر رضامند ہو جاتے ہیں جس کی بلند تر تہذیب ان سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بہت سے پرانے وحشیانہ رسوم وعادات کو ترک کر دیں۔ اسلام کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کے قبول کرنے سے نیگرو قبیلے تمدنی لحاظ سے فروغ پاتے ہیں اور ذہنی، اخلاقی اور مادی ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ اسلام کے حق وحمایت میں جو طاقتیں صف آرا ہیں، وہ اس قدر زبردست ہیں کہ جس وحشت، جہالت اور توہم پرستی کو اسلام مٹانا چاہتا ہے، یہ اس کے سامنے دیر تک نہیں ٹھہر سکتیں۔ مسلمانانِ افریقا کی تہذیب ایک تو مسلم نیگرو پر جس طرح اثر انداز ہوتی ہے، اسے درج ذیل اقتباس میں بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ ریوراں بوز ورتھ اسمتھ نے لکھا ہے: ''انتہا درجے کی وہ قبیح رسمیں اور خرابیاں مثلاً مردم خوری، انسانی قربانی اور بچوں کو زندہ دفن کرنا، جو ایک زمانے میں پورے افریقا میں پھیلی ہوئی تھیں اور اب بھی افریقا کے بعض حصوں میں گولڈ کوسٹ اور برطانوی نو آبادیوں کے قریب پائی جاتی ہیں، اشاعت اسلام کے بعد ہمیشہ کے لیے فوراً موقوف ہو جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو اب تک برہنگی یا نیم برہنگی کی حالت میں رہتے تھے، صاف ستھرے کپڑے پہننا شروع کر دیتے ہیں اور وہ دیسی باشندے، جو پہلے کبھی نہانا نہیں جانتے تھے، اب بار بار نہاتے اور ہاتھ منہ دھوتے ہیں کیونکہ اسلامی تہذیب نے وضو اور غسل کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ حکم ایسا ہے جس کی پابندی سے ان کی طبیعت پر زیادہ زور نہیں پڑتا۔ ان کے قبائلی نظام کی جگہ ایک ایسی ملی تنظیم لے لیتی ہے جو وسیع تر بنیادوں پر قائم ہے۔ بالفاظ دیگر قبیلوں کے باہم ملنے سے قومیں بن جاتی ہیں اور جب ان کی قوت اور سمجھ بڑھتی ہے تو وہ سلطنتیں قائم کر لیتی ہیں۔ چنانچہ سوڈان اور اس کے ملحقہ ملکوں کی گزشتہ ایک سو برس کی تاریخ سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں/ اگرچہ جنگ جوئی کو اس سے تحریک ملتی ہے لیکن وہ مرکز جہاں سے معرکہ آرائی شروع ہوتی ہے، تعداد میں کم ہو جاتے ہیں، لڑائی کا طریقہ بہتر ہو جاتا ہے اور اس میں قدرے روک رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ لڑائی جھگڑے خواہ مخواہ برپا نہیں ہوتے، اندھا دھند لوٹ مار میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کی جان ومال زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے، ملک میں مکتب جاری ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے مکتبوں میں صرف قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے تاہم وہ فائدے سے خالی نہیں ہیں اور ان کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ (مکتبوں کے طالب علم اپنا درس قرآن کی آیات سے شروع کرتے ہیں اور اعلیٰ جماعتوں میں قرآن کی تفسیریں اور اسی قسم کی دوسری کتابیں پڑھتے ہیں جو قرآن مجید سے متعلق ہیں)۔ سوڈان کے اندرونی حصوں میں مختلف درجوں کے مدارس کئی صدیوں سے جاری ہیں اور ان میں از روئے قانون نادار طالب علم بھی عوام کے صرفے سے تعلیم پاتے ہیں۔ مستحق طالب علموں کے درس کا یہ سلسلہ کئی برسوں تک جاری رہتا ہے۔ ان مدارس کی تعلیم صرف عربی زبان اور عربی مصنفوں کی کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ چند دیسی زبانیں بھی مدون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی ہیں۔ ان میں عربی زبان کی کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں اور بعض طبع زاد کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ایسے مدرسے بھی موجود ہیں جن میں دیسی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔" (میتھوڈسٹ کوارٹرلی ریویو، جنوری ۱۸۶۹ء)۔

ڈاکٹر بلائیڈن (صفحات ۲۰۶، ۲۰۷) لکھتے ہیں کہ مغربی افریقا کے مسلمان حسب ذیل کتابیں پڑھتے ہیں: مقامات حریری، ارسطو اور افلاطون کی بعض تالیفات کے عربی تراجم، بقراط کا عربی ترجمہ اور انجیل اور زبور کے عربی تراجم، جن کو امریکن بائبل سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔

گاؤں کی خوبصورت اور صاف ستھری مسجد، جہاں سے دن میں پانچ وقت اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور جس کی محراب مکہ مکرمہ کے رخ بنی ہوتی ہے جس میں وہاں کا امام ہر جمعہ کے روز باجماعت نماز پڑھاتا ہے، اب گاؤں کے مسلمانوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ وہ بت پرستوں کے بھیانک بت خانے کی جگہ لے لیتی ہے جس کو جوجو گھر کہتے ہیں۔ افریقا کے بت پرست آج تک جن چیزوں کو پوجتے آئے ہیں، ان کے مقابلے میں خدائے واحد کی عبادت، جو قادر مطلق اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور علیم و رحیم ہے، ان کی بے انتہا روحانی ترقی کی علامت ہے۔ عربی زبان، جس میں اہل اسلام کی مذہبی کتابیں لکھی جاتی ہیں، غیر معمولی طور پر وسیع اور دل آویز ہے۔ نصف افریقا کے قبیلوں کی لنگوا فرینکا یعنی عام فہم اور مشترک زبان ہے۔ جب کوئی شخص عربی زبان سیکھ لیتا ہے تو وہ اس کے لیے ادب کا دیباچہ بن جاتی ہے بلکہ وہ خود علم ادب ہے۔ افریقی سرداروں کی مطلق العنانی اور بے قاعدگی کے بجائے ایک تحریری ضابطہ قانون اور دستور العمل جاری ہو جاتا ہے اور یہ تبدیلی ایسی ہے جو بذات خود تمدنی ترقی کے راستے میں ایک اہم قدم ہے۔ دستکاری اور تجارت بھی شروع ہو جاتی ہے۔ اب کاروبار خاموش تجارت پر موقوف نہیں رہتا کہ گونگوں کی طرح آئے اور خام پیداوار کا باہمی تبادلہ کر لیا جیسا کہ یونانی مورخ ہیروڈوٹس Herodotus کے بیان کے مطابق افریقا میں نہایت قدیم زمانے سے دستور چلا آرہا تھا۔ اس کے علاوہ کوڑیوں، بارود، تمباکو اور شراب کا رواج بھی موقوف ہو جاتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو اب تک ساحلی علاقوں میں تجارتی تبادلے کا ذریعہ ہیں۔ ان کے بجائے اب ایسی مصنوعات کی تجارت ہوتی ہے جن کی تیاری کے لیے ہنرمندی اور صنعتی مہارت درکار ہے اور کاروبار کے چلانے میں بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ غرض تجارت اور صنعت و حرفت کے اثر اور منظم حکومت کی بدولت، جو اسلام کے رواج کے بعد قائم ہوتی ہے، سوڈان میں بڑے بڑے شہر آباد ہوگئے ہیں۔ یورپی سیاحوں نے جب پہلے پہل ان کی خوش حالی اور رونق کا تذکرہ کیا تو لوگوں کو ان کے بیان پر پورا یقین نہ آیا۔ میرا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اسلام اس خوش حالی کا واحد سبب ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام اس ترقی کی موافقت کرتا ہے اور اس کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ موسمی حالات اور دوسرے مختلف اثرات بھی اس میں معاونت کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ افریقا کے ان ملکوں کو، جہاں بت پرست آباد ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جہاں کے موسمی اور دیگر حالات بھی یکساں ہیں، ان مسلمان شہروں سے کیا نسبت ہے؟ جہاں تک افراد کا تعلق ہے، سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام نومسلم سوڈانیوں کو ایسا وقار اور ایسی ہمت، خود اعتمادی اور خودداری عطا کرتا ہے جو ان کے بت پرست بلکہ عیسائی ہم وطنوں میں بھی شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔''

(R. Bosworth Smith: Mohammadanism in Africa)۔

مندرجہ بالا الفاظ اس زمانے میں لکھے گئے تھے جب یورپ کی عیسائی حکومتیں یعنی انگلستان، فرانس اور جرمنی نے ابھی تک افریقا کے اکثر حصے کو آپس میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ لیکن مغربی تسلط کے بعد بھی اسلامی تہذیب نیگرو باشندوں کے دلوں پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھاتی رہی ہے اور افریقا کے بت پرستوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتی رہی ہے۔ جب ان کا یورپی تمدن سے اچانک رابطہ ہوا تو اس سے ان کو تہذیب کے راستے پر گامزن ہونے کی تحریک ہوئی لیکن جو خلیج ان کو غیر ملکی حکمرانوں سے جدا کرتی تھی، اس کو وہ عبور نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کا رخ کیا اور دیکھا کہ اسلامی تہذیب ان کی ضروریات کے مطابق ہے اور ان کی حاجتوں اور آرزوؤں کو بخوبی سمجھتی ہے۔ (Le Chatelier: (3) P. 348)۔ چنانچہ یورپی حکومت کی توسیع سے مسلمان مبلغوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس سے اسلام کو بڑی حد تک فروغ حاصل ہوا ہے۔ مغربی حکومتوں نے ان ملکوں میں امن وامان قائم کیا جہاں اس سے پہلے جنگ وجدال نے ہلاکت اور تباہی پھیلا رکھی تھی اور جہاں غیر ملکوں کے لوگ غلام پکڑنے کے لیے غارت گری کیا کرتے تھے۔ ان حکومتوں نے وہاں باقاعدہ نظام سیاست قائم کیا اور ریلوں اور شاہراہوں کی تعمیر سے آمدورفت میں آسانیاں پیدا کیں۔ ان اسباب سے تجارت نے خوب ترقی کی۔ مسلم مبلغ یعنی مسلمان تاجر اب ایسے علاقوں میں اپنا اثر پھیلا رہا ہے جہاں اس سے پہلے اس کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ وہ اب زیادہ اطمینان کے ساتھ ملک میں سفر کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ غلاموں کی تجارت کے موقوف ہونے سے افریقا میں اشاعتِ اسلام کے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی ہے کیونکہ اس سے پہلے عرب اور دوسرے تاجر، بت پرستوں کو اسلامی برادری میں داخل کر کے اپنی شکار گاہ کو محدود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ (Forget: P. 95: Merensky: P. 150)۔ (اشاعتِ اسلام کی بہ نسبت افریقا کے دیسی باشندوں کو تسخیر کرنے میں اسلام کے نمائندے زیادہ فائدے میں رہتے ہیں۔ جب وہ افریقا کے لوگوں کو روحانی وسائل کے زور سے مسلمان کر لیتے ہیں تو نومسلم ان کے بھائی بن جاتے ہیں اور ان کو ویسے ہی برابر کے حقوق مل جاتے ہیں چنانچہ ان کو غلام بنانے کے لیے وہ ان پر غارت گری نہیں کر سکتے)۔

اب ایسے بت پرست قبیلوں کے لوگ بھی مسلمان ہونے لگے ہیں جن کو اس سے پہلے کبھی اسلام کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس بات میں یورپی حکومتوں نے بھی معاونت کی ہے کیونکہ انہوں نے انتظامی عہدوں پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو مقرر کیا ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ صرف مسلمانوں میں ہی پائے جاتے تھے)۔ ان مسلمانوں کو بت پرست علاقے کے متفرق مقامات پر تعینات کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سرکاری مدرسوں میں مسلمان اساتذہ کو مقرر کیا ہے۔ اس طرح سے انہوں نے بت پرستوں کی نظروں میں اسلام کا وقار بڑھا دیا ہے۔ اس صورت حال سے مسلمانوں نے اپنے مذہب کے حق میں خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ (Westermann: P. 643: Le de contenson: P. 244)۔

اس بیان میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے ترقی کر سکتا ہے کیونکہ واقعات اس کے برعکس ہیں۔ جب یورپی حکومتوں نے افریقا کو آپس میں تقسیم کر لیا اور مسلمان حکمرانوں کے ہاتھ سے تلوار چھین لی تو اس کے بعد اسلام کی جو اشاعت شروع ہوئی ہے، اس کے متعلق ہمارا قیاس ہے کہ وہ اس سرزمین میں آخرکار کامیاب رہے گی جہاں صدیوں کی اسلامی حکومت لوگوں کو مسلمان کرنے میں ناکام رہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارھواں باب

ملائشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت

مجمع الجزائر ملایا کی گزشتہ چھ سو برس کی تاریخ، اسلام کی پرامن تبلیغ کی داستان ایک نہایت دلچسپ باب ہے۔ اس پورے دور میں ممالکِ ہندچینی کے کسی نہ کسی جزیرے میں مبلغوں کی متواتر کوششوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ابتدا میں ہر جگہ ان کا تبلیغی کام والیانِ ملک کی سرپرستی یا امداد کے بغیر جاری ہوا اور محض ترغیب سے کام لیا گیا۔ بعض مقامات پر ان کو بالخصوص اہل سپین کی شدید مخالفت کا سامنا ہوا لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے اپنی کوششوں کو انتھک محنت اور ہمت کے ساتھ جاری رکھا اور جہاں کہیں گزشتہ کام کو ادھورا یا ناکافی پایا، اس کو (خاص طور پر زمانہ حال میں) پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

مجمع الجزائر میں اسلام سب سے پہلے کب داخل ہوا؟ اس واقعے کی ٹھیک تاریخ متعین کرنا ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سن ہجری کی ابتدائی صدیوں میں عرب تاجروں نے وہاں اس کا آغاز کیا ہو لیکن یہ وہ زمانہ ہے جس کے متعلق ہمارے پاس کوئی تاریخی بیان موجود نہیں۔ یہ خیال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ عرب لوگ بہت قدیم زمانے سے مشرقی ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے چلے آئے تھے۔ چنانچہ دوسری صدی قبل مسیح میں لنکا کی بیرونی تجارت مکمل طور پر عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ چین کے ساتھ ان کی جو تجارت لنکا کے راستے ہوتی تھی، اس نے ساتویں صدی کے شروع میں اس قدر فروغ پایا کہ چین کے شہر کانٹن میں عرب تاجر بکثرت نظر آنے لگے۔ دسویں صدی سے پندرھویں صدی تک یعنی پرتگالیوں کی آمد سے پہلے مشرقی ملکوں کی تجارت پر عربوں کا پورا قبضہ تھا۔ (Niemann: P. 377)۔ چنانچہ ہم قدرے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے دیگر مقامات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح جزائر ملایا میں بھی قدیم زمانے ہی میں تجارتی بستیاں آباد کر لی تھیں۔ اگرچہ عرب تاریخ نگاروں کی تالیفات میں ان کا ذکر نویں صدی عیسوی سے پہلے نہیں ملتا لیکن چینی تواریخ میں ۶۷۴ عیسوی کے ذیل میں ایک عرب امیر کا ذکر آیا ہے جس کے بارے میں زمانہ بعد میں قیاس کیا گیا ہے کہ وہ ساٹرا کے مغربی ساحل پر عربوں کی کسی نو آبادی کا حاکم تھا۔(Groneveldt: pp. 14,15)۔

ملایا کے مسلمانوں کے مذہبی عقاید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جزائر میں مسلمان مبلغ جنوبی ہند سے آئے تھے۔ ملایا کے اکثر باشندے شافعی مذہب رکھتے ہیں اور ساحل کورومنڈل اور مالابار میں بھی یہی مذہب غالب ہے۔ چودھویں صدی کے وسط میں بھی یہی صورت حال تھی جب ابن بطوطہ نے ان ملکوں کا سفر کیا تھا۔ (ابنِ بطوطہ: جلد چہارم صفحات ۶۶، ۸۰)۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمسایہ ملکوں کے مسلمان حنفی المذہب ہیں تو جزائر ملایا میں شافعی مذہب کے رواج کی وجہ یہی فرض کرنا پڑتی ہے کہ ملایا میں اسلام مالابار کے ساحل سے آیا تھا جہاں کی بندرگاہوں میں جاوا، چین، یمن اور ایران کے تاجر آمد و رفت رکھتے تھے۔ (Veth (3) Vol i, P. 231 نیز ابن بطوطہ جلد چہارم صفحہ ۸۹)۔ جاوا اور ساٹرا میں شیعی عقاید کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ عقاید بھی ہندوستان اور ایران سے آئے ہوں گے۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدرا کے مسلمان سلطان نے شاہانِ دہلی سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے اور اس دیندار فرماں روا کے دربار کے جو فقہا اس کی سرپرستی سے خاص طور پر فیض یاب ہوئے تھے، ان میں دو ایرانی عالم بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک شیراز اور دوسرا اصفہان کا باشندہ تھا۔ (ابن بطوطہ جلد چہارم صفحات ۲۳۰، ۲۳۴)۔ لیکن ابن بطوطہ کے زمانے سے بہت پہلے ملک دکن کے مسلمان تاجر، جن کے ذریعے ہندوستان کی اسلامی حکومتوں اور جزائر ملایا کے درمیان تجارت ہوتی تھی، مجمع الجزائر ملایا کی بندرگاہوں میں کثرت سے آباد ہو گئے تھے اور وہاں انہوں نے اپنے مذہب کا بیج بو دیا تھا۔(Snouck Hurgronje: PP. 8,9)۔

غرض ان عرب اور ہندی تاجروں ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ جزائر ملایا میں مقامی مسلمانوں کی ایسی آبادیاں نظر آنے لگیں جن کا ذکر وہاں کی قدیم تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ جب یہ مسلمان تاجر ملایا کے تجارتی شہروں میں آباد ہو گئے تو انہوں نے دیسی عورتوں کے ساتھ شادیاں کر لیں اور ان بت پرست عورتوں اور ان کے گھرانوں کے غلاموں نے مسلمان ہو کر اہل اسلام کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے افراد نے اپنی تعداد بڑھانے میں حتی المقدور اپنی پوری کوشش صرف کی۔ ان مسلمان تاجروں نے جزائر فلپائن میں اپنے دین کی اشاعت کے لیے جو درج ذیل طریقے اختیار کیے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تاجروں کی بہت سی گزشتہ نسلوں نے بھی انہی طریقوں پر عمل کیا ہوگا: ''مسلمانوں نے ملک میں اپنے مذہب کو بخوبی پھیلانے کے لیے دیسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان سیکھی اور مقامی لوگوں کے رسم و رواج اختیار کیے، ان کی عورتوں سے شادیاں کیں اور اپنی ذاتی حیثیت کو بڑھانے کے لیے غلام خریدے یہاں تک کہ وہ مملکت کے صف اول کے امرا میں شمار ہونے لگے۔ چونکہ دیسیوں کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ لیاقت اور اتفاق کے ساتھ باہم مل کر کام کرتے تھے اس لیے ان کی قوت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور چونکہ ان کے پاس غلام بکثرت تھے اس لیے انہوں نے باہم اتفاق کر کے ایک قسم کی وفاقی حکومت بنالی اور ایک طرح کی مملکت قائم کر لی جس کی بادشاہت ایک ہی خاندان میں موروثی تھی۔ اگر چہ اس قسم کی وفاقی حکومت سے وہ بہت طاقتور ہو گئے تھے لیکن اس حال میں بھی انہوں نے قدیم طبقہ امرا کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کو ضروری سمجھا اور ان طبقوں کی آزادی کی حفاظت کی جس کی مدد کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا تھا۔'' (C. Semper: P. 67)۔ غرض اس قسم کے طریقے ہوں گے جن سے ملایا کے مختلف مسلمان آبادکاروں نے اپنی تبلیغی مساعی کے لیے ایک مضبوط سیاسی اور معاشرتی بنیاد قائم کی۔ وہ ان جزیروں میں فاتح کی حیثیت سے نہیں آئے تھے جیسے کہ سولہویں صدی میں اسپین کے عیسائی یہاں داخل ہوئے تھے، نہ ہی انہوں نے تلوار کو اشاعتِ دین کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمیں ایک اعلیٰ اور زبردست قوم کے حقوق حاصل ہیں، نہ ہی انہوں نے مقامی باشندوں کو حقیر سمجھ کر دبایا بلکہ مسلمان یہاں محض تاجروں کے لباس میں آئے اور انہوں نے اپنی اعلیٰ ذہانت اور تہذیب سے اپنے مذہب کی خدمت کے لیے کام کیا۔ ذاتی سرفرازی حاصل کرنا اور دولت جمع کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔ (Crawford: Vol ii, P. 265)۔ یہ وہ ضمنی اسباب ہیں جن سے اسلام کے فروغ میں مدد ملی۔ ان کے اجمالی بیان کے بعد اب ہم ان جزیروں کا یکے بعد دیگرے ذکر کرتے ہیں جہاں مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام کے لیے کوشش کی۔

عام روایت یہ ہے کہ جزیرہ سماٹرا میں اسلام عرب سے آیا تھا لیکن اس کی کوئی مضبوط تاریخی سند نہیں ہے۔ تمام شہادتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ ساٹرا نے اس نئے دین کا علم ہندوستان سے حاصل کیا تھا۔ ہندوستان اور جزائر ملایا کے درمیان تجارتی تعلقات کئی صدیوں سے چلے آ رہے تھے اور ساٹرا کے سب سے پہلے مسلمان غالباً ہندی تاجر تھے۔(Snouck Hurgronje: P. 69)۔ لیکن ان کی تبلیغی کوششوں کی کوئی تاریخی روئیداد موجود نہیں اور ملایا کی تواریخ کے مطابق آنچہ کے علاقے میں، جو ساٹرا کے شمال مغرب میں واقع ہے، سب سے پہلے ایک عرب بزرگ عبداللہ عارف نے اسلام کی تبلیغ کی تھی جو بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں اس جزیرے میں وارد ہوا تھا۔ اس کا ایک مرید برہان الدین ساٹرا کے مغربی ساحل پر اسلام کا پیغام پریمان کے مقام تک لے گیا تھا۔(De Hollander: Vol i , P. 581)۔ اگر چہ یہ بیان قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن اس سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں یہاں اسلام کی اشاعت کے لیے قدرے کوشش ہوئی تھی کیونکہ آنچہ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان خاندان کا بانی شاہ جہان ۱۲۰۵عیسوی میں تخت نشین ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک اجنبی شخص تھا جو کسی مغربی ملک سے ان سواحل میں اسلام کی تبلیغ کے لیے آیا تھا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا اور ایک دیسی عورت سے شادی کی۔ لوگوں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور وہ سری پادو کہ سلطان کے نام سے مشہور ہوا جو آدھا عربی اور آدھا سنسکرت ہے۔ کچھ مدت تک اسلام بندرگاہوں تک محدود رہا جہاں مسلمان تاجر آمد و رفت رکھتے تھے۔ اندرون ملک اس کی ترقی کی رفتار سست رہی کیونکہ یہاں اس کو زبردست ہندو اثرات کا سامنا کرنا پڑا جن کا مرکز متنگ کباؤ کی مملکت تھی۔

مارکو پولو، جس نے ۱۲۹۲عیسوی میں ساٹرا کے شمالی ساحل پر پانچ ماہ تک قیام کیا تھا لکھتا ہے کہ یہاں کے سب باشندے بت پرست ہیں لیکن پرلاک کی ریاست میں، جو ساٹرا کے شمال مشرقی گوشے میں واقع ہے، صرف شہروں کے لوگ مسلمان تھے۔ مارکو پولو اس کی وجہ یہ لکھتا ہے: ''اس ریاست میں مسلمان سوداگروں کی آمد و رفت اس کثرت سے ہے کہ انہوں نے اس دیس کے لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے۔'' لیکن پہاڑی لوگ سب بت پرست اور آدم خور تھے۔ (Marco Polo, Vol ii, P. 284)۔ اس کے علاوہ ملایا کی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان علی مغیث شاہ، جو ۱۵۰۷ سے ۱۵۲۲عیسوی تک آنچہ کا حکمران رہا، سب سے پہلا شخص ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا جس کے بعد رعایا نے اس کی پیروی کی۔ (Veth (1) P. 61)۔ لیکن گمان غالب ہے کہ اس کو مملکت کا پہلا فرماں روا ہونے کا جو شرف دیا گیا ہے، اس سے اس کی عزت افزائی مقصود ہے کیونکہ اس نے آنچہ کی عظمت کی بنیاد رکھی تھی اور قرب وجوار کے علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کر دیا تھا، اپنی رعایا کی مذہبی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ لیکن وہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے ان میں دین کا علم پھیلایا ہو کیونکہ اس کے زمانے سے بہت پہلے ساٹرا میں اسلام اپنے قدم راسخ کر چکا تھا۔ شہر سمدرا کے متعلق روایت ہے کہ شریف مکہ نے چند لوگوں کو ساٹرا کے باشندوں کو مسلمان کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس جماعت کا سردار شیخ اسماعیل تھا اور مالابار سے روانہ ہونے کے بعد جزیرہ ساٹرا کا سب سے پہلا شہر، جہاں یہ لوگ وارد ہوئے، پاسوری تھا۔ یہ شہر غالباً ساٹرا کے مغربی ساحل پر کسی قدر جنوب میں واقع تھا۔ وہاں کے باشندوں نے اس جماعت کے وعظ و نصیحت سے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ شمال کی سمت میں لمبری گئے اور پھر وہاں سے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے جزیرے کی دوسری طرف جا پہنچے۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر وہ آرو میں وارد ہوئے جو جزیرے کے مشرقی ساحل پر ملکا کے مقابل واقع تھا۔ ان دونوں شہروں میں ان کو یکساں کامیابی حاصل ہوئی۔ آرو میں پہنچ کر انہوں نے سمدرا کا پتہ پوچھا جو شمالی ساحل کا ایک شہر تھا اور ان کی خاص منزل مقصود تھا۔ لیکن ان کو معلوم ہوا کہ وہ سمدرا کے پاس سے گزر چکے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ پرلاک کی طرف واپس آئے جہاں چند سال پہلے مارکو پولو نے مسلمانوں کی ایک آبادی کو دیکھا تھا۔ انہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے یہاں چند اور لوگوں کو مسلمان کیا اور پھر سمدرا کے شہر میں پہنچ گئے۔ سمدرا کے شہر اور سمدرا کی ریاست کو ایک شخص مارا سیلو نے قائم کیا تھا۔ اب مارا سیلو شیخ اسماعیل کی ترغیب و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا اور اس نے الملک الصالح کا نام اختیار کیا۔ اس نے پرلاک کے راجا کی بیٹی سے شادی کی جس کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اس خیال سے کہ ہر ایک لڑکے کے لیے ایک ایک ریاست ہونی چاہیے، اس نے سماٹرا کے شمالی ساحل پر پاسیے کے اسلامی شہر اور ریاست کی بنیاد رکھی۔(Marco Polo: Vol ii, PP. 294,303)۔

ابن بطوطہ نے ۱۳۴۵ عیسوی میں جب سماٹرا کی سیاحت کی تو اس نے الملک الظاہر کو برسرِ حکومت پایا۔ وہ غالباً الملک الصالح کا بڑا بیٹا تھا اور اس کے دربار میں مسلمان بادشاہوں کی پوری شان وشوکت پائی جاتی تھی۔ اس کی سلطنت ساحل کے ساتھ ساتھ کئی دن کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک دیندار اور صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اسے علما اور فقہا کے ساتھ مذاکرے کا بہت شوق تھا۔ شعرا اور فضلا اس کے دربار میں بکثرت آمدورفت رکھتے تھے۔ ابن بطوطہ نے دو فقیہوں کا نام لیا ہے جو ایران سے آئے تھے۔ اس نے ایک امیر کا بھی ذکر کیا ہے جو بادشاہ کی طرف سے دہلی کے دربار میں سفیر بن کر گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدرا کی مملکت عالمِ اسلام کے متعدد حصوں سے تعلقات رکھتی تھی۔ الملک الظاہر ایک بڑا سپہ سالار تھا چنانچہ اس نے قرب و جوار کے بت پرستوں پر لشکر کشی کی، ان کو اپنا مطیع بنایا اور انہیں خراج دینے پر مجبور کیا۔ (ابن بطوطہ: جلد چہارم صفحات ۲۳۰ تا ۲۳۶)۔

سماٹرا میں اس وقت تک اسلام بلاشبہ بہت ترقی کر چکا تھا اور ساحل پر اپنے قدم مضبوط کرنے کے بعد اب اندرون ملک پھیل رہا تھا۔ شیخ اسماعیل اور اس کے رفیقوں کی تبلیغی کوششیں اس قدر بارآور ہوئیں کہ ایک چینی سیاح، جس نے ۱۴۱۳ عیسوی میں جزیرہ سماٹرا کی سیاحت کی تھی، لمبری کے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں ایک ہزار خاندان آباد تھے اور سب کے سب مسلمان تھے۔ وہ بہت اچھے لوگ تھے۔ آرو کی مملکت کا بادشاہ اور وہاں کے لوگ بھی مسلمان تھے۔(Groeneveldt:P. 94)۔ چودھویں صدی کے اخیر اور پندرھویں صدی کے شروع میں میناتگ کابو کی عظیم الشان سلطنت میں بعض لوگ مسلمان ہو گئے جس کے حدود ایک زمانے میں جزیرے کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک خطِ استوا کے شمال اور جنوب میں پھیلے ہوئے تھے۔(De Hollander: Vol i P.3)۔ اگرچہ اس کی قوت میں اب بہت حد تک انحطاط آ چکا تھا لیکن وہ ابھی تک ہندومت کی قدیم حامی اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے اسلام کے راستے میں بڑی مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اسلام نے اندرون ملک کے مقابلے میں اس مملکت کے باشندوں میں آخر کار اپنی جڑیں زیادہ مضبوط کر لیں۔(Marsden: P. 343)۔ یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ وسطی سماٹرا میں اسلام کی اشاعت کو وہ وسعت حاصل ہوئی جو اس کو دوسرے ضلعوں میں نصیب نہیں ہوئی تھی حالانکہ یہ اضلاع اسلامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثرات سے نزدیک تر تھے۔ چنانچہ بٹک کے علاقے کے اکثر لوگ ابھی تک بت پرست ہیں البتہ اسلام ان کے درمیان بھی داخل ہو چکا ہے۔ اس طرح بعض لوگ جو آتجہ کے حدود پر رہتے ہیں، اپنے مسلمان ہمسایوں کے اثر سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ (J. H. Moor: Appendix, P.1)۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی، جو راؤ کے پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں، مسلمان ہو چکے ہیں۔ (Marsden: P. 355)۔ مشرقی ساحل پر بھی بٹک قوم کے بعض لوگ مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور وہ اسلام قبول کر رہے ہیں۔

(R.du M. M. Vol viii, P. 183)۔

پادری قوم کے متعصب لوگوں نے بٹک قوم کو بہ زور شمشیر مسلمان کرنے کی بہت کوشش کی، ان کے ملک کو ویران کر دیا اور بہت سے لوگوں کو مار ڈالا لیکن وہ ان کو ان متشددانہ طریقوں سے مسلمان نہ کر سکے۔ لیکن جب ولندیزی حکومت نے پادری بغاوت کو فرو کر دیا اور بٹک قوم کے جنوبی علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا تو اسلام پرامن طریقوں سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس کی اشاعت میں نئی حکومت کے ادنیٰ اہلکاروں نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا جو سب کے سب ملایا کے مسلمان تھے۔ (J. Warneck: P. 122: Leipzig 1909)۔ ان کے علاوہ اسلام کے حق میں وہ تاجر بھی اثر انداز ہوئے جو تمام ملکوں میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان کے تبلیغی کام کی تکمیل حاجیوں اور دوسرے مسلمہ مذہبی پیشواؤں نے کی۔ یہ ایک قابلِ غور بات ہے کہ بٹک قوم کے لوگوں نے صدیوں تک اسلام کے داخلے کی سختی سے مزاحمت کی تھی اور وہ دو طرفوں سے متعصب مسلمان قوموں میں گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے شمال میں آچین اور جنوب میں ملایا قوم کے لوگ آباد تھے لیکن انہوں نے بھی آخر کار تبلیغ کے پرامن طریقوں کا شوق اور سرگرمی سے خیر مقدم کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ولندیزیوں نے ان کے ملک کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اس سے ان کے قومی خصائص کمزور پڑ گئے اور ان کے ملک میں خارجی اثرات کے لیے راستہ کھل گیا۔ ان کے ثقافتی ارتقا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اسی طرح اسلام کے مبلغوں نے بھی اپنی ہوشیاری سے نئے طریقے اختیار کیے۔ اپنی تعلیم کو پیش کرتے وقت انہوں نے بٹک قوم کے قدیم عقاید اور توہمات کا خاص خیال رکھا۔ (G. R. Simon: PP. 425, 429, 430)۔ ۱۸۹۲ عیسوی میں جب بٹک قوم کے درمیان عیسائی مشن قائم ہوئے تو اس سے بھی اسلامی تبلیغ کو خاصی تحریک ملی اور اس کی کامیابی کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بٹک قوم کے دو دیہات کے تمام باشندوں نے اصطباغ لیا تھا لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ (R. du M. M. Vol viii, p. 1837)۔

وسطی سماٹرا میں ابھی تک بت پرستوں کی خاصی آبادی موجود ہے۔ اگرچہ وہاں کے اکثر باشندے مسلمان ہیں لیکن سوائے چند حاجیوں اور مولویوں کے یہ لوگ اپنے مذہب سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ کورنجی کے باشندوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان بھی، جو عموماً اسلام کے سرگرم معتقد ہیں، بعض ایسے طبقے پائے جاتے ہیں جو ابھی تک اپنے آبائی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔(A. L. Van Hassalt: PP. 55, 68)۔ لیکن اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ ان لوگوں میں مذہب کو زندہ کیا جائے۔ چنانچہ اسلام کے مبلغین مغربی ساحل کے بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں مصروف ہیں۔ ضلع سپروک میں ایک مسجد کے ایک ملا تھے جس نے ۲۵ سال کے عرصے میں ضلعے کے تمام باشندوں کو مسلمان کر لیا ماسوائے عیسائیوں کے جن میں سے اکثر سابق غلاموں کی نسل سے ہیں۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ایک تبلیغی تحریک کے ذریعے اس ضلعے کے بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی جو عیسائی مشن کے دائرہ اثر کے مرکز میں رہتے تھے۔(Koloniaal Verslag Van 1910, P. 30)۔

روایت ہے کہ پالم بنگ میں اسلام کی ترویج ۱۴۴۰ عیسوی کے قریب رادن رحمت کے ذریعے ہوئی تھی جس کی تبلیغی کوششوں کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔ لیکن یہاں ہندو مت کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی تھیں کہ اسلام کی رفتار سست رہی۔ چنانچہ انیسویں صدی تک پالم بنگ کے مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بہت کم واقفیت تھی اور ان کا اسلام محض چند ظاہری رسوم کی پابندی تک محدود تھا البتہ دارالحکومت کے باشندے اس سے مستثنیٰ تھے جن کو عربوں سے روزانہ سابقہ پڑتا تھا۔(De Hollander: Vol i P. 730)۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ان کی مذہبی زندگی میں ایک نئی تازگی آئی اور مذہبی تبلیغ میں بھی روز افزوں ترقی ہوئی۔ چنانچہ ڈچ حکومت کی سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پالم بنگ کے مختلف ضلعوں کے بت پرستوں میں اسلام مسلسل پھیل رہا ہے۔(Koloniaal Verslag Van, 1904, P. 80)۔

لمپونگ کے ضلعوں میں، جو سماٹرا کے جنوب میں واقع ہیں، اسلام سب سے پہلے جاوا ہی کی جانب سے داخل ہوا تھا اور اس کی ترویج ان ہی اضلاع کے ایک سردار نے کی تھی جس کا نام منک کملا بوی تھا۔ وہ پندرہویں صدی عیسوی کے اختتام کے قریب آبنائے سندا کو عبور کر کے بانٹم کی مملکت میں داخل ہوا جو جاوا کے مغربی ساحل پر واقع تھی۔ اس کی آمد سے چند سال پہلے وہاں کے لوگ مسلمان مبلغوں کی تعلیم کو قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ اس نے بھی اسلام اختیار کر لیا اور مکہ کا حج کرنے کے بعد اپنے وطن کے لوگوں میں نئے دین کا پرچار کیا۔(Canne: P. 510)۔ لیپونگ کے باشندوں میں اسلام خاصی ترقی کر چکا ہے اور بہت سے دیہات میں مسجدیں موجود ہیں البتہ اندرونی حصوں میں پرانے توہمات کے آثار ابھی تک برقرار ہیں۔(Marsden: P. 310)۔

انیسویں صدی کے شروع میں سماٹرا میں مذہبی احیا کی ایک تحریک جاری ہوئی جس سے اسلام کی اشاعت کو مزید مدد ملی۔ ۱۸۰۳ عیسوی میں سماٹرا کے تین حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن کو واپس آئے۔ جن دنوں یہ لوگ مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو وہ وہابی تحریک سے بہت متاثر ہوئے جس کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح تھی۔ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشوق ہوا کہ وہ بھی اسی قسم کی اصلاح اپنے وطن کے لوگوں میں جاری کریں جس سے ان کی مذہبی زندگی زیادہ پاکیزہ اور زیادہ سرگرم بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہابیوں کے طریق پر خالص توحید کا وعظ کہنا شروع کیا اور اولیا کو نذر نیاز دینے کی ممانعت کی اور لوگوں کو شراب خواری، قمار بازی اور اسی طرح کی دوسری خلاف شرع باتوں سے روکا۔ انہوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں اور بت پرستوں میں سے بہت سے افراد کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ بعد میں انہوں نے بٹک قوم کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ لیکن یہ تحریک بددیانت اور حریص لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی، اس کا اصلی مقصد فوت ہو گیا اور اس نے ایک وحشیانہ اور خون ریز جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۸۲۱ عیسوی میں یہ لوگ، جن کو پادری کہا گیا ہے، ڈچ حکومت سے جا لڑے۔ لیکن ۱۸۳۸ء میں ان کا آخری قلعہ مسخر ہو گیا اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ (Niemann: PP. 356-59)۔

ملایا قوم کے تمام مہذب باشندے اپنی اصل ان لوگوں سے ملاتے ہیں جو سماٹرا سے وقتاً فوقتاً جزیرہ نمائے ملایا میں سے اٹھ کر آئے تھے۔ یہ لوگ خصوصاً مینانگ کابو کی مشہور سلطنت سے آئے تھے جس کا صفحاتِ بالا میں ذکر آ چکا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سماٹرا میں سب سے زیادہ زبردست سلطنت تھی اور جنوبی ملایا کی اندرونی ریاستوں کے بعض فرماں روا اپنی سندِ حکومت ابھی تک اسی مقام سے حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے سماٹرا سے آ کر کسی زمانے میں ملایا کے اندرونی حصے میں آبادیاں قائم کیں تاہم یہ بات محض قیاس اور تخمینے پر موقوف ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سماٹرا سے آ کر سنگاپور اور جنوبی ملایا میں بارہویں صدی کے وسط میں آباد ہوئے تھے۔ ان ہی کی اولاد نے یہاں ایک سو سال کے بعد ملاکا کا شہر بسایا تھا۔ (J. H. Moor: P.255)۔ چونکہ ملاکا مشرقی تجارت کی شاہراہ پر واقع تھا اس لیے اپنے عمدہ محل وقوع کی وجہ سے یہ ایک بڑا پر رونق شہر بن گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملاکا میں اسلام کو ان تاجروں نے رواج دیا تھا جو یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔

(De Barros: Dec, Liv- vi, capi, P. 15)۔

ملاکا کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس مملکت کے لوگ سلطان محمد شاہ کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے جو ۱۲۷۶ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ روایت ہے کہ اس بادشاہ کی حکومت کو ابھی چند سال گزرے تھے کہ جدہ سے ایک جہاز ملاکا میں وارد ہوا جس کا کپتان سیدی عبدالعزیز تھا۔ ان نو وارد لوگوں نے بادشاہ کو اپنا مذہب تبدیل کرنے اور اپنا نام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام پر رکھنے کی ترغیب دی۔ (Aris ide Marre: P. 317)۔ اگرچہ ملاکا کی یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں (Crawfurd (1) PP. 241-42) تاہم یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ مجمع الجزائر کے دوسرے مقامات کی طرح ملاکا کے لوگوں نے بھی ایسے اہم واقعات کی تاریخ کو صحت کے ساتھ محفوظ کیا ہوگا کیونکہ ان کو اس یادگار واقعے پر فخر تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ ایک پرتگالی مورخ نے اس واقعے کی ایک متاخر تاریخ ۱۳۸۴ عیسوی بتائی ہے اور لکھا ہے کہ اس سال میں عرب سے ایک قاضی آیا تھا جس نے بادشاہ کو مسلمان کیا اور پیغمبر اسلامؐ کے نام پر اس کا نام محمد رکھا اور اس پر لفظ شاہ کا اضافہ کر دیا۔(De Barros: Dec iv,livii, Cap i)۔

کیدا ملایا کی ایک شمالی ریاست ہے۔ اس کی تاریخ میں ایک عجیب وغریب قصہ لکھا ہے کہ اس ریاست میں ۱۵۰۱ عیسوی کے قریب اسلام کیسے رائج ہوا؟(Ramusio: Vol i, P. 317)۔ اگر اس میں سے چند ایک کرامات کو الگ کر دیا جائے تو اس کی کیفیت اس طرح ہے: ایک عرب عالم، جس کا نام شیخ عبداللہ تھا، کیدا میں وارد ہوا اور اس نے راجا سے ملاقات کر کے اس سے پوچھا کہ تمہارے ملک والوں کا کیا مذہب ہے؟ راجا نے جواب دیا: ''میرا اور میری رعایا کا مذہب وہی ہے جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے یعنی ہم سب لوگ بتوں کو پوجتے ہیں۔'' شیخ نے کہا: ''تو کیا اعلیٰ حضرت نے اسلام کا نام نہیں سنا اور قرآن کا نام نہیں سنا جو خدا کی طرف سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا ہے، جس نے دوسرے تمام مذاہب کو منسوخ کر دیا ہے۔'' راجا نے کہا: ''اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے اس نئے دین کی تلقین کرو۔'' یہ درخواست سن کر عبداللہ بہت خوش ہوا اور جوش مسرت سے راجا کے ساتھ بغل گیر ہو گیا اور اسے دینِ اسلام کی تعلیم دی۔ راجا کو شراب نوشی کی عادت تھی لیکن شیخ کی تلقین سے متاثر ہو کر جس قدر شراب کے خم موجود تھے، راجا نے اپنے سامنے منگوائے اور اپنے ہاتھ سے ان کی شراب زمین پر بہا دی۔ اس کے بعد اس نے اپنے محل کے تمام بت منگوائے اور اس کے سامنے سونے اور چاندی کے بتوں، مٹی اور لکڑی کی مورتیوں کا ایک انبار لگا دیا گیا۔ پھر شیخ عبداللہ نے سب بتوں کو تلوار اور کلہاڑی سے توڑ کر پاش پاش کر دیا اور ان کے ٹکڑوں کو آگ میں جلوا دیا۔ بعد میں شیخ نے راجا سے درخواست کی کہ قلعے اور محل کی تمام مستورات کو جمع کیا جائے۔ جب وہ راجا کے سامنے آئیں تو شیخ نے ان کو اسلام کے عقاید سے آگاہ کیا۔ یہ شیخ اپنے رویے میں حلیم الطبع اور خوش خلق تھا اور اس کی گفتگو میں نرمی اور تاثیر تھی۔ چنانچہ اس نے محل کی خواتین کے دلوں کو موہ لیا۔ اس کے بعد راجا نے اپنے چار سن رسیدہ وزیروں کو بلایا۔ جب وہ دربار میں داخل ہوئے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ راجا کے پاس ایک شیخ بیٹھا ہے۔ راجا نے جب اپنے وزیروں سے شیخ کی آمد کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے راجا کی پیروی کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور کہا: ہمیں امید ہے کہ شیخ ہم کو بھی اسلام کی تعلیم دے گا۔ جب شیخ نے یہ الفاظ سنے تو وہ چاروں وزیروں سے بغل گیر ہوا اور ان سے کہا کہ اسلام کے ساتھ اپنا اخلاص اس طرح ظاہر کرو کہ سب لوگوں کو دربار میں طلب کیا جائے اور ان کو حکم ہو کہ جن مورتیوں کو وہ پوجتے ہیں، جن بتوں کو ان کے باپ دادا ان کے پاس چھوڑ گئے ہیں، ان سب کو اپنے ساتھ لائیں۔ شیخ کی یہ درخواست منظور ہوئی اور تمام بت جو رعایا کے پاس اُس وقت موجود تھے، لائے گئے اور ان کو توڑ کر اور جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ کوئی شخص ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھوٹے بتوں کے تباہ و برباد ہونے پر مغموم نہ ہوا بلکہ سب لوگ اپنی خوشی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ نے چاروں وزیروں سے پوچھا کہ تمہارے راجا کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے راجا کا نام پراونگ مہاونگسا ہے۔ شیخ نے کہا کہ آؤ اب ہم ان کے نام کو اسلامی زبان میں تبدیل کر دیں۔ کسی قدر مشورے کے بعد اور راجا کے منشا کے مطابق راجا کا نام مزلف شاہ رکھا گیا۔ شیخ نے کہا کہ یہ نام مشہور ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے۔ (مزلف کا لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس میں سورہ الشعرا کی اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ''وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۔ ترجمہ: اور بہشت پرہیزگاروں کے پاس لائی گئی)۔

کیدا کے راجا نے اب ایسے مقامات پر، جہاں آبادی کی کثرت تھی، مسجدیں بنوائیں اور ہر مسجد کے لیے کم سے کم چوالیس آدمیوں کی جماعت مقرر ہوئی کیونکہ اس سے کم تعداد مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی نہ تھی۔ غرض مسجدیں تعمیر ہوئیں اور ہر ایک مسجد میں ایک ایک بڑا نقارہ رکھا گیا جو جمعہ کے روز لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی غرض سے بجایا جاتا تھا۔ شیخ عبداللہ کچھ عرصے تک کیدا کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے۔ تمام ساحلی علاقوں، کیدا کے ضلعوں اور قرب و جوار کی بستیوں سے صدہا لوگ جوق در جوق ان کے پاس آتے تھے اور شیخ سے اسلام کے ارکان اور شعائر سیکھتے تھے۔

جب آنچہ کے ملک میں یہ خبر پہنچی کہ شیخ عبداللہ نے کیدا کے لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے تو اس ملک کے سلطان اور ایک عرب مبلغ شیخ نورالدین نے، جو مکہ سے آیا تھا، چند کتابیں اور ایک خط کیدا کے راجا کے نام ارسال کیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا: ''یہ خط سلطان آنچہ اور نورالدین کی طرف سے ہمارے بھائی سلطان کیدا اور شیخ عبداللہ یمنی کے نام ہے جو فی الحال کیدا میں مقیم ہے۔ ہم نے دو کتابیں بھیجی ہیں تاکہ دینِ اسلام کو لوگوں میں استحکام حاصل ہو اور ان کو فرائضِ اسلام اور احکام دین کی بخوبی تعلیم ہو۔'' اس کے جواب میں سلطان کیدا اور شیخ عبداللہ نے ایک مکتوب روانہ کیا اور کتابوں کا شکریہ ادا کیا۔ اب شیخ نے تبلیغ میں دگنی کوششیں شروع کر دیں اور مختلف دیہات اور قریوں میں لوگوں کی سہولت کے لیے چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی بنوا دیں اور لوگوں کو دین کے قواعد اور فرائض کی تعلیم دی۔ کیدا کا راجا اور اس کی رانی اکثر شیخ عبداللہ کی صحبت میں رہتے تھے اور اس سے قرآن کریم پڑھتے تھے۔ راجا اور رانی نے چاہا کہ راجاؤں کے خاندان کی کوئی شریف زادی ایسی ملے جس سے شیخ کا نکاح کر دیا جائے لیکن کوئی راجا اسے بیٹی دینے پر رضامند نہ ہوا کیونکہ شیخ واپس بغداد جانے والا تھا اور صرف اس بات کا منتظر تھا کہ کسی شخص کو دین کی اس قدر تعلیم دے جائے جو اس کے بعد اس کا قائم مقام بن سکے۔ کیدا کے حکمران کے تین بیٹے تھے: راجا معظم شاہ، راجا محمد شاہ اور راجا سلیمان شاہ۔ شیخ عبداللہ نے یہ نام قرآن مجید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اخذ کیے تھے اور ان شہزادوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ غلاموں اور ادنیٰ درجے کے لوگوں سے برتاؤ کرنے میں بردباری اور تحمل سے کام لیں، غیظ وغضب سے دور رہیں اور تمام بندگانِ خدا پر، جو مسکین اور حاجت مند ہوں، رحم کریں۔(Lt Col, James Low: Vol, iii, PP. 474-77)۔

اس بیان سے یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ شیخ عبداللہ کو اپنی کوششوں میں پوری کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ آنجہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے سلطان نے جب ۱۶۴۹ عیسوی میں کیدا کو فتح کیا تو "اس نے اسلام کو اور زیادہ مستحکم بنایا اور وہاں کے مندروں اور بتوں کو توڑ ڈالا" (Lt. Col. James Low: Vol iii, P. 480)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو سال گزرنے سے پہلے کیدا سے بت پرستی کی پوری طرح بیخ کنی نہیں ہو سکی تھی۔

ملایا کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت کے متعلق ہمیں اور تفصیلات معلوم نہیں ہیں لیکن بہت سے مقامات پر ان عرب مبلغوں کی قبریں موجود ہیں جنھوں نے سب سے پہلے وہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی اور لوگ آج تک ان کا احترام کرتے ہیں۔(Newbold: Vol i, P. 252)۔ چونکہ ملایا کے مسلمانوں کو ایک مدت سے عربوں اور مشرقی ساحل ہند کے مسلمانوں سے واسطہ رہا ہے، اس لیے وہ مذہبی فرائض کے بہت پابند ہیں اور وہاں کے مسلمانوں میں اپنی مثالی پرہیزگاری کے لیے مشہور ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے ہندوؤں، بدھ مت والوں، عیسائیوں اور بت پرستوں کے ساتھ روزانہ میل جول نے ان کو وسیع المشرب اور صلح کل بنا دیا ہے۔ وہ ماہِ رمضان کے روزے رکھنے اور مکہ مکرمہ کا حج کرنے کے سخت پابند ہیں۔ ان کی دنیاوی بہبود کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی امور کا بھی ہمیشہ خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی گاؤں میں چالیس گھروں سے زیادہ لوگ آباد ہو جاتے ہیں اور اس کی تنظیم اور باقاعدہ اہل کاروں کے تقرر کی ضرورت پیش آتی ہے تو ان میں ایک واعظ کو ہمیشہ شامل کیا جاتا ہے اور باقاعدہ طور پر ایک مسجد بھی تعمیر کر دی جاتی ہے۔(Mc Nair: PP. 226-29)۔

ملایا کے شمال میں، جہاں ملایا کی ریاستوں کی سرحدیں سیام سے ملتی ہیں، اسلام نے بدھ مت کے پیروکار سیامیوں پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اہل سیام میں جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، وہ سمسم کہلاتے ہیں اور ایک ایسی زبان بولتے ہیں جو ملائی اور سیامی زبانوں سے مرکب ہے۔(J. H. Moor: P.242)۔ ملایا کے وحشی قبائل میں بھی بعض لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔(Newbold: Vol ii, PP. 106-396)۔

ممالکِ ہند چینی میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے لیکن گمان غالب ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے بعد عرب اور ایرانی تاجروں نے یہاں کی بندرگاہوں میں اسلام کو رائج کر دیا تھا۔ لیکن اس کا زیادہ رواج چودھویں صدی کے آخر میں اس وقت ہوا جب ملایا کے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ہند چینی کے ساحلی شہروں میں جا کر آباد ہوئے تھے۔(R. du M. M. : Vol ii. PP. 137-38)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاوا میں اشاعتِ اسلام کے تاریخی حالات لکھنے کے لیے ہمیں کئی سو برس پیچھے جانا پڑے گا۔ جاوا میں اسلامی عقاید کی تبلیغ و اشاعت مدت دراز تک تاجروں یا چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے سربراہوں کے ذریعے ہوتی رہی کیونکہ اس جزیرے میں کوئی ایسی مرکزی حکومت نہ تھی جو اپنے اثر و رسوخ کو مذہب کے لیے استعمال کرتی یا جنگ و جدال کے ذریعے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتی۔ اس کے برعکس مسلمان مبلغوں کو یہاں ہندو تہذیب سے مقابلہ کرنا پڑا جس نے اہل ملک کی زندگی میں اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی تھیں اور اہل جاوا کو تمدن اور ترقی کے ایک اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا تھا۔ لیکن اس کے قوانین اور دستور اسلام کے آئین و آداب سے بالکل مختلف تھے لہٰذا جاوا کے مسلمانوں میں اسلامی شریعت اب تک پورے طور پر نافذ نہیں ہو سکی حتیٰ کہ ان علاقوں میں بھی، جہاں اسلام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہے، شریعت کی پوری پابندی نہیں ہوتی اور ملایا کے قدیم رسم و رواج کے حامیوں اور ان حاجیوں کے درمیان مسلسل کشمکش جاری ہے جو مکہ مکرمہ کے حج سے واپس آتے ہیں اور اپنے مذہبی جوش کی بنا پر تمام مسلمانوں کو مذہب کا پابند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام کی رفتار بہت سست رہی ہوگی اور ہم خاصے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ اس تبلیغی تحریک کی تاریخ سے قصوں اور افسانوں کو الگ کیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی بہت سی باتیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ ملایا کی ایک تاریخ نے، جس میں ملایا کے پرانے مبلغین اسلام کا حال درج ہے، ان کے تبلیغی کام کو چند برسوں میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ وہ کام کئی نسلوں نے تکمیل کو پہنچایا تھا اور کئی صدیوں تک جاری رہا تھا۔ جیسا کہ مقبولِ عام تواریخ میں دیکھا گیا ہے، چند مشہور اشخاص کی طرف وہ نیک نامی منسوب کر دی جاتی ہے جو اصل میں ان کے غیر معروف پیشرو لوگوں کا حق ہوتا ہے۔ (Snouch Hurgronje: (1) P. 9)۔ اس کے علاوہ ان میں سے بہت سے مبلغوں نے تبلیغ کا کام ایسی خاموشی اور سلامت روی سے انجام دیا کہ تاریخ نگاروں کو ان کی خبر تک نہ ہوئی۔ ان کی توجہ قدرتی طور پر بادشاہوں اور حکمرانوں کے کارناموں یا ان لوگوں کے حالات پر مرکوز رہی جو ان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ ان مبلغوں کے مفصل حالات معلوم نہیں ہیں لہٰذا ہمیں ان واقعات پر اکتفا کرنا چاہیے جو ہمارے علم میں آئے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر ہماری تجویز ہے کہ اگلے صفحات میں جاوا میں اشاعت اسلام کے حالات کو اختصار کے ساتھ وہاں کی ملکی تاریخ کے مطابق بیان کر دیا جائے۔ اگرچہ اس تاریخ میں بہت سے افسانے اور متناقض حالات درج ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی بنیاد تاریخی واقعات پر استوار ہے کیونکہ قدیم شہروں کے آثار اور مشاہیر کی قبروں کے کتبوں سے اس کے مندرجات کی تصدیق ہوتی ہے۔ چونکہ معلومات کے دیگر مستند ذرائع موجود نہیں اس لیے ذیل کے بیان کو صحیح تصور کرنا چاہیے۔ لیکن اس بات کا ضرور لحاظ رہے کہ اشخاص کی انفرادی کوششوں اور ان کے بیانات پر زیادہ اعتماد نہ کیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاوا میں اسلام کی ترویج کی سب سے پہلی کوشش وہاں کے ایک شخص نے بارہویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب کی تھی۔(Veth(3) Vol i. P. 215: Raffles Vol ii PP. 103, 104, 183)۔جاوا کے مغربی حصے میں پجاجرن کی ریاست تھی جس کے پہلے بادشاہ نے اپنے بعد دولڑکے چھوڑے۔ بڑے بیٹے نے تجارت کا پیشہ اختیار کرلیا۔وہ مال تجارت لے کر ہندوستان روانہ ہوا اور سلطنت اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کردی جو ۱۱۹۰ء میں پر بومنڈنگ سری کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ بڑا بھائی مختلف ملکوں کی سیر وسیاحت کرتا ہوا چند عرب تاجروں سے ملا اور ان کی ترغیب سے مسلمان ہو کر اپنا نام حاجی پروار کھا۔

جب وہ وطن کو واپس ہوا تو اس نے ایک عرب مبلغ کی مدد سے اپنے بھائی اور شاہی خاندان کو مسلمان کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔وہ راجا اور اس کی کافر رعایا کے خوف سے جنگل میں بھاگ گیا اور پھر کسی نے اس کا کچھ حال نہ سنا۔

چودہویں صدی کے نصف ثانی میں جاوا میں ایک تبلیغی تحریک جاری ہوئی جو زیادہ کامیاب رہی۔اس تحریک کا بانی ملک ابراہیم تھا جو جزیرہ جاوا کے مشرقی ساحل پر چند اور مسلمانوں کے ساتھ وارد ہوا اور جزیرہ مدورا کے مقابل گریسک کے شہر کے قریب آباد ہو گیا۔روایت ہے کہ وہ اپنا نسب حضرت زین العابدینؓ سے ملاتا تھا اور اپنے تئیں راجا چرمن کا پھوپھی زاد بتاتا تھا۔(Veth: (3) Vol i, P. 230)۔ملک ابراہیم نے یہاں تبلیغ کا کام کامیابی سے شروع کر دیا اور جلد ہی نومسلموں کی ایک جماعت پیدا کرلی۔اس کے بعد اس کا بھائی یعنی چرمن کا راجا اس کے پاس اس ارادے سے آیا کہ مجاپاہٹ کے ہندو راجا کو مسلمان کرے اور اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر کے اس سے قرابت اور اتحاد پیدا کرے۔چنانچہ جاوا پہنچنے کے بعد اس نے اپنے بیٹے صادق محمد کو مجاپاہٹ کے راجا کے پاس اس غرض سے بھیجا تاکہ وہ ان کی باہمی ملاقات کا انتظام کرے۔وہ خود ایک مسجد تعمیر کرنے اور وہاں کے باشندوں کو مسلمان کرنے میں مصروف ہو گیا۔آخر دونوں راجاؤں میں ملاقات ہوئی لیکن اس سے کوئی مفید نتیجہ اس لیے برآمد نہ ہوسکا کہ راجا چرمن کی رعایا میں وبا پھیل گئی۔راجا کی بیٹی اور تین بھتیجے اور اس کے بہت سے مصاحب، جو اس کے ساتھ آئے تھے، وبا سے مر گئے اور راجا اپنی ریاست کو واپس چلا گیا۔ان ناگہانی آفتوں نے مجاپاہٹ کے راجا کو نئے دین سے بدگمان کر دیا اور اس نے کہا کہ اگر یہ دین سچا ہوتا تو اپنے پیروؤں کو اس بلا سے محفوظ رکھتا۔غرض یہ تبلیغی کوشش ناکام رہی۔لیکن مولانا ابراہیم اپنے عزیزوں اور دوسرے مسلمانوں کے مقبروں کی نگرانی کے لیے وہاں آباد ہو گیا۔(ان مقبروں کی تفصیل کے لیے دیکھیے :(J. F. C. Brumund: P. 185)۔

اس واقعے کے ۲۱ برس بعد ۱۴۱۹ عیسوی میں وہ انتقال کر گیا اور گریسک میں دفن ہوا جہاں آج تک مسلمان اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں کیونکہ وہ جاوا میں اسلام کا سب سے پہلا مبلغ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابراہیم کی وفات سے چھ برس پہلے ۱۴۱۳ء میں فغفور چین نے ایک سفارت جاوا کو روانہ کی اور ایک چینی مسلمان ترجمان کی حیثیت سے اس سفارت کے ساتھ گیا۔ اس شخص نے ''سواحلِ بحر کا عمومی بیان'' کے نام سے جو کتاب لکھی، اس میں وہ جاوا کے مسلمانوں کا تذکرہ ان لفظوں میں کرتا ہے: ''اس ملک میں تین قسم کے لوگ رہتے ہیں: ایک تو وہ مسلمان ہیں جو مغرب سے آئے اور یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کا لباس صاف ستھرا اور ان کی غذا عمدہ ہے۔ دوسرے چینی لوگ ہیں جو اپنے ملک سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ لوگ بھی اچھا کھانا کھاتے ہیں اور عمدہ چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس کی تعلیم کی پیروی کرتے ہیں۔ تیسری قسم اصلی باشندوں کی ہے جو بہت بدصورت اور بدشکل ہیں۔ وہ سر میں کنگھی تک نہیں کرتے اور ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ وہ شیاطین کی پرستش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ملک کو بدھ مت والوں کی کتابوں میں شیاطین کے ملکوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (Groeneveldt: PP. vii, 49-50)۔

اب ہم اس زمانے کے قریب آ پہنچے ہیں جس میں مسلمان جاوا میں دوسروں پر غالب آگئے تھے اور جب اسلام کی ترویج پر تقریباً ایک سو سال گزر چکے تھے۔ لیکن اس موقعے پر تاریخ کے چند ایک واقعات کو تفصیلاً بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جاوا میں اسلام کی اشاعت عربوں کی کسی متعصبانہ تحریک کے ذریعے نہیں ہوئی تھی بلکہ خود ملک کے باشندوں نے اس تحریک کو جاری رکھا تھا۔ (Kern: P. 21)۔ اگرچہ ایک مشترکہ مذہب ان کی تقویت کا باعث ہوا لیکن ان کو باہمی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ترغیب اس غرض سے ہوئی کہ وہ اپنے ہم وطن بت پرستوں کے ہاتھ سے ملک کی حکومت چھیننا چاہتے تھے۔ لیکن اس مقصد کے لیے انہوں نے جہاد کا اعلان نہ کیا بلکہ تختِ شاہی کے ایک دعوے دار کے وعظ و نصیحت سے کام لیا جو ایک بے انصافی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ (Veth (3) Vol i, PP. 233-42: Raffles, Vol ii, PP. 113-33)۔

اس زمانے میں جاوا کی سیاسی حالت یہ تھی کہ اس کے مرکزی اور مشرقی صوبے، جو ثروت، آبادی اور تہذیب کے لحاظ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے، مجاپہت کی ہندو ریاست کے زیرِ نگیں تھے۔ اس کے مغربی حصے میں پجر بون کی سلطنت تھی اور چند اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں تھیں۔ جزیرے کا باقی جتنا ملک تھا اور جس میں مغربی گوشے کے تمام اضلاع شامل تھے، پجاجرن کے راجا کی حکومت میں تھا۔

مجاپہت کے راجا نے چمپا کے راجا کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ چمپا کی ریاست کمبوڈیا میں خلیج سیام کے مشرق میں واقع تھی۔ اس رانی کو راجا کی ایک دوسری حرم سے، جو اس کی منظورِ نظر تھی، حسد پیدا ہوا اور راجا نے اس حرم کو اپنے بیٹے آریا دامر کے پاس بھجوا دیا جو سماٹرا میں پالم بنگ کا گورنر تھا۔ یہاں پہنچ کر اس حرم کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رادن پتہ رکھا گیا اور گورنر نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس لڑکے نے اپنی ماں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا راجا سے سخت انتقام لیا۔ چمپا کے راجا کی دوسری بیٹی نے ایک عرب سے شادی کر لی تھی جو چمپا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے گیا تھا۔ (چمپا میں پرانی قبروں اور میناروں کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ (Bastian: Vol i, PP. 498-99)۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رادن رحمت رکھا گیا۔ اس کے باپ نے بڑے اہتمام سے اسلامی طریقے پر اس کی پرورش کی اور جاوا کے لوگ آج تک اس کا بڑا احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کو جاوا کا سب سے بڑا مبلغ اسلام سمجھتے ہیں۔ اس بیان میں جن اشخاص کا ذکر آیا ہے، ان کے باہمی رشتے اور تعلقات مندرجہ ذیل شجرہ نسب سے ظاہر ہوتے ہیں:

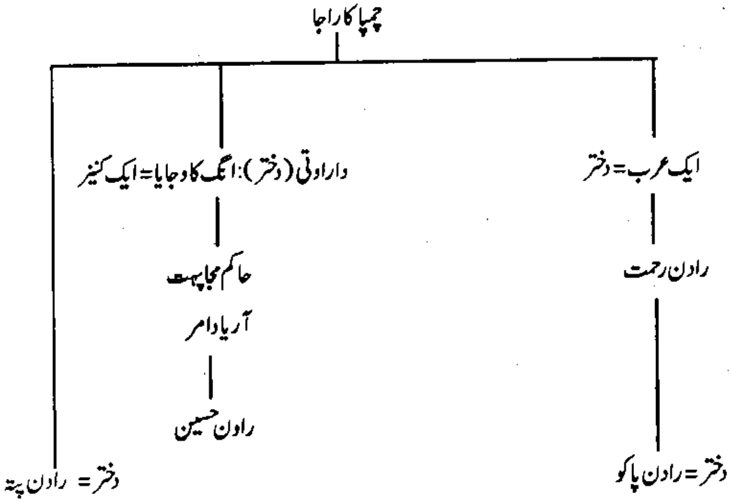

جب رادن رحمت کی عمر بیس برس کی ہوئی تو اس کے والدین نے اسے چند خطوط اور تحائف دے کر اپنے خالو یعنی مجاپہت کے راجا کی طرف روانہ کیا۔ وہ راستے میں دو ماہ تک پالم بنگ میں ٹھہرا اور آریا دامر کا مہمان رہا۔ قریب تھا کہ وہ راجا کو مسلمان کر لیتا لیکن راجا اپنی رعایا کے خوف سے، جو اپنے قدیم توہمات پر سختی سے قائم تھی، علانیہ مسلمان نہ ہو سکا۔ رادن رحمت اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے گریسک کے شہر میں جا پہنچا جہاں ایک عرب مبلغ شیخ جمادی الکبریٰ نے اس کا استقبال کیا اور اس سے کہا کہ مشرقی جاوا میں جس مبلغ اسلام کے آنے کا وعدہ ہو چکا تھا، وہ تم ہی ہو۔ اس نے پیش گوئی کی کہ بت پرستی کا زوال قریب آن پہنچا ہے اور بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کرنے کا سہرا تمہارے سر ہی رہے گا۔ مجاپہت کا راجا اور رانی اس سے بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ راجا اگرچہ خود مسلمان ہونے پر رضامند نہ ہوا لیکن اس کو رادن رحمت سے ایسا انس پیدا ہوا کہ اس نے اسے شہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امپل کے تین ہزار خاندانوں کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہ شہر جاوا کے مشرقی ساحل پر گریسک کے شہر سے کسی قدر جنوب میں واقع تھا۔ راجا نے اسے نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے بلکہ دوسروں کو مسلمان کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ چنانچہ رادن رحمت نے کچھ عرصے کے بعد اپنی رعایا کے اکثر لوگوں کو مسلمان کر لیا۔

اب امپل کا شہر جاوا میں اسلام کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور وہاں کے حکمران کی شہرت دور دور تک پھیل گئی کیونکہ وہ اسلام کی اشاعت میں بڑے جوش وخروش سے کام لے رہا تھا۔ اس کا شہرہ سن کر ایک شخص مولانا اسحاق امپل میں آیا تا کہ تبلیغ دین میں رادن رحمت کی مدد کرے۔ چنانچہ رادن رحمت نے مولانا اسحاق کو بالم بنگن کی ریاست میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مقرر کر دیا۔ یہ ریاست جاوا کے انتہائی مشرقی گوشے میں تھی۔ مولانا اسحاق نے یہاں پہنچ کر راجا کی بیٹی کا علاج کیا جو کسی موذی مرض میں مبتلا تھی۔ جب اس لڑکی کو شفا ہوئی تو راجا نے اس کے شکریے میں اس کی شادی مولانا اسحاق سے کر دی۔ شہزادی نے بڑی گرم جوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ راجا نے اسلام کی تعلیم پائی تھی اور مولانا اسحاق سے وعدہ کیا تھا کہ اگر شہزادی شفا یاب ہو گئی تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔ لیکن جب مولانا اسحاق نے اسے اپنا وعدہ یاد دلایا اور اصرار کیا کہ راجا حسب وعدہ اسلام کا اعلان کرے تو راجا نے مولانا اسحاق کو ملک سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ اس کی بیٹی کے ہاں جو بچہ پیدا ہونے والا ہے، اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہوا تو شہزادی نے اسے گریسک کے شہر میں ایک دولت مند بیوہ کے پاس خفیہ طور پر روانہ کر دیا۔ (Brumund: P. 186)۔ اس بیوہ نے ماں کی طرح اس بچے کی پرورش کی اور بارہ برس کی عمر تک اس کی تعلیم و تربیت کی۔ اس کے بعد اس نے لڑکے کو رادن رحمت کے سپرد کر دیا۔ جب رادن رحمت نے اس لڑکے کا قصہ سنا تو اس کا نام رادن پاکو رکھا اور کچھ عرصے کے بعد اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ اس کے بعد رادن پاکو نے گری کے شہر میں، جو گریسک کے جنوب مغرب میں واقع ہے، ایک مسجد تعمیر کی اور ہزاروں لوگوں کو مسلمان کیا۔ اب رادن پاکو کا اثر ورسوخ اس قدر بڑھا کہ رادن رحمت کے بعد مجاپہت کے راجا نے اس کو امپل اور گریسک کا گورنر مقرر کر دیا۔ (Veth (3) Vol i. PP. 235-36)۔ اس اثنا میں چند اور مسلمان گریسک سے تبلیغ اسلام کے لیے روانہ ہوئے۔ رادن رحمت کے دو بیٹوں نے جاوا کے شمال مشرقی ساحل کے مختلف مقامات پر سکونت اختیار کی اور اپنی مذہبی سرگرمی کی وجہ سے بڑی شہرت پائی اور وہاں کے بہت سے باشندوں کو مسلمان کر کے بڑی نیک نامی حاصل کی۔ رادن رحمت نے شیخ خلیفہ حسین کو اشاعتِ اسلام کے لیے سمندر پار جزیرہ مدورا کی طرف روانہ کیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر ایک مسجد تعمیر کی اور بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

اب ہمیں اریا دامر کی طرف لوٹنا چاہیے جو پالم بنگ کا گورنر تھا۔ اگر چہ وہ اپنے آپ کو علانیہ مسلمان نہیں کہتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بچوں کی اسلامی طریقے پر تربیت کی تھی۔ چنانچہ جب رادن پتہ بیس برس کی عمر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو پہنچا تو اس نے اس کو اپنے رضاعی بھائی رادن حسین کے ساتھ، جو اس سے دو برس چھوٹا تھا، جاوا کی طرف روانہ کیا۔ یہ دونوں گریسک کے شہر میں وارد ہوئے۔ رادن پتہ اپنے حسب نسب سے خوب واقف تھا۔ اس کی ماں کے ساتھ جو بد سلوکی ہوئی تھی، اس کی وجہ سے اس کا دل غیظ وغضب سے بھرا ہوا تھا چنانچہ اس نے رادن حسین کے ساتھ مجاپہت جانے سے انکار کر دیا اور امپل میں رادن رحمت کے پاس ٹھہر گیا۔ رادن حسین دارالحکومت کی طرف چلا گیا جہاں راجا اس سے بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اس نے اسے ایک ضلعے کا حاکم مقرر کر دیا اور پھر سپہ سالار بنا دیا۔

اس اثنا میں رادن پتہ نے رادن رحمت کی پوتی سے شادی کر لی اور بنترا کے مقام پر سکونت اختیار کر لی۔ بنترا گریسک کے مغرب میں ایک محفوظ جگہ پر واقع تھا اور چاروں طرف سے دلدلی زمین سے گھرا ہوا تھا۔ مجاپہت کے راجا نے جیسے ہی بنترا کی نئی آبادی کا حال سنا تو اس نے رادن حسین کو رادن پتہ کے پاس بھیج دیا تاکہ اسے دارالحکومت میں حاضر ہو کر اظہار اطاعت کی ترغیب دے۔ رادن حسین اسے ترغیب دینے میں کامیاب رہا۔ چنانچہ رادن پتہ دربار میں حاضر ہوا اور سب لوگوں نے اس کی شکل وصورت میں راجا کی مشابہت دیکھی۔ راجا رادن پتہ کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اس نے اسے اپنی جانب سے بنترا کا باضابطہ گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن رادن پتہ کے دل میں انتقام کی آگ برابر سلگ رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کی سلطنت کو تباہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ امپل میں واپس آیا تو اس نے رادن رحمت سے اپنے تمام منصوبے بیان کر دیے۔ رادن رحمت نے اس کے غیظ وغضب کو فرو کرنے کی کوشش کی اور اسے یہ بات یاد دلائی کہ اس کے باپ نے اس سے ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا ہے، اس لیے اس کو اس کی مخالفت کرنا زیبا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ راجا بہت عادل اور ہردلعزیز ہے اور رادن پتہ کو ایک مسلمان ہو کر اس کے ساتھ جنگ کرنا یا اس کو کسی طرح سے نقصان پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن رادن پتہ پر اس پند ونصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا چنانچہ وہ بنترا کو واپس چلا گیا۔ بنترا کی آبادی اور اہمیت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور قرب وجوار کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ رادن پتہ نے ایک بڑی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس دوران اسے یہ خبر ملی کہ رادن رحمت سخت بیمار ہے۔ چنانچہ وہ فوراً امپل کو روانہ ہوا اور اس نے وہاں دیکھا کہ جاوا کے تمام مشہور ومعروف مبلغین اسلام رادن رحمت کے بستر کے گرد جمع ہیں جس کو وہ اپنا پیشوا تسلیم کرتے رہے تھے۔ ان میں رادن رحمت کے دو بیٹے بھی شامل تھے جن کا صفحات بالا میں ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ رادن پا کو بھی تھا جو گری کے شہر میں آباد ہو چکا تھا۔ پانچ اور اشخاص بھی وہاں موجود تھے۔ چند روز کے بعد رادن رحمت انتقال کر گیا اور رادن پتہ کے انتقامی منصوبوں میں جو شخص حائل ہو چکا تھا، وہ باقی نہ رہا۔ مذکورہ بالا آٹھ افراد رادن پتہ کے ساتھ بنترا میں واپس آئے اور انہوں نے مسجد کی تکمیل میں مدد کی اور اس بات کا حلف اٹھایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ مجاپہت کی سلطنت کے خلاف اس کی مدد کریں گے۔ (یہ مسجد اب بھی موجود ہے اور جاوا کے لوگ اسے اپنے جزیرے کی نہایت متبرک عمارت تصور کرتے ہیں)۔ جاوا کے تمام مسلمان سردار اس سازش میں شریک ہو گئے لیکن رادن حسین اپنی رعایا سمیت راجا کا خیر خواہ رہا اور اس نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد طویل لڑائی شروع ہوئی جس کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ ۱۴۷۸ عیسوی میں سات دن کی سخت جنگ کے بعد مجاپہت کے راجا کو شکست ہوئی اور جاوا کے مشرقی حصے میں ہندو راج کی جگہ ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ (Rouffaer: P. 144)۔ کچھ عرصہ کے بعد رادن حسین اپنے ساتھیوں سمیت ایک قلعے میں محصور ہو گیا اور رادن پتہ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ پھر اسے امپل کے شہر میں لایا گیا جہاں اس کا بھائی اس سے بہت مہربانی سے پیش آیا۔ اس واقعے کے بعد جاوا کے بہت سے ہندو لوگ، جو اپنے مذہب پر قائم رہے تھے، ۱۴۸۱ عیسوی میں بھاگ کر بالی کے جزیرے میں آباد ہو گئے جہاں اکثر لوگ آج تک شیو دیوتا کی پرستش کرتے ہیں۔ (اگرچہ مسلمانوں نے بالی کے باشندوں کو مسلمان کرنے کی بہت سرگرمی سے کوشش کی ہے لیکن انہوں نے اس کوشش کا آج تک سخت مقابلہ کیا ہے تاہم کچھ لوگ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ آٹھ لاکھ باسٹھ ہزار کی آبادی میں سے تین ہزار افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہیں۔ تجارت کے لحاظ سے اس جزیرے کا محل وقوع ایسا سازگار ہے کہ بیرونی ملکوں کے لوگ ہمیشہ اس کے ساحلوں پر آتے رہے ہیں اور ان سے بہت سے لوگ یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں۔ بعض نو آباد کار دیسی باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں لیکن بعض مسلمانوں نے ان کے ہاں شادی بیاہ کر لیا ہے اور یہاں کے لوگوں میں مل جل گئے ہیں۔ انہی لوگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ بالی میں اسلام نے ترقی کی ہے البتہ اس کی رفتار سست ہے۔ کہتے ہیں کہ بالی کے مسلمان بڑے باہمت اور خوش حال ہیں جو اپنے مذہب کی ترقی میں بڑے سرگرم ہیں۔ اگرچہ بالی کے کافر لوگ دینِ اسلام سے متاثر ہیں لیکن اہلِ اسلام ان کو اپنے دین میں لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو لحم خنزیر سے پرہیز کرنا پڑے گا جو ان کی ایک مرغوب غذا ہے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں نے مجاپہت کے شہزادوں کی سرکردگی میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں جو مجاپہت کے دارالحکومت کی فتح کے بعد بھی کچھ عرصے تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں۔

مسلمان حکمرانوں کے عہد میں بھی وسطی جاوا کے لوگ مدت دراز تک بت پرستی پر قائم رہے۔ شمالی ساحل کے قدیم تبلیغی مرکزوں سے اسلام نے جنوب کی طرف جو ترقی کی، اس میں کئی سو سال صرف ہوئے۔ چنانچہ وسطی جاوا کے مسلمانوں کے مذہبی تصورات میں ان کے پرانے ہندو مذہب کا اثر آج تک نمایاں ہے۔ جاوا کے اس حصے میں ہندومت نے اپنی جڑیں جس قدر مضبوط کر رکھی تھیں، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ کہیں ۱۷۶۸ء میں جا کر منو سرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہندوؤں کی دوسری قانونی کتابیں منسوخ ہوئیں اور ان کی جگہ ایسے قوانین نے لی جو اسلامی شریعت کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتے تھے۔(Encyclopaedie Van N. I. Vol ii, P. 523)۔

سولھویں صدی کے شروع میں جاوا کے مشرقی حصے میں اسلام کی اشاعت غالباً شیخ نور الدین ابراہیم کی تبلیغ سے ہوئی جو چربون کا رہنے والا تھا۔ شیخ نے ایک جذامی عورت کو شفایاب کیا تھا جس سے اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ ہزاروں آدمی اسلام کی تعلیم پانے کے لیے اس کے پاس آنے لگے۔ ابتدا میں قرب و جوار کے راجاؤں نے اس تحریک کی مخالفت کی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی مزاحمت بیکار اور عبث ہے تو وہ بھی اسلام کی رو میں بہہ نکلے اور ان میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔(Veth (3) Vol i, PP. 245, 284)۔

شیخ نور الدین ابراہیم نے اپنے بیٹے مولانا حسن الدین کو اسلام کی تبلیغ کے لیے باٹم بھیجا جو جاوا کا سب سے مغربی حصہ تھا اور پجاجرن کے ہندو راجا کے زیر نگیں تھا۔ یہاں اس کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ان لوگوں میں، جو اس کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے، آٹھ سو تارک الدنیا زاہد بھی شامل تھے۔ اس ملک کی تاریخ میں یہ بات خاص طور پر مذکور ہے کہ نوجوان شہزادے نے لوگوں کو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ ترغیب کے ذریعے مسلمان کیا تھا۔ (Raffles: Vol ii, P. 316)۔ بعد میں وہ اپنے باپ کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے سماٹرا کے ساحل کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اسے تلوار اٹھانے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ اس نے لوگوں کو محض پرامن طریقوں سے مسلمان کیا۔(Veth (3) Vol i, PP. 285-86)۔

لیکن جاوا کے مشرقی حصے کی بہ نسبت اس کے مغربی حصے میں اسلام کی رفتار بہت سست رہی کیونکہ شیو کے پجاریوں اور پیغمبر اسلامؐ کے پیروؤں کے درمیان ایک مدت دراز تک کشمکش جاری رہی۔ غالباً سولھویں صدی کے وسط سے پہلے پجاجرن کی ہندو سلطنت کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنت جاوا کی مغربی ریاستوں پر بھی حکمران تھی۔(Veth (3) Vol i, PP. 305, 318-19)۔ اس کے علاوہ بت پرستوں کی اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں ایسی تھیں جو ایک مدت تک سلامت رہیں اور ان میں سے چند ابھی تک باقی ہیں۔ (Niemann: P. 342)۔ ان میں سے ایک جماعت کے حالات، جو بادوئی کہلاتے ہیں، بہت دلچسپ ہیں۔ یہ لوگ ان باشندوں کی نسل سے ہیں جو اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے۔ وہ پجاجرن سلطنت کے زوال کے بعد جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے تاکہ بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے اپنے آبائی مذہب پر کاربند رہ سکیں۔ کچھ عرصے کے بعد جب ان لوگوں نے سلطان باٹم کی اطاعت اختیار کی تو ان کو اپنے پرانے مذہب پر قائم رہنے کی اس شرط پر اجازت ملی کہ جو لوگ بت پرست رہنا چاہیں، ان کی تعداد ایک خاص حد سے تجاوز نہ کرے۔ (Raffles: Vol ii, PP. 132-33)۔ بہت تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اب تک اس شرط کے پابند چلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرہے ہیں حالانکہ ڈچ حکومت ایک مدت سے جاوا میں قائم ہے اور اس نے ان کو اس قدیم معاہدے کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے لیکن وہ اب تک اپنی تعداد کو چالیس گھرانوں تک محدود رکھتے ہیں۔ جب ان کی جماعت اس حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو ان کے ایک یا دو گھرانے مرکزی جماعت سے الگ ہو جاتے ہیں اور کسی قریبی گاؤں میں وہاں کے مسلمان باشندوں کے درمیان آباد ہو جاتے ہیں۔ (Metzger: P. 279)۔

مغربی جاوا میں اگرچہ اشاعتِ اسلام کی رفتار ملک کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں سست رہی لیکن وہاں کے لوگوں میں وسطی جاوا کی طرح ہندومت کو بخوبی استحکام حاصل نہ تھا۔ (ایک سیاح نے، جس نے ۱۵۹۶ عیسوی میں جاوا کا سفر کیا تھا، لکھا ہے کہ یہاں کفار کی دو یا تین ریاستیں تھیں جن کے اکثر باشندے بت پرست تھے)۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو یہاں بت پرستی پر مکمل فتح نصیب ہوئی بہ نسبت ان علاقوں کے جو مجاپہت کے راجاؤں کی حکومت میں تھے۔ آج کل مغربی جاوا میں اسلامی شریعت ایک زندہ قوت ہے۔ جو تہذیب عرب سے یہاں تک آئی تھی، وہ اہل جاوا کی زندگی اور طرزِ حکومت میں شیر وشکر ہو گئی ہے۔ اس وقت مغربی جاوا کے وہ مسلمان، جنہوں نے دین کی تعلیم پائی ہے یا مکہ معظمہ کا حج کیا ہے، تمام اہلِ جاوا میں سب سے زیادہ ہوشیار اور خوشحال ہیں۔ (L.W.C. Van Berg (I) PP. 35 ,36: C. Poensen: PP. 3-8)۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جاوا میں اسلامی حکومتیں قائم ہونے کے بعد بھی وہاں کے بہت سے باشندے صدیوں تک بت پرستی پر کاربند رہے لیکن آج کل سوائے چند لوگوں کے جاوا کے تمام باشندے مسلمان ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت سے توہمات اور دستوران کے بت پرست اسلاف کے زمانے سے چلے آتے ہیں لیکن لوگوں کا عام میلان اس طرف ہے کہ ان کا اندازِ فکر اور طرزِ معاش اسلام کی تعلیم کے مطابق ہو۔ غرض اسلام کی اشاعت عرصہ دراز تک پر امن طریقوں سے بتدریج جاری رہی۔ جاوا میں اسلامی حکومتوں کا قیام وہاں کی مذہبی تاریخ کی بہ نسبت ملک کی سیاسی تاریخ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے کیونکہ اسلام کی ترقی حکمرانوں کی رہین منت نہیں، مبلغوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

جس زمانے میں جاوا کے مسلمان ہندو سلطنت کے خلاف سازش کر رہے تھے اور ملک کی حکومت کو جبراً چھین کر اپنے قبضے میں لانا چاہتے تھے، اسی زمانے میں مسلمان مبلغین اپنے وعظ ونصیحت کے ذریعے ملایا کے دوسرے جزیروں میں ایک پرامن انقلاب لا رہے تھے۔ گو کہ ان کے تبلیغی کام کی رفتار تیز نہ تھی لیکن ان کی کامیابی یقینی تھی۔

اب ہم سب سے پہلے جزائر مولکا کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ وہاں اسلام کی اشاعت کب اور کیسے ہوئی؟

لونگ کی تجارت کے سبب سے اہل مولکا کو مجمع الجزائر کے مغربی حصوں کے باشندوں کے ساتھ قدیم زمانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ جاوا اور ملایا کے نومسلم لوگوں نے، جو جزائر مولکا میں تجارت کے لیے آیا کرتے تھے، ساحل کے باشندوں میں اپنے مذہب کو پھیلایا۔(Do Barras: PP. 579-80: Argensola, P.11B)۔

جب میگلن Megellan (پرتگالی جہاز ران ۔۔۔ مترجم) کے ساتھی اپنے وطن کو واپس آئے تو انہوں نے اس بارے میں ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ اہل ملایا نے جزائر مولکا میں اپنے مذہبی عقاید کو کیسے پھیلایا تھا؟ وہ قصہ یہ ہے: ''اہل اسپین کی آمد سے چند سال پہلے ان جزیروں کے حکمران بقائے روح کے عقیدے کو اختیار کر چکے تھے۔ اس عقیدے کو تسلیم کرنے کے لیے ان کے پاس اس کے سوائے اور کوئی دلیل نہ تھی کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ دیکھا تھا جو زمین یا زمین کی کسی چیز پر کبھی نہیں بیٹھتا تھا۔ مسلمانوں نے، جو تجارت کے لیے ان جزیروں میں آیا کرتے تھے، ان کو بتایا کہ یہ چھوٹا سا پرندہ بہشت میں پیدا ہوا تھا اور بہشت وہ جگہ ہے جہاں مرنے کے بعد انسانوں کی روحیں آرام کرتی ہیں۔ اس سبب سے یہ حکمران امتِ محمدی میں شامل ہو گئے کیونکہ اسلام عالم ارواح کے متعلق بہت سی حیرت انگیز باتوں کی بشارت دیتا ہے۔'' (اس زمانے میں مولکا کے اکثر جزیرے چار بادشاہوں کی حکومت میں تھے جو ترنیٹ، تید ور، گیلولو اور بتجان کے فرمانروا تھے۔ ان میں سے پہلا حکمران سب سے زیادہ زبردست تھا جس کی سلطنت میں ترنیٹ اور قریب کے چھوٹے جزیرے ہیلما ہیرا کا ایک حصہ، سلیبز کا بیشتر حصہ اور امبونا اور بندا کے جزیرے شامل تھے۔ سلطان تید ور جزیرہ تید ور کے علاوہ قریب کے چند جزیروں، ہیلما ہیرا کے ایک حصے اور ان جزیروں پر حکمران تھا جو تید ور اور نیوگنی کے درمیان واقع ہیں۔ ان کے علاوہ نیوگنی کا مغربی ساحل اور سیرام کا ایک علاقہ بھی اس کی عملداری میں شامل تھا۔ سلطان گیلولو کی مملکت ہیلما ہیرا کے وسطی حصے اور سیرام کے مغربی ساحل تک محدود تھی۔ تیجان کا سلطان تیجان اور جزائر اوبی پر حکومت کرتا تھا۔(Ramusio: Vol i, P. 351)۔

معلوم ہوتا ہے کہ جزائر مولکا میں اسلام کی ترقی کی ابتدا پندرھویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ جزیرہ تید ور کے ایک بت پرست حکمران نے ایک عرب کی ترغیب و ہدایت سے، جس کا نام شیخ منصور تھا، اسلام قبول کیا اور اس کی رعایا میں سے بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس بت پرست راجا کا نام تجریلی لجا تو تھا لیکن اسے تبدیل کر کے اس کا نام جلال الدین اور اس کے بڑے بیٹے کا نام شیخ منصور کے نام پر منصور کھ دیا گیا۔ (P.J.B.C. Robide Vah der Aa, P. 18)۔ میگلن کی ہلاکت کے بعد جب اسپین کی مہم ۱۵۲۱ عیسوی میں تید ور میں پہنچی تو اسی منصور نے اسپین کے لوگوں کی خاطر مدارات کی تھی۔ اس مہم کا مورخ پگافیتا اس کا نام راجا سلطان منصور بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس کی عمر ۵۵ برس سے قدرے زیادہ تھی۔ ان جزیروں میں مسلمانوں کو آباد ہوئے پچاس برس سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔(Pigafetta: Vol i, PP. 365, 368)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترناتے کے جزیرے میں، جو تید ور سے قریب ہے، اسلام کا قدم کسی قدر پہلے پہنچ چکا تھا۔ اہل اسپین جس سال تید ور میں پہنچے، اسی سال پرتگالی ترناتے میں وارد ہوئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے ان کو بتایا کہ ان کے جزیرے میں اسلام کی اشاعت پر اسی سال سے کچھ زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ ایک پرتگالی مصنف جے دا باروس لکھتا ہے: ''اہل جزیرہ کے مطابق اس زمانے میں، جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں، اسلام کی وبا کو وہاں پھیلے ہوئے اسی برس سے کسی قدر زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔'' پرتگالیوں کے بیان کے مطابق ترناتے کا سلطان مولکا کے حکمرانوں میں سے پہلا فرمانروا تھا جو مسلمان ہوا۔(J. de Barros: P. 580)۔ اس جزیرے میں اسلام کی اشاعت کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ایک سوداگر، جس کا نام داتو ملا حسین تھا، بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا جس سے لوگوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے بھی قرآن کے رسم الخط کو نقل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس خط کو پڑھ نہ سکے۔ اس پر انہوں نے سوداگر سے سوال کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ تو قرآن کے حروف کو پڑھ سکتا ہے لیکن وہ انہیں پڑھنے سے قاصر ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تم کو پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا چاہیے۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی تعلیم کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور دینِ اسلام اختیار کر لیا۔ (Simon: P. 13)۔ ان جزیروں کے خود مختار حکمرانوں میں سلطان ترناتے سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ۱۴۹۵ عیسوی میں جاوا کے شہر گریسک کا سفر کیا تھا تاکہ وہاں جا کر دینِ اسلام قبول کرے۔ (Bokemeyer: P. 39)۔ اس کی تبلیغی مساعی میں پتی پوتہ اس کا معاون اور مددگار تھا جو ہتو (امبونا) کے مقام سے سفر کر کے اس غرض سے جاوا میں آیا تھا تاکہ نئے دین کے عقاید سیکھے اور پھر واپس جا کر امبونا کے لوگوں کو اسلام کی تلقین کرے۔ (Simon: P. 13)۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اسلام کی ترقی کی رفتار سست رہی اور اس کو ان لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو اپنے قدیم توہمات اور دیومالا کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی مشرکانہ رسوم کچھ عرصے تک قرآنی تعلیمات کے ساتھ خلط ملط رہیں جس کی وجہ سے لوگوں کے دل و دماغ ہمیشہ شک و شبہے میں مبتلا رہے۔ (Argensola: PP. 3, 4)۔ پرتگالیوں کی فتح سے اسلام کی ترقی کی رفتار اور بھی سست پڑ گئی چنانچہ انہوں نے ایک قاضی کو ملک سے نکال دیا جو لوگوں کو اسلامی عقاید کی تعلیم دے رہا تھا۔ پرتگالیوں نے عیسائیت کو بت پرستوں میں پھیلایا اور مسیحیت کی اشاعت میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی۔ لیکن ان کی یہ کامیابی چند روزہ ثابت ہوئی کیونکہ جب سولہویں صدی کے نصف ثانی میں پرتگالی اپنی گھریلو مشکلات میں گرفتار ہو گئے تو ملاکا کے باشندوں نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا اور پرتگالی حکومت کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عیسائیت کے خلاف ایک سخت مہم شروع کی جس میں بہت سے عیسائی مارے گئے، باقی لوگوں نے عیسائی عقاید سے توبہ کر لی اور عیسائیت نے جو کچھ جیتا تھا، وہ سب ہار دیا۔ (Argensola: PP. 97 , 98)۔ ملاکا کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو عیسائیوں کی حکومت سے جو مخالفت تھی، اس کی وجہ سے مغرب سے جو مسلمان مبلغ بکثرت آتے تھے، اسی زمانے میں ان کی خوب پذیرائی ہونے لگی۔ اسی ہسپانوی مورخ آرگن سولانے (صفحات ۱۵۵ اور ۱۵۸) میں جزیرہ ترناتے کے متعلق لکھا ہے: ''اس مقام میں مختلف مذہبی فرقے موجود ہیں اور یہاں ہر قسم کے مرتد تربیت حاصل کرتے ہیں، خاص طور پر پیغمبر اسلامؐ کے احمق اور خشک مزاج پیرو ۱۵۸۵ء سے، جب سے ہالینڈ کے لوگ ان سمندروں میں داخل ہوئے ہیں، انہوں نے مسلمان فرقہ پرستوں اور بحری قزاقوں کو اپنے ساتھ لانا بند نہیں کیا۔ یہ مسلمان ایشیا کی دولت کو لوٹ رہے ہیں اور اس کے بدلے میں لوگوں کو جھوٹا مذہب دیتے ہیں جس نے ہزاروں آدمیوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے سے روک دیا ہے۔'' جب ہالینڈ والوں نے سترہویں صدی میں اسپین اور پرتگال کے عیسائیوں کو جزائر ملاکا سے نکال دیا تو انہوں نے گویا عیسائی مذہب کا رہا سہا کام بھی تمام کر دیا۔ چنانچہ عیسائیوں کے پادری ترناتے کے باقی ماندہ دیسی عیسائیوں کو ساتھ لے کر جزائر فلپائن میں چلے گئے۔ (Crawfurd (1) P. 85)۔ ان جزیروں میں اسلام مولکا کے دوسرے حصوں میں پھیلا تاہم کچھ عرصے تک اسلام کی اشاعت صرف ساحل کے باشندوں تک محدود رہی۔ (W.F. Andriessen: P. 222)۔ اکثر نومسلموں کا تعلق ملایا قوم سے تھا جن پر چھوٹے جزیروں کی پوری آبادی مشتمل تھی۔ لیکن یہ لوگ بڑے جزیروں کے صرف ساحلی علاقوں میں رہتے تھے اور اندرونی حصوں میں الفور آباد تھے۔ بعد کے زمانے میں اس قوم کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ (T. Forrest: P. 68)۔ ۱۵۲۱ عیسوی میں گیلولو کی مملکت کا بادشاہ مسلمان تھا۔ یہ مملکت جزیرہ ہلماہیرا کے شمالی حصے کے مغربی ساحل پر واقع تھی۔ (Ramusio: Vol i, P. 366)۔ زمانہ حال کے بعض قواعد وضوابط ایسے ہیں جو سرکاری مذہب کے فائدے کے لیے بنائے گئے تھے لیکن ان کی وجہ سے الفور کے درمیان اسلام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر اگر معلوم ہو جائے کہ الفور کے کسی شخص نے کسی مسلمان لڑکی سے آشنائی کر رکھی ہے تو اس کے لیے اس سے نکاح کرنا اور مسلمان ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر الفور قوم کی کوئی عورت کسی مسلمان سے شادی کر لے تو اس کے لیے اپنے خاوند کا مذہب اختیار کرنا ضروری ہے۔ کئی جرم ایسے ہیں جن کا کفارہ قبولِ اسلام سے ہو سکتا ہے اور اگر ارکانِ دولت میں سے کسی کا منصب خالی ہو جائے تو اس کو پر کرنے کے لیے امیدواروں کے حقوق پر اس قدر نظر نہیں ہوتی جس قدر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے کی طرف کس درجہ رغبت ہے۔

(Campen: P. 346: Koloniaal Verslag Van: 1910, P. 56 1911 P. 52)۔

اسی طرح جزیرہ بورنیو میں اسلام عموماً ساحل تک محدود ہے تاہم وہاں اسلام کے قدم سولہویں صدی کے شروع میں پہنچ چکے تھے۔ اسی زمانے میں بنجر ماسین کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ ریاست بورنیو کے جنوب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں واقع تھی اور مجاپہت کی ہندو سلطنت کی باج گزار رہی اور ۱۴۷۸ء یعنی مجاپہت کے زوال تک اس کے زیر نگیں رہی۔(Dulaurier: P. 528)۔ بنجرماسین کے لوگوں نے ریاست دامک کے وسیلے سے اسلام قبول کیا تھا جو جاوا کے شمال پر جنوبی بورنیو کے مقابل واقع تھی اور مجاپہت کی سلطنت کے زوال کے بعد قائم ہوئی تھی۔ ان کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لیے دامک کی ریاست سے کمک چاہی اور ان کو اس شرط پر امداد دی گئی کہ وہ دینِ اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ جاوا سے مسلمانوں کی ایک جماعت آئی جس نے بغاوت کو کچل دیا اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔(Hageman: PP. 236-39)۔ ۱۵۲۱ عیسوی میں جب اہل اسپین برونائی کے شہر میں پہنچے جو بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر واقع تھا تو معلوم ہوا کہ وہاں کا حکمران مسلمان ہے۔(Ramusio: Vol i, PP. 363-64)۔ کچھ مدت کے بعد ۱۵۵۰ عیسوی میں، عربوں نے جو پالم بنگ (ساٹرا) سے آئے تھے، سکرانا کی ریاست میں اسلام کو رواج دیا جو جزیرے کے مغربی حصے میں واقع تھی۔ وہاں کے راجا نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے سے انکار کیا لیکن اس کی موت سے پہلے ۱۵۹۰ عیسوی تک جو چالیس برس کا زمانہ گزرا، اس میں اسلام نے خاصی ترقی کی۔ اس راجے کے جانشین نے اسلام قبول کر لیا اور قریب کے ایک جزیرے کے حکمران کی بیٹی سے شادی کر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جزیرے میں اسلام ایک مدت سے رائج ہو چکا تھا۔(Dozy (1), P. 386)۔ چنانچہ ایک فرانسیسی سیاح نے، جو ۱۶۰۰ عیسوی میں بورنیو میں آیا تھا، لکھا ہے کہ ساحلی علاقوں میں اسلام کو رواج عام حاصل ہے۔ اندرون ملک کے تمام باشندے بت پرست اور وہاں کے اکثر باشندے آج تک بت پرست چلے آرہے ہیں۔ (Olivier de Noort: Vol kiv, P. 225)۔ جب سکدانا کی ریاست میں اسلام نے فروغ پایا تو عالم اسلام کے مرکز نے اس دوردراز جزیرے کی طرف توجہ کی۔ اگلے فرماں روا کے عہد میں ایک عرب شیخ شمس الدین مکہ سے وارد ہوا اور اپنے ہمراہ قرآن کریم کا ایک نسخہ اور ایک مرصع انگوٹھی بطور ہدیہ لایا۔ وہ سکدانا کے حکمران کے نام ایک خط بھی لایا تھا جس میں اس حکمران کو، جو دینِ اسلام کا بڑا حامی تھا، سلطان محمد صفی الدین کا معزز لقب دیا گیا تھا۔(Netscher: PP. 14-15)۔ (صفی الدین نے ۱۶۷۷ء کے قریب وفات پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اپنا کوئی اسلامی نام نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ پانم بھن گری کسوما کے پرانے نام سے مشہور رہا)۔

اٹھارویں صدی کے آخری برسوں میں شمالی بورنیو کے اندرونی حصے میں ایک قبیلہ رہتا تھا جسے ایدان کہتے تھے۔ وہ ساحل کے مسلمانوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے پاس ایک مذہب تھا جس سے وہ ابھی تک محروم تھے۔(Thomas Forrest: P. 371)۔ ڈل رمپل نے، جو ۱۷۶۱ء سے ۱۷۶۴ء تک سولو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مقیم رہا، ایدان قبیلے کے متعلق کچھ معلومات فراہم کی ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''ان کو اپنی جہالت پر بجا طور پر افسوس ہے اور اسی لیے اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ جب وہ مسلمانوں کے گھروں یا کشتیوں میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمانوں کی بے حد تعظیم کرتے ہیں اور ان کو اس اعتبار سے بہت دانش مند سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے خالق کا علم حاصل ہے۔ وہ مسلمانوں کی خواب گاہوں میں نہیں بیٹھتے اور نہ ہی ان کے پان دان میں انگلیاں ڈالتے ہیں بلکہ مسلمان جب خود ان کو پان یا چونا دیتے ہیں تو وہ بہت ادب سے لے لیتے ہیں۔ غرض وہ ہر بات میں کمال انکساری اور عاجزی کے ساتھ اس خدا کا احترام کرتے ہیں جس کو وہ خود نہیں جانتے لیکن وہ ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے ہیں جن کو خدا کا علم حاصل ہے۔'' (Essay Towards an Account of Sulu: P 557)۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور ان کا قبول اسلام اس بات کی مثال ہے کہ اسلام ان قوموں پر کس قدر زبردست اثر ڈالتا ہے جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے پست درجہ رکھتی ہیں۔ (B. Panciera: P. 161)۔

بورنیو میں عرب، بوگی اور ملایا قوموں کے لوگ بھی وقتاً فوقتاً آ کر آباد ہوتے رہتے ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی کے بعد اہل چین نے بھی وہاں اپنی بستیاں بسالی ہیں۔ (J Hageman: P. 224)۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کے غلام بھی یہاں لائے گئے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر آج کل بورنیو کے مسلمان بالکل مخلوط نسل کے لوگ ہیں۔ (Veth (2) Vol i, P.179)۔ جب یہ غیر ملکی باشندے پہلے پہل بورنیو میں آئے تھے تو اس وقت ان میں اکثر لوگ بت پرست تھے اور بورنیو کے اصلی باشندوں دیاک سے زیادہ مہذب تھے۔ غیر ملکیوں نے دیاک کو مغلوب کر کے جزیرے کے وسط میں دھکیل دیا جہاں ان کے اکثر لوگ ابھی تک بت پرست ہیں ماسوائے مغربی حصے کے جہاں دیاک قوم کے چھوٹے چھوٹے گروہ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہتے ہیں۔ (De Hollander: Vol ii, P. 61)۔ جب دیاک قوم کے بت پرست اپنا مذہب تبدیل کرتے ہیں تو وہ اکثر اوقات عیسائی مشنریوں کے بجائے مسلمان مبلغوں کے وعظ و نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ پہلے عیسائیت اختیار کرتے ہیں لیکن بعد میں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بورنیو کے مسلمان دیاک قوم کے بت پرستوں اور عیسائیوں کو مسلمان کرنے کی سرگرم کوشش کر رہے ہیں۔

(Coolma P. 556: Koloniaag Verslag Van: PP. 38,41)۔

سیلبیز Celebes کے جزیرے میں بھی اسلام نے بہت آہستگی سے ترقی کی۔ اس نے سب سے پہلے ساحل کے لوگوں میں ظہور کیا اور پھر آہستہ آہستہ اندرونِ ملک اپنا مقام بڑھایا۔ لیکن یہاں کے باشندوں میں سے صرف ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مہذب تھے۔ یہاں کے مسلمان دو قبیلوں میں منقسم ہیں: اول مکسر اور دوسرے بوگی۔ بوگی جزیرے کے جنوب مغربی حصے میں آباد ہیں اگرچہ ساحلی آبادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی اس قوم کے لوگوں کی کثرت ہے۔ جنوب مغربی جزیرہ نما کے تمام باشندے مسلمان ہیں لیکن اندرون ملک کے لوگ ابھی تک بت پرست ہیں اور وہاں زیادہ تر الفور قوم کے لوگ رہتے ہیں جو تہذیب میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں اور شمالی، مشرقی اور جنوب مشرقی جزیرہ نماؤں میں بکثرت آباد ہیں۔ اس قوم کے جو لوگ جزیرے کے شمالی گوشے میں رہتے ہیں، ان میں سے بہت سے افراد کو عیسائی کر لیا گیا ہے کیونکہ یہاں مسلمانوں کا گزر صرف اس وقت ہوا جب پرتگالی لوگ وہاں اپنے قدم اچھی طرح جما چکے تھے اور الفور قوم کو کیتھولک مذہب میں شامل کر چکے تھے۔ لیکن بعد میں جب ولندیزی آئے تو ان کے مشنریوں کو منہاسہ میں خاصی کامیابی ہوئی اور انہوں نے رومن کیتھولک لوگوں کو پروٹسٹنٹ بنا لیا۔ لیکن اب اسلام الفور قوم کے بت پرستوں میں، خواہ وہ ولندیزی عمل داری میں رہتے ہوں یا دیسی سرداروں کی حکومت میں آباد ہوں، آہستہ آہستہ اپنا راستہ بنا رہا ہے۔

(Med Ned Zendlinggen: PP. 170, 177)۔

پرتگالی جب پہلی مرتبہ ۱۵۴۰ عیسوی میں سلیبز پہنچے تو ان کو ریاست مکسر کے دارالحکومت گوا میں صرف چند مسلمان نظر آئے جو غیر ملکوں سے آئے تھے۔ وہاں کے دیسی باشندے ابھی تک بت پرست تھے۔ ان کے ہاں اسلام کی اشاعت سترہویں صدی کے اوائل سے شروع ہوئی۔ اس اشاعت کی تاریخ خاص طور پر دلچسپ ہے کیونکہ ہمیں اس جزیرے میں اس امر کی شاذ و نادر ہی مثال ملتی ہے کہ اسلام اور عیسائیت دونوں بت پرستوں کو اپنا پیرو بنانے کے لیے مقابلے پر اترے ہوں۔ ایک قدیم مصنف نے اس کشمکش کے حوالے سے یہ قصہ بیان کیا ہے:

''جب پرتگالیوں نے اتنے بڑے ملک کو دریافت کر لیا تو انہوں نے اسے ایک بڑا نتیجہ خیز واقعہ سمجھا۔ چونکہ دیسی باشندوں کو مغلوب کرنا آسان نہ تھا، اس لیے انہوں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے ان کی دوستی حاصل کی جا سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اس بات کی صلاحیت موجود تھی کہ حسنِ سلوک سے پرتگالیوں کے حلیف بن سکیں اور ان کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ ان جزیروں کے دوسرے باشندوں کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ بہادر تھے اور عقل مند بھی زیادہ تھے اس لیے اہل یورپ سے آشنا ہونے کے بعد ان میں بالعموم یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا اپنا مذہب مہمل اور بے معنی ہے۔ ملاکا کے حاکم دون انتونیو گلوانو کی کوشش سے ان میں سے جو چند لوگ عیسائی ہو گئے تھے، ان میں اتنی قابلیت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوسروں کو نئے مذہب کی تعلیم دے سکیں البتہ مکسر کی پوری قوم نے اپنے پرانے توہمات کو خیر باد کہا اور فوراً خدا پرست بن گئی لیکن ان کو اس بات سے اطمینان نہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ارادہ کیا کہ ملاکا اور آچین کو بیک وقت قاصد روانہ کیے جائیں اور اس مقصد کے لیے ایک جگہ سے عیسائی مشنری اور دوسری جگہ سے اسلامی شریعت کے عالم طلب کیے جائیں۔ ان کا منشا یہ تھا کہ ان دونوں میں جو کوئی معلم ان کے پاس پہلے پہنچے گا، وہ اسی کا دین اختیار کر لیں گے۔ اس سے پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ پرتگالی اپنے مذہب کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت حامی ہیں۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دون رئیس پریرا، جو اس وقت ملاکا کا حاکم تھا، مذہب کی طرف سے کسی قدر بے پروا تھا کیونکہ اس نے مطلوبہ مشنری بھیجنے میں بلاوجہ بہت تاخیر کی۔اس کے برعکس آچین کی ملکہ بڑی پرجوش تھی۔اسے جوں ہی سلیبز کے لوگوں کے میلان کا حال معلوم ہوا، اس نے ایک جہاز علمائے دین سے بھر کر روانہ کر دیا اور ان لوگوں نے یہاں پہنچتے ہی لوگوں میں اپنا مذہب پھیلا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد عیسائی پادری بھی یہاں آ گئے اور انہوں نے شریعت محمدی کے خلاف بڑی تلخ کلامی کی اور سخت سست کہا۔لیکن اس سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ سلیبز کے لوگ اب اسلام اختیار کر چکے تھے اور اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ اپنا دین تبدیل کریں گے۔جزیرے کا ایک راجا، جو عیسائی ہو چکا تھا، اپنے مذہب پر قائم رہا اور اس کی رعایا میں سے بھی اکثر لوگ عیسائی کر لیے گئے تاہم سلیبز کے اکثر باشندے بدستور مسلمان رہے اور آج تک مسلمان ہیں۔ ان جزیروں کے دوسرے باشندوں کے مقابلے میں ان کو اپنے مذہب میں زیادہ غلو ہے۔''

کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۶۰۳ عیسوی میں پیش آیا تھا۔(Crawfurd (1) P. 91)۔جو کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں، ان میں اس واقعے کا اس کثرت سے ذکر آتا ہے کہ اس کی صحت میں شک کرنا ناممکن ہے۔

(Collection of Voyages and travels: P. 236, London 1752)۔تالو کی ریاست میں، جو گوا کے شمال میں واقع ہے اور جس سے ہمیشہ اس کا اتحاد رہا ہے، مکسر کے ایک مشہور و معروف مبلغ خطیب تنگل کا مزار ہے۔اس ریاست کا حکمران مسلمان ہونے کے بعد اسلام کا بڑا سرگرم حامی ثابت ہوا اور یہ اسی کے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ مکسر زبان بولنے والے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے۔لیکن اس تحریک کا انجام اس کے آغاز کی طرح پرامن ثابت نہ ہوا کیونکہ مکسر قوم کے دلوں میں نئے دین نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے بوگی کی ہمسایہ قوم پر اپنا مذہب زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی۔گوا کے حکمران نے بونی کے راجا کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے تو وہ اسے ہر بات میں اپنے برابر سمجھے گا۔بونی کے راجا نے اس بارے میں اپنی رعایا سے مشورہ کیا چنانچہ اس کی رعایا نے جواب دیا کہ ابھی تک ہم نے جنگ آزمائی نہیں کی اور نہ ہی ہم ابھی تک کسی سے مغلوب ہوئے ہیں۔ غرض انہوں نے میدان جنگ میں قسمت آزمائی کی لیکن شکست کھائی۔بعد میں بونی کا راجا مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی رعایا کو اور قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جبراً مسلمان کرنا چاہا۔تعجب کی بات ہے کہ اس کی رعایا نے مکسر کے مسلمان حکمران سے امداد طلب کی جس نے اپنے سفیر بونی کے راجا کے پاس بھیجے اور اس سے ان سوالوں کے جواب طلب کیے: کیا اپنی رعایا پر جبر کرنے کے لیے اس کو رسول خدا کی طرف سے کوئی خاص الہام ہوا ہے؟ یا وہ اس بارے میں کسی قدیم دستور کی پابندی کر رہا ہے؟ یا وہ اپنی ذاتی خواہش کی پیروی کر رہا ہے؟ اگر پہلی وجہ ہے تو گوا کا حکمران اس کی اطلاع چاہتا ہے اور اگر دوسری وجہ ہے تو وہ اس کے ساتھ دلی تعاون کرے گا اور اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری بات ہے تو اس کو جبر وتعدی سے باز آنا چاہیے کیونکہ جن لوگوں پر وہ ظلم کر رہا ہے، وہ گوا والوں کے دوست ہیں۔ جب بونی کے حکمران نے ان سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا تو مکسر قوم کے لوگوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے اس کے ملک پر چڑھائی کر دی، تین لڑائیوں میں اسے یکے بعد دیگرے شکست دی، اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا اور بونی کی ریاست کو اپنی سلطنت کا صوبہ بنالیا۔ تیس سال کی محکومی کے بعد بوگی قوم نے ولندیزیوں کی مدد سے مکسر کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنے سابق آقاؤں کی جگہ سیلبیز کے قبیلوں کے سرخیل بن گئے۔ (Crawfurd: Vol ii, PP. 385-89)۔ معلوم ہوتا ہے کہ بوگی قوم میں اسلام کی تبلیغ بتدریج اور آہستگی سے ہوئی تھی۔

اسلام کی اشاعت کے لیے بوگی قوم میں مدت دراز تک کوئی غیر معمولی کوشش نہیں کی گئی۔ ان مشرقی جزیروں کے دوسرے قبیلوں کے مقابلے میں سیلبیز کے باشندوں میں نئی چیزوں سے نفرت اور قدیم رسوم کی پابندی بہت زیادہ ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اسلام کی اشاعت کے راستے میں سخت مشکلات حائل رہی ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس نئے دین کی اشاعت ایک عرصہ دراز تک ان کے ہاں ملتوی رہی ہے۔ اسلام کو صرف اسی وقت قبولیت حاصل ہوئی ہے جب اس نے قدامت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ (Crawfurd: Vol ii, P. 387)۔ لیکن جب وہ ایک بار نیا دین اختیار کر چکے تو اس نے اُن میں عربوں کی طرح ایک نیا جوش عمل پیدا کر دیا اگر چہ اس جوش و خروش نے بوگی اور عرب قوموں کے ہاں مختلف صورتیں اختیار کیں۔ بوگی قوم کے لوگ اب مجمع الجزائر کے سب سے دلیر آدمی اور سب سے زیادہ باہمت تاجر اور جہاز ران بن گئے ہیں۔ (Crawfurd: (1) P. 75)۔ یہ لوگ اپنے تجارتی جہازوں میں سوار ہو کر نیوگنی کے ساحل سے لے کر سنگاپور تک مجمع الجزائر کے ہر حصے میں پہنچتے ہیں جہاں انہوں نے بہت سی بستیاں آباد کر لی ہیں اور ان کے ذریعے انہوں نے بت پرستوں کے بہت سے جزیروں میں اسلام پھیلایا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک نو آبادی ایک ریاست میں پائی جاتی ہے جو جزیرہ فلوریز کے جنوبی ساحل کے اکثر حصے میں پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں سے، جن میں کچھ لوگ رومن کیتھولک تھے، میل جول پیدا کر کے اس ریاست کے تمام لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے۔ (Crawfurd, Vol II, P. 666: Riedel (2) P. 67)۔

اپنے اصلی وطن سیلبیز میں بھی بوگی قوم کے لوگوں نے شغلِ تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغی کوششوں کو بھی جاری رکھا ہے چنانچہ بولانگ مونگندو کی ریاست میں، جو شمالی جزیرہ نما میں واقع ہے، موجودہ صدی میں وہ ان دیسی عیسائیوں کو مسلمان کرنے میں کامیاب رہے ہیں جنہوں نے سترہویں صدی کے آخر میں عیسائیت قبول کر لی تھی۔ (De Hollander: Vol ii, P. 247)۔ اس ریاست کا پہلا عیسائی بادشاہ جیکب منو پوتھا (۱۶۸۹ء سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۷۰۹عیسوی) جس کے عہد حکومت میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ڈچ قوم کے پادریوں کی وجہ سے عیسائی مذہب نے تیزی سے ترقی کی تھی۔ (Wilken (1) PP. 42-44) ۱۸۴۴عیسوی تک اس کے تمام جانشین عیسائی رہے لیکن اس سال اس وقت کے والی ریاست راجا جیکب مانویل منوپو نے عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا اور انیسویں صدی کے شروع سے اسلام کی تبلیغ کے لیے جو کوششیں جاری تھیں، وہ اس راجا کے قبول اسلام سے کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔ اسی زمانے میں چند مسلمان تاجروں کی کوششوں سے، جن میں بوگی قوم کے لوگ بھی شامل تھے، جنوبی ریاست مونگندو کے ایک ساحلی شہر میں کچھ لوگوں کو مسلمان کر لیا گیا اور پھر اس شہر سے دو مسلمان سوداگر حکیم باگس اور امام تو ویکو ریاست کے باقی حصے میں اسلام کی اشاعت کے لیے نکلے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے چند غلاموں کے علاوہ بعض دیسی عورتوں کو بھی مسلمان کیا اور ان کو اپنے حبالہ نکاح میں لے لیا۔ پھر ان لوگوں نے مسلمان ہو کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے بعد مونگندو سے بولانگ کی شمالی ریاست میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ۱۸۳۰عیسوی میں یہاں کی پوری آبادی ماسوائے دو تین مسلمان آباد کاروں کے، یا تو عیسائی تھی یا بت پرست۔ لیکن اسلام کی سرگرم مبلغ بوگی قوم نے اپنے دین کی اشاعت میں وسیع پیمانے پر کامیابی حاصل کی اور عربوں نے بھی ان تبلیغی کوششوں میں ان کی اعانت کی۔ دیسی عیسائیوں کو اپنے مذہبی عقاید کی بہت کم واقفیت تھی اور ان کا ایمان بھی ضعیف تھا۔ چنانچہ ان میں اتنی استعداد نہ تھی کہ وہ مذہبی مباحثے میں دلیل و برہان کے ذریعے اپنے حریف مذہب کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ولندیزی حکومت ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتی تھی اور ارباب کلیسا بھی ان سے غافل ہو چکے تھے بلکہ ان کو تقریباً بالکل چھوڑ چکے تھے، اس لیے ان عیسائیوں نے غیر ملکی مسلمانوں کو اپنا دوست تصور کیا جن میں سے بعض نے ان کے ہاں شادیاں کر لی تھیں اور ان کے درمیان آباد ہو چکے تھے۔ بوگی اور عرب لوگ جزیرے میں پہلے بھی کبھی آتے تھے لیکن جب اسلام کی اشاعت بڑھی تو ان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہو گئی اور ملک میں ان کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا یہاں تک کہ ۱۸۳۲عیسوی میں ایک عرب نے والی ریاست کارنیلیکس منوپو کی بیٹی سے شادی کر لی حالانکہ وہ والی خود عیسائی تھا۔ اسی زمانے میں بہت سے امرائے سلطنت نے، جن میں بعض بہت طاقت ور تھے، عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ ۱۸۴۴عیسوی میں جب راجا جیکب مانویل منوپو مسلمان ہوا تو اس سے پہلے اسلام اس کی مملکت میں اپنے قدم مضبوط کر چکا تھا۔ اس سے پہلے اس راجا نے ولندیزی حکام سے، جن کا صدر مقام منادو تھا، کئی مرتبہ درخواست کی تھی کہ سکول ماسٹر جیکب باستیان کی جگہ، جس کی وفات سے عیسائیوں کو بہت نقصان پہنچا تھا، اس کا کوئی جانشین مقرر کیا جائے۔ لیکن یہ درخواست رائیگاں گئی اور جب راجا نے منادو کے ولندیزی ریذیڈنٹ سے سنا کہ جب تک اس کی رعایا ولندیزی حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وفادار ہے، اس وقت تک حکومت کو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ عیسائی مذہب رکھتی ہے یا مسلمان ہے تو اس نے یہ سنتے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو مسلمان کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی۔ اگلے سال ملک میں ایک خوفناک زلزلہ آیا اور ایک عرب مبلغ نے اس حادثے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ پیش گوئی کی کہ اگر بولا نگ مونگندو کے لوگ فوراً اسلام قبول نہیں کریں گے تو ان کا ملک تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ بہت سے لوگ خوف کے مارے مسلمان ہو گئے۔ راجا اور اس کے درباریوں نے بھی مسلمان مبلغوں اور تاجروں کی مدد کی جوست اور کاہل لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ یہ ہر حال اس ریاست کی نصف آبادی ابھی تک بت پرست ہے اور ان کے ہاں اسلام کی ترقی کی رفتار اگرچہ فی الحال ست ہے لیکن مسلسل اور یقینی ہے۔

(Wilken(2) PP, 276-9: Koloniaal Verslag Van 1910, P. 52, 1911 P. 47)۔

سمباوا کے ہمسایہ جزیرے میں بھی اسلام کی اشاعت غالباً سلیبز کے ذریعے ہوئی تھی۔ مکسر کے مبلغ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۰ عیسوی تک یہاں اسلام کی تلقین کرتے رہے چنانچہ اس جزیرے کے تمام مہذب باشندے اب سچے مومن اور دوسرے ہمسایہ مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ متشرع اور دیندار ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ایک مذہبی تحریک ہے جس کو ایک شخص حاجی علی نے ۱۸۱۵ء میں تمبورا پہاڑ کی تباہ کن آتش فشانی کے بعد شروع کیا تھا۔ اس ہولناک حادثے کے بعد اہل جزیرہ پر جو مصیبتیں آئیں، ان سے لوگوں کے مذہبی شعور کو بیدار کرنے میں کام لیا گیا اور ان کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ وہ اپنے مذہبی فرائض کی زیادہ پابندی کریں اور زیادہ دیانت داری کی زندگی بسر کریں۔ (Zolinger (2) PP. 126, 169)۔ چنانچہ اس جزیرے کے لوگ آج کل بھی اسلام قبول کرتے رہتے ہیں۔(Med Ned. Zendelinggen: PP. 170, 177)۔

جزیرہ لمبوک کے باشندے بھی، جو ساسک کہلاتے ہیں، بوگی قوم ہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ بوگی قوم کے مسلمانوں کی یہاں ایک بڑی آبادی ہے۔ یہ لوگ جزیرہ سمباوا سے یہاں آئے تھے یا سلیبز سے براہ راست یہاں پہنچے تھے۔ یہ ہر حال لمبوک کے باشندے پر امن طریقے سے مسلمان ہوئے ہیں۔(Zolinger (1) P. 527)۔

یہ لوگ دو مختلف قوموں میں منقسم ہیں: اول ساسک اور دوسرے اہل بالی۔ ساسک، جو بیشتر مسلمان ہیں، یہاں کے اصلی باشندے ہیں اور تعداد میں دوسرے فریق سے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اٹھارویں صدی کے وسط میں وہ اہل بالی کے محکوم بن گئے اور جزیرہ بالی کے ہمسایہ ہندو لوگ ٹڈی دل کی طرح لمبوک کے جزیرے پر چھا گئے۔ (ڈی ہالینڈر نے ۱۸۸۳ء میں لکھا تھا کہ لمبوک میں اہل بالی کی تعداد ۲۰ ہزار اور ساسک قوم کی تعداد تین لاکھ اسی ہزار ہے۔ جلد اول، صفحہ ۴۸۹)۔ اہل جزیرہ کے لیے بالی والوں کی ظالمانہ حکومت بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنی مسلمان رعایا کو ہندو دھرم میں لانے کی کوشش کی لیکن ان کو بہت کم کامیابی ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سا سک قوم نے ان کی جابرانہ حکومت کا جوا اتارنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آخر انہوں نے ولندیزی حکومت سے امداد طلب کی اور ولندیزیوں نے ۱۸۹۴ء میں ایک فوجی مہم بھیج کر جزیرے میں امن قائم کیا اور وہاں کا نظام حکومت درست کیا۔ نئی حکومت کے ساتھ بہت سے مسلمان اہلکار آئے جنہوں نے اپنے اثر ورسوخ کو اپنے مذہب کے حق میں استعمال کیا۔ اس سے اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ لمبوک میں ولندیزی حکومت قائم ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں اسلام کی اشاعت کو زبردست تحریک ملے گی۔ (Encyclopedic Van, Vol ii, pp.432-34, 524)۔

سلیبز کی طرح جزائر فلپائن میں بھی اسلام اور عیسائیت میں لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے جدوجہد جاری رہی ہے لیکن یہ کشمکش سلیبز کی بہ نسبت زیادہ سخت اور مسلسل تھی جس کی وجہ سے اسپین والوں اور مسلمانوں میں انیسویں صدی تک کشت وخون ہوتا رہا ہے۔ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ فلپائن میں اسلام کی ابتدا کب ہوئی؟ (کیپٹن تھامس فاریسٹ نے ۱۷۷۵ عیسوی میں لکھا تھا: ''عربوں کو جزائر منداناؤ میں آئے ہوئے تین سو برس گزر رہے ہیں۔ پہلا عرب جو یہاں وارد ہوا، مکہ کا ایک شریف تھا جس کی قبر آج تک سیاحوں کو دکھائی جاتی ہے۔ یہ قبر مرجان کے پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔'' صفحات ۲۰۱،۳۱۳)۔ منداناؤ کی تواریخ کی روایت یہ ہے کہ ایک شخص نے، جس کا نام شریف کابونگ سون تھا، سب سے پہلے یہاں اسلام کو رواج دیا تھا۔ یہ شخص جوہور سے آیا تھا جو جزیرہ نمائے ملایا میں واقع ہے۔ وہ اپنے چند پیروؤں کے ساتھ اس جزیرے میں آباد ہو گیا اور اس نے یہاں کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ روایت ہے کہ اس نے ساحل پر اترنے سے پہلے اہل جزیرہ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ ان قدیم تواریخ سے یہی پتا چلتا ہے کہ کابونگ سوان کی آمد اور اہل منداناؤ کا قبول اسلام پہلے پہل پر امن طریقے سے عمل میں آیا تھا لیکن جب اس کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے آس پاس کے سرداروں اور قبیلوں کو مغلوب کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اس کی حکومت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مذہب بھی قبول کر لیا۔ (N. L. Saleeby: PP. 24-25. 53-55)۔ جب اسپین والوں نے ۱۵۲۱ عیسوی میں فلپائن کو دریافت کیا تو انہوں نے دیکھا کہ شمالی جزیروں کے باشندے سادہ لوح اور ناتراشیدہ بت پرست تھے۔ منداناؤ اور سولو کے جزیروں میں مسلمان آباد تھے جو ان کے مقابلے میں زیادہ مہذب تھے۔ (Ramusio, Vol i, P. 375E)۔ ان مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور عیسائی بنانے کے لیے عیسائیوں نے انیسوی صدی تک جس قدر کوششیں کیں، وہ سب ناکام رہیں چنانچہ مسیحی مشنری ان کو عیسائی کرنے سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔ یسوعی فرقے کے پادریوں نے، جو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے فلپائن گئے تھے، اپنے مراسلوں میں لکھا ہے: ''یہ لوگ خداوندی نعمتوں کے ایسے مخالف اور اپنے عقاید میں ایسے پختہ ہیں کہ ان کا عیسائی مذہب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول کرنا خارج از امکان ہے۔" (Montero Y Vidal Vol i P, 21)۔ عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مذہبوں کو دیسی باشندوں کے سامنے مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے لیے عیسائیت قبول کرنے کا یہ مطلب تھا کہ وہ سیاسی آزادی اور قومی خودمختاری سے بالکل محروم ہو جائیں چنانچہ عیسوی مذہب ان کے لیے غلامی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اسپین کے عیسائیوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے تھے جن سے لوگوں کے دلوں میں روز اول ہی سے مسیحیت کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ عیسائیوں کی سینہ زوری اور زبردستی مسلمان مبلغوں کی رواداری اور صلح پسندی کے بالکل برعکس تھی۔ مسلمان مبلغ دیسی باشندوں کی زبان سیکھتے تھے، ان کے رسم ورواج اختیار کرتے تھے اور مقامی عورتوں سے شادی بیاہ کر کے عوام کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔ وہ نہ تو اپنے لیے خاص حقوق کا دعویٰ کرتے تھے اور نہ ہی ملکی باشندوں کو ادنیٰ تصور کر کے بہ نظر حقارت دیکھتے تھے۔ ان کے برعکس اسپین والے دیسی باشندوں کی زبان اور ان کے اوضاع واطوار سے بالکل ناآشنا ہوتے تھے۔ ان کی شراب خواری خاص طور پر ان کی حرص وآز اور لوٹ کھسوٹ نے ان کے مذہب کو بدنام کر دیا تھا۔ وہ عیسائیت کی اشاعت کو اپنی ملکی فتوحات کے لیے محض ایک آلہ کار سمجھتے تھے۔ (Crawfurd: vol ii, PP. 274-80)۔ لہٰذہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دیسی لوگوں نے عیسائیت کی اشاعت کی ترویج کی کیوں مخالفت کی۔ عیسوی مذہب صرف ان ہی علاقوں میں رواج پا سکا جہاں کے لوگ کمزور تھے یا ان کا جزیرہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسپین والے اس پر پوری طرح سے مسلط ہوگئے۔ یہ لوگ عیسائی ہونے کے بعد سزا کے خوف سے مذہبی احکام کی پابندی کرتے تھے اور ان سے مکتب کے بچوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا۔ (Thevenot: Vol i)۔ فلپائن پر امریکی قبضے کے زمانے تک مندناؤ کی خودمختار اسلامی ریاست ان لوگوں کا ملجا وماویٰ تھی جو عیسائی حکومت سے بیزار ہو کر وہاں سے بھاگتے تھے۔ (Ale Chatelier (2) P. 45)۔ اسی طرح سولو کا جزیرہ بھی، جو ۱۸۷۸ عیسوی سے برائے نام اسپین والوں کے قبضے میں ہے، دوسرا مقام تھا جہاں سے اہل اسلام عیسائیت کی مخالفت کرتے تھے۔ اس جزیرے میں ایسے نومسلم اب بھی موجود ہیں جو اسپین کی زبان بولتے ہیں۔ (Montero.Y. vidal, Vol i , P. 86)۔

اس بات کی کوئی یقینی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے کہ اہل اسپین کی آمد سے کس قدر پہلے جزائر سولو کے باشندے مسلمان ہوگئے تھے۔ سولو کی تواریخ کے بیان کے مطابق شریف کریم المخدوم اسلام کا پہلا مبلغ تھا جو ان جزائر میں وارد ہوا۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ ایک عرب تھا جو چودھویں صدی کے وسط میں ملاکا گیا اور سلطان محمد شاہ کے علاوہ اس نے ملاکا کے عوام کو بھی مسلمان کیا۔ اس نے مشرق کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ جب وہ ۱۳۸۰ عیسوی کے قریب سولو میں پہنچا تو بوانسا کے مقام پر آباد ہوگیا جو وہاں کا پرانا دارالحکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔(یہ مقام موجودہ دارالحکومت جولو کے مغرب میں تین میل دور واقع ہے)۔ یہاں کے لوگوں نے اس کے لیے ایک مسجد تعمیر کی اور بہت سے سرداروں نے اس کی تعلیم کو قبول کرلیا۔ کہتے ہیں کہ وہ مجمع الجزائر کے ہر ایک جزیرے میں پہنچا اور اس نے بہت سے مقامات پر لوگوں کو مسلمان کیا۔ اس کی قبر سیوتو کے جزیرے میں بتائی جاتی ہے۔ (N. M. Saleeby: PP. 150-159)۔ اس کے بعد ایک اور مبلغ آیا جس کا نام ابوبکر تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک عرب تھا جس نے اپنا تبلیغی کام ملاکا سے شروع کیا اور پالم بنگ اور بروناکی سے ہوتا ہوا آخر کار ۱۴۵۰ء میں جزائر سولو میں پہنچ گیا۔ اس نے کئی مسجدیں تعمیر کیں اور اپنی تبلیغ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ بوانسا کے مسلمان حکمران راجا بجندا نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی اور اس کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے سولو کے قوانین اور نظام حکومت کو، جہاں تک مقامی رسم و رواج اجازت دے سکتے تھے، خالص اسلامی اصول کے مطابق ترتیب دیا۔(N. M. Saleeby: PP. 150-162-3)۔ سولو کے باشندے اگرچہ مدت دراز سے مسلمان ہو چکے تھے لیکن وہ اسلامی احکام کی سختی سے پابندی نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے فلپائن پر غارت گری کر کے بہت سے عیسائیوں کو غلام بنالیا تھا اور ان عیسائی غلاموں کا مسلمانوں پر اس قدر اثر تھا کہ جے ایچ مور J. H. Moor نے ان کے متعلق لکھا ہے: ''سولو کے باشندے کبھی کے عیسائی ہو چکے ہوتے لیکن ان کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان کے تبدیلِ مذہب سے پادریوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور ان کے اپنے اختیارات کو لامحالہ نقصان ہوگا۔ پھر ملک میں اسپین کی حکومت کے قیام کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا اور یہ ایسی بات تھی جس کا آس پاس کی تمام قوموں کو تلخ تجربہ ہو چکا تھا جنہوں نے نادانی سے عیسائیت کو قبول کرلیا تھا۔'' اس کے علاوہ اسپین کے جن پادریوں نے سولو میں اپنا مشن قائم کیا، ان کے جابرانہ رویے سے بھی لوگوں کے دلوں میں غیر ملکی مذہب کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوگئی تھی۔(Dalrymple: P. 549)۔

جب سے امریکا نے جزائر فلپائن پر قبضہ کیا ہے، اسلام کے غلبے میں بڑی حد تک کمی آگئی ہے اور اس کا حلقہ اثر اب صرف جزیرہ پلوان، مندناؤ کے جنوبی ساحل اور جزائر سولو تک محدود ہوگیا ہے۔ (R du M. M. Vol vii, PP. 115-16)۔ لیکن کہتے ہیں کہ مسلمان فلپائن کے شمالی جزیروں میں اپنی تبلیغ کو وسعت دے رہے ہیں اور انہوں نے دارالحکومت منیلا میں بھی اپنے تبلیغی کام کا آغاز کردیا ہے۔ بعض حالات ایسے ہیں جو اس کی کامیابی کے لیے سازگار ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ فلپائن کے لوگ ان خرابیوں کی وجہ سے بھی عیسائیت کے ساتھ بدگمانی رکھتے ہیں جن کی بنا پر انہوں نے اسپین کے پادریوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔(The Missionary Review of the world: P.877)۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مجمع الجزائر ملایا کی زیادہ مہذب قوموں نے اسلام کو بخوشی قبول کیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہاں کی ادنیٰ قوموں میں اسے استحکام حاصل نہیں ہو سکا۔ ان ادنیٰ قوموں میں نیوگنی کے پاپوان لوگ اور جزائر ویکیو، مسول، دیگاما اور سلاوتی کے باشندے شامل ہیں۔ یہ جزیرے نیوگنی کے شمال مغرب کی جانب واقع ہیں۔ سولھویں صدی میں نیوگنی کے شمال مغربی جزیرہ نما اونین سمیت یہ تمام جزیرے سلطان باتجن کے زیر نگیں تھے جو جزائر مولکا کے حکمرانوں میں سے تھا۔ (باتجن خاندان کے جس پہلے شہزادے نے اسلام قبول کیا، اس کا نام زین العابدین تھا جو پرتگالیوں کی آمد کے وقت ۱۵۲۱ عیسوی میں وہاں کا حکمران تھا)۔ باتجن کے مسلمان حکمرانوں کے اثر سے ان جزیروں کے سرداروں نے، جو پاپوان قوم سے ہیں، اسلام قبول کرلیا ہے لیکن اندرون ملک کے اکثر لوگ ابھی تک بت پرست ہیں۔ صرف ساحل کے باشندے مسلمان ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مولکا کے لوگ آکر ان کے درمیان آباد ہو چکے ہیں۔ خود نیوگنی میں پاپوان قوم کے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ مسلمان تاجروں نے غالباً ۱۶۰۶ عیسوی میں نیوگنی کے مغربی ساحل یعنی جزیرہ نمائے اونین میں اسلام کو رواج دیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک جتنی صدیاں بیتی ہیں، اس عرصے میں اسلام نے بہت کم ترقی کی ہے۔ پاپوان قوم نے اسلام اختیار کرنے سے بھی ایسی ہی بے اعتنائی برتی ہے جیسی کہ عیسائی مشنریوں کی تعلیم قبول کرنے سے پہلوتہی کی ہے۔ عیسائی مشنری ان کے ہاں ۱۸۵۵ عیسوی سے تبلیغ کر رہے ہیں لیکن ان کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

قریبی جزیروں کے مسلمانوں پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ پاپوان قوم کو ایسا حقیر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ان کے ہاں اسلام پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔ (Robide Van der Aa, P. 711)۔ لیکن ہمیں ایک شخص امام ذکر کا حال معلوم ہے جو ۱۸۵۶ء کے قریب ایک جزیرے سے آیا تھا۔ یہ جزیرہ سیرام کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ اس نے آدی کے جزیرے میں اسلام کو رواج دیا جو جزیرہ نمائے اونین کے جنوب میں ہے۔ اپنا مشن پورا کرنے کے بعد وہ اپنے وطن کو واپس چلا گیا حالانکہ لوگوں نے اس بات پر اصرار کیا تھا کہ وہ ان کے درمیان سکونت اختیار کرلے۔ (Robide Van der Aa: P. 319)۔ کہتے ہیں کہ سیرام اور گورام کے مسلمان تاجروں نے بھی بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں یہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کیا تھا۔ (Koloniaal Verslag Van 1906, P. 70, 1911, P. 52)۔ کائی کے قریبی جزیروں کے پاپوان لوگوں کو بھی مسلمان کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں جزائر باندا کے مہاجروں کی اولاد کے سوائے ان جزیروں میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس سے بھی کچھ عرصہ پہلے سیرام کے مبلغوں نے کائی کے بعض لوگوں کو مسلمان کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی البتہ قرآن کے احکام کی بہت کم پابندی ہوتی تھی۔ چنانچہ لوگ حرام جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور نشہ آور شرابیں پیتے تھے۔ لیکن ان کی عورتیں مردوں کے مقابلے میں مذہب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ پابند تھیں۔ جب ان کے خاوند سور کا گوشت کھانا چاہتے تھے تو ان کو خفیہ طور پر کھانا پڑتا تھا کیونکہ ان کی بیویاں ایسی ناپاک چیز کو گھر میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ (The Journal of the Indian Archipelago: Vol vii, PP. 64, 71)۔ لیکن ۱۸۸۷ عیسوی میں کائی کے باشندوں کی مذہبی زندگی میں ایک نئی حرکت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ مدورا، جاوا اور بالی کے عرب تاجر اسلام کے بڑے سرگرم مبلغ ثابت ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو مسلمان کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اپنے دلائل کی تائید میں وہ بعض اوقات دھمکی اور زبردستی سے بھی کام لیتے تھے۔ عام طور پر ہر ایک نومسلم کو دو سو فلورن کی مالیت کے تحائف دیے جاتے تھے اور سرداروں کو ایک ہزار فلورن ملتے تھے۔ (G. W. W. C. Baron Von Hoevell: P. 120)۔ کہتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر میں جزائر کائی کے باشندوں کی کل تعداد ۲۳ ہزار تھی جن میں سے آٹھ ہزار لوگ مسلمان تھے۔ (Encyclopaedic Van: Vol ii, P. 210)۔

مجمع الجزائر ملایا میں اسلام نے مغرب سے مشرق کی طرف جو ترقی کی ہے، اوپر کے صفحات میں اس کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے لیکن یہ خاکہ ان جزیروں میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ کا ایک قلیل حصہ ہے کیونکہ اس تاریخ کے اکثر واقعات ایسے ہیں جو کبھی معرض تحریر میں نہیں آئے۔ مقامی تاریخوں، یورپ کے سیاحوں، سرکاری اہل کاروں اور عیسائی مشنریوں کی تحریروں سے جو حالات اخذ کیے جا سکتے ہیں، وہ لامحالہ نامکمل ہیں۔ اس کے باوجود اس بات کی خاصی شہادت موجود ہے کہ پچھلے چھ سو برس کے عرصے میں اسلام کی اشاعت کے لیے جو کوششیں کی گئی ہیں، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پرامن تھیں۔ بعض اوقات مذہب کی تائید میں تلوار اٹھائی گئی ہے لیکن اس تبلیغی تحریک میں جبر واکراہ کے بجائے عموماً وعظ وتذکیر سے کام لیا گیا ہے۔ اس تبلیغ کو جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے، وہ زیادہ تر مسلمان تاجروں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ ان لوگوں نے اہل ملک کی زبان سیکھ کر اور ان کے رسوم ورواج اختیار کر کے ان کے دلوں کو تسخیر کیا۔ پھر خاموشی اور آہستگی کے ساتھ ان کے درمیان اسلام کی تعلیم کو پھیلانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے ان عورتوں کو مسلمان کیا جن کو وہ اپنے حبالہ نکاح میں لا چکے تھے۔ اسی طرح انہوں نے ان لوگوں کو بھی مسلمان بنایا جن کے ساتھ وہ تجارتی تعلقات رکھتے تھے اور بجائے اس کے کہ وہ ازراہ تکبر عوام سے الگ تھلگ رہتے، وہ ان کے ساتھ رفتہ رفتہ شیر وشکر ہو گئے اور اپنی اعلیٰ ذہانت اور تہذیب سے اسلام کی اشاعت میں کام لیا اور اپنے مذہبی عقاید اور اعمال میں حسب ضرورت ایسی ترمیمیں کیں جن سے ان کا مذہب لوگوں کے لیے قابل قبول ہو گیا۔ (Crawfurd (2) PP. 275, 307)۔ چنانچہ انگریز مورخ بکل Buckle کا قول ہے:

"مسلمان مبلغ بہت مدبر اور دانش مند ہیں۔" (Buckle: Vol i, P. 594, London 1872)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی تبلیغ کے کام میں تاجروں کے علاوہ ایسے لوگ بھی مصروف عمل رہے ہیں جن کو پیشہ ور مبلغ کہا جاسکتا ہے یعنی علمائے دین، واعظ، فقہا اور حاجی لوگ۔ گزشتہ برسوں میں حاجی لوگ خاص طور پر تبلیغ دین میں بڑے سرگرم رہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اپنے ابنائے وطن کی مذہبی زندگی کو مضبوط اور بااصول بنائیں اور ان میں بت پرستی کی جو عادتیں اور رسمیں چلی آتی ہیں، ان کو دور کریں۔ مجمع الجزائر کے تمام حصوں سے جو لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے ہیں، ان کی تعداد ہر سال بڑھتی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے اسلامی اثرات اور خیالات بھی لوگوں میں پھیل رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط تک ڈچ حکومت حاجیوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالتی رہی ہے چنانچہ اس نے ایک حکم جاری کیا تھا کہ کوئی شخص پروانہ راہداری کے بغیر حج کے لیے نہیں جاسکتا اور اس پروانے کے لیے اسے ۱۱۰ فلورن ادا کرنا ہوں گے، جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا، واپسی پر اسے دگنی رقم بطور جرمانہ ادا کرنا پڑے گی۔(Niemann: PP. 406-7)۔ چنانچہ یہ بات تعجب خیز نہیں کہ ۱۸۵۲ عیسوی میں ملایا کے حاجیوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف ۷۰ رہ گئی تھی۔ لیکن اسی سال یہ حکم منسوخ کردیا گیا اور اس وقت سے حاجیوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔

انیسویں صدی کے آخری عشرے میں حاجیوں کی اوسط تعداد سات ہزار تھی اور بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں سات ہزار تین سو۔ لیکن ان کی تعداد میں سال بہ سال کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ (R. du M. M. Vol xv, PP. 409, 412)۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں ڈچ انڈیز کے حاجیوں کی تعداد ۲۳۴،۱۴ تھی۔

حاجیوں کی تعداد میں اضافے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اب مکہ اور مجمع الجزائر کے درمیان سفر کی سہولتیں بڑھ گئی ہیں۔ لیکن ایک عیسائی مشنری نے لکھا ہے: ''سفر کی آسانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ حج کی وقعت اور اہمیت کم ہوگئی ہے۔ حاجیوں کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس سے ان کی خوبیوں میں کمی نہیں آئی بلکہ اس کے برعکس آج کل کے حاجیوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو عقاید اسلام کا کامل علم رکھتے ہیں اور پہلے حاجیوں کی بہ نسبت غیر مسلموں سے تعصب اور عداوت زیادہ رکھتے ہیں۔'' (Niemann: P. 407)۔ ڈچ حکومت اور عیسائی مشنریوں کی رپورٹیں اس بات کی متفقہ طور پر شہادت دیتی ہیں کہ جو حاجی اپنے وطن کو لوٹتے ہیں، وہ اصلاحِ ملت اور تبلیغ دین کے کام میں بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں۔(Med Ned. Zendelinggen)۔ بعض حاجی زیارت حرمین اور مناسک حج کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہیں اور پھر اپنے وطن کو چلے جاتے ہیں لیکن بعض حاجی دینی علوم کی تحصیل کے لیے مکہ میں ٹھہر جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کل مکہ میں ملائی قوم کے لوگوں کی ایک خاصی بڑی آبادی ہے جنھوں نے مستقل طور پر وہاں سکونت اختیار کرلی ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن کے ساتھ مسلسل خط و کتابت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے ملایا کے مسلمانوں سے بت پرستی کے وہ تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیالات اور رسوم دور ہوگئی ہیں جو قدیم زمانے سے ان کے ہاں چلی آتی تھیں۔ مکہ میں بہت سی مذہبی کتابیں ان مختلف زبانوں میں چھپتی ہیں جو ملایا کے مسلمانوں میں بولی جاتی ہیں اور پھر مجمع الجزائر کے تمام حصوں میں پہنچتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ترکی، ہندوستان اور بخارا کے لوگوں کے مقابلے میں ملایا کے باشندوں پر مکہ مکرمہ کا اثر زیادہ ہے۔(Snouck Hergronje (3) Vol II, PP. 339, 393)۔

جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات کے مطالعے سے توقع کی جاسکتی ہے، کچھ عرصے سے جزائر ملایا میں تبلیغ اسلام میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے۔ جو حاجی واپس آتے ہیں، خواہ وہ تاجر ہوں یا مذہبی معلم، جہاں کہیں غیر مسلموں سے ملتے ہیں، اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ صوفیا کے طریقوں نے بھی اپنے سلسلوں کو جزائر ملایا تک وسعت دی ہے یہاں تک کہ جدید سنوسی طریقے کے معتقد بھی دور دور کے جزیروں میں موجود ہیں۔(J. G. F. Riedel (1), PP. 7, 59, 162)۔ اس طریقے کے اثر ونفوذ کی ایک علامت یہ ہے کہ ملایا کے بہت سے لوگ جب مکہ میں اپنا اصلی نام بدل کر عربی نام اختیار کرتے ہیں تو سنوسی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ ضرور شامل کر لیتے ہیں۔(Snouck Hergronje (3) Vol ii. P. 323)۔

عیسائی مشنریوں نے ہالینڈ کی حکومت پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے اسلام کی اشاعت میں مدد پہنچائی ہے۔ یہ الزام صحیح ہو یا غلط، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مبلغین اسلام کے کام میں اس وجہ سے ضرور سہولت پیدا ہوئی ہے کہ ہالینڈ کی حکومت نے ملائی زبان، جس کو مسلمانوں کے سوا اور بہت کم لوگ جانتے ہیں، سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ ڈچ حکام کے ساتھ مسلمان اہل کاروں کا جم غفیر ہوتا ہے جس میں پولیٹیکل ایجنٹ، محرر، ترجمان اور تاجر شامل ہیں۔ یہ مسلمان اہل کار جہاں کہیں جاتے ہیں، اسلام کا قدم بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچتا ہے۔ جن لوگوں کو ڈچ حکومت کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے، وہ ملائی زبان سیکھنے پر مجبور ہیں اور جب وہ ملائی زبان سیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی وہ اسلام اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض اس طرح سے اکثر با اثر لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں اور پھر عوام بھی ان کی پیروی کرتے ہیں۔(Encyclopaedic Van: Vol ii, P. 524)۔ چنانچہ آج کل اسلام مجمع الجزائر ملایا سے بت پرستی کو تیزی کے ساتھ نکال باہر کر رہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں باب

خاتمہ کلام

آج کل مسیحی دنیا میں مشنری کام کے یہ معنے سمجھے جاتے ہیں کہ مذہب کی اشاعت کے لیے مشنری سوسائٹیاں یعنی تبلیغی انجمنیں قائم ہوں، تنخواہ دار واعظ مقرر کیے جائیں، چندہ جمع کیا جائے اور رپورٹیں اور رسالے شائع کیے جائیں۔ چنانچہ جس مشنری کام کو باضابطہ طور پر شروع کر کے مقررہ اصول اور آئین پر نہ چلایا جائے، اسے عیسائیوں کے نزدیک مشن کا کام کہنا ہی غلط ہے۔ مسیحی کلیسا کا آئین و دستور شروع ہی سے یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں غیر مذاہب کے لوگوں میں عیسوی دین کی اشاعت کا انتظام کیا گیا ہے اور اس کی تبلیغ کے لیے اکثر اوقات سند یافتہ پادری یا راہب مقرر کیے جاتے ہیں۔ فرقہ ہیڈکنائن سے لے کر آج تک عیسائی راہبوں کے جتنے سلسلے چلے ہیں اور جتنی مشنری انجمنیں قائم ہوئی ہیں، ان سب نے مذہب کی اشاعت کے کام پر توجہ مبذول کی ہے اور یہ وہ فریضہ ہے، جس کو ابتدا ہی سے کلیسا کی اولین ترجیحات میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس چونکہ اہل اسلام میں مبلغوں کی کوئی باضابطہ جماعت نہیں ہے اور نہ ہی ان میں کلیسا کی مانند کوئی نظام موجود ہے، اس لیے مسلمانوں کے جوشِ تبلیغ نے جو صورتیں اختیار کی ہیں، وہ عیسوی مذہب سے بالکل مختلف ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاں نہ تو تبلیغی انجمنیں ہیں اور نہ تبلیغی کارکن، نہ ہی تبلیغی مساعی میں کوئی تسلسل پایا جاتا ہے۔ (عیسائیوں کی مشنری سوسائٹیوں کی طرز پر جو اسلامی تبلیغی انجمنیں قائم کی گئی ہیں، وہ بیسویں صدی سے پہلے ظہور میں نہیں آئیں۔ ان کا کچھ حال تیسرے ضمیمے میں دیا گیا ہے)۔ لیکن مسلمان صوفیوں کے طریقے اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی تنظیم ایک حد تک مسیحی راہبوں کے سلسلوں سے ملتی جلتی ہے البتہ اس صورت میں بھی چونکہ ان کے ہاں پادریوں کی سی جماعت کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی تصور نہیں ہے، نہ ہی مذہبی معلموں کے مسلمانوں کی عام جماعت سے جدا ہونے کا کوئی نظریہ ہے اور نہ مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے کسی شخص کے باضابطہ تقرر کا دستور ہے، اس لیے دونوں مذہبوں کی تبلیغ میں جو بنیادی فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔

اسلام کے ہاں علما کی کوئی ایسی جماعت نہیں جو اشاعتِ دین کے کام کے لیے مخصوص ہو۔ اس کی عدم موجودگی سے ملتِ اسلامیہ کو جو خسارہ ہو رہا ہے، اس کی تلافی اس طرح ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک فرد میں تبلیغ کی ذمے داری کا احساس موجود ہوتا ہے۔ مسلمان اور اس کے خدا کے درمیان کسی واسطے کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کی ذاتی نجات خود اس کے نیک اعمال پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں بڑے محتاط ہیں اور اپنے دین کے اصول اور ارکان سیکھنے میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب اسلامی تعلیمات کی اہمیت کا نقش ایک دفعہ کسی کے دل پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ غیر مسلموں کے سامنے اپنے عقاید کی تبلیغ و توضیح کرنے کے لیے خوب مستعد ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان مبلغ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ نومسلم کو کسی مستند مذہبی پیشوا کے سامنے پیش کرے اور اسے کسی ضابطے کے مطابق دائرہ اسلام میں داخل کرے، نہ ہی اس مبلغ کو قورح بن یصہار کے سے گناہ کے ارتکاب کے بعد علما کی ملامت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ (قورح بن یصہار بنی اسرائیل کا ایک نامور شخص تھا جو حضرت موسیٰؑ کی مخالفت پر آمادہ ہوا اور ان کی طرح لوگوں کو موسوی دین میں داخل کرنے کے لیے مذہبی رسوم ادا کرنے لگا۔ اس گناہ کی پاداش میں اس کو زمین نگل گئی۔ تورات، سفر العدد، باب ۱۶)۔ یہ قول اکثر نقل ہوا ہے کہ ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہے۔ (ولندیزی مستشرق سنوک ہرگرونی لکھتا ہے: ''کوئی مسلمان، خواہ کیسا ہی دنیا دار ہو، اسلام کی تبلیغ کرنا بہرکیف اس کی فطرت میں داخل ہے۔'' اسی طرح ایک جرمن مصنف من زنگر نے لکھا ہے: ''ہر مسلمان طبعاً اپنے مذہب کا مبلغ ہے جو تبلیغی کام کو اپنے صرفے سے جاری رکھتا ہے)۔'' اس قول میں شاید کسی قدر مبالغہ ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ ہو سکتا ہے۔ بہت کم متقی مسلمان ایسے نکلیں گے جو غیر مسلموں کے ساتھ روزانہ میل جول رکھتے ہوں اور اس حکمِ خداوندی سے غافل ہوں: ''اے رسولؐ! لوگوں کو بلا اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور نیک نصیحت کے ساتھ اور ان کے ساتھ بحث کر ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔'' (سورہ نحل، آیت ۱۲۶)۔ مبلغینِ اسلام کا ایک گروہ وہ ہے جو دین کے معلم تھے اور انھوں نے اپنا تمام وقت اور اپنی تمام قوتیں تبلیغ کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ لیکن ان کے شانہ بشانہ اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں ہمیں مسلم معاشرے کے ہر طبقے میں ایسے مردوں اور خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے میں بڑی جانفشانی کی ہے۔ ان میں بادشاہ سے لے کر کسان تک ہر درجے کے لوگ شامل ہیں۔ (اس ضمن میں وہ دلچسپ خط قابلِ ذکر ہے جو مراکش کے فرمانروا مولائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسماعیل نے ۱۶۹۸ عیسوی میں انگلستان کے بادشاہ جیمز دوم کو لکھا تھا اور اس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی)۔ مسلمان تاجروں نے اپنے ہم پیشہ عیسائی تاجروں کے برعکس خاص طور پر اس کام میں بڑی سرگرمی دکھائی ہے۔ انجمن حمایت اسلام کے ماہوار رسالہ بابت اکتوبر ۱۸۸۹ء میں ہندوستانی مبلغوں کی جو فہرست چھپی تھی، اس میں ہمیں سکول کے مدرسوں، سرکاری محکموں کے محرروں اور تاجروں کے نام ملتے ہیں جن میں سے ایک صاحب اونٹ گاڑیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور شخص ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا، ایک جلد ساز تھا اور ایک چھاپہ خانے کا ملازم۔ یہ لوگ دن بھر کام کرنے کے بعد اپنے فراغت کے اوقات میں ہندوستانی شہروں کے گلی کوچوں میں اپنے دین کا وعظ کہتے تھے اور عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذہبی عقاید پر جرح وقدح کر کے ان کو مسلمان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

یہ دلچسپ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلام کی تبلیغ میں صرف مسلمان مردوں ہی نے کوشش نہیں کی بلکہ خواتین نے بھی اس کارخیر میں حصہ لیا ہے۔ کئی تاتاری شہزادے ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اپنی مسلمان بیویوں کی ترغیب سے اسلام قبول کیا ہے۔ غالباً یہی صورت حال بہت سے بت پرست ترکوں کے ساتھ بھی پیش آئی جو اسلامی ملکوں پر یورشیں کیا کرتے تھے۔ سنوسی سلسلے کے مبلغوں نے، جو جھیل چاڈ کے شمالی اطراف میں تو بوتوم میں تبلیغ کرنے کے لیے آئے تھے، لڑکیوں کے لیے مدرسے جاری کیے اور عورتوں کو ان قبیلوں میں بربروں کی طرح جو زبردست اثر ورسوخ حاصل ہے، اس سے اسلام کی اشاعت میں فائدہ اٹھایا گیا۔ (Duveyrier: P. 17)۔ جرمن مشرقی افریقا کے بت پرست باشندے جب ریلوے یا باغوں میں مزدوری کرنے کی غرض سے چھ سات ماہ کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور مسلمان عورتوں کے ساتھ عارضی تعلق قائم کر لیتے ہیں تو وہ بھی ان کے اثر سے مسلمان ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مسلمان عورتیں کسی غیر مختون کا فرکو منہ نہیں لگاتیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس ننگ وعار سے بچنے کے لیے، جو لفظ کافر کے ساتھ وابستہ ہے، اپنا ختنہ کر لیتے ہیں اور اس طرح اسلامی برادری میں شامل ہو جاتے ہیں۔ (Klamroth: P. 12)۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں حبشہ کے ملک میں اسلام نے جو ترقی کی ہے، وہ بھی بڑی حد تک مسلمان عورتوں کی کوششوں کی رہین منت ہے اور عیسائی سرداروں کی بیویوں نے اس بارے میں خاص طور پر سعی کی ہے۔ شادی کے موقعے پر وہ عیسائیت کا اظہار کرتی تھیں لیکن اپنے بچوں کی تربیت اسلامی طریقے پر کرتیں اور اپنے مذہب کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہتی تھیں۔ (Massaja: Vol. xi. PP. 124-25)۔ حبشہ کی مغربی سرحد پر ایک بت پرست قبیلہ بورن آباد ہے جس کے بعض آدمی حکومتِ سوڈان کی نیگرو رجمنٹ میں بھرتی ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب یہ رجمنٹ واپس خرطوم آئی تو اس کے سیاہ فام سپاہی اپنی بیویوں کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔ (Arlin: P. 119)۔ کہتے ہیں کہ قازان کی تاتاری عورتیں بھی اسلام کی اشاعت میں سرگرمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ثبوت دیتی ہیں۔(R. du M. M. Vol ix, (1909) P. 252)۔کوئی مسلمان عابدہ اور زاہدہ خاتون محض اس بنا پر کہ وہ عورت ہے، مبلغین اسلام کی صف میں جگہ پانے سے محروم نہیں رہتی، روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں چند ایک پاک دامن بیبیاں تھیں جو ہوا میں اڑ کر کربلا سے لاہور پہنچیں اور اپنی صوم وصلواۃ کی پاکیزہ زندگی کے اثر سے ہندوؤں کو مسلمان کرنے کا موجب ہوئیں۔(غلام سرور: خزینۃ الاصفیا، جلد دوم صفحات ۴۰۷، ۴۰۸)۔اگر مسلمانوں میں مقدس عورتوں کا وجود نہ ہوتا تو اس قسم کی روایت مشہور نہ ہوسکتی۔قاہرہ کے مشہور و معروف مزاروں میں سیدہ نفیسہؒ کا روضہ بھی شامل ہے جو حضرت حسنؓ بن علیؓ کی اولاد سے تھیں۔ان کے علم وفضل کی ان کے ہم عصر امام شافعیؒ نے بھی تعریف کی ہے۔اپنے زہد وریاضت کی برکت سے وہ ولایت کے درجے کو پہنچ چکی تھیں۔ان کے متعلق روایت ہے کہ جب انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کی تو ان کے ہمسائے میں ایک ذمی رہتا تھا جس کی بیٹی ایسی سخت بیمار تھی کہ اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔وہ سارا دن بستر پر پڑی رہتی تھی۔اس بیمار لڑکی کے والدین کو ایک دن بازار میں جانا تھا چنانچہ انہوں نے بی بی نفیسہؒ سے درخواست کی کہ ان کی غیر حاضری میں اس لڑکی کی خبر گیر رہیں۔بی بی نفیسہؒ نے، جن کے دل میں محبت اور خداترسی بھری ہوئی تھی، لڑکی کی خبر گیری کا ذمہ لیا اور جب اس کے ماں باپ چلے گئے تو انہوں نے اس بے کس اور لاچار مریضہ کے لیے جناب باری تعالیٰ کے حضور میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ابھی ان کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھل گئے۔جب اس کے والدین واپس آئے تو وہ اپنے پیروں سے چل کر ان سے ملی۔یہ دیکھ کر اس کے ماں باپ ایسے ممنونِ احسان ہوئے کہ انہوں نے اپنی محسنہ کا دین قبول کرلیا۔(Goldziher: Vol ii, PP. 303-4)۔

بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان قیدیوں نے اپنے اپنے قید کرنے والوں کو یا ساتھ کے قیدیوں کو اپنے دین کی تلقین کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔چنانچہ مشرقی یورپ میں اول ہی اول اسلام کی اشاعت ایک مسلمان فقیہہ کے ذریعے ہوئی جو بازنطینی سلطنت اور اس کے مسلمان ہمسایوں کی کسی باہمی جنگ میں قید ہوگیا تھا۔گیارہویں صدی کے شروع میں لوگ اسے پکڑ کر پشنگ قوم کے ملک میں لے آئے تھے۔(کرمسین نے تاریخ روس میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں پشنگ قوم کے لوگ دریائے ڈینیوب اور دریائے ڈان کے درمیان آباد تھے اور وہاں نویں صدی کے آخر میں ارال کے کناروں سے اٹھ کر آئے تھے)۔اس نے ان کے سامنے اسلام کی تعلیم کو پیش کیا۔اس قوم کے لوگوں نے اس دین کو سچے دل سے قبول کرلیا اور اسلام ان کے ہاں پھیلنے لگا۔لیکن قوم کے بعض دوسرے لوگ اپنے ہم وطن لوگوں کے مسلمان ہونے پر بگڑ بیٹھے اور آخر ان کے ساتھ لڑ پڑے۔مسلمانوں نے، جن کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی، کفار کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا حالانکہ ان کی تعداد دگنی تھی۔ہزیمت خوردہ فریق میں سے جو لوگ بچ گئے، انہوں نے بھی فاتحین کا دین اختیار کرلیا۔چنانچہ گیارہویں صدی ختم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے پہلے پوری قوم مسلمان ہو چکی تھی۔ اس میں ایسے علما پیدا ہوئے جو دینیات اور فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ (ابو عبید الباقری (وفات ۱۰۹۴ء) صفحات ۴۶۷، ۴۶۸)۔ شہنشاہ جہانگیر کے زمانے (۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۸عیسوی) میں اہل سنت والجماعت کے ایک مشہور عالم شیخ احمد مجدد گزرے ہیں جنہوں نے اہل تشیع کے عقاید کی پرزور تردید کی تھی۔ اس زمانے میں دربار شاہی میں شیعوں کو بڑا دخل تھا چنانچہ شیخ ممدوح کو ایک فضول سے الزام کی بنا پر قید کر دیا گیا۔ دو برس تک آپ قید خانے میں رہے اور اس عرصے میں آپ نے ہزاروں کافروں کو، جو ان کے ساتھ محبوس تھے، مسلمان کیا۔ (غلام سرور: خزینۃ الاصفیا: جلد اول صفحہ ۶۱۳)۔ زمانہ حال میں برطانوی حکومت نے ایک ہندوستانی مولوی کو حبس دوام کی سزا دے کر جزائر انڈمان میں بھیج دیا کیونکہ اس نے ۱۸۶۴عیسوی کی وہابی سازش میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اس مولوی نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے مجرم قیدیوں کو مسلمان کر لیا تھا۔ وسطی افریقا میں ایک مرتبہ بلجیم کی حکومت نے ایک عرب سردار کو موت کی سزا دی تھی۔ چنانچہ جب ایک پادری کو اس کی روحانی تسکین کے لیے اس کے پاس بھیجا گیا تو اس سردار نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں اس پادری کو اسلام کی تعلیم دینے اور اسے مسلمان کرنے کی کوشش میں صرف کر دیں۔(D. Crawfurd: Thinking Black: P. 202: London 1913)۔

مسلمانوں کو اپنے دین کی تبلیغ کا ایسا شوق ہے کہ وہ موقع بے موقع ہر وقت اس کی تلقین کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں چنانچہ ڈاوٹی Doughty نے بدوی عربوں کے متعلق کیا خوب لکھا ہے: ''بدوی لوگ کسی ریاکاری کے بغیر ہمیشہ مذہب کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں اور ان کو مذہب کے ذکر سے یک گونہ روحانی تسکین ملتی ہے۔'' (Doughty: Vol ii, P. 39)۔ اب ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں جن سے مسلمان مبلغوں کو اپنے کام میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

اسلام کی کامیابی کے اسباب میں سب سے پہلا سبب اس کی تعلیم کی سادگی ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔'' یہی وہ دو سادہ سے عقیدے ہیں جن کا اقرار نو مسلم کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی دینیات کی پوری تاریخ میں ہمیں کہیں اس بات کا پتا نہیں چلتا کہ علمائے اسلام کی مجالس نے عامتہ المسلمین پر اس سادہ کلمہ شہادت کے بجائے کوئی ایسا رمز و کنایہ مسلط کرنے کی کوشش کی ہو جس کی عبارت مشکل اور پیچیدہ ہو۔ یہ اسلامی عقیدہ اتنا صاف اور سادہ ہے کہ انسان کی قوت ایمان کو اس کے قبول کرنے میں کوئی زحمت نہیں اٹھانا پڑتی۔ اس کے سمجھنے میں انسان کو کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں آتیں بلکہ ادنیٰ قسم کے لوگ بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ کلمہ شہادت کے ساتھ الٰہیات کے پیچیدہ اور دقیق مسائل شامل نہیں ہیں اس لیے وہ لوگ بھی، جن کو الٰہیات کی اصطلاحات کا مطلق علم نہ ہو، دوسروں کو یہ کلمہ سکھا سکتے ہیں۔ اس کلمے کے پہلے حصے میں ایک ایسا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ بیان ہوا ہے جو تقریباً پوری بنی نوع انسان کے نزدیک ایک بدیہی امر ہے۔ اس کا دوسرا حصہ خدا اور انسان کے باہمی تعلق کے ایک ایسے نظریے پر مبنی ہے جو پہلے نظریے کی طرح عام ہے یعنی دنیا کی تاریخ میں خدا وقتاً فوقتاً پیغمبروں کے ذریعے لوگوں پر اپنی وحی نازل کرتا رہا ہے۔ اسلامی عقیدے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا دارومدار عقل پر ہے اور اس سے اسلام کی اشاعت میں بہت سہولت پیدا ہوئی ہے۔ اس مضمون کو پروفیسر مونٹے Montet نے مندرجہ ذیل عبارت میں نہایت خوبی سے بیان کیا ہے:

''اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کا انداز فکر بنیادی اور حقیقی طور پر عقلی Rationalistic ہے اور ہم اس اصطلاح کو لغوی اور تاریخی دونوں لحاظ سے اس کے وسیع ترین مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ عقلیت Rationalism کی اگر یہ تعریف کی جائے کہ وہ ایک نظام فکر ہے جس کے مذہبی عقاید کی بنیاد عقلی اور استدلالی اصول پر ہے تو یہ تعریف اسلام پر بعینہ صادق آتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایسے پرجوش شخص تھے جن کے دل میں ایمان کی حرارت اور ایقان کی آتش موجزن تھی اور یہ وہ قابلِ قدر خوبی تھی جو آپؐ نے اپنے بہت سے صحابہ کرامؓ میں بھی پیدا کی۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنی اصلاح کو آسمانی الہام اور وحی کی صورت میں ظاہر کیا لیکن اس قسم کا الہام بیان و تفہیم کا ایک پیرایہ تھا ورنہ آپ کا مذہب ایسے عقاید کا مجموعہ ہے جن کی بنیاد عقلی معلومات اور حقائق پر رکھی گئی ہے۔ مومنوں کے نزدیک اسلام سے یہ مراد ہے کہ خدا کی وحدانیت اور اس کے پیغمبرؐ کی رسالت کا اقرار کیا جائے لیکن ہمارے نزدیک، جو بہت ٹھنڈے دل سے آپؐ کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں، اسلام سے مراد یہ ہے کہ خدا کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھا جائے۔ غرض یہ دو عقیدے، جو دین کا خلاصہ ہیں، قرآن کریم کی پوری تعلیم کا لب لباب ہیں اور ایک مذہبی آدمی کی نگاہ میں عقل و استدلال پر قائم ہیں۔ اس تعلیم کی سادگی اور صفائی یقیناً ایسی ظاہری قوتیں ہیں جو اسلام اور اس کی اشاعت و ترقی میں برابر مصروف عمل ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے عقاید اور دینی مسائل، حتیٰ کہ بہت سے اوہام باطلہ پیر پرستی سے لے کر تعویذ گنڈوں کے استعمال تک اہل اسلام میں اس طرح پیدا ہوگئے ہیں گویا شجرِ اسلام پر اس کا پیوند لگا دیا گیا ہے لیکن اس تمام برگ و بار کے باوجود، جو پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں پیدا ہوا، قرآن حکیم ہمیشہ اسلام کا بنیادی مبدا رہا ہے۔ اس میں خدا کی وحدانیت کے عقیدے کو اس قدر جلال و جبروت اور ایسی پاکیزگی اور ایمان و ایقان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کی نظیر دائرہ اسلام سے باہر کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ اہلِ اسلام کو اپنے دین کے بنیادی عقاید کے ساتھ جو گرویدگی اور وابستگی ہے، جس سادہ سے کلمے میں ان کو بیان کیا گیا ہے اور اسلام کے مبلغوں کو اپنے دین کی حقانیت پر جو یقین محکم ہے، یہ وہ اسباب ہیں جن سے اسلامی تبلیغ کی کامیابی کا راز کھلتا ہے۔ ایک مذہب جو ایسا کھرا اور باضابطہ ہو، دینی مسائل کی تمام پیچیدگیوں سے پاک اور منزہ ہو اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کا سمجھنا ان وجوہ سے عوام کے لیے آسان ہو، اس کے متعلق بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس میں لوگوں کے دل و دماغ میں رلہ پانے کی حیرت انگیز قوت اور صلاحیت ہو گی اور ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں یہ قوت موجود ہے۔" (Edouard Montet: PP. 17-18, Prais 1890) ۔

بشپ لافرائے Lefroy کی رائے ہے کہ اسلام نے اپنے عہد عروج میں فتح پانے اور ترقی کرنے کی غیر معمولی قوت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا راز خدا کی وحدانیت کے اعتراف میں نہیں بلکہ اس کی ہستی کے اقرار میں مضمر ہے۔ توحید کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اس کا اعتقاد کہ خدا موجود ہے اور اس کی ہستی اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ اپنی بادشاہت میں مختار مطلق ہے اور اس کی قوت اور قدرت غیر محدود ہے۔ باوجود ان تمام ہنگاموں، پریشانیوں اور خرابیوں کے، جنھوں نے اس دنیا کو مکدر کر رکھا ہے، ان سب سے بالا ایک صاحب مشیت ہے جو سب پر غالب ہے اور جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انسان اس کی مشیت کا آلہ کار ہے جو اس کی مشیت کو آسان طریقوں سے نافذ کرتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس نے اسلامی فوجوں کو ایک ناقابلِ تسخیر قوت کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا اور ان میں فوجی نظم وضبط کی روح پیدا کر دی تھی، ان کے دل سے موت کے خوف کو اس طرح نکال دیا تھا جس کی مثال دوسرے مذاہب میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ عقیدہ ایک حد تک مسلمانوں کے ہاں ابھی تک اثر انداز ہے اور ان میں کردار کی مضبوطی، عزم راسخ، قوت ارادہ، صبر وتحمل اور تلخ ترین مصائب کی موجودگی میں تسلیم ورضا کی خو پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو اس امت کے بہترین افراد کا خاصہ اور ان کے لیے باعثِ زینت ہیں۔ (Mankind and Church: PP. 283-28, London 1907)۔

جب کوئی نومسلم اسلام کا یہ سیدھا سادہ عقیدہ قبول کر لیتا ہے تو اسے پھر دین کے ان پانچ عملی فرائض کی تلقین کی جاتی ہے: (۱) کلمہ شہادت کا پڑھنا (۲) نماز پنجگانہ مقررہ اوقات پر ادا کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (۵) مکہ کا حج کرنا۔

اس آخری فریضے یعنی حج پر اکثر یہ اعتراض ہوا ہے کہ اسلامی توحید میں یہ رسم زمانہ بت پرستی کی ایک عجیب یادگار ہے۔ لیکن اس اعتراض کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک حج کعبہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت تھی جن کے دینِ حنیف کو دوبارہ جاری کرنے کے لیے حضورؐ مبعوث ہوئے تھے۔ اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں حج کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس موقع پر مکہ میں دنیا کے تمام ملکوں سے تمام قوموں اور زبانوں کے لوگوں کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے اور وہ اس حرمِ مقدس میں دعائیں مانگتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے وہ دور دراز ملکوں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ ان کا ایک مشترک معاشرہ ہے اور وہ سب اخوتِ اسلامی کے رشتے میں منسلک ہیں، کوئی مذہبی عبقری حج سے بہتر تدبیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ حرم کعبہ میں مناسکِ حج کے دوران مغربی افریقا کا نیگرو چینی مسلمان سے ملتا ہے جو مشرق بعید سے آیا ہے۔ اسی طرح مہذب اور شائستہ ترک اس مسلمان بھائی کو پہچانتا ہے جو بحر ملایا کے کسی جزیرے کا وحشی باشندہ ہے۔ اس کے علاوہ عید الاضحیٰ کے دن یا جیسا کہ ترکی اور مصر میں اسے بیرم کہتے ہیں، پورے عالمِ اسلام میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں، ان کے دلوں میں بھی اس قسم کے جذبات ابھرتے ہیں جو ان کے ان خوش نصیب بھائیوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں جو حج کے موقعے پر مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ بہت سے مسلمان ایسے گزرے ہیں جن کے دل میں حج کے دوران ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا جذبہ پیدا ہوا۔ پچھلے صفحات میں ہم کئی بار ایسے حاجیوں کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے اسلام کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔

حج کے علاوہ زکوٰۃ ادا کرنا دوسرا مذہبی فریضہ ہے جو مسلمانوں کو ہمیشہ یہ بات یاد دلاتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (انما المومنون اخوة) ۔ یہ وہ مذہبی اصول ہے جس پر اسلامی معاشرے میں موثر طریقے پر عمل ہوتا ہے اور جس کی رو سے نومسلم کے ساتھ ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ نومسلم خواہ کسی قوم یا نسل کا ہو اور مسلمان ہونے سے پہلے اس کے حالات کچھ ہی ہوں، اسلام قبول کرتے ہی وہ مومنوں کی برادری میں شامل ہو جاتا ہے اور اسے ان کے درمیان برابر کا درجہ ملتا ہے۔

یورپ کے بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ جب کسی مسلمان کا غلام اسلام قبول کرلے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اسلامی شریعت کی رو سے کسی غلام کے تبدیل مذہب سے اس کی غلامی پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ مسلمان غلام کی حالت اس کے آقا کی خصلت پر موقوف ہے۔ (W. H. Macnaghten: P. 312, Madras 1882) اکثر اوقات قبولِ اسلام کے بعد غلام کو انعام کے طور پر آزاد کر دیا جاتا ہے۔ بعض دین دار لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کو غلامی کے ذریعے دینِ حق کی طرف ہدایت ملی ہے، مثلاً بالائی نیل کے علاقوں کے نیگرو لوگ جن سے دیارِ عرب میں ڈاوٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ چنانچہ ڈاوٹی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: ''افریقا کے ان باشندوں کے دلوں میں اس ضمن میں کوئی کینہ یا بغض نہیں پایا جاتا کہ ان کو غلام بنا لیا گیا تھا اور بے رحم لوگوں نے ان کو اپنے ماں باپ سے جدا کر دیا تھا۔ ان کے آقاؤں نے ان کو خرید کر اپنے گھرانوں میں شامل کر لیا ہے اور جو مرد تھے، ان کا ختنہ کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ان کو وطن کی یاد اکثر ستاتی ہے لیکن ان کو اس بات سے تسکین و تسلی ملتی ہے کہ اس مصیبت میں ان پر خدا نے نظرِ عنایت کی۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اس کا فضل و کرم تھا جس کی بدولت وہ دینِ حق کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ دیارِ عرب کو، جہاں ان کو اسلام کی نعمت ملی، اپنے وطن سے بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ اب وہ خدا کے آزاد بندے ہیں۔ یہ سرزمین زیادہ متمدن ہے۔ اس میں حرمین شریفین ہیں۔ یہ دیارِ رسولؐ ہے۔ ان تمام باتوں کے لیے وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی زمانے میں لوگوں نے غلام بنا کر بیچ ڈالا تھا۔'' (Arabia Deserta: Vol i, PP. 554-55)۔

لوگوں کو اپنا گرویدہ کرنے اور ان کی عقیدت کو برقرار رکھنے میں نماز پنجگانہ کے اسلامی فریضے کو بھی گہرا عمل دخل ہے۔ چنانچہ فرانس کے مشہور ادیب اور فلسفی مورخ موں تسکیو Montesquien نے کیا خوب لکھا ہے:

''جس دین میں بہت سی عبادات کی پابندی کا حکم ہو، لوگ اس کو ایسے مذہب کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھتے ہیں جس میں یہ بات نہ ہو۔ جن باتوں میں انسان ہمیشہ مصروف و مشغول رہتا ہے، اس کا اس کو زیادہ خیال رہتا ہے۔''

مسلمان کا مذہب ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور روزانہ نماز کی صورت میں ایسے سنجیدہ اور موثر طریقے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور اسے دیکھنے والے دونوں کے دل پر بغیر اثر پیدا کیے نہیں رہتا۔ اسکندریہ کا ایک یہودی سعید بن حسن، جس نے ۱۲۹۸ عیسوی میں اسلام قبول کر لیا تھا، لکھتا ہے: ''جمعہ کی نماز با جماعت کا جو نظارہ میں نے مسجد میں دیکھا تھا، وہ میرے تبدیلِ مذہب کا فیصلہ کن سبب ثابت ہوا۔ ایک سخت بیماری کے دوران میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھ سے ایک آواز کہہ رہی تھی کہ تم اپنے اسلام کا اعلان کرو۔ اس کے بعد جب میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ فرشتوں کی طرح صفیں باندھے کھڑے ہیں تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ یہی وہ امت ہے جس کی آمد کی انبیا (علیہم السلام) نے بشارت دی تھی۔ جب خطیب نمودار ہوا، جو ایک سیاہ جبے میں ملبوس تھا تو میرے دل پر ایک ہیبت چھا گئی۔ جب اس نے اپنے خطبے کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا: '' إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔'' (قرآن کریم، سورت النحل آیت ۹۰)۔ تو میں بے حد متاثر ہوا۔ جب نماز شروع ہوئی تو مجھے ایسے معلوم ہوا گویا مسلمان نمازیوں کی صفیں فرشتوں کی صفیں ہیں۔ ان کے رکوع و سجود کے وقت خدا اپنی تجلی دکھا رہا ہے اور میرے اندر سے ایک آواز مجھ سے کہہ رہی ہے کہ اگر خدا بنی اسرائیل سے اس تمام عرصے میں دو مرتبہ مخاطب ہوا ہے تو وہ اس امت سے ہر نماز کے وقت مخاطب ہوتا ہے۔ مجھے اپنے دل میں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے پیدا ہوا تھا۔'' (Goldziher: Vol xxx, PP. 17, 18)۔

ارنسٹ رینان نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا: ''میں جب کبھی مسجد میں داخل ہوا ہوں تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کی ہے اور اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ وہ کیفیت کیا تھی؟ وہ اس بات کی حسرت تھی کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔'' (کئی دوسرے مبصروں نے بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں لیکن یہاں صرف ایک عیسائی بشپ لافرے کی کتاب Mankind and the Church سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے: ''جو شخص پہلی دفعہ مسلمانوں سے ملتا ہے، وہ ان کے طریق عبادت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، خواہ وہ کھلے بازار میں ہو، ریلوے سٹیشن پر ہو یا کسی کھیت میں کام کر رہا ہو، اس کا یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام معمول دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ کسی ریاکاری یا نمود و نمائش کے بغیر اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر خاموشی اور عاجزی کے ساتھ مقررہ وقت پر نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہی بات ایک بڑے پیمانے پر نماز باجماعت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ رمضان کے مہینے میں جمعۃ الوداع کے روز دہلی کی جامع مسجد کا صحن نمازیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے جن کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار ہوتی ہے۔ وہ نماز میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں اور ان کے تمام حرکات و سکنات سے انتہائی درجے کا خضوع و خشوع ٹپکتا ہے۔ جو شخص بھی ان کو دیکھتا ہے، اس منظر سے ضرور متاثر ہوتا ہے اور اس مذہبی نظام کی تہ میں جو زبردست قوت پوشیدہ ہے، اس کی جھلک دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر روز علی الصبح دن کی روشنی سے پہلے بڑی باقاعدگی کے ساتھ موذن کی آواز بلند ہوتی ہے۔ دن کے وقت بھی کاروبار کی گہما گہمی اور شور و غل میں بھی یہ آواز سنائی دیتی ہے اور شام کو بھی ہمارے کانوں میں گونجتی ہے۔ سو یہ اذان بھی اسلام کا پیغام متواتر پہنچاتی ہے۔'' (Dr. G. A. Lefroy: Mankind and the Church, P. 289)۔ اگر رینان جیسا فلسفی ایسا تاثر لے سکتا ہے تو اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ افریقہ کے کافر جن کو ادنیٰ درجے کی دوسری قوموں کی طرح ہر چیز پر اسرار معلوم ہوتی ہے، جس وقت کسی مسلمان تاجر کو نماز کی حالت میں رکوع و سجود کرتے اور ایک بن دیکھے خدا کی عبادت میں محو پاتے ہوں گے تو ان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا۔ تجسس اور تعجب سے قدرتی طور پر تحقیق کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس سے اسلام کا جو علم حاصل ہوتا ہے، اس سے بعض اوقات ایسے لوگ بھی مسلمان ہو چکے ہیں جن کو اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے بغیر طلب کیے اسلام پیش کرتا تو وہ اسے قبول نہ کرتے۔ رمضان کے روزوں کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ان سے اس خیال کی پوری تردید ہوتی ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو لوگوں کے لیے عیش و عشرت کا سامان فراہم کرکے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جیسا کہ کارلائل Carlyle نے کہا ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین کوئی آسان مذہب نہیں ہے۔ اس میں روزوں کی سخت پابندی ہے، وضو اور غسل کی تاکید ہے، پانچ وقت کی نماز ہے اور شراب سے اجتناب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ اسے اپنی آسانی کی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی۔''

دینِ اسلام کے جو اجزائے ایمان ہیں، وہ اسلام کے مندرجہ بالا ارکان اور احکام کے ساتھ وابستہ ہیں اور مومنوں کی زندگی میں ان کا ایسے مسلسل طریقے سے اظہار ہوتا ہے جس سے وہ ان کی روزمرہ زندگی کا جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہر ایک مسلمان دوسرے کے حق میں اپنے دین کا معلم ہے اور یہ بات ایسی ہے جو دوسرے مذاہب کے پیرووں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

(Bishop Lefroy: Mankind and the Church: P. 289)۔

اسلام کے اجزائے ایمان ایسی مختصر اور سادہ عبارت میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لیے عقل پر بہت کم زور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑتا ہے۔ اسی طرح عبادات کے متعلق جو احکام ہیں، وہ بھی ٹھیک ٹھیک اور صاف طور پر واضح کر دیے گئے ہیں کہ کسی کو ان کی تعمیل میں شبہ نہیں رہتا کہ اس کو کیا کرنا چاہیے۔ جب یہ فرائض ادا ہو جاتے ہیں تو مسلمان کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس نے شریعت کے احکام کو پورا کر دیا ہے۔ غرض مذہب کا عقل پر جو انحصار ہے اور احکام و فرائض کی جو وضاحت ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جن سے اسلام کی اس حکمرانی کا بھید کھلتا ہے جو اس کو لوگوں کے دلوں پر حاصل ہے۔ ''اگر تم عوام الناس کو بکثرت اپنے مذہب پر لانا چاہتے ہو تو سچائی کو ایسی صاف ستھری صورت میں پیش کرو جو واضح اور سریع الفہم ہو۔''

(A. Kuenen: National Religions and Universal Religions: P. 35, London 1882)۔

مذکورہ بالا امور کے علاوہ اور بہت سے ایسے حالات ہیں جو تبلیغ اسلام کی کامیابی کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ حالات خاص خاص زمانوں اور ملکوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثال کے طور پر افریقا اور دوسرے غیر مہذب ملکوں میں، جہاں کے باشندے غیر ملکوں کے لوگوں سے قدرتی طور پر بدظن رہتے ہیں، اسلام کی تبلیغ میں اس وجہ سے سہولت رہی ہے کہ یہ کام مسلمان تاجروں کے ذریعے انجام پایا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تاجر کا پیشہ بے ضرر ہے اس لیے وہ لوگوں کے شک وشبے سے بالاتر ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان تاجر دیسی لوگوں کے عادات واطوار سے بھی بخوبی واقف ہوتا ہے اور اس کے تجارتی تعلقات کی بدولت سب لوگ اس سے اچھی طرح سے پیش آتے ہیں۔ ان کے دلوں سے وہ روک رکاوٹ اٹھ جاتی ہے جو اجنبی لوگوں سے طبعاً پیدا ہوتی ہے اور اس کو ان دشواریوں کا سامنا نہیں ہوتا جو پیشہ ور مشنری کو پیش آتی ہیں۔ عیسائی مشنری کی نیت کے متعلق صرف وہی لوگ سوءِ ظن نہیں رکھتے جن کا تجربہ اور دائرہ علم وعقل محدود ہے اور جن کے فہم سے یہ بات بہت بعید ہے کہ کس طرح ایک شخص محض لوگوں کو اپنے مذہب کا پیرو بنانے کے لیے دنیا کے سب دھندے چھوڑ کر اس قدر دور دراز سفر کی مصیبتیں اٹھا سکتا ہے بلکہ یہ سوءِ ظن مہذب دنیاداروں کو بھی ہوتا ہے جو تنخواہ دار مشنری کے خلوص اور ایمان داری کو شک وشبے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

جب کسی اجنبی ملک میں اسلام کو عاجزی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں آتی بلکہ اسے حکمران قوم کا مذہب ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہے تو اس کے حالات بہت مختلف صورت میں نظر آتے ہیں۔ پچھلے صفحوں میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام مذہبی رواداری کی تلقین کرتا ہے اور دوسرے مذاہب کے ان تمام لوگوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے جو اپنی حفاظت کے معاوضے میں جزیہ ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام کے صفحات ظلم وستم کے ہنگاموں سے بھی خون آلودہ ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اسلامی سلطنت میں غیر مذاہب کے لوگوں کو ایسی مذہبی آزادی حاصل رہی ہے جس کی نظیر یورپ میں سوائے زمانہ حال کے کہیں نہیں ملتی۔ کسی کو جبراً مسلمان کرنا ممنوع ہے جیسا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ " لا اکراہ فی الدین" یعنی دین کے معاملے میں جبر واکراہ جائز نہیں ہے۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۷)۔ اسی طرح سورہ یونس میں کہا گیا ہے: "اے رسول! کیا آپؐ لوگوں کو مجبور کریں گے تاکہ وہ ایمان لے آئیں حالانکہ یہ بات کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے۔" ان ملکوں میں، جو صدیوں تک اسلامی حکومت میں رہے ہیں، بہت سے عیسائی فرقے اور قومیں اب تک آباد ہیں۔ ان لوگوں کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کو مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ متعصب مسلمانوں کی طرف سے جو ظلم وستم وقتاً فوقتاً عیسائیوں کو اٹھانے پڑے، وہ خاص مقامی حالات کی وجہ سے ہوئے تھے ورنہ عدم رواداری کے کسی مقررہ اصول نے ان کی تحریک نہیں کی تھی۔

مثال کے طور پر خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ سے ۲۴۷ ہجری) کے زمانے سے پہلے مسلمانوں میں جو بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے، سنیوں میں ان کے خلاف ردعمل پیدا ہوا۔ اسی طرح تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں ایران اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس بات کا انتقام لیا کہ قدیم تاتاری حکمرانوں کے زمانے میں جب عیسائیوں کو عروج اور غلبہ حاصل ہوا تھا تو انہوں نے ازراہ تحکم مسلمانوں کی تحقیر اور توہین کی تھی۔ (تاریخ ممالیک مصر از مقریزی)۔ ایک عیسائی مصنف السمعانی نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اسلامی سلطنت میں عیسائیوں پر سختیاں ہوئیں۔ اس ضمن میں اس نے لکھا ہے: "جور وستم کے اکثر ہنگامے خود عیسائیوں کی باہمی رقابت، پادریوں کی بدکاری، عیسائی حکام کے جور وتعدی اور عیسائی اکابر کے مناقشوں سے برپا ہوئے جو اپنے ہم قوم عیسائیوں پر اختیارات حاصل کرنا چاہتے تھے۔" صلیبی جنگوں کے زمانے میں مشرقی ملکوں کے عیسائیوں پر مسلمانوں کو اکثر اس بات کا شبہ ہوا کہ وہ یورپ کے عیسائیوں کی فوج کشی میں ان کی مدد کرتے ہیں اور زمانہ حال میں ترک حکومت سے یونان کو آزاد کرنے کی جو تحریک جاری ہوئی، اس سے یورپ کے عیسائیوں میں ہمدردی کا جوش پیدا ہوا تو اس تحریک نے ترکوں کی محکوم عیسائی رعایا کی زندگی بہت دشوار کردی۔ اگر ان پر اپنے مسلمان حکمرانوں سے باغی اور سرکش ہونے کا شبہ نہ ہوتا تو ان کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی۔ دا گوبینو De Gobineau نے اسلام کی مذہبی رواداری کے متعلق اپنے خیالات کو نہایت پر زور لفظوں میں یوں بیان کیا ہے: "اگر ہم مذہبی اصول سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں، جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا ہے تو کوئی مذہب اسلام کی طرح روادار اور صلح کل نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین وایمان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھا ہو۔ چاہئے ایسی صورتوں کے کہ مسلمان سلطانوں نے ملکی مصلحت کے خیال سے مذہبی اتحاد کے لیے ہر طرح جتن کیا ہو۔ رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے الا یہ کہیں اپنی توجہ جور وتعدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے واقعات تک محدود نہیں رکھنی چاہیے جو کہیں کہیں پیش آئے۔ اگر ہم ان واقعات کو نزدیک سے دیکھیں تو ہمیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اسباب سیاسی تھے یا کسی خاص حکمران کی ذاتی افتادِ طبع یا لوگوں کے غیظ و غضب کا نتیجہ تھے۔ ایسے موقعوں پر مذہب کا نام محض حیلے بہانے کے طور پر لیا گیا ہے ورنہ یہ واقعات درحقیقت مذہب کے دائرے اور احاطے سے خارج تھے۔" (A. de Gobineau (1) PP. 24, 25)۔

جور و ستم کے ایسے زمانوں میں بہت سے لوگ حالات سے مجبور ہو کر مسلمان ہو گئے یا کم از کم بظاہر اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ایسے بہت سے افراد کی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن کو خاص موقعوں پر لوگوں نے اس قدر تنگ کیا کہ وہ اسلام اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس قسم کا جبر و اکراہ اسلامی شریعت میں کہیں بھی جائز نہیں ہے چنانچہ ہم اس کتاب کے ابتدائی باب (صفحات ۵، ۶) میں قرآن مجید کی وہ آیات نقل کر چکے ہیں جن میں لوگوں کو جبراً مسلمان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور صرف وعظ و تذکیر کے ذریعے اشاعتِ دین کی ہدایت ہوئی ہے۔ فقہائے اسلام نے اپنے فیصلوں اور فتووں میں اسی اصول کی حمایت کی ہے چنانچہ جب موسیٰ بن میمون نے موحدین کے عہد حکومت میں بظاہر اسلام قبول کیا اور اندلس سے بھاگ کر مصر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اپنے تئیں یہودی بتایا تو اندلس کے ایک فقیہ نے اس کے خلاف ارتداد کا فتویٰ جاری کر دیا اور چاہا کہ اسے اس جرم کی پاداش میں شرع کے مطابق قتل کی سزا دی جائے لیکن قاضی الفاضل عبدالرحیم بن علی نے، جو اپنے زمانے کا مشہور فقیہ اور عظیم صلاح الدین کا وزیر اعظم تھا، اس فتوے کو کالعدم قرار دیا اور فیصلہ کیا کہ جو شخص جبراً مسلمان کیا گیا ہو، اسے صحیح معنوں میں مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ (Barhabraus (2) pp. 417-418)۔ اسی اصول کے مطابق ایران کے حکمران غازان خان (۱۲۹۵ء سے ۱۳۰۴ عیسوی) کو جب معلوم ہوا کہ اس کے عہد حکومت کے شروع میں بدھ مت کے جو عالم مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے معبد مسمار کر دیے گئے تھے، وہ صرف بظاہر مسلمان ہوئے تھے تو اس نے ان کو واپس تبت جانے کی اجازت دے دی تا کہ وہ اپنے ہم وطن لوگوں کے درمیان اپنے پرانے مذہب کے مطابق آزادی سے زندگی گزار سکیں۔ (c. d.' Ohsson: Vol iv, P. 281)۔ فرانسیسی سیاح تاورنیر Tavernier نے اصفہان کے بعض یہودیوں کے بارے میں اسی قسم کا قصہ بیان کیا ہے۔ اصفہان کے گورنر نے ان پر ایسی سختی کی کہ جبر یا فریب سے ان کو مسلمان کر لیا لیکن جب شاہ عباس ثانی صفوی (۱۶۴۲ء سے ۱۶۶۷ عیسوی) کو معلوم ہوا کہ انہوں نے محض گورنر کے خوف سے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو اس نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا قدیمی مذہب دوبارہ اختیار کریں اور اس کی مملکت میں امن و امان کے ساتھ رہیں۔ (Tavernier (i) P. 160)۔ یورپ کے ایک سیاح نے، جس نے تاورنیر سے پہلے ۱۶۷۸ عیسوی میں ایران کا سفر کیا تھا، ایک قصہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بدنظمی اور شورش کے زمانے میں بھی ایک مسلمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گورنر نے مذہبی تعصب کے ایک اسی قسم کے ہنگامے کو بڑی سختی سے فرو کیا تھا۔ ایک دن شہر تبریز کا ایک مالدار ارمنی سوداگر اپنی دکان میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک حاجی، جو اپنے تقدس کے لیے مشہور تھا، اس کے پاس آیا اور اس سے اصرار کے ساتھ کہا کہ وہ عیسائیت کو چھوڑ کر دینِ اسلام قبول کر لے۔ لیکن سوداگر نے اپنے مذہب پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس کو کچھ خیرات دینے لگا۔ لیکن حاجی نے کہا کہ مجھے تمہاری خیرات کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہیں مسلمان کرنا چاہتا ہوں۔ آخر جب سوداگر نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو حاجی نے غضب ناک ہو کر ایک شخص کے ہاتھ سے، جو قریب کھڑا تھا، تلوار چھین لی اور اس سے سوداگر کے سر پر کاری ضرب لگائی اور پھر بھاگ گیا۔ جب حاکمِ شہر کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ قاتل کا تعاقب کر کے اس کو گرفتار کیا جائے۔ غرض جب مجرم گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے لایا گیا تو حاکم نے اسے اپنے ہاتھ سے خنجر مار کر ہلاک کر دیا اور کہا: ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کی اشاعت اسی طریقے سے ہوتی ہے؟'' اس نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو باہر پھینک دیا جائے تا کہ اسے کتے کھا جائیں۔ جب رات ہوئی تو شہر کے لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر دفن کر دیا۔ اس حکم عدولی سے حاکمِ شہر بہت غضب ناک ہوا اور اس نے شہر کو تین چار گھنٹے تک غارت گری کے لیے اپنی فوج کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں پر جرمانہ بھی کیا اور سوداگر کے بیٹے کو بلا کر اس کو مہربانی اور شفقت کے الفاظ کے ساتھ تسلی اور تشفی دی۔ (Ramusio: Vol ii, P. 111)۔ مصر کے فبطی حکمران الحاکم (۹۹۶ سے ۱۰۲۰ عیسوی) نے بھی، جس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بہت سے یہودی اور عیسائی اپنا مذہب ترک کر کے مسلمان ہو گئے تھے، ان کو دوبارہ اپنا مذہب اختیار کرنے اور اپنی تباہ شدہ عبادت گاہوں کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (اسی طرح اس سے ایک صدی پہلے خلیفہ المقتدر (۹۰۸ سے ۹۳۲ عیسوی) نے حکم دیا کہ رملہ (فلسطین) کے وہ گرجا گھر دوبارہ تعمیر کیے جائیں جن کو مسلمانوں نے ایک ہنگامے میں برباد کر دیا تھا۔ لیکن اس ہنگامے کا سبب نہیں بتایا گیا۔ ابو صالح ذکر کرتا ہے کہ مصر کے بہت سے گرجے اور صومعے دوبارہ تعمیر ہوئے۔ یہ گرجا گھر اور راہب خانے وہ تھے جو غز اور کردوں کے حملوں میں ۱۱۶۴ عیسوی میں تباہ ہو گئے تھے یا جن کو متعصب مسلمانوں نے برباد کر دیا تھا یا وہ بوسیدہ ہو کر خود گر گئے تھے)۔ مشرقی ملکوں کے عیسائیوں کو یورپ کے مسیحی بھائیوں نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اکثر مشرقی عیسائی نہتے تھے اور ان کے پاس اپنی حفاظت اور بچاؤ کا مطلق کوئی سامان نہ تھا۔ ان حالات میں اگر کوئی طاقتور مسلمان بادشاہ چاہتا تو بڑی آسانی سے اپنی عیسائی رعایا کی بیخ کنی کر سکتا تھا اور ان کو اپنی سلطنت سے اسی طرح نکال سکتا تھا جس طرح اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو اسپین سے نکال دیا تھا یا جس طرح انگریزوں نے یہودیوں کو چار سو برس تک اپنے ملک سے خارج کر رکھا تھا۔ چنانچہ ۱۵۱۴ عیسوی میں سلطان سلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اول یا ۱۶۴۶ عیسوی میں سلطان ابراہیم اپنے ان وحشیانہ منصوبوں کو عمل میں لا سکتے تھے جو انھوں نے اپنی عیسائی رعایا کو نیست و نابود کرنے کے لیے سوچے تھے۔ سلطان سلیم نے تو اس غرض سے کہ اس کی مسلمان رعایا ایک ہی مذہب کی پابند ہو، چالیس ہزار شیعوں کو قتل کروا دیا تھا۔ لیکن مفتیوں نے ان حکمرانوں کو اس قسم کے ظالمانہ ارادے سے باز رکھا اور ان کا یہ اقدام اسلامی شریعت کی صحیح تفسیر تھی جو اسلامی قانون اور رواداری کے عین مطابق تھا۔(A dde la Jonquiere: PP. 203, 213, 312)۔

جرمنی میں سترہویں صدی تک یہ ایک عام مسلمہ اصول رہا ہے کہ حاکم وقت کا جو مذہب ہو، اس کی رعایا کو بھی اسی مذہب کی پیروی کرنی چاہیے۔(E. charveraiat: Vol ii, PP. 615, 625, Paris 1878)۔ لیکن کسی مسلمان حکمران نے آج تک اس اصول کو اختیار نہیں کیا اور اس کو اپنا دستور العمل نہیں بنایا۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جس ملک میں اسلام سرکاری مذہب ہوگا، اس سے مسلمانوں کی تعداد میں ضرور اضافہ ہوا ہوگا اور جن لوگوں پر مذہب کی پوری گرفت نہ تھی، ان کو دنیوی فوائد کا لالچ ہوا ہوگا اور لائق تحسین محرکات کے بجائے حب جاہ اور ذاتی منفعت کا خیال ان کے تبدیل مذہب کا موجب ہوا ہوگا۔ پانچویں صدی عیسوی میں سینٹ آگسٹائن نے خود عیسائیوں کے متعلق اسی قسم کی شکایت کی تھی۔ چنانچہ اس نے لکھا تھا: ''بہت سے لوگ دنیاوی فوائد کی امید میں مسیحی ملت میں داخل ہوتے ہیں۔ کس قدر کثیر لوگ ہیں جو صرف دنیا کے لیے مسیح کو تلاش کرتے ہیں۔ ایک شخص ہے کہ اس کا کوئی کام رکا ہوا ہے اور وہ پادریوں کی مدد چاہتا ہے۔ دوسرا ہے کہ اسے کسی زبردست نے ستایا ہے اور وہ کلیسا میں پناہ لیتا ہے۔ کوئی شخص اس لیے آیا ہے کہ اس کے معاملے میں کسی بڑے آدمی سے، جس تک اس کی رسائی نہیں ہے، سفارش کی جائے۔ غرض ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کلیسا میں بھیڑ لگی رہتی ہے۔''

اس کے علاوہ جن وحشی اور غیر مہذب قوموں نے عرب سلطنت کے جاہ و جلال کو اس کے زمانہ عروج میں دیکھا ہوگا، ان کی نگاہ میں دین اسلام ایسا ہی پر رعب دکھائی دیا ہوگا اور ان پر اس کا ایسا ہی زبردست جادو اور افسوں ہوا ہوگا جیسا کہ عیسائی مذہب نے شمالی یورپ کی قوموں پر کیا تھا۔'' ان قوموں نے دیکھا کہ رومی سلطنت میں عیسائیت شائستہ، صاحب اقتدار اور شان و شوکت کی مالک تھی، بادشاہوں کے پہلو میں تختِ حکومت پر جلوہ گر تھی بلکہ بعض اوقات ان پر بھی غالب تھی۔''

(C. Merivale: The Conversion of the Northern Nations, P. 102, London 1866)۔

اسلامی تبلیغ کی کامیابی کے جو اسباب مندرجہ بالا صفحات میں بیان ہوئے ہیں، ان میں اس اثر کا بھی اضافہ کرنا چاہیے جو لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کے ساتھ روزانہ میل ملاپ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ اثر اگرچہ آہستہ آہستہ عمل کرتا ہے لیکن پیہم اور مسلسل ہے۔ اسی قسم کے اثر سے بارہویں صدی عیسوی کے ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسطوری مصنف ماری بن سلیمان نے اپنی کتاب میں رسول خداؐ کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ پر درود و سلام بھیجا تھا اور حضورؐ کے خلفا کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے تھے۔ (ماری بن سلیمان: صفحہ ۶۲ (۱۱، ۴، ۶، ۱۳)۔ اس مصنف نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ خدا ان پر رحم کرے۔ (ماری بن سلیمان: صفحہ ۶۵ (۱، ۱۶)۔ زمانہ حال میں عیسائی مشنریوں نے اس بات کی شکایت کی ہے کہ مصر میں انگریزوں کے قبضے کے دوران جو نظام تعلیم قائم ہوا، اس کی رو سے جب مسلمان طالب علموں کو قرآن اور دینِ سلام کی تعلیم دی جاتی ہے تو عیسائی لڑکے بھی ان کے ساتھ بیٹھتے اور اسلامی درس سننے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ ان کے الگ بیٹھنے کے لیے کوئی کمرہ نہیں ہوتا۔ (Methods of Mission work among Moslems: P. 62)۔ چنانچہ اس طریق سے مسلمان عیسائی طالب علموں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مفتی محمد عبدہ مرحوم کا ایک سرگرم پیرو ایک قبطی طالب علم تھا جو اس وجہ سے مسلمان ہو گیا تھا کہ وہ سکول کے اوقات میں دینیات کے درس میں شریک رہ چکا تھا۔ (Methods of Mission work among Moslems: PP. 61-64)۔

لیکن اس قسم کے محرکات سے تبدیلِ مذہب کے تمام واقعات کی توجیہہ نہیں ہوتی اور تبلیغ اسلام کے ضمن میں ہمیں دوسرے عوامل کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جن کا اثر واضح طور پر مذہبی نوعیت کا ہے۔ ان اسباب میں سب سے بڑھ کر پیروانِ اسلام کی پارسائی اور پرہیزگاری ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو عجیب معلوم ہوگی جن کے نزدیک اسلام ہر قسم کی برائی کے لیے محض ایک پردے کا کام دیتا ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ پہلے وقتوں میں بہت سے عیسائی لوگ، جن کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے، ان کی خوبیوں سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اگر سیاح اور اجنبی شخص پر ان خوبیوں نے اس قدر اثر ڈالا ہے تو ان لوگوں نے، جو مسلمانوں میں دن رات رہتے تھے، بلاشبہ ان کا اثر قبول کیا ہوگا۔ ڈومینیکن فرقے کے ایک مشنری نے، جس کا نام ریکولدوس Ricoldus تھا، تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں مشرقی ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ جن مسلمانوں کو اس نے تبلیغ کی تھی، اس نے ان الفاظ میں ان کی ستائش کی ہے: ''یہ دیکھ کر ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب میں کس کمال درجے کی خوبیاں موجود ہیں۔ اب ہم مسلمانوں کی نیک باتوں اور کاموں کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔ ایسا کون شخص ہوگا جو غور سے دیکھے اور اس بات پر متعجب نہ ہو کہ مسلمانوں کو تحصیل علم کا کس قدر شوق ہے، کس خشوع وخضوع سے وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں محتاجوں کے ساتھ کیسے فیاض ہیں، خدا اور انبیا کے نام کی کیسی عظمت کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آثار مقدسہ کا کس قدر احترام کیا جاتا ہے۔ ان کی باتوں میں کس قدر متانت اور سنجیدگی ہے۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ وہ کس قدر نیک سلوک کرتے ہیں اور مسلمان آپس میں کیسی الفت اور محبت رکھتے ہیں۔'' (Laurent: P. 131)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ولیم پیٹٹ نے، جو نیو برگ کا رہنے والا تھا اور جس کا زمانہ بارہویں صدی عیسوی کا ہے، مسلمانوں کے تقوے کی تعریف و تحسین کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی یہ پرہیز گاری ان کے پیغمبرؐ کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ وہ ان میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ وہ اخلاقی لحاظ سے عیسائیوں سے برتر ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شراب خوار اور پرخور لوگوں سے نفرت کرتے تھے اور ان عادات بد کے مقابلے میں انہوں نے پرہیز گاری اور قناعت کی تعلیم دی ہے، ناپاک اشیا کو حرام قرار دیا ہے اور شراب نوشی کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ عرب لوگ جنسی شہوات کے غلام ہیں لیکن ان حرام باتوں سے اجتناب میں اپنے پیغمبرؐ کی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ان باتوں میں ہم عیسائیوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہم پر اعتراض اور طعن کرتے ہیں۔ یہ کس قدر رعار کا مقام ہے کہ ہماری ناپاکی اور پلیدگی، ہماری پرخوری اور مسکرات کے کثرت استعمال کے سبب سے ہے۔ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے ہمارے حالات دریافت کیے اور معلوم کیا کہ ہم کھانے کے وقت قیمتی ظروف استعمال کرتے ہیں تو اس نے کہا کہ ارض مقدس میں ایسے برتنوں کا استعمال قابل نفرین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری شان و شوکت کا اظہار عربوں کو ہمارے خلاف ابھارتا ہے اور وہ سادگی اور کفایت شعاری کے معاملے میں فخر کرتے ہیں۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ خدا نے شرابیوں کو دھتکار دیا ہے۔ لہٰذہ ہم کو چاہیے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان پر ایسا تسلط جمائیں کہ ان کو کوئی راہ فرار نظر نہ آئے۔" (Claude Hamilton: Vol II. P. 158, London 1856)۔

صلیبی جنگوں کے زمانے میں جو کتابیں عیسائیوں کے قلم سے نکلی تھیں، وہ بھی اسلامی محاسن اخلاق کی تعریف سے لبریز ہیں۔ ترکوں کی حکومت کے آغاز میں بہت سے عیسائیوں نے ان کو خراج تحسین ادا کیا تھا جیسا کہ اس کتاب کے چھٹے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

جن اسباب سے اسلام کی اشاعت میں ترقی ہوئی، ان میں سے بعض اسباب ابھی تک کارفرما ہیں۔ ان کے علاوہ آج پورے عالم اسلام میں دو ذریعے اور بھی ہیں جن سے اشاعت دین کو ترقی ہو رہی ہے۔ ان میں پہلا ذریعہ اسلامی مذہبی زندگی کی تجدید ہے، جس کی ابتدا اٹھارویں صدی کی وہابی تحریک سے ہوئی۔ اگرچہ یہ تحریک ایک عرصے سے نجد کے حدود سے باہر سیاسی اہمیت کھو چکی ہے لیکن مذہبی اعتبار سے اس کا اثر ابھی تک افریقا، ہندوستان اور جزائر ملایا میں موجود ہے اور اس سے بہت سی ایسی تحریکیں پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے پوری اسلامی دنیا پر نہایت قوی اثر ڈالا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم لکھ آئے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام کی اشاعت کے لیے جو کوششیں ہوئی ہیں، ان کا احیائے دین کی اس وسیع تحریک سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہابی تحریک نے مسلمانوں میں ایک پرجوش مذہبی جذبہ ابھارا ہے، ان کے مذہبی اداروں میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے اور مذہبی علوم کے مطالعے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیز کرنے کے علاوہ عبادت وریاضت کی تنظیم کی ہے۔ ان تمام باتوں نے مسلمانوں کے طبعی اور فطری شوق تبلیغ کو بھی بیدار کیا ہے اور اس کو زندہ رکھا ہے۔

وہابی تحریک کے ساتھ ساتھ ایک اور تحریک بھی جاری رہی ہے اگرچہ وہ اپنی نوعیت میں اس سے بالکل مختلف ہے۔ مثال کے طور پر ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے کہ گو وہابی لوگ یورپی تہذیب کے سخت مخالف ہیں لیکن پین اسلامک تحریک، جس کا مقصد اسلامی دنیا کی تمام اقوام کو اتفاق واتحاد کے رشتے میں منسلک کرنا ہے، موجودہ زمانے کے فلسفہ وحکمت کے ساتھ ہم خیال ہے اور اسلام کو اسی رنگ میں پیش کرتی ہے۔ یہ تحریک اگرچہ وہابی تحریک کی طرح اہم نہیں ہے تاہم اس کا جو انداز فکر ہے، اس سے تبلیغ کے کام کو زبردست تحریک ملتی ہے۔ اخوت اسلامی کے اصول کو عملی صورت دینے کے لیے جو کوشش کی جاتی ہے، اس کا دوسرے اسلامی عقاید پر بھی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کی ایک عالمگیر برادری ہے اور تمام مسلم اقوام کی ایک مشترک زندگی ہے تو اس سے ان کے دلوں میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ غیر مذاہب والوں کی موجودگی میں جرأت اور ہمت کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔

ان دونوں تحریکوں کا اسلام کی اشاعت پر کیا اثر ہوگا، اس کا حال صرف آئندہ زمانے ہی میں کھل سکتا ہے لیکن ان کی موجودہ سرگرمی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام مردہ نہیں، زندہ ہے۔ اسلام کی روحانی قوت اس کی سیاسی سطوت وصولت پر موقوف نہیں ہے۔ (Frederick Dension Maurice: The Religions of the world, P. 28, Cambridge 1852)۔ ان کے برعکس جب کبھی سیاسی قوت اور دنیوی ثروت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی ہے تو ان کے لطیف ونفیس روحانی جوہر نمایاں ہو کر بروئے کار آئے ہیں اور یہی وہ صفات ہیں جن سے تبلیغ کے کام کو مہمیز ملتی ہے۔ اسلام نے اپنی نکبت اور فلاکت سے بہت سے مفید سبق سیکھے ہیں اور دنیوی نعمت کے زوال سے ان کے ایمان وایقان میں کبھی ضعف نہیں آیا۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ بات بڑی معنی خیز اور قابل غور ہے کہ وہ ممالک جو مدت دراز تک عیسائیوں کی حکومت میں رہ چکے ہیں، تبلیغ دین میں سب سے زیادہ مستعد نظر آتے ہیں چنانچہ ہندوستان اور ملایا کے مسلمانوں میں اسلام کی اشاعت کا وہ جوش وخروش پایا جاتا ہے جس کو ترکی یا مراکش میں تلاش کرنا عبث ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا ضمیمہ

الہاشمی کا تبلیغی مکتوب الکندی کا نام

ذیل میں عبداللہ بن اسماعیل الہاشمی کے اس خط کا متن دیا جاتا ہے جو اس نے اپنے عیسائی دوست عبدالمسیح بن اسحاق الکندی کو لکھا اور جس میں اس نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں اس خط کو، جو تمہارے نام بھیج رہا ہوں، تمہاری سلامتی اور تم پر رحمت نازل ہونے کی دعا سے شروع کرتا ہوں۔ اور میں نے اس معاملے میں اپنے آقا اور انبیا کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی ہے کیونکہ ثقہ اور عادل لوگوں نے، جنہوں نے ہمارے نبی علیہ السلام کے حالات سچائی کے ساتھ بیان کیے ہیں، حضورؐ کے بارے میں روایت کی ہے کہ آپؐ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ لوگوں سے گفتگو شروع کرتے تو پہلے ان کی سلامتی اور ان پر رحمت نازل ہونے کی دعا کرتے تھے۔ آپؐ اس بارے میں اپنی امت کے لوگوں اور ذمیوں کے درمیان اور مومن اور مشرک میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اچھے اخلاق کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، سختی اور ترش کلامی کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔ حضورؐ اس بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتے تھے جس نے خود قرآن کریم میں اپنے رسولؐ کے بارے میں کہا ہے: ''آپؐ مومنوں کے حق میں بڑے مہربان اور رحم دل ہیں۔'' اسی طرح میں نے اپنے پیشواؤں اور راست رو خلفا کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اپنے اعلیٰ آداب و اخلاق اور خاندانی شرافت کی بنا پر رسول کریمؐ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اس بارے میں لوگوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ پس میں نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور اسی طریقے کی پیروی کی ہے اور انہی پسندیدہ عادات کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذہ میں اس مکتوب کو سلامتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور رحمت کی دعا سے شروع کرتا ہوں تا کہ کوئی شخص، جو اس خط کو دیکھے، میرے انداز تخاطب کو ناپسند نہ کرے۔

وہ چیز جس نے مجھے یہ خط لکھنے پر آمادہ کیا ہے، وہ تمہاری محبت ہے کیونکہ ہمارے آقا اور پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قریب کے لوگوں کی محبت دین و ایمان کا جزو ہے۔ اس کے علاوہ اس خط کے لکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں رسول خداؐ کی پیروی کر رہا ہوں اور تمہاری خدمت اور خیر خواہی کا جو حق ہم پر واجب ہے، اس کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ محبت کرتے ہو اور ہماری دوستی کا اظہار کرتے ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میرے آقا اور عم زاد بھائی امیر المومنین (خدا ان کی مدد فرمائے) تمہاری عزت کرتے ہیں اور تم کو اپنا مقرب سمجھتے ہیں۔ وہ تم پر بھروسا کرتے ہیں اور تمہاری نسبت اچھی رائے رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ میں تمہارے لیے بھی وہی بات پسند کروں جو اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے پسند کرتا ہوں، تمہارے ساتھ خیر خواہی سے پیش آؤں اور اس دین کو تمہارے سامنے پیش کروں جس پر ہم قائم ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اور اپنی تمام مخلوق کے لیے پسند فرمایا ہے اور اس پر آخرت میں ثواب دینے اور عذاب سے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ پس میں نے تمہارے لیے بھی وہی چاہا جو اپنے لیے چاہتا ہوں۔ مجھے تمہارے اعلیٰ اخلاق، علمی لیاقت اور شائستگی، خاندانی شرافت اور نیک روش اور اس امتیاز کو دیکھتے ہوئے، جو تمہیں اپنے ہم مذہب لوگوں میں حاصل ہے، تم پر ترس آیا کہ تم اپنے پرانے مسیحی مذہب پر قائم ہو۔ چنانچہ میں نے دل میں کہا کہ میں اس دوست کے سامنے اس چیز کو کھول کر رکھ دوں گا جس کی اللہ تعالیٰ نے ہم پر نوازش کی ہے۔ جس دین پر ہم قائم ہیں، میں اسے نرمی اور خوش کلامی کے ساتھ پیش کروں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے: ''اے مسلمانو! اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ اور مباحثہ نہ کرو مگر نہایت شائستہ طریق پر۔'' (سورہ عنکبوت آیت ۴۵)۔ پس میں بھی تم سے خوش کلامی کے ساتھ اور نرم الفاظ میں مباحثہ کرتا ہوں شاید کہ تم سچائی کی طرف رجوع کرو اور حق بات تک پہنچ جاؤ اور اللہ کے اس کلام کی طرف رغبت کرو جس کو میں تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جس کو خدا نے خاتم الانبیا اور بنی آدم کے سردار اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ میں اس بات سے ناامید نہیں ہوں بلکہ تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے تمہاری ہدایت کا سبب بنا دے۔ میں نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے: ''حقیقی دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔'' (سورہ آل عمران آیت ۱۷)۔ پھر اپنے پہلے قول کی تاکید میں یوں فرماتا ہے: ''جو شخص اسلام کے سوائے کسی اور دین کی پیروی کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' (سورہ آل عمران آیت ۷۹)۔ اور پھر مزید تاکید کے لیے اس بارے میں قطعی طور پر حکم دیا: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔" (سورہ آل عمران آیت ۹۷)۔

خدا تمہیں کفر کی جہالت سے بچائے اور تمہارے دل کو نور ایمان کے لیے کھول دے۔ تم جانتے ہو کہ میں زندگی کی بہت سی منزلیں طے کر چکا ہوں اور میں نے عام مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کو خوب آزمایا ہے اور ان مذاہب کی اور خاص طور پر تمہاری ملت یعنی نصاریٰ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ (اس موقع پر الہاشمی عہد عتیق اور عہد جدید کی اہم کتابوں کے نام لکھتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ اس نے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے عقاید کا مطالعہ کیا ہے)۔ میں بہت سے راہبوں سے ملا ہوں جو اپنی پارسائی اور علم و فضل میں مشہور تھے اور ان کی عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں گیا ہوں اور ان کی نمازوں میں حاضر رہا ہوں۔ میں نے ان کی حیرت انگیز ریاضت کو دیکھا ہے اور ان کے رکوع و سجود کا بھی مشاہدہ کیا ہے جس کے دوران وہ اپنے چہرے اور پیشانی کو زمین پر رگڑتے ہیں اور نماز کے ختم ہونے تک ہاتھ باندھے رکھتے ہیں، خصوصاً اتواروں اور تہواروں کی راتوں کو جب وہ شب بیداری کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر تسبیح، تقدیس اور تہلیل میں پوری رات گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح دن کے وقت کھڑے ہو کر سب نماز پڑھتے ہیں اور نمازوں میں باپ، بیٹے اور روح القدس کا بکثرت ذکر کرتے ہیں۔ ایام اعتکاف میں، جن کو وہ ایام الباعیث کہتے ہیں، ننگے سر بالوں کے بچھونے اور راکھ کے ڈھیر پر کھڑے ہوتے ہیں اور زار و قطار روتے ہیں اور پے در پے آنسو بہاتے ہیں اور بڑے درد کے ساتھ چلاتے ہیں۔ میں نے ان کی قربانی کو بھی دیکھا ہے کہ وہ کس احتیاط سے ادا کرتے ہیں اور قربانی کی روٹیاں کتنی صاف ہوتی ہیں۔ اس کو بناتے وقت وہ لمبی دعائیں مانگتے ہیں اور پھر قربانی کو اس مشہور مقام پر، جو بیت المقدس میں ہے، شراب کے بھرے ہوئے پیالوں کے ساتھ قربان گاہ پر چڑھاتے ہیں۔ ایام صیام میں، جن میں چار بڑے اور دو چھوٹے روزے ہیں، راہب جو عبادت اور ریاضت اپنے حجروں میں کرتے ہیں، اس کو بھی میں دیکھ چکا ہوں۔ میں ان تمام موقعوں پر موجود رہا ہوں اور جو عیسائی ان موقعوں پر موجود تھے، ان کو دیکھ چکا ہوں اور ان سب باتوں کو خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ میں ان مطرانوں اور اسقفوں کو بھی دیکھ چکا ہوں جو اپنے علم و فضل میں مشہور ہیں اور نصرانی مذہب میں سرتا پا غرق ہیں اور دنیاوی زندگی میں انتہائی زہد اور پرہیزگاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ پس میں نے ان کے ساتھ انصاف پسندی کے ساتھ محض طلب حق کے لیے مناظرہ کیا ہے اور اپنے اور ان کے درمیان جھگڑے اور نمود اور خود پسندی اور تکبر کو دخل نہیں دیا۔ میں نے ان کو پوری طرح آزادی دی تاکہ وہ اپنے دلائل بیان کریں اور جو چاہیں کہیں۔ میں نہ تو ان پر مواخذہ کروں گا اور نہ کسی بات پر طعن اور ملامت کروں گا جیسا کہ ہم میں سے عام بازاری اور نادان اور احمق لوگوں کا دستور ہے۔ وہ لوگ، جن کا نہ کوئی اصل ہے جس پر وہ کاربند ہوں اور نہ عقل جس پر وہ بھروسا کرسکیں، نہ ان کا دین یا اخلاق ہے جو ان کو بے ادبی سے روکے، ان کا کام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سراسر زبان درازی اور حکومت کے زور سے دوسروں کو نیچا دکھاتا ہے۔ نہ ان کے پاس علم ہے اور نہ کوئی دلیل۔ میں جب کبھی ان عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کرتا تھا اور ان کے عقاید اور علوم کے بارے میں کوئی سوال کرتا تھا تو وہ سچائی کے ساتھ جواب دیتے تھے اور کسی بات میں، جس پر ان سے مباحثہ یا سوال کرتا تھا، جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ میں نے ان کے باطن کو ایسا ہی پایا جیسا کہ ان کا ظاہر تھا۔ خدا تمہارا بھلا کرے! میں نے ان تمام باتوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے جن کو میں نے مدت دراز کے بحث و مباحثے اور امتحان کے بعد دریافت کیا ہے تاکہ میرے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں ان باتوں سے ناواقف ہوں۔ میرے مکتوب الیہ کو معلوم ہو کہ میں نصاریٰ کے تمام حالات سے کما حقہٗ آگاہ ہوں۔

بہ سبب اس واقفیت کے جو مجھ کو تمہارے مذہب کی نسبت حاصل ہے اور بوجہ زمانہ دراز کی محبت کے، میں تم کو اس دین کی طرف بلاتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پسند کیا اور میں نے خود اسے اپنے لیے اختیار کیا۔ میں تمہارے لیے جنت میں پہنچنے اور دوزخ سے محفوظ رہنے کا پورے طور پر ضامن ہوتا ہوں۔ وہ دین یہ ہے کہ تم خدائے یکتا و بے نیاز کی عبادت کرو جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ ہی بیٹا، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت بیان کی ہے کیونکہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کو اس سے زیادہ نہیں جانتا۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں جس کی یہ صفت ہے۔ میں اپنے خط میں اس کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کر سکتا جتنی خود اس نے اپنی نسبت بیان کی ہے:
"بل اسمه و تعالیٰ ذکره علوً کبیراً عما یشرکون." (بلکہ اس کا نام اور اس کا ذکر بلند اور اعلیٰ ہے جس میں وہ شرک کرتے ہیں)۔ یہ ملت تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ہے کیونکہ وہ حنیف اور مسلم تھے۔

خدا تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے! میں تمہیں اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اقرار اور شہادت کی طرف بلاتا ہوں جو بنی آدم کے سردار اور رب العالمین کے برگزیدہ اور خاتم الانبیا تھے۔ جن کو خدا نے تمام دنیا کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے گو مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔ (سورہ توبہ آیت ۳۳)۔ پس رسول خداؐ نے مشرق و مغرب اور خشکی اور تری اور پہاڑوں اور میدانوں کے سب لوگوں کو نرمی اور مہربانی اور شیریں کلامی اور خوش اخلاقی سے دعوت دی اور تمام لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی اور اس بات پر گواہی دی کہ وہ خدا کے رسولؐ ہیں ان کے لیے جو نصیحت ماننے کے لیے تیار ہیں۔ پوری دنیا نے دل سے آپؐ کی اطاعت کا اقرار کیا کیونکہ سب آپؐ کے قول کی صداقت اور آپؐ کی نبوت کے صحیح ہونے کو جان چکے تھے اور آپؐ کے برہان کی صراحت اور دلیل کی وضاحت کو معلوم کر چکے تھے۔ وہ دلیل اور حجت یہ کتاب ہے جو خدا کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوئی اور جس کی مثل کوئی انسان اور جن نہیں لا سکتا۔ خدا تعالیٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتا ہے: ''اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمام نوع انسان اور جنات جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا کلام بنا لائیں تو اس جیسا نہیں لا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔'' (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۱)۔ یہی دلیل حضورؐ کے دعوے پر کافی ہے۔ آنحضرتؐ نے لوگوں کو ایک بے ہمتا اور بے نیاز خدا کی عبادت کی طرف بلایا۔ پس وہ آپؐ کے دین میں داخل ہوئے اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ کے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔ ان لوگوں نے رسول اللہؐ کی اطاعت کا اعتراف کیا اور آپؐ کے نور سے ہدایت پائی۔ آپؐ کے نام کی برکت سے ان لوگوں پر غالب آئے جنہوں نے حضورؐ کی نبوت کا انکار کیا تھا اور جو از راہ تکبر آپؐ کے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے پیروؤں کو ملکوں پر حکمران بنایا اور قوموں کی گردنیں ان کے سامنے جھکا دیں مگر جن لوگوں نے آپؐ کی بات کو سنا اور آپؐ کے دین کو اختیار کیا اور آپؐ کے دین پر گواہی دی تو ان کے جان و مال اور عزت اس شرط پر محفوظ ہو گئے کہ وہ عاجزی کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ (اس موقع پر الہاشمی اسلام کے ارکان و فرائض مثلاً نماز پنجگانہ، صیام رمضان اور جہاد وغیرہ بیان کرتا ہے اور یوم قیامت اور مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے ہولناک عذاب کا ذکر کرتا ہے)۔ اب ہم تم کو سمجھا چکے! اگر تم ایمان لائے اور خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کی جو آیتیں تم کو سنائی گئی ہیں، ان کو تم نے قبول کر لیا تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ اور اگر تم نے نہ مانا اور کفر اور گمراہی اور حق کی مخالفت پر برابر قائم رہے تو ہم ضرور اجر پائیں گے کیونکہ ہم نے عمل کیا ہے اس حکم پر جو ہم کو دیا گیا ہے اور حق تعالیٰ ہی تمہارا انصاف کرے گا۔ انشاء اللہ۔ (اس مقام پر الہاشمی نے دین کے مختلف فرائض اور ایک مسلمان کی صفات بیان کی ہیں اور کہا ہے) میں نے خدا کا کلام تم کو سنا دیا اور اس کا کلام سچا ہے، وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس کا کوئی قول جھوٹا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں اپنے خط میں اوپر لکھ آیا ہوں اور جو باوجود مختصر ہونے کے کافی ہے، اب تم کفر اور گمراہی اور بدبختی اور مصیبت انگیز باتوں کو چھوڑ دو، اس تخلیط و تحریف کو ترک کرو جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ اور وہ باپ، بیٹے اور روح القدس کا قائل ہونا اور صلیب کی پرستش ہے جو بے فائدہ بلکہ ضرر رساں ہے۔ میں تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں کیونکہ اس سے تمہارے علم اور خاندانی شرافت کی تضحیک ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ ہرگز اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، مگر ہاں اس سے کمتر جو گناہ ہے، جس کو چاہے معاف کر سکتا ہے۔ اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو اس نے خدا پر افترا باندھا جو کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔'' (سورہ نسا آیت ۵۱)۔ خدا کا یہ قول بھی ہے: ''جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی مریم کا بیٹا مسیح ہے تو انہوں نے کفر کیا حالانکہ مسیح نے یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے تو خدا نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا تیسرا ہے، وہ بھی کافر ہو گئے۔ کیا خدائے واحد کے سوا کوئی اور خدا بھی ہے؟ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اگر اس سے باز نہیں آئیں گے تو جو لوگ ان میں سے کفر کرتے رہیں گے، ان کو دردناک عذاب ضرور ملے گا۔ کیا یہ لوگ اللہ سے توبہ اور استغفار نہیں کرتے، اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے، مریم کا بیٹا مسیح تو محض ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اور اس کی ماں (خدا کی) ایک بہت سچی بندی تھی۔ یہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو تو سہی ہم کس طرح دلائل کو ان سے کھول کر بیان کرتے ہیں۔ مگر دیکھو یہ لوگ کہاں بھٹکتے جا رہے ہیں۔ (سورہ المائدہ آیات ۷۲ تا ۷۹)۔

پس تم اس گمراہی کو چھوڑ دو جس میں تم مبتلا ہو اور اس سخت تعصب کو جو تکلیف دہ ہے اور سخت روزوں کی محنت کو اور دائمی شقاوت اور طویل مصیبت کو جس میں تم ڈوبے ہوئے ہو کیونکہ اس میں سوائے جسمانی تھکاوٹ اور روحانی تکلیف کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اس مضبوط دین میں داخل ہو جاؤ جس کا راستہ کشادہ ہے اور جس کو اللہ نے اپنے بندوں میں سے اپنے دوستوں کے لیے پسند کیا ہے، تمام مذاہب میں سے اسی کی طرف پوری مخلوق کو دعوت دی ہے اور اس دین کا راستہ دکھا کر ان پر بڑا احسان کیا ہے۔

میں تم کو نصیحت کر چکا اور دوستی اور سچی محبت کا حق ادا کر چکا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ شامل کر لوں اور میں اور تم دونوں ہم خیال اور ہم مذہب ہو جائیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ خدا اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے: ''اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جن لوگوں نے انکار کیا، وہ بے شک دوزخ کی آگ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے، یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان سے خوش ہوا اور وہ اس سے خوش ہو گئے۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔'' (سورہ بینہ آیات ۵ تا ۸)۔ اپنے کلام میں دوسری جگہ خدا فرماتا ہے: ''لوگوں کے فائدے کے لیے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں، ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کیونکہ تم اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان میں سے کچھ ایمان لائے مگر اکثر فاسق ہیں۔'' (سورہ آل عمران آیت ۱۰۶)۔ خدا تم کو زندہ و سلامت رکھے! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اہل دوزخ میں شامل ہو جو بدترین خلائق ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم خدا کی توفیق سے ایمان والوں میں شامل ہو جاؤ گے جن سے خدا خوش ہوا اور وہ خدا سے خوش ہوئے اور وہی بہترین خلائق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس امت میں شامل ہو جاؤ گے جو ان تمام امتوں میں سے بہتر ہے جو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا ہوئیں۔ لیکن اگر تم انکار کرو اور جھگڑو اور نادانی، کفر اور سرکشی میں مبتلا رہو جس میں کہ تم ابھی تک مبتلا ہو اور ہماری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کو نہ مانو اور ہماری نصیحت کو قبول نہ کرو حالانکہ ہم تم سے نہ اس کا بدلہ طلب کرتے ہیں اور نہ شکریے کے خواستگار ہیں۔ تم نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اپنے مذہب کی کیفیت لکھ بھیجو جو تمہارے نزدیک صحیح ہو اور جس پر تمہارے نزدیک دلیل قائم ہو چکی ہو۔ دلیل لانے میں ذرا کوتاہی نہ کرو اور نہ ہی اپنے اعتقاد کو چھپاؤ اور کسی قسم کا خوف اور باک نہ کرو کیونکہ میں تمہاری دلیل کو غور سے سنوں گا۔ جو حجت مجھ پر قائم ہو، اس کو تسلیم کروں گا۔ نہ اس کا انکار کروں گا اور نہ اس سے خوف کھاؤں گا۔ جو کچھ تم ہمارے سامنے پیش کرو گے اور ہم کو سناؤ گے، اس کا ہم اندازہ کریں گے اور جو معلومات ہمارے پاس ہیں، ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ اس کے بعد تم کو اطلاع دیں گے تا کہ تم اپنے دین کے دلائل کھول کر بیان کرو۔ ہمارے سامنے یہ عذر پیش نہ کرنا کہ تم خوف کے مارے رک گئے اور اپنی حجت کو پورا نہ کر سکے اور تمہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی زبان کو بند کر لو اور دل کھول کر دلیل کو بیان نہ کر سکو، اس لیے ہم نے تم کو اپنے دلائل پیش کرنے کے لیے پوری آزادی دے دی ہے تا کہ تم ہماری طرف تکبر کو منسوب نہ کر سکو اور ہم پر زبردستی اور بے انصافی کا الزام نہ لگاؤ کیونکہ یہ باتیں ہماری شان کے خلاف ہیں۔

خدا تم کو تمام آفات سے محفوظ رکھے! اب تم جو چاہو، دلیل لاؤ اور جو چاہو، بیان کرو اور اپنے خیال میں جس بات کو سمجھو کہ اس سے تمہاری دلیل مضبوط ہوتی ہے، اسے دل کھول کر بیان کرو کیونکہ تم مکمل امن وامان میں ہو، خدا تمہارا بھلا کرے! جب ہم نے تم کو اس قدر آزادی دی اور مجالِ سخن عطا کی تو ہمارا یہ حق بھی تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک منصف حکم کرو جو اپنے فیصلے میں بے انصافی نہ کرے اور ہوائے نفسانی کے غلبے سے ناحق بات کی طرف نہ جھکے۔ اور وہ حکم عقل ہے جس کے اعتبار سے خدا لیتا اور دیتا ہے۔ ہم نے تم سے گفتگو کرنے میں انصاف سے کام لیا ہے اور تم کو وسیع طور پر آزادی دی ہے۔ اب ہم عقل کے فیصلے پر راضی ہیں خواہ وہ فیصلہ ہمارے موافق ہو یا مخالف کیونکہ مذہب کے معاملے میں جبر و اکراہ جائز نہیں ہے۔ ہم نے تم کو اپنے دین کی دعوت خوشی اور رضامندی کے طریق پر دی ہے اور جس مذہب پر تم ہو، اس کی خرابی جتا دی ہے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خط ناقص اور نامکمل حالت میں ہم تک پہنچا ہے اور عیسائی نقل نویسوں نے اس میں قطع و برید کر دی ہے۔ بعض مسائل، جو عیسوی مذہب کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں، مثلاً ثالوث مقدس، ان کا اس خط میں کوئی ذکر نہیں لیکن الکندی کے جواب میں ردِ تثلیث کے بارے میں جو عبارتیں دیکھنے میں آتی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ الہاشمی کے خط سے ایسے مضامین حذف کر دیے گئے ہیں جو عیسائیوں کی ناراضی کا باعث ہو سکتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا ضمیمہ

مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے درمیان مناظرانہ تحریریں

اگر چہ مسلمانوں کے ہاں تبلیغ دین کے لیے کوئی مستقل انتظام نہیں ہے اور نہ ہی ایسی انجمنیں ہیں جو مذہبی کتابیں اور رسالے اشاعتِ اسلام کی غرض سے شائع کریں البتہ ان کے پاس ایسی کتابوں کی کمی نہیں ہے جن میں غیر مذاہب والوں، خاص طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں دینِ اسلام کی فضیلت کو حجت اور دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں اس قسم کی کتابوں کی تفصیلات لکھنا ہمارا مقصود نہیں ہے تاہم ان کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے تاکہ عوام کا یہ غلط خیال دور ہو جائے کہ جب بھی اسلام پھیلا ہے تو ہزاروں لوگوں نے مجبوراً اسلام اختیار کیا ہے اور یہ کہ افراد کے مخلصانہ اعتقاد اور دلی تصدیق کے لیے داعیانِ اسلام کے تبلیغی پروگرام میں کوئی جگہ نہ تھی۔ گو کہ کفار کے خلاف اسلامی مباحثوں کی ابتدا قرآن مجید سے ہوتی ہے مگر نویں صدی عیسوی سے مسلمانوں کی مناظرانہ تالیفات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو اب تک شدومد کے ساتھ جاری ہے۔ اس قسم کی کتابیں، جو مسیحیت کے خلاف لکھی گئی ہیں، تعداد میں ان کتابوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں جو نصاریٰ کی طرف سے اسلام کے رد میں تحریر ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلمان مفکروں میں سے بعض قابل ترین علما مثلاً ابو یوسف بن اسحاق الکندی (۸۱۳ سے ۸۷۳ عیسوی)، المسعودی (متوفی ۹۵۸ عیسوی)، ابن حزم (۹۹۴ سے ۱۰۶۴ عیسوی)، الغزالی (متوفی ۱۱۱۱ عیسوی) وغیرہم نے اس قسم کی کتابیں لکھنے میں اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کئی عیسائیوں نے اسلام اختیار کرنے کے بعد دینِ اسلام کی حمایت اور اپنے قبول اسلام کی وجوہ کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ابن جزلہ نے گیارہویں، یوسف لبانی اور شیخ زیاد بن یحییٰ نے تیرہویں، عبداللہ بن عبداللہ نے پندرہویں، درویش علی نے سولہویں اور احمد بن عبداللہ نے (جو انگریز تھا اور انگلستان کے شہر کیمبرج میں پیدا ہوا تھا) سترہویں صدی میں اس قسم کی کتابیں لکھیں۔ یہ سب لوگ قبول اسلام سے پہلے عیسائی تھے۔ ان کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ ہندوستان میں علاوہ ان بہت سی کتابوں کے، جو عیسائیوں کے رد میں لکھی گئیں، ہندوؤں کے مذہب کے خلاف بھی مسلمانوں نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا دوسرے ملکوں میں بھی، جہاں بت پرست رہتے ہیں، اہل اسلام اسی طرح سرگرم عمل رہے ہیں یا نہیں؟

مسلمانوں کی مناظرانہ تحریروں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے درج ذیل مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ قارئین کے لیے سودمند ثابت ہو سکتا ہے:

1. Moritz Steinchneider
2. Ignaz Goldziher
3. Martin Schreiner
4. W. A. Shedd
5. Carl Guterbock

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا ضمیمہ

مسلمانوں کی تبلیغی انجمنیں

تبلیغ دین کے کام کو ایک منظم اور باقاعدہ طریق پر چلانے کے لیے حال ہی میں جو انجمنیں بنائی گئی ہیں، وہ اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں ایک نئی بات ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ یہی بات مسیحی مشن کی تاریخ پر بھی صادق آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اس قسم کی تبلیغی انجمنیں مسیحی دنیا کی مشنری سوسائٹیوں کی تقلید میں بنائی گئی ہیں اور وہ مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمی کے مخصوص مظاہر میں سے نہیں ہیں۔ جہاں تک مغربی دنیا کا تعلق ہے، اس بارے میں کوئی خاص قابل ذکر نہیں ہے۔ وہاں انیسویں صدی کے نصف آخر سے پہلے اس قسم کی انجمنیں بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جو کوششیں پہلے پہل ہوئیں، ان میں بہت کم کامیابی حاصل ہوئی۔ جب ۱۸۵۷ عیسوی میں ایچ ایم اسٹینلے H. M. Stanley نے انگریزی اخبارات میں اس قسم کی تحریک کی کہ موتیسا Mutesa شاہ یوگنڈا کے پاس ایک مسیحی مشن بھیجا جائے تو اس کی اپیل پر ہر جانب سے توجہ کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطنیہ میں ایک تبلیغی انجمن کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ یوگنڈا کے ملک میں اسلام کی اشاعت کی جائے مگر کوئی مسلمان مبلغ وہاں روانہ نہ کیا گیا۔ جب ۱۸۷۸ عیسوی میں روس اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی تو اس نے ترکوں کی توجہ کو اس قسم کی تبلیغی کوشش سے ہٹا دیا۔ تبلیغی سرگرمی کی ناکامی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ جب سوڈان کی انگریزی مصری مشترکہ حکومت نے سوڈان کے ایسے اضلاع کو، جہاں بت پرست آباد تھے، مختلف مسیحی مشنری سوسائٹیوں میں بانٹ دیا تو قاہرہ کے مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ ملک کا ایک حصہ اہلِ اسلام کے لیے بھی مخصوص کر دیا جائے۔ اس پر حکومت نے جواب دیا کہ اگر وہ مبلغ روانہ کریں تو انہیں بھی وہی سہولتیں مہیا کی جائیں گی جو مسیحی مشنریوں کو دی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ کوئی تبلیغی انجمن موجود نہیں تھی، اس لیے اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ (Richter: PP. 164-65)۔ ۱۹۱۰ عیسوی میں رسالہ "المنار" کے ایڈیٹر شیخ رشید رضا نے قاہرہ میں الدعوة والارشاد کے نام سے ایک تبلیغی انجمن کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان مبلغ تیار کیے جائیں اور انہیں اولاً بت پرستوں اور عیسائیوں کے ملکوں میں بھیجا جائے نیز ان مسلم ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ (The Mulsim World: Vol I, P. 441)۔

مگر اس قسم کی انجمنوں کو ہندوستان میں سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ ان میں سے غالباً سب سے منظم انجمن حمایت اسلام لاہور ہے تاہم تبلیغی کام اس انجمن کی وسیع سرگرمیوں کا ایک قلیل حصہ ہے لہٰذہ ہم اسے محض ایک تبلیغی انجمن نہیں کہہ سکتے۔ اجمیر کی انجمن حامی اسلام کی اصل غرض وغایت یہ تھی کہ جو اعتراضات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آریہ سماج والے اسلام پر کرتے ہیں، ان کا جواب دیا جائے مگر اس کے مقاصد میں اسلام کی تبلیغ کرنا اور نومسلموں کو خوراک اور کپڑے فراہم کرنا بھی شامل تھا۔(Rajputana Herald: April, 17, 1889)۔ انجمن وعظِ اسلام، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، تبلیغ اسلام پر زیادہ زور دیتی تھی۔ مولوی بقا حسین خان جب تک اس کے سیکرٹری رہے، وہ نومسلموں کی فہرستیں بھی شائع کرتی تھی۔ انجمن اسلام اور انجمن تبلیغ اسلام کا بھی یہی دستور تھا جو حیدرآباد دکن میں قائم ہوئیں۔ موخرالذکر انجمن کا مقصد یہ تھا کہ اچھوت ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کی جائے مگر معلوم نہیں کہ یہ انجمنیں اب باقی ہیں یا نہیں؟(Mohammadan World of Today: P. 183)۔ جو انجمنیں بیسویں صدی میں قائم ہوئیں، ان میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں: مدرسہ الٰہیات کانپور، جو مسلمان مبلغ تیار کرنے، اسلام کی حمایت کرنے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے قائم ہوا۔ انجمن اشاعت وتعلیم اسلام جو بٹالہ (پنجاب) میں انہی مقاصد سے قائم ہوئی۔ لیکن ان میں سب سے بڑی انجمن، جو دہلی میں قائم ہوئی، انجمن ہدایت اسلام ہے جس کے ساتھ ہندوستان کے دیگر حصوں کی ۱۲۴ انجمنیں ملحق ہیں۔ (ان انجمنوں کی فہرست سالانہ رپورٹ کے صفحہ ۱۹ میں درج ہے)۔ یہ انجمن مبلغوں کو اسلام کی اشاعت اور غیر مسلموں کے ساتھ مناظرہ ومباحثہ کرنے کے لیے باہر بھیجتی ہے اور غیر مذاہب والوں، خاص طور پر آریہ سماجیوں کے حملوں کے جواب میں مناظرانہ رنگ کی کتابیں اور رسالے بھی شائع کرتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا ضمیمہ

جہاد

تبلیغ اسلام کی کوئی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جس تک اس میں جہاد کا ذکر نہ آئے جس کا ترجمہ بالعموم مذہبی لڑائی سے کیا جاتا ہے۔ جہاد کا تذکرہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسلام کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور ایک سچے مسلمان مبلغ کی تصویر یوں کھینچی جاتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں قرآن۔ وہ غیر مسلموں سے کہتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ اگر اشاعت اسلام کی توجیہہ اس طور پر کی جائے تو جیسا کہ پچھلے صفحات سے ظاہر ہوتا ہے، اس قسم کا بیان ناکافی ہوگا۔ اب اس بات کی تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا قرآن کسی شخص کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور کیا وہ مومنوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ مسلح ہو کر نکلیں اور جنگ وجدال کر کے دین پھیلائیں۔

قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے جس میں کسی طرح جبری تبدیل مذہب کا حکم دیا گیا ہو بلکہ اس کے برعکس بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں تبلیغی سرگرمی کو محض وعظ ونصیحت اور ترغیب دہی تک محدود رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مصنفوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے یہ حکم نہیں نکلتا کہ کافروں پر از خود بغیر کسی انگیخت کے حملہ کیا جائے لہٰذہ اس تعلیم وتلقین کی رو سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام لڑائیاں دفاعی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ ''جہاد'' کے جو معنی عام طور پر غیر مومنین کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور رواج پا گئے ہیں، یہ قرآن حکیم کے نازل ہونے کے بعد تراشے گئے ہیں اور یہ کہ جن آیات میں یہ لفظ یا اس کے مشتقات آئے ہیں، ان کے معنے اس لفظ کے اصلی اور قدیمی مفہوم کے اعتبار سے لینے چاہییں۔ فعلِ مجرد جہد کے معنی ہیں کوشش کرنا، محنت ومشقت کرنا، زور لگانا، محنتی یا مطالعے کا شوقین ہونا، عرق ریزی کرنا، یہاں تک کہ اس کے معنے دودھ بلونے اور کھانا کھانے کے بھی آئے ہیں۔ باب افعال میں ''اجہاد'' قسم کھانے یا کسی کے بڑھنے اور پھیلنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ باب افتعال کی صورت میں ''جہاد'' کے معنے ہو جاتے ہیں ''صحیح رائے قائم کرنے کے لیے پوری کوشش کرنا'' یا کسی فقیہہ کا فقہ کے کسی مسئلے کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے اپنی دماغی قوتوں کو بدرجہ غایت کام میں لانا۔'' چنانچہ جہاد کے معنے ہیں کسی ''ناپسندیدہ چیز کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی قوت، کوشش یا لیاقت کو بدرجہ اتم کام میں لانا۔'' اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ ''جہد'' سے جو مختلف الفاظ مشتق ہوئے ہیں، ان میں کوئی اشارہ جنگ وجدال کی طرف نہیں ہے کجا یہ کہ اس سے کفار کے ساتھ لڑائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے یا ان کو بہ جبر مسلمان بنانے کے معنے لیے جائیں۔ خاص خاص معنے جو یہ لفظ اختیار کرتا ہے، وہ صرف سیاق وسباق سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

ذیل میں وہ تمام قرآنی آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں جہاد کا لفظ آیا ہے یا جہد کے دوسرے مشتقات۔ یہاں ان آیات کو تاریخ نزول کے اعتبار سے درج کیا جاتا ہے۔

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیجتے

اے رسولؐ! کافروں کی بات نہ مانو اور ان کے ساتھ جہاد عظیم کرو (سورہ الفرقان آیات ۵۳،۵۴)

ان آیات میں صاف طور پر وعظ ونصیحت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اور جہاد کا ترجمہ لڑائی کرنا جس قدر مہمل ہے اسی قدر نامناسب بھی ہے۔

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی بڑی سختی کے ساتھ (سورہ النحل آیت ۴۰)

جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر پر مجبور کیا جائے مگر دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس سے کچھ مواخذہ نہ ہوگا (سورہ النحل آیت ۱۰۸)

جو لوگ فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہوئے اور پھر انہوں نے اپنے گھربار چھوڑے اور سخت کوشش کی اور صبر اختیار کیا ان باتوں کے بعد، بے شک تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے (سورہ النحل آیت ۱۱۱)

(کہا جاتا ہے کہ آیت ۱۰۸ میں ان مصیبتوں کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کو ابتدا میں اٹھانی پڑیں اور آیت ۱۱۱ میں ہجرت حبشہ کی طرف۔ لہٰذہ ان مسلمانوں کا جہاد وہ محنتیں اور مشقتیں تھیں جو ان کو کافروں کی ایذا رسانی اور ہجرت کے دوران اٹھانی پڑیں)۔

جو شخص محنت اٹھاتا ہے وہ اپنے ہی لیے محنت اٹھاتا ہے ورنہ خدا تو سب اہل جہان سے بے نیاز ہے (سورہ العنکبوت آیت ۵)

ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک عبادت کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کر (سورہ العنکبوت آیت ۷)

جن لوگوں نے ہمارے بارے میں کوششیں کیں تو ہم بھی ان کو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہے (سورہ العنکبوت آیت ۶۹)

اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک بنائے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا (سورہ لقمن آیت ۱۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد (کوشش) بھی کیے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (سورہ البقرہ آیت ۲۱۵)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی، وہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ہمراہ جہاد کیا تو وہ بھی تم میں داخل ہیں (سورہ التوبہ آیات ۷۵، ۷۶)۔

وہ لوگ جو الٹے پاؤں پھر گئے بعد اس کے کہ راہ راست ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے ان کو دھوکا دیا اور ڈھیل دے رکھی ہے۔ (سورہ محمد آیت ۲۷)

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، گمان کرتے ہیں کہ خدا ان کی دلی عداوتوں کو کبھی ظاہر نہیں کرے گا (سورہ محمد آیت ۳۱)

اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ تم میں سے جو جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں، ان کو ہم معلوم کر لیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا اور رسولؐ کی مخالفت کی، بعد اس کے کہ سیدھا راستہ ان پر ظاہر ہو چکا تھا تو ایسے لوگ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا (سورہ محمد آیات ۳۳، ۳۴)

کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے یہ نہیں جانچا کہ تم میں سے جہاد (کوشش) کرنے والے کون ہیں اور ثابت قدم کون ہیں (سورہ آل عمران آیت ۱۴۶)

یہ بات کہ تم اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو، تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو (الصف آیت ۱۱)

مسلمانوں میں سے گھر بیٹھ رہنے والے، سوائے ان لوگوں کے جو ضرر رسیدہ ہوں، اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی درجے اور مرتبے میں ان لوگوں پر جو گھروں میں بیٹھ رہنے والے ہیں۔

اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی پرستش کرو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ نے تم کو انتخاب کر لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سختی روا نہیں رکھی، وہ دین جو تمہارے باپ ابراہیم کا ہے (سورہ الحج آیات ۷۶، ۷۷)

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں کے خلاف خوب کوشش اور ان پر سختی کرو (سورہ التوبہ آیت ۷۴)

چونکہ رسولِ خداؐ منافقوں سے کبھی لڑے نہیں، اس لیے یہاں ''جاہد'' کے معنے جنگ کرنے کے نہیں لیے جا سکتے۔ ان کے بارے میں آں حضرتؐ نے جو روش اختیار کی، وہ اس آیت سے ظاہر ہے: اے پیغمبرؐ! کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو اور ان کی ایذا رسانی کی پروا نہ کرو اور خدا پر بھروسا رکھو اور خدا کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۴۷)۔ پس سورہ توبہ کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں اور منافقوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی کوشش کرو اور ان کے ساتھ سختی کرو یعنی ان کے ساتھ نرم نہ ہو جاؤ اور ان سے دھوکا نہ کھاؤ۔ (مولوی چراغ دین: Critical Exposition of the popular Jihad, P. 186)۔

اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کی طرف دوستی کے ڈورے ڈالنے لگے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو حق آ چکا ہے، اس سے وہ انکار کرتے ہیں اور رسولؐ کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے ہیں صرف اس بنا پر کہ تم اللہ پر، جو تمہارا پروردگار ہے، ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے گھروں سے نکلے ہو اور اس کے باوجود ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو تو پھر میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا تو (سمجھ لو) وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا (سورہ الممتحنہ آیت ۱)

سچے ایماندار صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر کسی قسم کا شک وشبہ دل میں نہ لائے اور خدا کے راستے میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو سچے مسلمان ہیں (سورہ الحجرات آیت ۹)

کیا تم نے خیال کیا کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی تک خدا کو نہیں معلوم وہ لوگ جو تم میں سے جہاد کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایمانداروں کو چھوڑ کر اور کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اسے خوب جانتا ہے (سورہ التوبہ آیت ۱۶)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص (کے اعمال) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھلاتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے میں بڑے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں (سورہ التوبہ آیات ۱۹، ۲۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہہ دو اے رسول کہ اگر تمہارے ماں باپ اور اولاد اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے قرابت دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ ہے اور گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے، تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (سورہ التوبہ آیت ۲۴)

تم نکل کھڑے ہو ہلکے اور بوجھل، اور اپنے جان و مال کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد (کوشش) کرو۔ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (التوبہ آیت ۴۰)

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہ تم سے اس بات کی رخصت نہیں مانگتے کہ اپنی جان و مال کے ساتھ شریک جہاد نہ ہوں اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے (سورہ التوبہ آیت ۴۴)

رسول اللہؐ کے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے، اور ناپسند کیا انہوں نے کہ جہاد کریں اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال کے ساتھ اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں (گھروں سے) نہ نکلو (سورہ التوبہ آیت ۸۲)

اور جب کوئی سورت نازل ہوئی (اس مضمون کی) کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ہمراہ جہاد کرو تو ان میں سے صاحب مقدور لوگ اجازت مانگنے لگے تجھ سے اور کہا انہوں نے کہ ہمیں چھوڑ دیجیے تاکہ ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ رہ جائیں (سورہ التوبہ آیت ۸۷)

لیکن رسولِ خدا نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے جہاد کیا اپنی جان و مال کے ساتھ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں (سورہ التوبہ آیت ۸۹)

سورہ توبہ کی یہ ۹ آیات، ہجرت کے نویں سال کے بعد نازل ہوئیں جب اہل مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی اور بنوخزاعہ پر، جو رسول اللہؐ کے حلیف تھے حملہ کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''کیا تم نہ لڑو گے اس قوم کے ساتھ جس نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسولؐ کو نکالنا چاہا اور اس بارے میں پہل کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، مگر اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔'' (سورہ التوبہ آیت ۱۳)

مگر اہل مکہ نے جلد ہی مصالحت کر لی اور انتقامی کارروائی کی ضرورت جاتی رہی جو چار حرام مہینوں کے بعد ہی ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں جہاد کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ رسول خداؐ کے حلیفوں کی حفاظت کے لیے جنگ کی جائے، اگرچہ اس کے اصلی معنوں سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اس بات سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ زمانہ مابعد میں جہاد کے معنے کافروں سے جنگ کرنے کے کیوں کر ہو گئے۔

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور کوشش کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(سورہ مائدہ آیت ۳۹)

اور ایمان دار کہیں گے کہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کی سخت قسم کھائی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے (سورہ مائدہ آیت ۵۸)

اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے پھر جائے اپنے دین سے تو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو وہ چاہتا ہے اور وہ اسے چاہتے ہیں۔ وہ مومنوں کے حق میں متواضع ہیں اور کافروں کے لیے سخت گیر ہیں، وہ اللہ کے راستے میں جہاد (کوشش) کرتے ہیں (سورہ مائدہ آیت ۵۹)

بعض مسلمان فقیہوں اور مفسروں کی وجہ سے جہاد کو غیر مسلموں کے خلاف مذہبی جنگ قرار دے دیا گیا جن پر جارحیت کا ارتکاب نہ کرنے کے باوجود حملہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے نزدیک یہ نظریہ مکمل طور پر اسلامی روح کے منافی ہے کیونکہ اس کی بنیاد مختلف قرآنی آیات کو یک جا کر کے سیاق و سباق سے ہٹ کر رکھی گئی ہے اور اگلی نسلوں کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ گو کہ بعض فقہا نے کافروں کے خلاف کسی اشتعال کے بغیر جنگ لڑنے کو جائز قرار دیا ہے (لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے) اسلام میں جبراً مسلمان کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ غیر مسلم لوگ جزیہ ادا کر کے اپنے مذہب پر کاربند رہ سکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں ضمیمہ

وہ نومسلم جنہوں نے براہ راست تبلیغ کے بغیر اسلام قبول کیا

اشاعتِ اسلام کی تاریخ اس وقت تک مکمل تصور نہیں ہوسکتی جب تک ایسے لوگوں کا تذکرہ نہ کیا جائے جنہوں نے مبلغینِ اسلام سے سابقہ پڑے بغیر بلکہ بعض حالات میں کسی مسلمان سے ملے بغیر صرف اسلامی دینی کتابوں کے مطالعے سے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں کی تعداد غالباً اچھی خاصی ہے البتہ ان کے مسلمان ہونے کے متعلق جو حالات تحقیق ہوئے ہیں، وہ بہت کم ہیں۔ ذیل کے صفحات میں اس قسم کے بعض نومسلموں کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ قطع نظر اس تعلق کے، جو انہیں اشاعتِ اسلام کی تاریخ سے ہے، یہ حالات بذات خود نہایت دلچسپ ہیں۔

سب سے پہلا شخص، جو اس طرح مسلمان ہوا، ایک یونانی تھیوڈسکلوس Theodisclus تھا جو اشبیلیہ کے بڑے اسقف سینٹ ازیدور (متوفی ۶۳۶ عیسوی) کے بعد اس کا جانشین ہوا۔ اس پر الحاد کا الزام لگایا گیا کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ باپ اور روح القدس کے ساتھ مل کر حضرت مسیح ؑ خدائے واحد نہیں بنتا بلکہ وہ خدا کا متبنیٰ ہے۔ چنانچہ کلیسا کی ایک مجلس نے اسے مجرم قرار دیا اور اسے اس کے عہدے سے معزول کردیا بلکہ اسے پادریوں کے حلقے سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد وہ عربوں کے پاس چلا گیا اور وہاں جاکر مسلمان ہوگیا۔

یہ تحقیق نہیں ہوسکتی کہ مذہب اسلام کی نسبت جو معلومات یورپ کو اسپین کے واسطے سے یا اس کے بعد صلیبی جنگوں کے دوران بلادِ اسلامیہ کے ساتھ تعلقات پیدا ہونے سے حاصل ہوئیں، ان سے یورپ کے عیسائیوں کو قبول اسلام کی ترغیب ہوئی یا نہیں؟ یہ بات بھی ابھی تک تحقیق طلب ہے کہ آیا قرونِ وسطیٰ کے بہت سے عیسائی فرقے، جو ملحد سمجھے جاتے تھے، مذہبی خیالات کی آزادی کے لیے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے؟ بازنطینی سلطنت کی رعایا کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں اور نہ ہی ان صلیبی مجاہدین کی جو براہ راست اسلامی عقاید اور معاشرت سے متاثر ہوئے کیونکہ پچھلے صفحوں میں ہم ان کا بیان لکھ چکے ہیں۔

جن لوگوں نے مبلغین کی کوششوں کے بغیر خود اسلام قبول کیا، ان میں سب سے زیادہ عجیب اور مفصل حال ایک پادری کا ہے جو مناظرے کی کتاب: ''ہدیۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب'' میں درج ہے۔ اس کتاب کو اس پادری نے مسلمان ہونے کے بعد عبداللہ بن عبداللہ کے نام سے ۱۴۲۰ عیسوی میں مسیحیت کی تردید اور اسلام کی حمایت میں لکھا تھا۔ کتاب کے دیباچے میں اس نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزیرہ میورقہ Majorca میں آسودہ حال ماں باپ کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اس کی تعلیم بچپن ہی سے اس طریق پر ہوئی جس سے اسے پادری بنانا مقصود تھا۔ چنانچہ ۶ برس کی عمر سے اسے انجیل پڑھنے بٹھا دیا گیا اور اس نے انجیل کے بہت سے حصے زبانی یاد کر لیے۔ منطق اور نحو پڑھنے کے بعد اسے صوبہ قطلونیہ کے شہر لاردا کی یونیورسٹی میں بھیج دیا گیا جہاں اس نے طبیعیات اور ہیئت کے مطالعے کے بعد اپنے آپ کو چار سال تک محض دینیات کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا۔ اس کے بعد وہ بولونا Bologna کی مشہور یونیورسٹی میں گیا جو اس وقت شہرہ آفاق تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ میں ایک عمر رسیدہ پادری کے گھر میں ٹھہرا جس کا نام نکولس مارتل تھا۔ (اطالوی زبان میں یہ تلفظ مارتیلو ہے)۔ لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے اسے بولونا میں بڑا رتبہ حاصل تھا۔ وہ زہد اور پارسائی میں یگانہ روزگار تھا اور اطراف عالم سے بادشاہ اور دوسرے لوگ مشکل مسائل حل کرنے کے لیے اسے بھیجتے تھے اور بیش قیمت تحائف بھی اس کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔۔۔۔ اس پادری سے میں نے مسیحی دین کے اصول اور احکام سیکھے اور مدت تک میں نے اس کی خدمت کی یہاں تک کہ اس نے مجھے اپنا مقرب خاص بنا لیا۔ چونکہ میں نے نہایت خلوص اور تندہی کے ساتھ اس کی خدمت گزاری جاری رکھی، اس لیے اس نے تمام گھر بار اور مال و متاع کی چابیاں میرے حوالے کر دیں۔ اس طرح میں نے دس سال اس پادری کی ملازمت اور تحصیل علم میں صرف کیے۔ اتفاقاً ایک دن وہ پادری بیمار ہو گیا اور درس گاہ میں پڑھانے کے لیے نہ جا سکا۔ طالب علم، جو اس کے درس میں حاضر رہا کرتے تھے، اس کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے مختلف علمی مسائل پر بحث کرنے لگے یہاں تک کہ مباحثے کے دوران خدا کے اس کلام کا ذکر آیا جو اس کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ادا ہوا تھا: ''میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا۔'' اس کلام پر دیر تک گرما گرم بحث ہوتی رہی مگر کوئی بات فیصل نہ ہو سکی اور آخر کار مجلس برخاست ہو گئی۔

جب میں اپنے استاد کے گھر واپس آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا: ''آج میری غیر حاضری میں تم لوگوں نے کس مضمون پر بحث کی؟'' میں نے اسے بتایا کہ لفظ فارقلیط پر بحث ہوئی مگر ہم کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے۔ کسی نے کچھ رائے لگائی اور کسی نے کچھ۔ اس کے بعد میں نے وہ تمام رائیں بیان کیں جو فارقلیط کے مفہوم کے بارے میں طلبا کی تھیں۔ پادری نے پوچھا کہ خاص تم نے اس مسئلے کا کیا حل پیش کیا؟ میں نے عرض کی کہ فلاں عالم نے انجیل کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، وہی میں نے بیان کر دیا۔ یہ سن کر وہ بولا: ''حق بات کے قریب تم پہنچ گئے تھے تاہم بہت دور رہے۔ فلاں طالب علم نے سراسر غلطی کھائی اور فلاں طالب علم سچائی کے قریب پہنچ گیا تھا۔ مگر تم میں سے ایک شخص بھی اس لفظ کے حقیقی معنی کو نہ پا سکا۔ اس مقدس نام کی صحیح تفسیر سوائے ان علما کے کوئی نہیں کر سکتا جو راسخ العلم ہیں۔ لیکن تم میں سے ابھی تک کسی شخص نے علم کے میدان میں اتنی ترقی نہیں کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ باتیں سن کر میں پادری کے قدموں میں گر پڑا، اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اس سے عرض کی: ''اے میرے آقا! آپ جانتے ہیں کہ میں ایک دور دراز ملک سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ دس سال تک میں نے آپ کی خدمت گزاری کی ہے اور میں نے وہ وہ علمی فوائد آپ سے حاصل کیے ہیں، جو بیان سے باہر ہیں۔ اب اس مبارک نام کی تفسیر کر کے مجھ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دیجئے۔'' یہ سن کر بوڑھا پادری رونے لگا اور کہا: ''اے میرے بیٹے! بے شک تم مجھے بہت عزیز ہو کیونکہ تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ فی الواقع اس مبارک نام کے معنی دریافت کرنے میں بڑا فائدہ ہے مگر مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے اس کے معنی تم پر ظاہر کر دیے تو عیسائی مجھے فوراً مار ڈالیں گے۔'' یہ سن کر میں نے کہا: ''قسم ہے مجھ کو خدا تعالیٰ کی اور قسم ہے انجیل کی صداقت کی اور اس کے لانے والے کی کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا راز کسی پر فاش نہیں کروں گا۔''

پادری نے کہا: ''اے فرزند! جب تو پہلے پہل میرے پاس آیا تھا تو میں نے تجھ سے تیرے وطن کی بابت پوچھا تھا کیونکہ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ملک کے پاس ہے یا دور اور یہ تمہارے اہل وطن مسلمانوں سے لڑنے جاتے ہیں یا مسلمان ان سے لڑنے آتے ہیں۔ غرض میں یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ تجھے اسلام کے ساتھ کس درجے کی نفرت ہے۔ پس اے فرزند! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ فارقلیط پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسمائے مبارکہ سے ایک نام ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن پر وہ چوتھی کتاب نازل ہوئی جس کا اعلان دانیال نبی کی زبان سے ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام کا دین یقیناً سچا دین ہے اور ان کا مذہب وہی شاندار اور پرنور مذہب ہے جس کا ذکر انجیل میں آیا ہے۔

یہ سن کر میں نے پوچھا: ''اگر بات یوں ہی ہے تو پھر عیسائی مذہب کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟'' پادری نے جواب دیا کہ اے عزیز! اگر عیسائی یسوع مسیح کے مذہب پر قائم رہتے تو خدا کا دین ان کے پاس رہتا کیونکہ مسیح کا دین دوسرے انبیا کے دین کی طرح منجانب اللہ ہے۔ میں نے پوچھا: ''تو اب اس کا کیا علاج ہے؟'' پادری نے کہا: ''اے عزیز! اسلام قبول کر لے۔'' میں نے پوچھا: ''تو کیا جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، وہ نجات کا مستحق ہے؟'' پادری نے جواب میں کہا: ''ہاں، اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں نجات ملتی ہے۔'' پھر میں نے کہا: ''اے آقا! ہر عاقل اپنے لیے وہی چیز پسند کرتا ہے، جس کو وہ سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ جب آپ اسلام کی فضیلت کے قائل ہیں تو آپ کو قبولِ اسلام سے کون چیز مانع ہے؟'' پادری نے جواب دیا: ''اے فرزند! خدا نے مجھ پر اسلام کی فضیلت اور پیغمبر اسلام کی عظمت کا بڑھاپے میں انکشاف کیا ہے۔ اب میں عمر رسیدہ ہوں اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں لیکن اس سے میری یہ مراد نہیں کہ یہ عذر قابلِ پذیرائی ہے بلکہ خدا کی حجت مجھ پر بدستور قائم ہے۔ اگر تمہاری سی عمر میں خدا کی طرف سے مجھ کو یہ ہدایت حاصل ہوتی تو میں سب چیزیں چھوڑ کر اسلام کا سچا دین قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر لیتا۔ لیکن دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ عیسائیوں میں مجھ کو کیا درجہ حاصل ہے اور وہ میری کیسی عزت اور توقیر کرتے ہیں۔ اب ان کو اگر معلوم ہو جائے کہ میرا میلانِ خاطر اسلام کی طرف ہے تو وہ سب مل کر مجھ کو فوراً قتل کر ڈالیں گے۔ فرض کرو ان کی دارو گیر سے بچ نکلوں اور مسلمانوں کے ملک میں بخریت پہنچ جاؤں تو پھر کیا نتیجہ ہوگا؟ اگر میں نے مسلمانوں سے کہا کہ میں مسلمان ہو کر تمہارے درمیان آباد ہونا چاہتا ہوں تو وہ مجھ سے کہیں گے کہ سچے دین کو قبول کر کے تم اپنے اوپر احسان کرو گے کیونکہ خدا کے مواخذے سے بچ جاؤ گے لیکن تمہارے مسلمان ہونے سے ہمیں کیا فائدہ ہے؟ جب یہ جواب ملے گا تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ میں ستر برس کا بڈھا، مفلس، مسلمانوں کی زبان سے ناواقف، فاقہ کشی سے مرنے کے لیے ان کے درمیان پڑا رہوں گا اور ان کو اس بات کی مطلق خبر نہ ہوگی کہ اس سے پہلے مجھ کو کیا درجہ اور مرتبہ حاصل تھا۔ پس میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسے گواہ کرتا ہوں کہ میں حضرت عیسیٰؑ کے دین پر اور اس کی وحی پر، جو اس پر نازل ہوئی، ثابت قدم رہوں۔

میں نے کہا: ''تو کیا میرے حق میں آپ کی نصیحت یہ ہے کہ میں مسلمانوں کے ملک میں چلا جاؤں اور ان کا دین اختیار کرلوں؟'' پادری نے جواب دیا: ''اگر تم عقل مند ہو اور اپنی نجات چاہتے ہو تو فوراً جاؤ اور اسلام قبول کر کے دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرو لیکن یاد رہے کہ اس وقت تک ہماری ان باتوں کی کسی کو اطلاع نہیں ہے، آئندہ محتاط رہو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو کیونکہ اگر ان باتوں کا ایک شمہ بھی کسی پر ظاہر ہوگیا تو لوگ تمہیں فوراً مار ڈالیں گے اور میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ مجھ پر الزام لگانے سے تم کو کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ جو کچھ میں تمہارے خلاف کہوں گا، اس کو تو عیسائی سچ سمجھیں گے اور جو کچھ تم میرے خلاف کہو گے، اس پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اگر تم نے اس بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے کہا تو میں تمہارے خون سے بالکل بری الذمہ ہوں۔''

میں نے کہا: ''خدا مجھ کو اس خیال تک سے محفوظ رکھے کہ میں اس راز کو فاش کروں۔'' غرض اپنے استاد کے حسب منشا میں نے وعدہ کیا اور سامانِ سفر تیار کر کے اس سے رخصت ہوا۔ اس نے میرے حق میں دعا کی اور سفر کے اخراجات کے لیے مجھ کو پچاس دینار دیے۔

اول میں نے اپنے وطن شہر میورقہ کا رخ کیا اور وہاں چھ ماہ تک ٹھہرا۔ پھر جہاز میں سوار ہو کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) کو گیا۔ یہاں پانچ مہینے تک اس انتظار میں ٹھہرا رہا کہ کوئی جہاز بلادِ اسلامیہ کو جاتا ہوا ملے۔ آخر کار ایک جہاز، جو تیونس کو جا رہا تھا، آیا اور میں اس میں سوار ہوگیا۔ شام کے دھندلکے میں ہم نے صقلیہ کو خیر باد کہا اور ایک دن دوپہر کے وقت جہاز نے تیونس کی بندرگاہ پر لنگر ڈالا۔ جب میں جہاز سے اتر کر تیونس کے چنگی خانے میں آیا تو چند عیسائی سپاہی میرا حال سن کر میرے پاس آئے اور مجھ کو اپنے گھر لے گئے۔ تیونس کے چند دوسرے عیسائی تاجر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چار ماہ تک میں ان عیسائیوں کے ہاں ٹھہرا اور اس مدت میں انہوں نے میری بہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاطر مدارت کی۔ جب چار مہینے گزر گئے تو میں نے ان عیسائیوں سے پوچھنا شروع کیا کہ سلطان تیونس کے دربار میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہو؟ اس وقت یہاں کا حکمران سلطان ابو العباس احمد تھا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ درباریوں میں یوسف طبیب ایسا شخص ہے جو عیسائیوں کی زبان جانتا ہے اور وہ سلطان کا طبیب، مقرب اور ملازمین خاص میں سے ہے۔ یہ سن کر میں خوش ہوا اور پتہ پوچھ کر یوسف طبیب کے مکان پر پہنچا۔ جب اس سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اپنے خیالات بیان کیے اور کہا کہ قبولِ اسلام کی تمنا میرے یہاں آنے کا باعث ہوئی ہے۔ یوسف یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ یہ کارِ خیر اس کے ذریعے ظہور میں آئے گا۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور مجھے اپنے ہمراہ سلطان کے محل میں لے گیا اور سلطان سے میرا حال کہہ کر اجازت چاہی کہ مجھے شرف باریابی بخشا جائے۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور میں سلطان کے حضور پیش ہو گیا۔

سلطان نے پہلے میری عمر پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ میری عمر ۳۵ سال کی ہے۔ اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا حال پوچھا اور میں نے اس کا جواب عرض کیا۔ سلطان نے کہا: ''ہم تمہارا خیر مقدم کرتے ہیں، اب تم مسلمان ہو جاؤ اور خدا کی تم پر رحمت ہو۔'' میں نے یوسف طبیب سے، جو اس وقت میرا ترجمان تھا، کہا کہ سلطان کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیجیے کہ جو شخص اپنا مذہب چھوڑتا ہے، اس کو اکثر لوگ سخت سست کہتے ہیں اور اس کے بارے میں تہمتیں تراشتے ہیں، اس لیے میں سلطان سے اجازت چاہتا ہوں کہ عیسائی سوداگروں اور عیسائیوں کو دربار میں بلا کر میری نسبت پوچھا جائے تاکہ سلطان کو معلوم ہو کہ میرے ہم مذہب میری نسبت کیا کہتے ہیں۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ سلطان نے ترجمان کے ذریعے جواب دیا: ''تمہاری درخواست بالکل ایسی ہے جیسی کہ عبد اللہؓ بن سلام نے قبولِ اسلام کے وقت رسولِ خدا ﷺ سے کی تھی۔'' اس کے بعد سلطان نے عیسائی سپاہیوں اور بعض سوداگروں کو بلایا اور اپنی نشست گاہ کے قریب ہی ایک کمرے میں مجھ کو بٹھا دیا۔ پھر سلطان نے ان لوگوں سے پوچھا کہ فلاں جہاز سے جو پادری ہمارے ملک میں اترا تھا، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ عیسائیوں نے جواب دیا کہ وہ ہمارے دین کا بہت بڑا عالم ہے اور ہمارے علما کہتے ہیں کہ انہوں نے علم و فضل اور پرہیزگاری میں اس سے بڑھ کر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

سلطان نے پھر عیسائیوں سے پوچھا: ''اگر یہ پادری مسلمان ہو جائے تو تم اس کی نسبت کیا خیال کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ معاذ اللہ! وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ جب سلطان عیسائیوں کی رائے سن چکا تو اس نے مجھ کو بلایا اور میں نے اسی وقت سب عیسائیوں کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا۔ عیسائیوں نے ہاتھ اٹھا کر اپنے چہروں پر صلیب کا نشان بنایا اور کہا: ''اس شخص نے محض شادی کرنے کے شوق میں یہ حرکت کی ہے کیونکہ ہمارے ہاں پادری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شادی نہیں کر سکتے۔'' پھر سب عیسائی بہت رنجیدہ خاطر ہو کر دربار سے اٹھ گئے۔

مسلمان ہونے کے بعد اس شخص کے لیے سلطان ابو العباس احمد (۱۳۷۰ سے ۱۳۹۴ عیسوی) کی طرف سے چار دینار روزانہ مقرر ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد چنگی خانہ اس کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اس شخص کا مزار تیونس میں اب تک موجود ہے، لوگ اس کی زیارت کو جاتے اور اس کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عیسائی کلیسا کی اصلاح کے زمانے میں، جسے ریفارمیشن کہتے ہیں، ہنگری اور دوسرے مقامات کے پروٹسٹنٹ لوگوں نے رومن کیتھولک عیسائیوں کے مقابلے میں ترکوں کی حکومت کو ترجیح دی اور بعض صورتیں ایسی بھی پیش آئیں کہ پروٹسٹنٹ فرقے کے عیسائی بھاگ کر ترکوں کی قلمرو میں چلے آئے کیونکہ انہیں یہاں عقاید اور عبادات کے معاملے میں پوری آزادی حاصل تھی جو انہیں خود یورپ کے مسیحی ملکوں میں نصیب نہیں تھی۔ بعض عیسائی فرقوں کے عقاید اور اصول اسلام میں اس قدر مشابہت اور مطابقت تھی اور باہمی اختلاف اتنا خفیف تھا کہ ہمارے لیے یہ بات باعث تعجب نہیں ہے کہ سوسنی Socinian فرقے کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

یورپ کی عیسائی قوموں کے بہت سے افراد عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے جن کا ذکر ترکوں کی تاریخ میں آتا ہے اور جو اکثر اوقات حکومت کے اعلیٰ اور ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ ان کی مذہبی زندگی کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی زمانے میں وہ عیسائی تھے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ لیکن یہ دریافت نہیں ہو سکا کہ ان میں سے بعض ایسے اشخاص بھی تھے جنہوں نے محض اسلام قبول کرنے اور اہل اسلام کے درمیان سکونت اختیار کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا ہو۔

اب رہے وہ متعدد عیسائی جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر شمالی افریقا کے بحری قزاقوں کی تعداد کو بڑھایا تو ان لوگوں میں سے غالباً ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے دلی خلوص اور ایمان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہو کیونکہ جس خون ریزی اور قزاقی کی زندگی یہ لوگ بسر کرتے تھے، وہ سوائے ان مفرور قیدیوں اور ہر قسم کے بدمعاشوں کے اور کسی کے لیے باعث کشش نہیں ہو سکتی تھی جو سولہویں صدی سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک افریقا کے شمالی ساحل پر آ کر آباد ہوتے رہے تھے۔

اٹھارویں صدی کے خاتمے کے قریب جب آزاد خیال لوگوں کی تصانیف کے اثر سے خصوصاً فرانس میں عیسائیوں کے قدیم عقاید میں ضعف آ چکا تھا، بعض روشن خیال مصنفوں کے قلم سے ایسی کتابیں نکل چکی تھیں جن میں عیسائیت کی تحقیر اور اس کے مقابلے میں دین اسلام کی تعریف و تحسین پائی جاتی تھی۔ ان حالات میں یورپ کے کئی لوگوں نے، جن میں فرانسیسی پادری بھی شامل تھے، اپنے وطن کو خیر باد کہا اور ترکی میں آباد ہو کر اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول کرلیا۔ اس قسم کے کچھ لوگوں کا حال پروٹسٹنٹ فرقے کے ایک پادری نے قلم بند کیا ہے جو ۱۷۵۹ سے ۱۷۶۸ عیسوی یعنی ۹ برس تک سمرنا میں مقیم رہا۔ اس نے اس عرصے میں قسطنطنیہ کی بھی سیاحت کی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''غور کا مقام ہے کہ دنیا میں بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ سنجیدہ مزاج اور متین لوگ جو عمدہ فہم و ذکا کے مالک سمجھے جاتے تھے اور اپنے وسیع مطالعے کے لیے مشہور تھے، وہی لوگ انتہائی غفلت بلکہ بے دینی کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے کئی پادریوں اور دوسرے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور ترکی کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر اسلام اختیار کرلیا۔ اس قسم کی بوالعجبی کے اسباب اور محرکات کیا ہیں؟ یہ اسباب دو قسم کے ہیں۔ اول آزاد خیال لوگوں کی کتابوں کا مطالعہ جن میں فرانسیسی مصنف خاص طور پر شامل ہیں۔ ان میں ترکی کی تصویر ایسی چابک دستی اور ہوشیاری سے کھینچی گئی ہے جس سے خواہ مخواہ عیسائیوں کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ دوسرے آزادی خیال کی کشش کیونکہ ان کو ترکی میں آزادی خیال بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آزادی کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی توقع دلائی جاتی ہے اور انہیں ترکوں کے ہاں جسمانی لذات سے اس قدر متمتع ہونے کی امید دلائی جاتی ہے کہ اس میں نہ تو کسی عقوبت کا ڈر ہے اور نہ ہی ضمیر کی ملامت کا اندیشہ۔ غرض ان کے سامنے ترکی کی زندگی کی ایسی دلکش تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ اس دنیا میں بہشت کے مزے لوٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنے کفر اور بے دینی کی وجہ سے انہیں آئندہ زندگی میں حصول جنت کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔''

تبدیل مذہب کے اس قسم کے واقعات کی خبریں یورپ میں شاذ و نادر ہی پہنچی ہیں اور یہ بات اس سے بھی زیادہ شاذ ہے کہ ان نو مسلموں میں سے کسی نے اپنی سرگزشت قلم بند کی ہو۔ اس قسم کی ایک نادر مثال فرانس کے ایک فوجی افسر کی ہے جو انیسویں صدی کے شروع میں مسلمان ہوا اور جس نے اپنے اسلام لانے کا حال خود لکھا ہے۔ اس نے پہلے اسماعیل نام اختیار کیا اور بعد میں اپنا نام ابراہیم منصور رکھا۔ طالب علمی کے زمانے میں جب وہ پیرس میں تھا تو اس نے ترکی زبان کا پڑھنا، لکھنا اور بولنا سیکھ لیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن چھوڑنے سے پہلے اس نے اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرلی تھیں۔

پچھلے برسوں میں تبدیلِ مذہب کے اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے ہیں جن کے متعلق کچھ تاریخی مواد موجود ہے۔ ان میں سے ایک ہنوور (جرمنی) کے مسٹر شومین Schumann ہیں جنھوں نے قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے خط و کتابت کے بعد ۱۸۸۸ عیسوی میں اسلام قبول کیا۔ شیخ الاسلام نے جو خط شومین صاحب کے نام لکھا، وہ پہلے قسطنطنیہ کے اخبارات میں چھپا اور پھر اس کا ترجمہ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ہوا۔ چونکہ آج کل اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسیحی دنیا کے سامنے اسلام کو جس قدر ہو سکے، دل کش پیرائے میں پیش کیا جائے اور بہت سے مسلمان یہ دعا کرتے ہیں کہ انگلستان اور امریکا کے ملک مسلمان ہو جائیں، اس لیے یہ خط اس لحاظ سے دلچسپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اس میں اسلام کے ایک بڑے پیشوا نے اسلام کی تعلیم کو اس طرح پیش کیا ہے جس سے عیسائیوں کے دل و دماغ پر حتی الوسیع اچھا اثر پڑے۔ یہ خط تبلیغ اسلام کی تاریخ میں بڑا وقیع اور معنی خیز ہے لہٰذہ یہاں اس کا مکمل ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

''عزیز محترم! آپ کا خط، جس میں آپ نے اسلام قبول کرنے کی درخواست کی ہے، پہنچا اور ہماری کمال مسرت کا موجب ہوا۔ جو خیالات آپ نے اس خط میں ظاہر فرمائے ہیں، وہ ہماری رائے میں بہت تحسین کے لائق ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا اسلام لانا ہماری مرضی یا منظوری پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اسلام میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان مثل پادری کے کوئی واسطہ یا وسیلہ نہیں ہے۔ ہمارا فرض فقط یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مذہب کے حقائق سکھائیں لہٰذہ قبولِ اسلام کے لیے کسی مذہبی رسم کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی منظوری کی ضرورت ہے۔ ایمان لانا اور اس کا اعلان کرنا کافی ہے۔

اسلام کی بنیاد فی الواقع یہ ہے کہ انسان خدا کی وحدانیت اور اس کے عزیز ترین بندے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر ایمان لائے یا بالفاظ دیگر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معنی و ملہوم کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے۔ جو شخص اس کلمے کا اقرار کرتا ہے، وہ مسلمان بن جاتا ہے، اس کو کسی دوسرے شخص کی منظوری اور رضامندی کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے، اگر آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں تو آپ مسلمان ہیں اور ہماری منظوری کی آپ کو ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو اپنی طرف سے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ مبارکباد دیتے ہیں کہ آپ پر خدا کی رحمت نازل ہوئی ہے اور ہم اس دنیا میں اور آخرت میں گواہی دیں گے کہ آپ ہمارے بھائی ہیں کیونکہ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

یہ ہمارا ایمان مجمل ہے۔ اب اس کی مزید تصریحات یہ ہیں کہ انسان جو دیگر حیوانات سے بوجہ اپنی عقل کے برتر ہے، نیستی سے ہستی میں اس لیے لایا گیا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرے۔ یہ عبادت دو جملوں میں بیان ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ احکام خداوندی کی تعمیل کرے اور دوسرے یہ کہ اس کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرے۔ یہ دوسری عبادت تمام مذاہب میں موجود ہے۔ اب رہا اس پر عمل کرنا، جس قدر مذاہب ہیں، وہ اپنے آئین و قوانین، اوقات و مقامات اور مذہبی رسوم کی کمی و بیشی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ لیکن عقلِ انسانی کافی نہیں ہے کہ وہ کوئی عمدہ طریقہ عبادت کا، جو خدا کی شان کے لائق ہو، ہم کو بتا سکے۔ لہٰذہ خدا نے اپنی رحمت سے اپنے خاص بندوں کو نبوت عطا کی اور فرشتوں کے ذریعے ان پر وحی نازل کی اور اس طرح سے سچے دین کا انکشاف کر کے اپنے بندوں کو نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔'' (اس کے بعد خط میں قرآن انبیا، قیامت اور دوسرے عقاید کا بیان ہے اور پھر نماز اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے)۔

جب کوئی گنہگار خدا کی جناب میں توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صرف اس کے ہمسایوں کے حقوق ایسے ہیں جو اس معافی سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ خدا کا وہ بندہ، جس کو اس دنیا میں انصاف نہیں ملتا، قیامت کے دن خدا سے انصاف کا طالب ہوگا۔ خدا جو عادل ہے، ظالم کو مجبور کرے گا کہ مظلوم کو اس کا حق دے۔ جو لوگ راہِ خدا میں شہید ہوئے ہیں، وہ بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ پس اس جواب دہی سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے ہمسائے سے، جس کی تم نے حق تلفی کی ہے، بریت حاصل کرو۔ یہ ہر حال کسی مرشد یا مذہبی پیشوا کی شفاعت کی ضرورت نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ تمام باتیں ان لوگوں کو عجیب معلوم ہوں گی جو پادریوں کی مذہبی حکومت کی پابندی کے عادی ہیں۔ جب عیسائیوں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ملت میں شامل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو پادری بپتسمہ دے۔ جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کی شادی کے لیے بھی پادری درکار ہوتا ہے۔ اگر وہ عبادت کرنا چاہے تو اسے گرجا میں جانے اور پادری کو تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہے تو بھی اسے کسی پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور آخر کار جب وہ مر جاتا ہے تو اس کے کفن دفن کے لیے بھی پادری ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

مسلمانوں کے ہاں عیسائیوں کی طرح پادری نہیں ہیں اور ہمارے مذہب میں اس قسم کی پابندیاں نہیں ہیں۔ جب مسلمان بچہ پیدا ہوتا ہے، اس کا باپ یا خاندان کا بزرگ آدمی اس کا نام رکھتا ہے اور جب عقد نکاح کا موقع پیش آتا ہے تو مرد اور عورت یا ان کے وکیل دو گواہوں کے سامنے عقد کر لیتے ہیں۔ جن فریقین نے عقد کیا ہے، انہی کو اس سے تعلق ہوتا ہے، دوسرے لوگ اس میں نہ دخل دے سکتے ہیں اور نہ شریک ہو سکتے ہیں۔

مسلمان جس جگہ مناسب سمجھے، تنہا عبادت کر سکتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی کے لیے وہ براہ راست خدا کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کا اقرار دوسروں کے سامنے نہیں کرتا اور نہ اس کو ایسا کرنا چاہیے۔ مرنے کے بعد شہر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو تابوت میں رکھ کر دفن کر دیں۔ ہر ایک مسلمان یہ فرض کفایہ ادا کر سکتا ہے، کسی مذہبی پیشوا کے موجود ہونے کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ کہ دینی کاموں میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان کسی رابطے یا واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ خدا کے احکام کو، جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل ہوئے، ان کو ہر مسلمان جانے اور ان پر عمل کرے۔ صرف بعض مذہبی رسوم ایسی ہیں، مثلاً نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین جن کا انتظام خلیفہ پر موقوف ہے۔ خلیفہ کے احکام کی تعمیل اہم مذہبی فرائض میں سے ہے اور بحیثیت شیخ الاسلام کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارا کام صرف یہ ہے کہ جو مذہبی معاملات اس کی جانب سے ہمارے سپرد ہیں، ان کا انتظام کریں۔

ایک چیز جس کی طرف ہر مسلمان کو بڑی توجہ کرنی چاہیے، اخلاق و خصائل کی نیکی ہے کیونکہ اخلاقِ ذمیمہ مثلاً غرور، تکبر، خودغرضی اور تمرّد مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت بھی ہمارے مذہب کے احکام میں داخل ہے۔ (The Independent, Newyork, Feb 9th, 1888)۔

مندرجہ بالا مکتوب کی تاریخ یعنی ۱۸۸۸ء سے چند سال پہلے ایک انگریز قانون دان نے، جس کا نام ولیم ہنری کیولیم تھا، قرآن مجید اور اسلام کے متعلق دیگر کتابوں کا ازخود مطالعہ کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی توجہ اسلام کی طرف اس وقت مبذول ہوئی جب ۱۸۸۴عیسوی میں اس نے مراکش کا سفر کیا۔ اسے یہ بات دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پیروانِ اسلام بڑے مخلص لوگ ہیں اور شراب خواری اور دوسری برائیوں سے پاک ہیں جو انگلستان کے بڑے بڑے شہروں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اس نے شہر لورپول میں ایک مسلم مشن قائم کیا اور پانچ سال کی کوشش کے بعد ۳۰ اشخاص کو مسلمان کر لیا۔ پھر تبلیغ کے کام میں زیادہ سرگرمی کا ثبوت دیا گیا اور عام لوگوں کو لیکچر دیے گئے، چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع ہوئیں، ایک رسالہ جاری کیا گیا اور واعظین نے کھلے مقامات پر عقاید اسلام کے اثبات میں وعظ کہے۔ مسٹر کیولیم کے مسلمان ہونے کے بعد انگریز نومسلموں کی تعداد ۱۳۷ ہوگئی۔ انگلستان کی اس تبلیغی تحریک نے اسلامی ملکوں، خاص طور پر ہندوستان میں بڑا جوش پیدا کر دیا جہاں انگریز نومسلموں کی مذہبی زندگی کی بابت ہر واقعہ اخباروں میں چھپ جاتا ہے۔ ۱۸۹۱عیسوی میں ترکی کے سلطان نے مسٹر کیولیم کو ملاقات کے لیے قسطنطنیہ بلایا اور اس کے تین سال بعد سلطان نے اپنی طرف سے تمغہ دینے کے لیے ایک مسلمان سوداگر کو ان کے پاس بھیجا جس نے افریقا کے مغربی ساحل پر لاگوس کے مقام میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔

امریکا میں ایک اور شخص محمد الیگزینڈر رسل ویب مسلمان ہوا جس نے محض اسلامی کتابیں پڑھ کر اسلام قبول کیا اور ۱۸۹۳عیسوی میں امریکا میں ایک اسلامی مشن قائم کیا۔ (امریکا میں تبلیغ اسلام کی یہ پہلی کوشش نہ تھی کیونکہ میتھوڈسٹ فرقے کا ایک پادری نارمن عیسائی مشنری کی حیثیت سے قسطنطنیہ گیا تھا اور وہاں ۱۸۷۵عیسوی میں مسلمان ہو گیا۔ امریکا میں واپس آ کر اس نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی)۔ اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت پریس بی ٹیرین فرقے کے عقاید کے مطابق ہوئی تھی مگر اس نے جلد ہی عیسائیت کو خیرباد کہا اور مادہ پرست بن گیا۔ اس کے بعد اس کو مشرقی مذاہب کی تحقیق کا شوق ہوا اور اسلام کی طرف خاص طور پر اس کا میلان خاطر ہو گیا۔ بمبئی کے ایک شخص بدرالدین عبداللہ کور سے اس کی خط و کتابت شروع ہوگئی جو تقریباً دو برس تک جاری رہی۔ اس زمانے میں مسٹر ویب جزائر فلپائن کے شہر منیلا میں امریکا کی طرف سے قونصل تھے۔ یہاں جدہ کے ایک دولت مند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوداگر حاجی عبداللہ عرب سے اس کی ملاقات ہوئی جس نے امریکا میں ایک مسلم مشن قائم کرنے کے لیے بھاری رقم دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد مسٹر ویب ہندوستان آئے اور یہاں کے بڑے بڑے شہروں میں، جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی، لیکچر دے کر نیویارک روانہ ہوگئے۔ انہوں نے یہاں ایک اسلامی مشن قائم کیا اور The Muslim world کے نام سے ایک رسالہ جاری کر کے اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔

انگلستان اور امریکا کی یہ دو تحریکیں وہ کوششیں ہیں جو زمانہ حال میں اسلام کی اشاعت کے لیے کی گئی ہیں۔ یہ تحریکیں اس لحاظ سے خاص توجہ کے لائق ہیں کہ ان کے ذریعے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ مہذب دنیا کے سامنے اسلام کو ایک قابل قبول صورت میں پیش کیا جائے۔ انگلستان اور امریکا میں جو اسلامی مشن جاری ہوئے ہیں، ان کو چلانے والے لوگ علمائے اسلام کی تصانیف کے وسیع ذخیرے سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان کو اسلام کا جس قدر علم ہے، وہ عموماً قرآن کریم کے تراجم سے ماخوذ ہے یا زمانہ حال کے ان مصنفوں کی وہ کتابیں ہیں جو اسلام کو عقل کے مطابق دکھاتے ہیں اور دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتے ہیں۔ ان نومسلموں نے اپنی عبادت میں بعض طریقے پروٹسٹنٹ فرقے کے اختیار کر لیے ہیں جیسے مناجات کا گانا اور انگریزی زبان میں نماز پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض ان اسلامی مشنوں میں اسلام پر اپنے طریقے سے عمل ہوتا ہے جو سب سے نرالا ہے۔ اس سے اسلام کی اس استعداد کا ثبوت ملتا ہے جس سے وہ اپنے تئیں مختلف خصائل اور ترقی کے مختلف درجوں کے لوگوں کے خاص مزاج کے مطابق بنالیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر سرتھامس واکر آرنلڈ

حیات اور کارنامے

از مترجم

تھامس واکر آرنلڈ، جن کی طالب علمی کے مراحل سے لے کر آخری لمحے تک پوری زندگی مطالعے اور تحقیق میں گزری اور جن کی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کے وسیع دائرے کا محور، اسلام، تاریخ اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت رہا ہے، ۱۹ اپریل ۱۸۶۴ء کو جنوبی انگلستان کے ایک بے حد خوش منظر قصبے ڈیوپورٹ (لندن سے ۳۰۰ میل دور) میں پیدا ہوئے۔ قدرتی مناظر اور ساحل سمندر کی دلکشی کے سبب یہ علاقہ فطری حسن سے مالا مال ہے۔ اسی ماحول نے آرنلڈ کو عمر بھر قدرتی مناظر کا دلدادہ بنائے رکھا۔

آرنلڈ نے ابتدائی تعلیم سٹی آف لندن اسکول میں پائی اور ۱۸۸۳ء میں میگڈالین کالج کیمبرج میں داخل ہو گئے۔ آپ نے ۱۸۸۶ء میں کیمبرج کا ٹرائی پوس کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۷ء میں اسی کالج کے آنریری فیلو منتخب ہوئے۔

۱۸۸۶ء میں علی گڑھ کالج کے قیام کے بعد سرسید کو اپنے ادارے کے لیے فاضل ترین اساتذہ کی تلاش ہوئی تو سر والٹر ریلے نے آرنلڈ کا نام تجویز کیا۔ آپ پہلے انگریز استاد تھے جنہوں نے مسلم علما کا لباس عبا اور عمامہ پہنا۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران ہی آپ نے ۱۸۹۶ء میں یہ شہرہ آفاق کتاب The Preaching of Islam لکھی۔

۱۸۹۸ء میں سرسید کا انتقال ہوا تو آرنلڈ علی گڑھ کی ملازمت کو چھوڑ کر انڈین ایجوکیشن سروس میں شامل ہو گئے۔ فروری ۱۸۹۸ء میں آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ فلسفہ کے صدر مقرر ہوئے۔ یہاں انہوں نے فلسفے کے مطالعے میں ہونہار طالب علم محمد اقبالؒ کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ آرنلڈ کی ذات سے محمد اقبال کو بے حد عقیدت تھی۔ آرنلڈ نے ۱۱ فروری ۱۸۹۸ء سے ۲۶ فروری ۱۹۰۴ء تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ لاہور میں ان کا مکان ٹیمپل روڈ (غالباً ۱۸ یا ۲۰) پر تھا۔ لاہور آنے کے بعد آرنلڈ کی شخصیت میں سادگی اور انکساری کے علاوہ فقر و درویشی کی شان نمایاں ہو گئی۔ ان کے حلقہ احباب میں انہیں صوفی (The Saint) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ قیام لاہور کے دوران انہوں نے مسلمانوں کے عقلیت پسند فرقے معتزلہ کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔

۲۶ فروری ۱۹۰۴ء کو جب آرنلڈ کو انگلستان طلب کر لیا گیا تو محمد اقبالؒ نے نالۂ فراق کے عنوان سے درج ذیل نظم لکھی جس سے نہ صرف جذبۂ عقیدت کا بھرپور اظہار ہوتا ہے بلکہ آرنلڈ کی انسانی عظمت کو پہچاننے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی مدد ملتی ہے۔ آرنلڈ کی ہندوستان سے روانگی کے ایک سال بعد محمد اقبال آرنلڈ ہی کی تحریک پر شراب علم کی لذت سے بہرہ مند ہونے کے لیے وطن کے نگار خانے کو چھوڑ کر انگلستان روانہ ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے آرنلڈ سے کیا گیا یہ وعدہ پورا کر دیا کہ توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو!

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں　　آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سر زمیں
آگیا آج اس صداقت کا مرے دل کو یقیں　　ظلمت شب سے ضیائے روز فرقت کم نہیں

"تا ز آغوش وداعش داغ حیرت چیدہ است
ہمچو شمع کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است"

کشتۂ عزلت ہوں، آبادی میں گھبراتا ہوں میں　　شہر سے سودا کی شدت میں نکل جاتا ہوں میں
یاد ایام سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں　　بہر تسکیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں

آنکھ گو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے
اجنبیت ہے مگر پیدا مری رفتار سے

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا　　آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا　　آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا؟

ابر رحمت دامن از گلزار من بر چید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم!　　تھی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم　　تیرے دم سے تھا یہاں سر میں بھی سودائے علم

"شور لیلی کو کہ باز آرائش سودا کند
خاک مجنوں را غبار خاطر صحرا کند"

کھول دیگا دست وحشت عقدۂ تقدیر کو　　توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیران تری تصویر کو　　کیا تسلی ہو مگر گرویدۂ تقریر کو؟

"تاب گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرنلڈ کا شمار ان ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے جن کا برصغیر کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ بے حد حساس فطرت رکھنے والے اس مہذب اور نابغہ روزگار استاد نے ہمیشہ اپنے طالب علموں کی بہترین رہنمائی کی۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک استاد کی حیثیت سے محمد اقبالؒ کی غیر معمولی استعداد اور ذہنی قوتوں کو بھانپ لیا اور محمد اقبالؒ کے دوست بن گئے، علمی کاوشوں میں ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی دماغی صلاحیتوں کو صیقل کرنے میں مدد دی اور وہ بھی وافر مقدار میں! اگر سیالکوٹ میں مولوی میر حسن نے محمد اقبالؒ پر مشرقی علوم کی دنیا اور فارسی، عربی اور اردو شاعری کے دروازے وا کیے تو لاہور میں آرنلڈ نے محمد اقبالؒ کے حصول علم کے عمل کو مہمیز دی اور انہیں مغربی فلسفے، ادب اور علوم انسانی میں مغرب کے گراں قدر کارناموں سے روشناس کرایا۔ ان دونوں دریافتوں کی وجہ سے محمد اقبالؒ کو مشرق و مغرب کے علوم پر کامل دسترس حاصل ہوگئی۔ وہ علم کے جویا تھے اور آرنلڈ کی رہنمائی سے جلد ہی روح کی نئی دریافت شدہ دنیا سے روشناس ہوگئے۔

آرنلڈ نے مختلف علمی ذرائع سے محمد اقبالؒ کی مدد کی اور اورینٹل کالج میں عربی کا ریڈر اور بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کا لیکچرار تعینات کرانے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آرنلڈ ہی تھے جنھوں نے محمد اقبالؒ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانے کی ترغیب دی تھی۔

۱۹۰۴ء کے لگ بھگ امیر عبدالرحمٰن نے آرنلڈ کو افغانستان آنے کی دعوت دی تا کہ وہ انگریزی کتابوں کا فارسی ترجمہ کرنے کے انچارج کے طور پر کام کریں لیکن آرنلڈ نے انڈیا آفس لائبریری لندن میں اسسٹنٹ لائبریرین کی حیثیت سے فرائض انجام دینے کو ترجیح دی کیونکہ وہاں عربی اور فارسی کی نایاب کتابوں کی موجودگی میں ریسرچ کے زیادہ مواقع موجود تھے۔

انڈیا آفس لائبریری میں ملازمت کے دوران آپ کو جن دو قابل ذکر شخصیات کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، ان میں ڈاکٹر ایف ڈبلیو ٹامس اور سر ولیم فاسٹر شامل تھے۔ ان کی مدد سے آرنلڈ نے لائبریری میں عربی اور فارسی کی جتنی کتابوں کا اضافہ کیا، وہ ایک ریکارڈ ہے۔ دو سال بعد انہیں یونیورسٹی کالج میں بطور عربی مدرس ملازمت کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے لائبریری ہی میں ملازمت جاری رکھی۔ ۱۹۲۰ء میں آرنلڈ لائبریری کی ۱۵ سالہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد لندن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ بعد کے دس برسوں میں انہوں نے تحقیق و تدوین کے بعض ایسے کام انجام دیے جو آج بھی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

آرنلڈ نے انڈیا آفس لائبریری کے عرصہ ملازمت میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے انگریز مدیر کی حیثیت سے مختلف مضامین لکھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا کے شعبہ اسلامیات کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی اپنا کام جاری رکھا۔ اس دوران وہ برٹش اکیڈمی کے فیلو بھی منتخب ہوگئے۔ ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گراں قدر علمی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۱۹۱۲ء میں Companion of the Order of the Indian Empire اور ۱۹۲۱ میں سر کا خطاب ملا۔

لائبریری سے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۲۱ء میں آپ نے Encyclopaedia of Religion and Ethics میں اسلام پر تین مقالے لکھے۔ انہوں نے Legacy of Islam کے علاوہ کئی قدیم وجدید کتابوں کی ترتیب وتدوین بھی کی۔ آرنلڈ نے مارون کی ضخیم کتاب Western Races and the world کے لیے ''یورپ اور اسلام'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ ۱۹۲۱ء ہی میں آپ نے لارنس بلینئن کے ساتھ مل کر Court Paintings of Grand Mughals لکھی۔ ۱۹۲۴ء میں آرنلڈ نے The Caliphate لکھی جس میں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر سلطنت عثمانیہ تک کی مکمل تاریخ درج ہے۔ ۱۹۲۴ء میں ہی آپ نے فن شناسی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے Painting in Islam لکھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو اور شہرہ آفاق کتابیں لکھیں جن میں The Islamic Book (1929) اور Bihzad and his Paintings in Zafar-Nama شامل ہیں۔ ظفرنامے کا یہ نسخہ بابر سے لے کر شاہ عالم ثانی تک مغل شہنشاہوں کے کتب خانے کی زینت رہا۔ اس نسخے کے ایک صفحے پر اکبراعظم کے دستخط ثبت ہیں۔ آرنلڈ نے جرمنی کی پراگ یونیورسٹی کے پروفیسر گرومن کی تصنیف میں اسلامی مصوری پر چار اور جلد سازی کے منفرد موضوع پر ایک باب قلمبند کیا۔

آرنلڈ کی ان کتابوں کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی مصوری خاص طور پر ایران اور مغلیہ دور کی مصوری ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ انہوں نے اسلامی مصوری کے موضوع کا جب انتخاب کیا، اس وقت دنیائے علم اسلامی مصوری سے پوری طرح روشناس نہیں تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آرنلڈ بنیادی طور پر مصور نہیں، ایک استاد، محقق اور مصنف تھے۔

آرنلڈ جسمانی لحاظ سے نہایت کمزور تھے لیکن وہ عمر بھر بہت کم بیمار رہے۔ زندگی کے آخری برسوں میں ڈاکٹروں نے انہیں آرام کرنے اور کم مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن آرنلڈ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زندگی کو ریسرچ اور علمی جدوجہد پر ترجیح نہیں دیں گے۔ چنانچہ کتابوں سے عشق ہی ان کی موت کا سبب بنا۔ ۹ جون ۱۹۳۰ء کو جب وہ لندن میں کرسی پر بیٹھ کر ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے تو ان کی حرکت قلب اچانک بند ہو گئی۔ سر تھیوڈور ماریسن اور پروفیسر گب نے آرنلڈ کی موت پر انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا:

''ہندوستان کی تاریخ میں ایسے انگریز شاذ ہی گزرے ہیں جنہیں اہل ہندوستان نے اتنی گرم جوشی کے ساتھ اپنے دل سے لگایا ہو جس قدر تھامس واکر آرنلڈ کو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Selected Bibliography

منتخب کتابیات

* A.C. d'. Ohsson, Histoire des Mongols: (Vols 1-4), Volumes 1-4, 1852.
* Aaron Hill, A full and just account of the present state of the Ottoman Empire in all its branches: with the government, and policy, religion, customs, and way of living of the Turks in general, 1710.
* Abu Yusuf, Book-Al-Kharaj, 1976.
* Adolf Bastian, Die Volker des ostlichen Asien: Studien und Reisen, 1867.
* Ahmad ibn Ali Maqrizi, A short history of the Copts and of their church, 1873.
* Ahmad ibn Muhammad Maqqari, Ibn al-Khahib, The history of the Mohammedan dynasties in Spain: extracted from the Nafhu-t-tíb min ghosni-l-Andalusi-r-rattib wa tárikh Lisánu-d-Dín Ibni-l-Khattíb, Volume 2, 1843.
* Al- Mas'udi, Charles Barbier de Meynard, Abel Pavet de Courteille, Les prairies d'or, Volume 3, 1864.
* Alexander Ross, André Du Ryer, 1688.
* Alfred C. Lyall, Asiatic Studies - Religious and Social, 2006.
* Alfred Le Châtelier, Les confréries musulmanes du Hedjaz, 1887.
* Alfred von Kremer, Culturgeschichte des Orients unter den Chalifen, Volume 2, 1877.
* Al-Idrisi, Description de l'Afrique et de l'Espagne, 1966.
* Andriessen (W. F.), De Islam in Nederlandsch Indie, 1889.
* Anonymus Cordubensis, Isidori Pacensis chronicon, 1862.
* Anthony Charles Cooke, Routes in Abyssinia, 1867.
* Arabische Quellenbeiträge zur Geschichte der Kreuzzüge, Reinhold Röhricht, Arabische quellenbeiträge zur geschichte der kreuzzüge,

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1879.

* Ármin Vámbéry, Geschichte Bochara's: oder Transoxaniens von den früheſten Zeiten bis auf die Gegenwart; nach orientalischen benützen und unbenützen handschriftlichen Geschichtsquellen, 1872.
* Arthur de Gobineau, Les religions et les philosophies dans l'Asie centrale, 1866.
* Augier Ghislen Busbecq, Omnia quæ extant, 1660.
* August Müller, Der Islam im Morgen- und Abendland, Volume 2, 1887.
* August Neander, General History of the Christian Religion and Church (1851), 1866.
* Aurelio Palmieri, Valentin Holzer, Die Polemik des Islam, 1902.
* Austin H. W. Haywood, Through Timbuctu and across the Great Sahara: an account of an adventurous journey of exploration from Sierra Leone to the source of the Niger, following its course to the bend at Gao and thence across the Great Sahara to Algiers; with 45 illustrations and a map, 1912.
* B. Haneberg, Das muslimische Kriegsrecht, 1871.
* Bartolomé Leonardo de Argensola, Conquista de las islas Malucas, 1891.

Pierre Arminjon, Étrangers et protégés dans l'Empire ottoman, 1903.

* Bataviaasch Genootschap van Kunsten en Wetenschappen, Verhandelingen van het Bataviaasch Genootschap der Kunsten en Wetenschappen, Part 56, 1907.
* Benedictus (Petroburgensis), Gesta regis Henrici Secundi Benedicti Abbatis: the chronicle of the reigns of Henry II. and Richard I.: A. D. 1169-1192; known commonly under the name of Benedict of Peterborough, 1867.
* C. A. Innes, F. B. Evans, Malabar and Anjengo, 1905.
* C. Poensen, P. J. Veth, Brieven over den Islam uit de binnenlanden

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

van Java, 1886.

* Carl Heinrich Becker, Materialien zur Kenntnis des Islam in Deutsch-Ostafrika, 1911.
* Carl Semper, Die Philippinen und ihre Bewohner, 1869.
* Carl Wilhelm Isenberg, Carl Immanuel Nitzsch, Abessinien und die evangelische Mission: Erlebnisse in Aegypten, auf und an dem Rother Meere, dem Meerbusen von Aden, und besonders in Abessinien--, Volumes 1-2, 1844.
* Charles M. Doughty, Travels in Arabia Desert, 2006.
* D. A. Forget, L'islam et le christianisme dans l'Afrique centrale, 1900.
* Daniele Farlati, Jacopo Coleti, Frane Bulic, Illyricum Sacrum: Ecclesia Ragusina cum suffraganeis, et ecclesia Rhiziniensis et Catharensis, 2004.
* David Chytraeus, Davidis Chytraei Oratio de statu ecclesiarum hoc tempore in Graecia, Asia, Boëmia, etc. Epistolae Constantinopolitanae et aliae circiter XXX ... De Russorum et Tartarorum religione ac pribus et veterum Borussorum sacrificiis et alia accesserunt. Adjuncta item epistola Constantinopolitana , 1583.
* David Jonathan East, Western Africa: its condition, and Christianity, the means of its recovery, 1844.
* David-Léon Cahun, Introduction à l'histoire de l'Asie: Turcs et Mongols, des origines à 1405, 1896.
* Der Patriarch Cyrillus Lucaris und seine Zeit, Geschichte des Protestantismus in der orientalischen Kirche im 17. Jahrhundert oder, 1862.
* Deutsche Morgenländische Gesellschaft, Zeitschrift der Deutschen Morgenländischen Gesellschaft: ZDMG, 1868
* Diomedes Kyriakos, Geschichte der orientalischen Kirchen von 1453-1898, 1902.
* E t. Dalton, Descriptive ethnology of Bengal, 1973.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- E. A. Wallis Budge, The Egyptian Sudan: Its History and Monuments Part Two, 2004.
- E. Bretschneider, Medieval researches from eastern Asiatic sources: fragments towards the knowledge of the geography and history of central and western Asia from the 13. to the 17. Century, 1888.
- Edouard Chavannes, Documents sur les Tou-Kiue (Turcs) Occidentaux, 1973.
- Edson Lyman Clark, The races of European Turkey, 1878.
- Eduard Rüppell, Reise in Abyssinien. Abbildungen. Lief. 1, 1838.
- Edw Gibbon, The history of the decline and fall of the Roman Empire: Ed. Variorum, 1874.
- Edward S. Creasy, History of the Ottoman Turks: From the Beginning of Their Empire to the Present Time, 2007.
- Edward William Lane, Manners and Customs of the Modern Egyptians, 2005.
- Edward Wilmot Blyden, Christianity, Islam and the Negro Race, 1994.
- Elias (of Nisibis), Friedrich Baethgen, Fragmente syrischer und arabischer historiker, 1884.
- Élie Allégret, E. Allégret. L'Islamisme en Afrique, Extrait de la 'Revue chrétienne, 1901.
- Elisée Reclus, Nouvelle Géographie Universelle, 1892.
- Emile Amélineau, Étude sur le Christianisme en Égypte au septième siécle, 1887.
- Eusèbe Renaudot, Historia patriarcharum Alexandrinorum Jacobitarum, 1713.
- Flaminio Cornaro, Creta sacra, 1971.
- Frederik Albert Liefrinck, Bijdrage tot de kennis van het eiland Bali, Part 32, 1889.
- G. P. Rouffaer, Het tijdperk van godsdienstovergang (1400-1600) in

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

den Maleischen archipel. Ie bijdrage : Wanneer is Madjapahit gevallen?, 1899.

* Gabriel Devéria, École des langues orientales vivantes, Origine de l'Islamisme en Chine: deux légendes musulmanes chinoises, pèlerinages de Ma Fou-tch'ou, 1895.
* Gairdner, The Reproach of Islam, 2010.
* Gaston Bonet-Maury, L'islamisme et le christianisme en Afrique, 1906.
* Gaultier de Leslie, Partie seconde de l'empire Ottoman (par Ricaut) ou l'Ambassade à la Porte Ottomane ordonné par Leopold I., 1672.
* Gazetteer of the Bombay Presidency, Volume 13, Issues 1-2, 1882.
* George Karel Niemann, Inleiding tot de kennis van den Islam: ook met betrekking tot den Indischen Archipel, 1861.
* Georges Perrot, L' Ile de Crete: Souvenirs de Voyage (1867), 2009.
* Georgina Mary Muir Mackenzie, Adeline Paulina Irby, Travels in the Slavonic provinces of Turkey-in-Europe, 1867.
* Georgius Dousa, Georgii Dousae, De itinere suo Constantinopolitano, epistola: Accesserunt veteres inscriptiones Byzantio [et] ex reliqua Græcia , 1599.
* Gerhard Cornelius Driesch, Historische Nachricht von der Röm. Kayserl. Groß-Botschafft nach Constantinopel, welche auf Befehl ... Carl des Sechsten ... der Graf Damian Hugo von Virmondt verrichtet. Worinnen ... Nachrichten von der Türken Polizey, Religion, griechischen Antiquitäten ... zu finden; dabei vieles mit den, 1723.
* Giuseppe Simone Assemani, Bibliotheca orientalis Clementino-vaticana: in qua manuscriptos codices syriacos, arabicos, persicos, turcicos, hebraicos, samaritanos, armenicos, aethiopicos, graecos, aegyptiacos, ibericos, & malabaricos, jussu et munificentia Clementis XI, pontificis maximi, ex Oriente, 1728.
* Guglielmo Massaja, I miei trentacinque anni di missione nell'alta

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Etiopia: memorie storiche, 1889.

* Gustav Friedrich Hertzberg, Geschichte der Byzantiner und des Osmanischen Reiches bis gegen Ende des sechszehnten Jahrhunderts, 1883.
* Gustav Weil, Geschichte der Chalifen: nach handschriftlichen, grösstentheils noch unbenutzten Quellen bearbeitet, 1846.
* H. k. w Kumm, Khont-hon-nofer, the lands of ethiopia, byh.k.w. kumm, 1910.
* H. R. Palmer, The Kano chronicle, 1908.
* handschriftlicher Quellen, Polemische und apologetische Literatur in arabischer Sprache, zwischen Muslimen, Christen und Juden, nebst Anhängen verwandten Inhalts: mit Benutzung , 1877.
* Hans Prutz, Kulturgeschichte der Kreuzzüge, 1964.
* Harold Idris Bell, Greek Papyri in the British Museum, 1917.
* Heinrich Bokemeyer, Die Molukken: Geschichte und Quallenmässige darstellung der Eroberung und Verwaltung der ostindischen Gewürzinseln durch die Niederländer, mit einem Anhange von bisher ungedruckten Aktenstücken, 1888.
* Heinrich Julius Klaproth, Aperçu des entreprises des Mongols en G?eorgie ET en, 1833.
* Henri Duveyrier, Société de géographie (France), La confrérie musulmane di Sîdi Mohammed ben 'Alî es-Senoûsî et son domaine géographique en l'année 1300 de l'hégire, 1883 de notre ère, 1884.
* Henri Fournel, Les Berbers, 1881.
* Henry Charles Lea, The Moriscos of Spain: their conversion and expulsion, 1901.
* Henry Fanshawe Tozer, A history of Greece from its conquest by the Romans to the present time, B.C. 146 to A.D. 1864, 1970.
* Henry H. Howorth, History of the Mongols: From the 9th to the 19th century: 4 parts, 1970.
* Henry Harris Jessup, The Mohammedan missionary problem. 1879.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* Henry Hart Milman, History of Latin Christianity: including that of the popes to the pontificate of Nicolas V., 1867.
* Henry Miers Elliot, The History of India, As Told by Its Own Historians: The Muhammadan Period, 2009.
* Henry Walter Bellew, The races of Afganistan being a brief account of the principal nations inhabiting that country, 2004.
* Ibn Batuta, C. Defrémery, B. R. Sanguinetti, Voyages d'Ibn Batoutah: texte arabe, 1926.
* Ibn Khallikan, Ibn Khallikan's biographical dictionary, Volume 3, Part 1, 1845.
* Ignaz Goldziher, Muhammedanische Studien, Volume 1, 1971.
* Institut voor taal-, land- en volkenkunde van Nederlandsch Indië, Bijdragen tot de taal-, land- en volkenkunde van Nederlandsch-Indië, 1868.
* Ioseph Georgarines, Henry Denton, A description of the present state of Samos, Nicaria, Patmos, and Mount Athos, 1678.
* Izz al-Din Ibn al-Athir, Carl Johan Tornberg, Ibn-el-Athiri chronicon: quod perfectissimum inscribitur, Volumes 7-8, 1865.
* J J de Hollander, R. van Eck, Handleiding bij de beoefening der Maleische taal en letterkunde, 1893.
* J. Hackett, A history of the Orthodox Church of Cyprus: from the coming of the Apostles Paul and Barnabas to the commencement of the British occupation (A.D. 45-A.D. 1878): together with some account of the Latin and other churches existing in the island, 1901.
* J. Wellhausen., Skizzen Und Vorarbeiten, 1885.
* Jacob Spon, George Wheler, Reisen durch Italien, 1713.
* Jacques de Vitry, Jacobi de Vitriaco,... Libri duo, quorum prior orientalis, sive hierosolymitanae: alter occidentalis historiae nomine inscribitur, 1597.
* Jakobos G. Pitzipios, L' eglise orientale, Volume 4, 1855.
* James Johnston (F.S.S.), Samuel Macauley Jackson, Report of the

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Centenary conference on the Protestant missions of the world: held in Exeter hall 1888, 1889.
Jan Frederik Gerrit Brumund, Bijdragen tot de kennis van het Hindoeïsme op Java, 1868.
Janos de Asboth, An official tour through Bosnia and Herzegovina, 1890.
Jean-Baptiste Grosier, De la Chine: ou Description générale de cet empire, rédigée d'aprés les mémoires de la mission de Pé-kin, Volume 7, 1820.
Jean-Baptiste Tavernier, John Phillips, The six voyages of John Baptista Tavernier: Baron of Aubonne; through Turky, into Persia and the East-Indies, for the space of forty years. Giving an account of the present state of those countries, viz. of the religion, government, customs, and commerce of every country; and the figures, weight, 1677.
João de Barros, Manoel Severim de Faria, Da Asia, 1973.
Johan Gerard Friedrich Riedel, De sluik- en kroesharige rassen tusschen Selebes en Papua,1886.
Johann Christian Moritz Laurent, Burchardus de Monte Sion, Peregrinatores medii aevi quatuor: Burchardus de Monte Sion, Ricoldus de Monte Crucis, Odoricus de Foro Julii, Wilbrandus de Oldenborg, 1864.
Johann Joseph Ignaz von Döllinger, Muhammad's Religion nach ihrer inneren Entwicklung und ihrem Einflusse auf das Leben der Völker: Eine historische Betrrachtung, 1838.
Johann Michael Wansleben, Histoire de l'église d'Alexandrie, 1677.
Johannes Hauri, Der Islam in seinem einfluss auf das leben seiner bekenner, 1882.
John Anderson, Chinese Mohammedans, 1872.
John Crawfurd, A descriptive dictionary of the Indian islands & adjacent countries, 1856.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* John Frederick Adolphus McNair, Perak and the Malays: -sarong- and "kris.", 1878.
* John Lewis Burckhardt, Travels in Nubia, 1822.
* Joseph de Guignes, Histoire générale des Huns, des Turcs, des Mogols, et des autres Tartares occidentaux, & c. avant et depuis Jésus-Christ jusqu'à présent: précédée d'une introduction contenant des tables chronol. & historiques des princes qui ont regné dans,l'Asie, Volume 4, 1758.
* Joseph Hammer-Purgstall, Geschichte des osmanischen Reiches: grossentheils aus bisher unbenützten Handschriften und Archiven, 1827.
* Joseph Pitton de Tournefort, A voyage into the Levantplates, 1741.
* Koninklijk instituut voor taal-, land- en volkenkunde, Reizen naar Nederlandsch Nieuw-Guinea, ondernomen op last der regeering van Nederlandsch-Indie in de jaren 1871, 1872, 1875-1876 door de heeren P. van der Crab [and others] met geschied- en aardrijkskundige toelichtingen door P.J.B.C. Robidé van der Aa, 1879.
* Leone Caetani Sermoneta , Annali dell'Islam: compilati da Leone Caetani, 1972.
* Louis Mas Latrie, Histoire de l'île de Chypre sous le règne des princes de la maison de Lusignan, Volume 3, 1855.
* Louis Olivier, La Bosnie et l'Herzégonvine, 1900.
* Louis Rinn, Marabouts et Khouan: Étude sur l'Islam en Algérie ; Avec une carte indiquant la marche la situation et l'importance des ordris religieux musulmans, 1884.
* Lucy M. J. Garnett, The Women of Turkey and their Folk-Lore by Lucy M. J. Garnett, 1891.
* Ludovic, de Contenson, Jul Lemaitre, Chrétiens et Musulmans: voyages et etudes, 1901.
* M. Nijhoff , Bijdragen tot de taal-, land- en volkenkunde van

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Nederlandsch-Indië, Volume 6, 1859.
* Mârî b. Sulaimân, Amr b. Matta, Maris Amri et Slibae de patriarchis Nestorianorum commentaria, 1899.
* Marshall Broomhall, Islam in China: a neglected problem, 1966.
* Martin Crusius, Turcograecia: libri 8, 1584.
* Martin Klamroth, Der Islam in Deutschostafrika, 1912.
* Martin von Baumgarten, Christoph Donauer, Awnsham Churchill , The travels of Martin Baumgarten ...: Through Egypt, Arabia, Palestine, and Syria, 1704.
* Maximilian Krieger, New-Guinea, 1899.
* Methods of mission work among Moslems: being those papers read at the First Missionary Conference on behalf of the Mohammedan world held at Cairo, April 4th-9th, 1906, and the discussions thereon, which by order of the Conference were not to be issued to the public, but were to be privately, 1906.
* Michel Le Quien, Oriens Christianus, quo exhibentur ecclesiae, 1740.
* Michele Amari, Storia dei Musulmani di Sicilia, 1868.
* Moritz Lüttke, Aegyptens neue Zeit: ein Beitrag zur Culturgeschichte des gegenwärtigen Jahrhunderts, sowie zur Charakteristik des Orients und des Islam, Volume 1, 1873.
* Moriz Friedrich Gmelin, Christensclaverei und renegatenthum unter den völkern des Islam, 1873.
* Muhammad Ibn Ishaq, Das Leben Mohammed's nach Mohammed ibn Ishak, Volumes 1-2, 1864.
* Muhammad Qasim Hindu Shah Astarabadi Firishtah, History of the rise of the Mahomedan power in India, 1829.
* N. Jadrinzew, Eduard Jul'evic Petri, Sibirien: geographische, ethnographische und historische Studien ; mit zahlreichen illustrationen, 1886.
* Nikolai Mikhailovich Karamzin, Histoire de l'empire de Russie,

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Volume 11, 1626.
* Oudh, William Charles Benett, Gazetteer of the Province of Oudh, Volume 3, 1877.
* P. D. (Pierre Daniël) Chantepie de la Saussaye, Lehrbuch der Religionsgeschichte, 1887.
* P. Joselian, A short History of the Georgian Church: Translated from the Russian of P. Joselian, 1866.
* Paul Constantin Meyer, Erforschungsgeschichte Und Staaten-Bildungen Des Westsudan Mit Bercksichtigung Seiner Historischen, 2009.
* Paul, The travels of Macarius, 1652-1660, 1971.Peter Businello, Historische Nachrichten von der Regierungsart, den Sitten und Gewohnheiten der osmanischen Monarchie, 1778.
* Peter Businello, Historische Nachrichten von der Regierungsart, den Sitten und Gewohnheiten der osmanischen Monarchie, 1778.
* Philipp Paulitschke, Dominik Kammel von Hardegger, Harar: Forschungsreise nach den Somâl und Gallaländern, Ost-Afrikas, 1888.
* Pierre Bertrand Bouche, Sept ans en Afrique Occidentale: La Côte des Esclaves et le Dahomey, 1885.
* Presbyterian Board of Publication and Sabbath-School Work, 1904.
* Rajputana, The Rajputana gazetteer, Volume 1, 1879.
* Reinhart Pieter Anne Dozy, Essai sur l'histoire de l'Islamisme, 1879.
* René Basset, Études sur l'histoire d'Éthiopie, 1882.
* Robert Pashley, Travels in Crete, Volume 2, 1837.
* Saint Eulogius , The Memoriale Sanctorum of Eulogius of Cordova: a translation with critical introduction, 1955.
* Samuel Marinus Zwemer, The Mohammedan world of to-day: being papers read at the First Missionary Conference on Behalf of the Mohammedan World held at Cairo April 4th-9th, 1906.
* Silvestre de Sacy, Hakem-Biamr-Allah, Exposé de la religion des

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Druzes, tiré des livres religieux de cette secte. Et précédé d'une introduction et de la vie du Khalife Hakem-Biamr-Allah, Volume 1, 1964.

* Sir Arthur Evans, Through Bosnia and the Herzegovina on foot during the insurrection, August and September 1875: with an historical view of Bosnia, and a glimpse at the Croats, Slavonians, and the ancient republic of Ragusa, 1877.
* Sir Bartle Frere, Eastern Africa as a field for missionary labour: four letters to His Grace, the Archbishop of Canterbury, 1874.
* Sir Henry Blount, A voyage into the Levant: a brief relation of a journey, lately performed by Master Henry Blunt ... from England by the way of Venice, into Dalmatia, Sclavonia, Bosna, Hungary, Macedonia, Thessaly, Thrace, Rhodes and Egypt, unto Gran Cairo : with particular observations concerning the moderne, 1638.
* Sir Henry Yule, Cathay and the way thither: being a collection of medieval notices of China, Issue 37, 1866.
* Sir Richard Francis Burton, Abeokuta and the Camaroons Mountains; An Exploration, 2009.
* Stephan Gerlach, Tage-Buch der von zween Römischen Käysern, Maximiliano und Rudolpho... an die Ottomannische Pforte zu Constantinopel abgefertigen, und durch den Hn: David Ungnad... vollbrachter Gesandtschafft... Herfür gegeben durch Samuelem Gerlachium, 1674.
* Thadée Gasztowtt, La Pologne et l'Islam: notes historiques, 1907.
* The journal of the Royal Geographical Society of London, Volumes 11-20, 1844.
* Theodor Menzel, Das Korps der Janitscharen, 1903.
* Thomas (Bishop of Marga), Thomas (bp. of Margâ), Sir Ernest Alfred Wallis Budge, The book of governors: the Historia monastica of Thomas, bishop of Marga, A. D. 840, edited from Syriac manuscripts in the British museum and other libraries, 1893.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* Thomas Forrest, A voyage to New Guinea, and the Moluccas, from Balambangan: including an account of Magindano, Sooloo, and other islands : and illustrated with thirty copperplates, performed in the Tartar galley, belonging to the ... East India Company, during the years 1774, 1775, and 1776 : to which is added, 1780.
* Thomas John Newbold, Political and statistical account of the British settlements in the Straits of Malacca: viz. Pinang, Malacca, and Singapore, with a history of the Malayan states on the peninsula of Malacca, 1839.
* Thomas Smith, Joseph Georgirenes, Remarks upon the manners, religion and government of the Turks: together with a survey of the seven churches of Asia, as they now lye in their ruines: and a brief description of Constantinople, 1678.
* Uthman ibn Siraj al-Din Juzjani, Henry George Raverty, Tabakat-i-Nasiri: a general history of the Muhammadan dynasties of Asia, including Hindustan, 1881.
* W. P. Groeneveldt, Notes on the Malay Archipelago and Malacca, 1876.
* W. Radloff, Aus Sibirien, 1884.
* Walter Chichele Plowden, Trevor Chichele Plowden, Travels in Abyssinia and the Galla country: with an account of a mission to Ras Ali in 1848, 1868.
* Walter Frederick Adeney, The Greek and Eastern Churches, 1908.
* Wassaf, Geschichte; Persisch herausgegeben und deutsch übersetzt von Hammer-Purgstall, 1856.
* Wilfrid Scawen Blunt, The future of Islam, 1975.
* William Ambrose Shedd, Islam and the Oriental Churches: their historic relations: students' lectures on Missions Princeton Theological Seminary 1902-1903.
* William Marsden, The history of Sumatra: containing an account of the government, laws, customs, and manners of the native

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

inhabitants, with a description of the natural productions, and a relation to the ancient political state of that island, 1811.

* William Martin Leake, Researches in Greece, 1814.
* William Winwood Reade, The African sketch-book, 1873.
* William Wright, A short history of Syriac literature, 1894.
* Yacoub Artin, England in the Sudan: By Yaconb Pasha Artin. Transl. from the French of the Author by George Robb, 1911.
* Zu Berlin. Seminar für Orientalische Sprachen, Mittheilungen des Seminars für Orientalische Sprachen an der Königlichen Friedrich Wilhelms-Universität zu Berlin, Volume 1, 1898.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاریہ

آبزرونٹ ۱۸۶

آدم ۲۰۵، ۲۱۵، ۲۵۲، ۲۶۱، ۲۸۴

آذربائیجان ۹۴، ۲۰۶

آرلی مینول ۱۲۲

آرتھوڈوکس ۷۸، ۸۰، ۸۹، ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۵۱، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰

آرمنجان ۱۵۱

آرمینیا ۱۰۳، ۱۰۴، ۲۱۶، ۲۲۲

آرو ۳۳۹

آرٹن ۱۱۶

آرڈوایم ایم ۱۰۸

آرٹرک ویرالس ۱۴۲

آریوس ۱۲۸، ۱۳۵، ۱۳۸

آسٹریا ۱۳۹، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۹۴، ۱۹۷

آنندا ۲۲۱، ۲۳۱

آئی اے ڈوزر ۶۴

الأخطل ۷۳

اباقاخان ۲۲۲، ۲۲۳

ابراہیم زربی ۳۲۴

ابراہیم علیہ السلام ۴۳، ۴۴، ۵۱

ابراہیم منصور ۴۱۳

ابن ابی اصیبعہ ۷۳

ابن ابی ذر ۲۹۷

ابن الاثیر ۷۴، ۱۳۰، ۲۱۳

ابن العربی ۶۶، ۹۴، ۹۵، ۹۶

ابن بطوطہ ۱۰۰، ۱۷۷، ۱۲۷، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۸۲، ۲۹۸، ۳۳۷، ۳۴۰

ابن جزلہ ۳۹۸

ابن حوقل ۳۲۳

ابن خردازبہ ۲۰۷

ابن خلدون ۱۳۴

ابن سلیم الاسوانی ۱۱۷، ۱۱۸

ابوالحسن مہیار ۲۰۷

ابوالغازی ۲۲۱

ابوسیفین ۷۷

ابوصالح ۷۷، ۱۱۲، ۳۸۶

ابوطالب ۲۷، ۳۲

ابوعبید البقری ۲۳۴

ابوعبیدہ ۶۶، ۷۱

ابوعلی قلندر ۲۶۸

ابوقیس بن صلت ۳۶

ابو یوسف بن اسحاق الکندی ۳۹۱، ۳۹۷، ۳۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالعباس احمد ۴۱۲
ابوالفرج ابن الجوزی ۸۳
ابوشامہ ۹۹
ابوعبداللہ محمد ۱۲۰
ابولجی ۱۹۵
اتونس بردن فیلسی ۱۶۱
اتھاناسیلس ۷۳، ۷۴، ۷۶
اجمیر ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۱، ۳۹۹
اجیلا ۱۳۷
احمد آباد ۲۶۲
احمد بن ادریس ۳۰۵
احمد بن عبداللہ ۳۹۸
احمد بن یحییٰ المرتضیٰ ۹۳
احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ ۸۳
احمد شیخو ۳۰۸
احمد کبیر ۲۶۷
احمد گراں ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۴
احمد مجدد ۳۷۷
ادریسی ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۳۰
ادل ۱۲۰، ۱۲۱، ۳۲۴
ارتداد ۶۰، ۹۴، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۳۰، ۱۴۸، ۱۶۹، ۲۳۸، ۲۶۴، ۳۸۵
ارسطو ۲۳۳
ارسلان ۲۴۰، ۲۴۱
ارسلان خان ۲۱۱
ارسینوس سوم ۱۹۴
ارغون خان ۲۲۰
ارگن سولا ۳۵۸
ارماتولی ۷۳
ارنسٹ رینان ۳۸۱، ۳۸۲
اریوسی ۱۳۵
ازدی ۶۶
اسپین ۱۶، ۸۸، ۱۱۳، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۰، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۳۸، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۸۶، ۴۰۷
اسد بن عبداللہ ۲۰۶
اسد علی خان ۲۶۳
اسلامی شریعت ۱۵۷، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۵، ۲۰۴، ۲۱۹، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۱، ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۸۷
اسلامی مشن ۴۱۶، ۴۱۷
اسماعیل بن عبداللہ ۲۹۵
اسماعیلی ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۷۶
اسٹرلنگ میکس ول ۱۴۸، ۱۷۵
اسکندر ثانی ۱۰۷
اسکندریہ ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۵، ۳۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسید بن حضیر ۳۵، ۳۶

اسیمانی ۸۵، ۹۱

اشانتی ۳۱۵

اشبیلیہ ۱۳۸، ۴۰۷

اشرف الدین ۲۱۸

اصطباغ ۲۱، ۱۱۰، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۷۰، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۱۶، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۳۴۱

اصطخری ۲۵۹، ۲۶۰

اصغر علی ۲۶۶

اصفہان ۱۷۰، ۳۳۷، ۳۸۵

افلاطون ۳۳۳

اگسٹ ملر ۹۱

البیرہ ۱۳۷

الجزائر ۱۶، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۷۶، ۳۱۱، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۵۵، ۳۶۳، ۳۸۶، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲

الحاد ۱۷، ۶۵، ۱۰۴، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۴۰۷

الحارث ۵۱

الحاکم (خلیفہ مصر) ۲۲، ۸۸، ۳۸۶

الحمرا ۱۳۲

السمعانی ۳۸۴

الفانسو ۱۴۲

الملل والنحل ۲۰۶

الموفق ۷۴

الوف ۳۲۷

الیگزینڈر رڈو ۲۴۹

الیگزینڈر روس ۱۶۲

امام احمد صمدو ۳۰۹

امام احمد بن حنبل ۸۳

امام حسینؓ ۸۶، ۲۰۵، ۳۱۶

امام شافعی ۶۸، ۳۷۶

امام شاہ ۲۶۲

امام مہدی ۲۰۸، ۳۱۶

امپل ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳

امریکا ۱۷، ۲۶۸، ۴۱۳، ۴۱۶

امریکن بائبل سوسائٹی ۳۳۳

اموی خاندان ۲۲، ۸۷

امیر تیمور ۱۰۶، ۱۹۴، ۲۴۵، ۲۷۶، ۲۸۴

امیر سنگھ ۲۶۸

امیر عبدالرحمٰن ۴۲۰

امیر غیبہ ۳۰۶

امیر وطس ۱۶۴

امیلیو ۱۱۱

امینز ۳۲۴

انتی واری ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انجمن حامی اسلام ۲۷۱، ۳۹۹
انجمن حمایت اسلام ۲۷۱، ۳۷۵، ۳۹۹
انجہ ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۵، ۳۴۶
انجیل ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۲۳۷، ۳۳۳، ۴۰۸، ۴۰۹
انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا ۴۲۰
انطاکیہ ۶۵، ۷۲، ۷۶، ۸۹، ۹۴، ۹۶، ۱۶۰
انوسینٹ چہارم ۱۳۴، ۲۱۶
انوسینٹ سوم ۱۳۴
انڈیا آفس لائبریری ۴۲۰
اوپل ۱۲۵
اوتار ۲۰۸، ۲۶۰، ۲۶۱
اودھ ۲۴۸، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶
اورنگ زیب ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۶۳، ۲۷۷
اوزبک خان ۲۳۲، ۲۳۳
اوس قبیلہ ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶
اوگتائی خان ۲۲۱
اوگتائی خاقان ۲۱۴، ۲۱۶
اٹلی ۳۴، ۹۴، ۱۳۰، ۱۶۱، ۱۸۷، ۱۹۱
اڈریانوپل ۱۴۹
اکبر بادشاہ ۲۶۳، ۲۷۷
اہرمن ۲۰۵
اہل بابل ۳۶۵
اہورامزدا ۲۰۵
ایبٹ سیمسن ۱۴۱
ایچ ایچ ہلمین ۸۹
ایچ سی بل ۲۵۷
ایچ فان مولک ۱۵۷
ایچ ہیمز ۷۰
ایدان ۳۵۹، ۳۶۰
ایران ۵۷، ۷۲، ۷۸، ۷۹، ۱۰۶، ۱۰۷، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۶، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۱، ۳۳۷، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۲۱
ایشیائے کوچک ۹۶، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۷۸، ۲۱۲، ۲۱۵
ایشیاٹک سٹڈیز ۲۴۶، ۲۵۱
ایلخانی خاندان ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۷
ایلیٹ ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۵۹، ۲۶۰
ایم بروزت جون ۱۰۷
ایم دہوسن ۱۵۴، ۱۷۷
ایمان مجمل ۴۱۴
اینتھروپولوجیکل سوسائٹی ۳۲۹
اینڈرسن ۲۸۹
ایڈریاٹک ۱۷۳
اے جے ایونز ۱۷۱
اے جے بٹلر ۷۷
اے ملر ۱۳۶
باکلی قوم ۳۱۲، ۳۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باتوخان ۲۱۵
باجہ ۱۱۹، ۱۴۰، ۱۴۱
بارسلونا ۱۷۶
بازنطینی ۵۸، ۶۰، ۶۳، ۶۴، ۶۶، ۷۰، ۷۷، ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۸، ۹۱، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۷۶، ۳۰۷
باسط ۱۲۰
باشقیر ۲۴۰
باقری ۳۷۷
بالوطس ۱۱۲
بانفویون ۲۸۷، ۲۸۸
البانیا ۷۲، ۷۳، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵
بایدوخان ۲۲۵، ۲۲۶
بپتسمہ ۲۱، ۶۱، ۷۶، ۱۲۵، ۳۲۵، ۴۱۵
بحراحمر ۴۹، ۳۲۴
بحرین ۹۴، ۳۱۶
بحیرہ ازوف ۱۰۸
بحیرہ اسود ۱۰۸
بحیرہ اوقیانوس ۱۲۶، ۳۲۹
بحیرہ ایجین ۱۴۹، ۱۵۰
بحیرہ ایڈریاٹک ۱۴۹، ۱۷۸
بحیرہ بیکال ۲۱۶
بحیرہ چاڈ ۳۰۰، ۳۰۱
بحیرہ کیسپین ۲۰۶
بخارا ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۹، ۲۸۱، ۳۷۲
بخت نصر ۲۱۴
بدھ مت ۲۲۱، ۳۴۹، ۳۸۵
بدرالدین عبداللہ ۴۱۶
براق خان ۲۲۷
بربر ۱۶، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۷۵
بربری قبائل ۱۳۲، ۱۳۳
برگنڈی ۱۲۷
بروینٹ ۱۰۶
برک ہارٹ ۶۳
برکہ خان ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۱
برہمن ۲۴۳، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۵
بشپ ایلی پندوس ۱۴۳
بشپ تھوڈور ۹۴
بشپ سپرین ۷۷
بشپ فیلکس ۱۴۳
بشپ لافرائے ۲۴۷، ۳۷۹، ۳۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصرہ ۷۷، ۹۲، ۳۱۸
بطریک ۹۲
بغداد ۱۲، ۷۷، ۹۳، ۹۴، ۱۰۴، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶، ۳۱۸، ۳۳۱، ۲۳۳۵
بقا حسین خان ۴۰۰
بلاذری ۲۶، ۶۷، ۷۲، ۸۶، ۹۴، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۵۸، ۲۵۹
حضرت بلالؓ ۲۸، ۴۲
بلبل شاہ ۲۷۶
بلتستان ۲۷۷
بلجیم ۳۷۷
بلخ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۳
بلغاری ۲۳۴
بلغاریا ۱۷۳، ۲۳۳، ۲۳۴
بلغراد ۱۹۴
بلقان ۱۹۲
بلگام ۲۵۸
بلند شہر ۲۴۵، ۲۴۸
بلنسیہ ۱۴۷
بمبئی ۲۶۱، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۱۶
بمبارا ۳۰۰
بمترا ۳۵۲
بندھیل کھنڈ ۲۷۳
بنگال ۲۶۳

بنوحساس ۳۳۱
بنوسعد بن بکر ۴۸
بنوعامر بن صعصعہ ۴۷، ۵۲
بنوغسان ۶۳
بنوقضاعہ ۶۰
بنوکلاب ۵۲
بنوقریظہ ۴۶
بنونمر ۶۰
بنی اسرائیل ۲۱۴، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۹۵
بوجیہ ۱۲۹، ۱۳۴
بودنیر ۱۶۲
بودو ۱۳۷، ۱۳۸
بورنیو ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰
بوزن ۲۲۸
بوسنیا ۱۷، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹
بوسوگا ۳۱۹
بوگومیل ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸
بومنڈنگ سری ۳۴۸
بونی فیس ۱۳۰، ۲۰۰
بوہرہ ۲۶۱، ۲۶۲
بٹک قوم ۳۳۱، ۳۴۳
بھکشو ۲۸۱
بہاالحق ملتانی ۲۶۶
بہاالدین ۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہار ۲۶۳

بہاول پور ۲۴۸، ۲۶۷، ۲۶۸

بہنسا ۱۱۷

بیان افریقا ۱۲۹

بیت المقدس ۳۹، ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۸۹، ۹۶، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۱۴، ۲۴۴، ۳۹۳،

بیجاپور ۲۵۷، ۲۵۸

بیلن ۶۸، ۸۷

بیلوس ۱۱۹

بیک ۱۲۴

پاپائے روم ۱۳۱

پاپوان ۳۶۹

پاپیے ۳۴۰

پالم بنگ ۳۴۳، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۹، ۳۶۸

پالیولوگی ۱۵۲

پامیری ۲۳۹

پانم بہن گری کسوما ۳۵۹

پاؤنڈ ۱۷۰

پاک پتن ۲۶۶

پچاجرن ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۴

پرلاک ۳۳۹، ۳۴۰

پروفیسر رائٹ ۷۴، ۵۹

پروفیسر زخاؤ ۴۰

پروفیسر شفیر ۲۷۹

پروفیسر نولدیکی ۴۰

پروٹسٹنٹ ۸۸، ۸۹، ۹۵، ۱۵۹، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۲۹۰، ۳۶۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۷

پریسٹر جان ۲۱۶

پشنگ ۳۷۶

پلاؤڈن ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴

پوپ جان دوازدہم ۲۳۳

پوپ لیونہم ۱۳۱

پوپ ہاڈرین ۱۴۰، ۱۴۱

پولینڈ ۱۵۰، ۱۶۰، ۲۳۶

پونانی ۲۵۶

پٹنہ ۲۶۹

پٹیالہ ۲۶۹، ۲۷۰

پکلر ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۰

پیر صدر الدین ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۷، ۲۷۶

پیزی پس سیکنڈے ۱۵۱

پین اسلامک تحریک ۳۹۰

پیکنگ ۲۲۱، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۱

تاتاری ۱۶، ۱۷، ۷۸، ۸۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۶، ۲۸۱، ۳۷۵، ۳۸۴

تاریخ البانیا ۱۸۰، ۱۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ باب عالی ۱۶۸
تاریخ رشیدی ۲۷۶
تاریخ ہندوستان ۲۴۹
تان گوت ۲۲۱
تانگ خاندان ۲۷۸، ۲۸۰
تاورنیر ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۳۸۵
تاکستان ۱۸۷
تبت ۴۳، ۱۴۱، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۳۸۵
تبدیل مذہب ۱۹، ۲۹، ۵۸، ۷۰، ۷۹، ۹۵، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۹، ۲۴۹، ۲۷۴، ۳۲۵، ۳۶۸، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۷، ۳۸۸، ۴۰۱، ۴۱۳
تبریز ۲۵۷، ۳۸۶
تبلیغ اسلام ۲۳، ۴۴، ۵۱، ۵۸، ۱۷۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۳۰۲، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۱، ۳۲۷، ۳۵۱، ۳۷۲، ۳۸۸، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۴، ۴۱۶
تبلیغی تحریک ۲۲۱، ۲۵۸، ۲۹۷، ۳۰۸، ۳۲۰، ۳۴۲، ۳۴۸، ۳۷۰، ۴۱۶
تجارتی تعلقات ۱۳۱، ۲۷۸، ۳۴۸، ۳۷۰، ۳۸۴
تجانی ۱۳۰، ۳۰۸
تجانیہ ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۰
تحفۃ الہند ۲۷۱
تراگاہ ۱۱۹
ترتلیان ۱۲۶
ترچناپولی ۲۵۴
ترناتے ۳۵۷، ۳۵۸
ترک عساکر ۱۷۳، ۱۹۴
ترکستان ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰
ترکی ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۴، ۱۹۹، ۲۰۲، ۳۲۴، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۶
تغلق ۲۴۶
تلمسان ۲۹۹
تلوک چند ۲۴۸
تماریام ۱۲۶
تمبکتو ۲۹۸، ۳۰۶
تنگان ۲۹۱
تنگل ۳۶۲
توقلق تیمور خان ۲۲۸، ۲۲۹
تورات ۱۳۸، ۳۷۴
تورچیکا ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۷۵، ۱۷۶
تورن فور ۱۵۷، ۱۷۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توزک ۲۴۵
تولوی ۲۱۵
تکلیس ۱۲۶
تھامس اسمتھ ۱۷۶،۱۶۹،۱۵۶،۱۵۵،۷۳
تھامس واکر آرنلڈ ۴۲۱،۴۲۰،۴۱۹،۴۱۸
تھوریس منڈ ۱۲۷
تھیوڈ سکلوس ۴۰۷،۱۳۸
تیان ۲۵۵
تیجانی ۱۳۳،۱۲۸
تید اقوم ۳۱۲
تید ور ۳۵۷،۳۵۶
تیمور خان ۲۲۸،۲۲۱
تیونس ۴۱۰،۳۰۱،۱۳۳،۱۳۱،۱۳۰
ٹامس اسمتھ ۱۶۲
ٹیپو سلطان ۲۵۵،۲۵۰،۲۴۹،۲۴۳،۲۲،۱۲
ٹیمپلر سینٹ النس ۹۸
ثمرات الفنون ۲۹۱،۲۸۹
جارجیا ۱۶۸،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۵،۱۰۴
جامعہ الازہر ۳۰۶
جان گورزی ۱۴۱،۱۴۰
جان ہیرس ۱۷۶،۱۷۵
جاویچ ۱۲۴
جبال ۲۰۶
جدہ ۴۱۶،۳۴۳،۳۴۲،۷۷
جراح بن عبداللہ ۹۱
جزائر غرب الہند ۱۷
جزائر فلپائن ۳۴۷، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸،۴۱۶
جزائر مالدیپ ۲۵۷،۲۵۶
جزائر مولکا ۳۶۹،۳۵۸،۳۵۷،۳۵۶،۳۵۵
جزیرہ کریٹ ۱۹۹،۱۵۰
جزیہ ۶۲،۶۱، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۸۶، ۹۱، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۷، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۱، ۲۰۴، ۲۴۷، ۳۰۹، ۳۸۳، ۳۹۵، ۴۰۶
جسٹینین ۱۰۹،۸۱
جلال الدین ۳۵۶
جلال الدین تبریزی ۲۶۳
جلال الدین محمد شاہ ۲۶۳
جمادی الکبریٰ ۳۵۰
جمعۃ الوداع ۳۸۲
جنوبی آسام ۲۶۸
جنہ ۲۹۸
جنیوا ۱۶۷،۱۶۵،۱۶۴
جوچی ۲۴۳،۲۱۵
جوچی خان ۲۸۴
جواہر فریدی ۲۶۶
جوزف جارجیرین ۱۵۷
جوزف فان ہمیر ۱۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جوزف ماریابونالڈو ۱۸۹

جوسلین ۱۰۵،۱۰۶،۱۰۷

جھیل چاڈ ۳۷۵

جہاد ۵۸، ۱۹۶، ۲۱۱، ۲۴۵، ۳۰۷، ۳۰۹،
۳۱۰، ۳۲۶، ۳۴۳، ۳۴۹، ۳۸۰،
۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۶

جہینہ ۴۹، ۱۱۷

جیارجی دائز ۱۶۲

جیمز دوم ۳۷۵

جیمز فری مین کلارک ۷۹

جیکب مانویل منوپو ۳۶۴

جیکب منوپو ۳۶۳

جے ایچ کروز ۱۶۳

جے اے بینز ۲۴۴

جے سی رابرٹسن ۶۴

جے لابورٹ ۷۸

جے مورگن ۱۳۲

چارلس پنجم ۱۳۴

چارلس دوازدہم ۱۹۸

چارلس دوم ۱۷۲

چارلس رابرٹ ۱۹۳

چرمس ۲۴۰، ۲۴۱

چرکسی ۱۰۷، ۱۰۸

چغتائی ۲۱۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰

چغتائی نسل ۲۲۸

چنگیز خان ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۳۲،
۲۴۲، ۲۸۴

چواش ۲۴۱

چٹاگانگ ۲۶۳

چھتری ۲۷۵

چیرومن ۲۵۶

چین ۱۷، ۷۸، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱،
۲۶۰، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰،
۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷،
۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۲۹،
۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۹،
۳۶۰، ۳۶۱

حاجی علی ۳۶۵

حاجی عمر ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰

حاجی محمد ۲۶۸

حباب ۱۲۳

حبشہ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۵، ۳۷، ۴۰، ۴۲، ۱۱۶،
۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴،
۱۲۵، ۲۹۳، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴،
۳۷۵، ۴۰۲

حج ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۸، ۲۹۵،
۳۰۲، ۳۰۸، ۳۱۸، ۳۲۵، ۳۳۲،
۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۷۱،
۳۷۹، ۳۸۰

حسن الدین ۳۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن بن علی ۲۰۶
حسن کبیر الدین ۲۶۷
حضرموت ۳۲۴
حضرت ابوبکرؓ ۲۶، ۲۸
حضرت ارقمؓ ۲۸
حضرت جعفرؓ ۲۸۰
حضرت حمزہؓ ۲۷
حضرت خدیجہؓ ۲۵، ۳۲
حضرت سلمانؓ ۴۲
حضرت عثمانؓ ۲۶، ۱۱۰، ۲۷۹، ۳۰۴
حضرت علیؓ ۲۶، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۳۷۶
حضرت محمد ﷺ ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۴، ۲۸، ۳۴، ۳۹،
۴۳، ۴۵، ۴۶، ۵۳، ۸۱، ۱۱۰، ۱۱۲،
۱۱۸، ۱۴۳، ۱۸۱، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۵۲،
۲۶۱، ۲۸۴، ۳۴۴، ۳۸۲، ۳۸۹، ۳۹۴
حضرت مریم ۷۶، ۱۸۵، ۲۱۴
حضرت موسیٰ ۵۱، ۱۱۸، ۲۸۴، ۳۳۱، ۳۷۴
حفص بن الولید ۱۱۱
حمیر ۵۱
حیدر علی ۲۴۳، ۲۴۹، ۲۵۵
خالد بن الولید ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۲۱۲
خانہ کعبہ ۴۹
ختنہ ۱۰۱، ۱۴۱، ۱۶۸، ۲۲۹، ۲۵۰، ۳۷۵،
۳۸۰
خراج ۱۶، ۶۹، ۷۰، ۷۲، ۷۸، ۸۹، ۹۱،
۱۰۳، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۴۷،
۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷،
۱۵۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۳، ۲۰۴،
۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۶، ۲۸۰، ۳۴۰،
۳۸۹، ۴۲۱
خراسان ۹۰، ۹۱، ۹۵، ۲۰۶، ۲۵۵، ۲۵۴،
۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۴
خرطوم ۱۱۶، ۳۷۵
خزینۃ الاصفیا ۳۷۶
خسرو دوم ۲۰۴
خطابات اودھ ۲۴۸
خلافت بغداد ۲۵۹
خلجی ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۶۳
خلقدونہ ۱۱۵
خلیج ارتا ۱۷۸
خلیج سیام ۳۴۹
خلیج عدن ۳۱۷
خلیج فارس ۲۷۸، ۳۱۶، ۳۱۷
خلیفہ الامر ۸۴
خلیفہ السفاح ۱۱۱
خلیفہ المامون ۷۷، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۹۳، ۲۱۲، ۳۳۱
خلیفہ المتوکل ۲۲، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۳۸۴
خلیفہ المقتدر ۸۴، ۸۶، ۸۷، ۲۳۴، ۳۸۶
خلیفہ المنصور ۸۴، ۸۷، ۲۸۰
خلیفہ المہدی ۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ الولید ۷۶

خلیفہ حسین ۳۵۱

خلیفہ عبدالملک ۷۳، ۷۶، ۲۷۹، ۲۹۴

خلیفہ عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز ۷۶، ۹۱، ۱۱۰، ۲۰۹، ۳۸۸

خلیفہ معتصم ۷۳، ۱۱۶، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۵۹

خلیفہ مہدی ۶۱، ۹۲

خلیفہ ہشام ۲۰۹، ۲۷۹، ۳۱۶

خواجہ ابوالنصر ۲۱۰

خواجہ معین الدین چشتی ۲۲، ۲۶۶

خوارزم ۱۰۳، ۲۱۰

خیوا ۲۱۰، ۲۳۷

داتا گنج بخش ۲۶۶

داتو ملا حسین ۳۵۷

دارفور ۳۰۱

دارالعوام ۳۱۴

داغستان ۱۰۷

داکم ۳۵۹

دامیل ۳۲۶

درویش علی ۳۹۸

دریائے جیحوں ۲۱۱، ۲۷۹

دریائے گیمبیا ۳۰۲

دریائے نائجر ۳۱۲

دریائے نیل ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۳۰۵، ۳۱۸

دریائے ڈینیوب ۱۴۹، ۱۹۴، ۳۷۶

دس اوتار ۲۶۰

دمشق ۶۶، ۷۳، ۷۵، ۸۳، ۱۳۰، ۲۱۷

دون انتونیو گلوانو ۳۶۱

دوبالد ۲۸۸

دوسا ۱۶۲

دکن ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۷، ۳۳۷، ۴۰۰

دہلی ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۱، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳۸۲، ۴۰۰

دی ٹائمز ۲۵۰، ۲۶۵

دیوکلیشین ۱۱۱

ڈاؤنی ۳۲۲، ۳۷۷، ۳۸۰

ڈالر ۱۵۶

ڈاکٹر اینڈریو واٹسن ۱۱۳

ڈاکٹر بلائیڈن ۳۳۳

ڈبلیو ایم لیک ۱۵۹، ۱۸۲

ڈبلیو جی پال گریو ۶۳

ڈبلیو ڈیٹن ۱۵۸

ڈبلیو ہیورتھ ڈکسن ۲۳۹

ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی ۳۶۴

ڈل رمپل ۳۵۹

ڈوزی ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۶

ڈولنگر ۵۷

ڈی جوج ۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈی لاجون ۷۳

ڈی لاجان کر ۱۵۸، ۱۹۴

ڈی میکنزی ویلس ۲۲۸، ۲۳۹

ڈیوڈ کیٹریوس ۱۵۵

راجا سلطان منصور ۳۵۶

راجا سلیمان شاہ ۳۴۵

راجا سید ھاراج ۲۶۱

راجا محمد شاہ ۳۴۵

راجا معظم شاہ ۳۴۵

راجا ہردت ۲۴۵، ۲۴۶

رادن پاکو ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲

رادن پتہ ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳

رادن رحمت ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲

راس علی ۱۲۴

راموسیو ۱۱۹، ۱۲۳

راہب برکارڈ ۱۰۲

رباط ۲۹۶

رشید رضا ۳۹۹

رشید الدین ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۲۹

رملہ ۳۸۶

رناڈو ۷۹

رنوبد ۱۰۹

روبل ۱۲۳

روس ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۶۰، ۲۱۶، ۲۲۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷،

۲۲۸، ۲۳۹، ۲۷۶، ۳۹۹

رومانی قوم ۱۷۱

رویا یوحنا ۱۳۱

ریمنڈ سوم ۹۹

ریکانٹ ۱۷۲

ریکلس ۱۲۴، ۱۲۵

ریکو ۱۶۲، ۱۶۴،

ریکولدوس ۳۸۸

زاروچ رستم ۱۰۷

زاروچ قسطنطین ۱۰۷

زبیر بن العوام ۲۶

زرتشتی مذہب ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶

زمورن ۲۵۳، ۲۵۴

زمیوخ ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱

زنجبار ۱۷

زیاد بن یحییٰ ۳۹۸

زید ۲۶

زید بن ابی ۷۰

زید بن علی ۳۱۶

زیریں نوبہ کے گرجے ۱۱۹

زین الدین ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۵

زین العابدین ۳۴۸، ۳۶۹

سائبیریا ۱۷، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۲

ساتوق بغراخان ۲۱۰

سادات ۲۶۵، ۲۷۶، ۳۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساسانی ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۷۹
ساسک ۳۶۵، ۳۶۶
سالونیکا ۱۷۱
سامری ۳۰۸، ۳۱۰
سانسوودینو ۱۵۶، ۱۶۳
ساوتھینو ۱۲۵
ساویروس ۱۱۳
سبکتگین ۲۱۲
سپرینگر ۵۳
سجستان ۲۰۶، ۲۶۶
سرآرنلڈی لائل ۲۵۱
سرجینس ۷۷
سرڈبلیوڈبلیو، ہنٹر ۲۵۰، ۲۶۴، ۲۶۵
سربارٹل فریر ۳۲۹
سربیا ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۹۲
سرل لوکارس ۱۶۴
سرنگاپٹم ۲۵۰
سرویا ۱۴۹، ۱۵۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵،
۱۹۶
سرویا قدیم ۱۹۴
سرہیزی لیئرڈ ۶۳
سری پادوکہ سلطان ۳۳۹
سرین ۱۲۷
سسلی ۱۰۰، ۳۱۰
سفرنامہ ایشیائے کوچک ۱۵۹
سفرنامہ ایتھنز ۱۵۵
سقوطری ۷۳، ۱۸۵، ۱۸۷
سلمرتال ۸۹
سلجوق ۱۶، ۹۶، ۱۰۴، ۱۴۹، ۲۱۲
سلجوقی ۹۶، ۱۰۴، ۱۴۹، ۲۱۲
سلطان ابراہیم ۳۸۷
سلطان احمد شنورازہ ۲۵۶
سلطان ارسلان ۹۶
سلطان اورخان ۱۵۳، ۱۵۴
سلطان باتجن ۳۶۹
سلطان بایزید ۱۴۹، ۱۹۲
سلطان بیبرس ۲۱۷
سلطان ترکی ۱۶۱، ۲۰۲
سلطان حسن ۳۱۷
سلطان رکن الدین بیبرس ۲۲۲
سلطان سکندر ۲۷۶
سلطان عبداللہ ۳۰۱
سلطان محمد ثانی ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۷۸، ۱۹۷
سلطان محمد چہارم ۱۶۸
سلطان مراد ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۵
سلہٹ ۲۶۸
سلیسیا ۱۰۳
سلیم اول ۸۸
سلیمان ثانی ۱۵۰
سمانی خاندان ۲۰۶، ۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساٹرا ۱۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۹، ۳۵۴، ۳۵۹

سماوا ۳۶۵

ست کیتہ ۱۶۸

سدرا ۳۳۷،۳۳۹،۳۴۰

سمرقند ۲۰۹،۲۱۸،۲۷۹،۲۸۵

سمسم ۳۴۶

سنار ۱۱۷،۱۱۹،۱۲۱

سنسکرت ۳۳۹

سنگاپور ۳۴۳،۳۶۳

سنگای ۲۹۷

سنوسیہ ۳۱۱

سواد اعظم ۲۷۱

سواحل بحر کا عمومی بیان ۳۴۹

سوان سنگ ۲۷۹

سوبہ ۱۱۶

سوچنگ ۲۷۷

سورہ الفتح ۲۰

سورہ النور ۵۵

سورہ احقاف ۴۳

سورہ آل عمران ۱۸، ۴۴، ۵۵، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۶، ۴۰۳

سورہ الانبیا ۴۱

سورہ الانعام ۴۳، ۲۲۳

سورہ البقرہ ۲۰،۴۳،۴۰۳

سورہ البینہ ۱۵

سورہ الجاثیہ ۹۱

سورہ الحج ۱۸،۲۰،۴۴،۵۶،۴۰۴

سورہ الحجرات ۵۶،۴۰۴

سورہ الزخرف ۴۰

سورہ الزمر ۴۰

سورہ الشعرا ۳۵۴

سورہ الشوریٰ ۱۸،۲۰

سورہ القصف ۴۱

سورہ العنکبوت ۲۰،۴۰۲

سورہ المزمل ۱۹

سورہ الممتحنہ ۴۰۴

سورہ المومنون ۵۵

سورہ النحل ۱۹،۴۱،۴۲،۴۳،۳۷۴،۳۸۱،۴۰۲

سورہ النسا ۴۴

سورہ النور ۲۰

سورہ انفال ۱۵۴

سورہ تغابن ۲۰

سورہ حم ۴۰

سورہ سبا ۲۰،۴۱

سورہ طٰہ ۳۳۱

سورہ مریم ۴۰،۲۱۴

سورہ نوح ۳۲

سورہ یٰسین ۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سورہ یونس ۲۰،۴۳،۳۸۴
سوسنگ ۲۸۰
سوسنی ۴۱۲
سولو ۳۵۹،۳۶۷،۳۶۸
سونگھائی ۲۹۸،۳۰۱
سوڈان ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸،۳۱۱،۳۱۲،۳۱۳،۳۲۸،۳۳۲، ۳۳۳،۳۳۴،۳۷۵،۳۹۹
سوکوٹو ۳۰۴
سکدانا ۳۵۹
سیالکوٹ ۴۲۰
سیبی مانیہ ۱۴۳
سید ابراہیم شہید ۲۵۴
سید اجل ۲۸۱،۲۸۲
سید جلال الدین ۲۶۷
سید سلیمان ۲۸۹،۲۹۱،۲۹۲
سید علی ہمدانی ۲۷۶
سید محمد گیسو دراز ۲۵۸
سید نثار شاہ ۲۵۴
سید یوسف الدین ۲۶۰
سیدہ نفیسہ ۳۷۶
سیرالیون ۱۷،۳۱۴
سیستان ۲۵۵
سیلیبز ۳۶۰
سیلون ۲۵۴،۲۷۸
سینٹ آگسٹین ۱۲۶
سینٹ انتھونی ۱۱۲
سینٹ سپریان ۱۲۶
سینٹ لوئیس ۲۴،۱۰۰،۲۱۶،۲۲۲
سینیگال ۲۹۶
سیون ۱۷۰
سیویروس ۷۶،۱۰۹
شارلیمن ۱۴۰،۱۴۳
شام ۱۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۷۱، ۸۰، ۸۹، ۹۶، ۱۱۳، ۱۳۹، ۱۷۳، ۱۹۶، ۲۷۸
شامانی مذہب ۲۱۵،۲۳۲،۲۳۶،۲۳۷
شاہ ارغون جبر ۲۲۲
شاہ الحامد ۲۵۵
شاہ تھیوڈور ۱۲۴
شاہ جان ۱۲۴،۱۲۵
شاہ جہان ۳۳۹
شاہ جہاں ۲۶۷
شاہ راڈرک ۱۴۱
شاہ رخ بہادر ۲۵۴،۲۸۲،۲۸۴
شاہ سیف ارعاد ۱۲۰
شاہ لوئیس ۱۳۷،۱۴۰
شاہ محمد صادق سرمست حسینی ۲۵۸
شراب خوری ۱۸۴،۲۹۰،۲۹۵،۳۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرح الملل والنحل ۹۴
شریف الرضا ۲۰۷
شلٹ برجر ۱۷۴
شمس الدین ۲۷۶
شواکا ۱۳۵
شومین ۴۱۳
شہاب الدین سہروردی ۲۶۵، ۲۶۶
شہنشاہ جہانگیر ۳۷۷
شہنشاہ شارلیمین ۱۲
شہنشاہ یوستنین ۴۸
شیخ اسماعیل ۲۶۵، ۳۳۹، ۳۴۰
شیخ الجبل ۲۶۱
شیخ جمال الدین ۲۲۸
شیخ سنوسی ۳۱۱
شیخ شرف بن مالک ۲۵۲
شیخ عبداللہ ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶
شیخ منصور ۳۵۶
شیخ یوسف شمس الدین ۲۵۷
شیراز ۳۱۷، ۳۳۷
شیفر ۱۱۴، ۲۸۵
شیفلر ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۸
شیل برجر ۱۶۲
شیو ۲۶۱، ۳۵۴
صادق محمد ۳۴۸
صحرائے اعظم ۱۲۷، ۱۳۳
صحرائے نومیڈیا ۱۲۹
صدرالدین ۲۷۶
صغد ۲۰۶
صفاری خاندان ۲۱۲
صقلیہ ۲۲۲، ۴۱۰
صلاح الدین ۹۸، ۹۹، ۱۱۴، ۱۳۰، ۳۸۵، ۳۸۹
صلح حدیبیہ ۴۹
صومالیہ ۳۱۱، ۳۲۴
صہیب ۳۸، ۳۹، ۴۲
ضحاک بن سفیان ۵۲
ضمام بن ثعلبہ ۴۸
طائف ۳۲، ۵۰
طارق ۲۹۴
طبرستان ۲۰۶
طبری ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۷، ۷۱، ۷۲، ۷۶،
۷۹، ۲۰۹
طبقات ابن سعد ۴۳، ۴۹، ۵۲، ۱۱۰
طبقات ناصری ۲۱۸، ۲۱۹
طرابلس ۹۹، ۱۲۷، ۱۲۹، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۲۸
طفیل بن عمرو ۴۹، ۵۰
عباس ثانی صفوی ۳۸۵
عباسی عہد ۲۰۷
عبدالرحمٰن ۲۵۴
عبدالمومن ۱۳۰، ۱۳۱
عبدالرحمٰن بن عوف ۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالعزیز (موسیٰ بن نصیر کے بیٹے) ۱۴۱
عبدالعزیز (مصر کے گورنر) ۷۳، ۷۶
عبدالقادر ۳۲۶
عبدالقادر جیلانی ۲۵۸، ۲۶۰، ۳۰۶، ۳۰۷
عبداللہ ابن مسعود ۲۸
عبداللہ بن اسماعیل الہاشمی ۹۲، ۳۹۱، ۳۹۵، ۳۹۷
عبداللہ بن عبداللہ ۳۹۸، ۴۰۷
عبداللہ بن میمون ۲۰۷، ۲۰۸
عبداللہ بن یاسین ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۸
عبداللہ عرب ۴۱۷
عثمان بن منقذ ۹۸
عثمانی قانون ۱۵۶
عجائب الہند ۳۱۷، ۳۱۸
عراق ۶۰، ۷۴، ۷۶، ۸۹، ۲۰۶، ۲۵۱،
۲۶۸، ۲۷۶، ۲۸۴، ۳۱۱
عرب فقیہہ ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲
عروہ بن مسعود ۵۰
عشر ۹۱، ۱۲۵، ۱۵۷، ۱۶۰
عضد اللہ ۷۴
عقبہ ۳۵، ۳۷
عقیدے کا اقرار ۱۶۵
علوی خاندان ۲۰۶
علی پاشا ۱۸۰
علی گڑھ کالج ۴۱۸
علی مغیث شاہ ۳۳۹
عمان ۳۱۷، ۳۱۸
عمر بن عبدالعزیز ۲۰۹
عمر شمس الدین ۲۸۱
عمرو بن مطانی ۹۲
عمرو بن العاص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳
عمرو بن مرہ ۴۹
عہد نامہ جدید ۱۴۱
عید الاضحیٰ ۳۸۰
عید الفطر ۲۷۰
عیسیٰ ابن مریم ۴۲، ۵۱، ۶۴، ۶۵، ۷۹، ۸۰، ۹۲،
۱۱۸، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۹۸، ۲۱۸، ۳۰۸،
۴۱۰
غازان خان ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۸۴، ۳۸۵
غرناطہ ۱۶، ۱۳۲، ۱۴۸
غزنی ۲۶۶
غلام سرور ۳۷۶، ۳۷۷
فارس ۲۱، ۲۶، ۴۰، ۴۲، ۵۷، ۵۸، ۷۴،
۷۸، ۹۰، ۹۴، ۱۷۸، ۲۰۵، ۲۰۶،
۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۰،
۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۶
فارقلیط ۲۰۸، ۴۰۸، ۴۰۹
فاس ۳۲۸
فاطمیہ ۷۷، ۳۰۰
فان رانکے ۱۱۰
فان ڈریش ۱۷۵، ۱۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فان کریم ۴۵، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۹، ۸۳، ۸۹، ۹۰
فتوح الشام ۶۶
فخرالدین زنجانی ۲۶۶
فخرالدین ۲۵۵
فرانس ۸۸، ۹۶، ۱۰۰، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳، ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۶۸، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۳۴، ۳۸۱، ۴۱۲، ۴۱۳
فرانسسکن ۱۸۶، ۱۸۷
فرح علی ۱۰۸
فرشتہ ۲۲۷، ۲۳۹، ۲۶۳، ۲۷۶
فرڈی ننڈ ۸۸، ۱۳۵، ۱۴۴
فریدالدین ۲۶۶، ۲۷۷
الفزازی ۲۹۹
فغفور ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۹۲، ۳۳۹
فلپ ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۲۷
فلسطین ۹۶، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۳، ۳۸۶
فلورن ۳۷۰، ۳۷۱
فنلے ۷۲، ۸۰، ۱۰۴، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۳
فونتہ جلون ۳۰۸
فولے ۲۰۲، ۲۰۳
فوج ۱۱۷، ۱۱۹، ۳۱۳
فیرفان ہائمن ڈورف ۱۰۱
فیروز شاہ تغلق ۲۴۷
فیض ۳۰۶
فیلوزینس ۹۴
قابوسی خاندان ۲۰۶
قادر حسین خان ۲۵۵
قادریہ ۱۳۲، ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰
قادسیہ کی جنگ ۵۹
قازان ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۲، ۳۷۵
قاسم ۲۰۱
قاضی ابویوسف ۶۹، ۷۱، ۷۲
قاضی الفاضل عبدالرحیم بن علی ۳۸۵
قاہرہ ۷۶، ۷۷، ۸۴، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۷، ۲۲۲، ۲۸۴، ۲۹۹، ۳۰۶، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۷۶، ۳۹۹
قبرص ۹۴، ۱۱۵، ۱۵۱
قبطی ۷۷، ۸۲، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۳۸۸
قبیلہ بورن ۳۷۵
قبیلہ خزرج ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۸
قتیبہ ۲۰۷، ۲۷۹
قدر خان ۲۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم مومنین ۱۶۰
قراخطائی ۲۱۱
قراقرم ۲۱۱
قرآن مجید ۳۱، ۳۶، ۳۸، ۷۳، ۱۴۷، ۲۲۲، ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۲۲، ۳۷۸، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۹۸، ۴۱۶
قربانی ۱۳۹، ۳۹۳
قرطبہ ۱۶، ۱۳۹، ۱۳۵
قرغیز ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۲
قرقار ۱۶۸
قسطنطنیہ ۷۳، ۸۱، ۹۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۲۲، ۲۳۵، ۳۲۴، ۳۹۹، ۴۱۳، ۴۱۶
قطلونیہ ۴۰۸
قوبلائی خان ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۸۱، ۲۸۲
قیروان ۱۳۰
قیصر روم ہرقل ۴۰، ۶۰، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۷۱
کابل ۲۱۲، ۲۵۹
کاحیت ۱۰۷
کارتھیج ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱
کارنیلیس منوپو ۳۶۴
کاشغر ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۸۶
کافا ۱۳۵
کاگوٹ ۱۳۰
کالی کٹ ۲۵۳، ۲۵۴
کانپور ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۶۸، ۲۷۴
کانسو ۲۲۱، ۲۸۵، ۲۹۱
کانم ۳۰۰
کانو ۲۹۹
کانوکرانیکل ۲۹۹
کانٹن ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۹۱، ۳۳۶
کتاب الخراج ۶۹، ۷۰
کتاب الفہرست ۹۴، ۲۰۷
کچھ ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲
کرتھلی ۱۰۷
کرگز ۲۲۱
کرمان ۹۰، ۲۰۶
کریسی ۱۵۵، ۱۸۷
کریم بن شہریار ۲۰۶
کریمیا ۱۰۸، ۱۸۰، ۲۳۶
کسوود ۱۹۲، ۱۹۴
کشتوار ۲۷۷
کشف المحجوب ۲۶۶
کشمیر ۲۵۹، ۲۷۶، ۲۷۷
کلوا ۳۱۶، ۳۱۷
کلودس ۲۰۹
کلکتہ ۲۵۶، ۲۶۹، ۲۷۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلیرماؤنٹ ۳۲۵
کمبوڈیا ۲۷۸، ۳۴۹
کنبورو ۲۹۸
کنزالعمال ۲۷۸
کنفوشس ۲۸۱، ۲۹۰
کورومنڈل ۳۳۷
کوہ قاف ۱۰۸
کوانگ تنگ ۲۷۸
کوچم خان ۲۴۲
کورنجی ۳۴۱
کول بروک ۳۲۵
کوہ سینا ۶۳
کھوجہ ۲۶۰، ۲۶۱
کہ بگنڈا قوم ۳۱۹
کیپ کالونی ۲۹۳، ۳۲۴، ۳۲۵
کیتانی ۳۰، ۳۴، ۴۲، ۴۷، ۴۹، ۵۰، ۵۳، ۵۴، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۰، ۷۵، ۸۰، ۸۴، ۱۱۰، ۱۱۶
کیتھولک ۶۵، ۷۳، ۸۹، ۹۵، ۱۲۲، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۳۵، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۶۱، ۳۶۳، ۴۱۲
کیدا ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶
کیسلائل ۱۶
کیمبرج ۳۹۸، ۴۱۸
کین لنگ ۲۸۶
کیورٹن ۲۰۶
گالاقوم ۱۲۲، ۱۲۵، ۳۱۲، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳
گبن ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹
گجرات ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳
گریک ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۷
گریگوری نہم ۱۳۴
گریگوری ہفتم ۱۳۱، ۱۳۴
گزیٹر ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۶
گلبرگہ ۲۵۷
گوتھیل ۶۷
گورزکا یکی ۱۳۹
گورنمنٹ کالج لاہور ۳۱۸، ۳۲۰
گولڈزیہر ۹، ۱۹، ۴۰، ۵۴، ۸۴، ۲۹۷
گوڑ ۲۴۹
گھانا ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱
گیلولو ۳۵۶، ۳۵۸
گیملن ۱۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیوک خان ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۰
لائبیریا ۳۱۴
لائپزگ ۱۰۱
لارنٹ ۷۸
لارڈ اسٹینلے ۱۱۸
لازار ۷۳، ۱۷۱
لاگوس ۳۱۵، ۳۱۶، ۴۱۶
لال خانی پٹھان ۲۳۸
لاٹ پادری ۶۷، ۷۷، ۸۹، ۱۰۷
لاہور ۲۶۵، ۲۶۶، ۳۷۶، ۳۹۹، ۴۱۸،
۴۲۰
لبنان ۹۵، ۱۷۸
لبیان ۱۲۷
لتھوانیا ۲۳۶
لداخ ۲۷۷
لگان ۲۰۰، ۲۶۴، ۲۸۱
لبونگ ۳۴۲
لندن یونیورسٹی ۴۲۰
لورپول ۴۱۴
لودھی ۲۴۶
لوڈولف دی سوشم ۱۰۰
لوہانہ ۲۶۰
لٹ پراند ۱۳۹
لکادیپ ۲۵۶، ۲۵۷
لہاسہ ۲۷۷

لی کونن ۱۶۷
لیبیا ۱۲۷، ۳۱۱
لیتھونیا ۱۷
لیجر ۱۶۵، ۱۶۷
لیوپولڈ اول ۱۷۲
لیوافریقی ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۴
لیون ۱۶، ۲۲۳
ماپلا ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۶.
مارسگلی ۷۲
مارٹن بام گارٹن ۱۵۱
مارٹن کروسیو ۱۵۶
مارکوبزی ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۸۲،
۳۳۹
مارکوپولو ۲۸۲
ماری بن سلیمان ۷۳، ۷۷، ۸۶، ۸۸، ۹۴، ۹۵،
۳۸۸
ماس لاتری ۱۰۰
دی ماس لٹری ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴
مالابار ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۶،
۳۳۷، ۳۳۹
مالوہ ۲۶۷
مالک بن دینار ۲۵۲، ۲۵۳
مالے ۲۵۷، ۲۹۸
مانچو خاندان ۲۸۵
مانوی ۱۰۳، ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۱۱، ۳۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانک پور ۲۵۵
ماورالنہر ۲۰۹، ۲۸۴
مبارک شاہ ۲۲۷
مجاپہت ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۹
مجالس المومنین ۲۶۲
محمد اقبال ۱۶، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰
محمد الیگزینڈر رسل ویب ۴۱۶
محمد بختیار خلجی ۲۶۳
محمد بن قاسم ۲۴۵، ۲۵۸
محمد خان ۲۲۳، ۲۳۰
محمد شاہ ۳۴۳، ۳۶۷
محمد صفی الدین ۳۵۹
محمد عثمان الامیر غنی ۳۰۵، ۳۰۶
محمد غوری ۲۱۲، ۲۴۶
محمد بن اسحاق ۲۵، ۲۶
محمود بیگڑہ ۲۶۲، ۲۶۳
محمود غزنوی ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۴۳، ۲۴۵
مخدوم جہانیاں ۲۶۷
مدورا ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۷۰
مدینہ منورہ ۳۹، ۴۲، ۴۹، ۵۷، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۷، ۲۷۸
مرابطین ۱۴۶، ۲۹۴، ۲۹۷
مراکش ۱۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۱۱، ۳۷۴، ۳۹۰، ۴۱۶

مربطین ۲۹۶
مرجان ۳۶۶
مردم شماری ۲۴۴، ۲۵۶، ۲۶۴، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۸۷
مرشد قلی خان ۲۶۳
مروج الذہب از مسعودی ۶۳
مزلف شاہ ۳۴۵
مسایا ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵
مسروح ۵۱
مسعودی ۵۹، ۶۳، ۸۳، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۵۷، ۲۶۰، ۳۹۸
مسیح (علیہ السلام) ۳۴، ۶۴، ۷۶، ۸۰، ۱۰۲، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۹، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۹۳، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۸، ۳۲۳، ۳۸۷، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۷، ۴۰۹
مشنری ریویو آف دی ورلڈ ۲۷۳
مشنری مذاہب ۱۵
مصر ۲۲، ۴۰، ۵۸، ۶۱، ۶۴، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۸۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۹، ۲۰۱، ۲۱۷، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۱، ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۷۶، ۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصعب بن عمیر ۲۹، ۳۵، ۳۶، ۳۷
مطران ۱۷۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۸
مطران پیٹر ۲۳۲
مطران جرائیل ۹۴
مطران جوزف ۹۲
مطران سفرونیوس ۱۶۷
مطران شمعون ۹۰
مطران کریتوپولوس ۱۵۴
مطلع السعدین ۲۵۴، ۲۸۵
معجم البلدان ۱۹۳
مغل ۲۲۶، ۴۲۱
مفتی محمد عبدہ ۳۸۸
مقامات حریری ۳۳۳
المقتدر عباسی ۲۳۴
مقدشو ۳۱۶، ۳۱۷
مقری ۱۳۶، ۲۹۴، ۲۹۵
مقریزی ۸۸، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۲۱۸، ۲۲۲، ۳۸۴
مگارس ۷۲
ملاکا ۳۴۳، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۶۸
ملایا ۳۱۱، ۳۲۴، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۸۹، ۳۹۰
ملتان ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶
ملک ابراہیم ۳۴۸
الملک الصالح ۳۴۰
الملک الظاہر ۳۴۰
ملک عبدالطیف ۲۶۲
ملکہ ازابیلا ۸۸، ۱۳۵، ۱۴۴
مناسک حج ۳۷۱، ۳۸۰
منتخب التواریخ ۲۲۱
منداناؤ ۳۶۶
منبع ۱۲۶
منگر ۳۲۱
منصف ۳۹۷
منگ خاندان ۲۸۲
منگوخان ۲۱۵، ۲۱۶
منگول ۱۰۵، ۱۴۹، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۸۲
منگولیا ۲۱۶
منگ کیاؤ ۳۳۹
منوسرتی ۳۵۳
منڈنگو ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منک کملا بومی ۳۴۲

منہاج سراج جوزجانی ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۷

نیلا ۳۶۸، ۴۱۶

مینلک ۱۲۵

موتیسا ۳۱۹، ۳۹۹

مورسکو ۱۳۲، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸

موریطانیہ ۱۲۸، ۱۲۹

موسیٰ بن میمون ۳۸۵

موسیٰ بن نصیر ۱۴۱، ۲۹۴

موسیو دولون ۲۸۹

موسیو دہوسن ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۵

مولانا اسحاق ۳۵۱

مولوی بقا حسین خان ۲۶۸

مولوی عبیداللہ ۲۶۹، ۲۷۰

مونوفزانٹ ۶۵، ۶۶

مونٹ نیگرو ۱۵۰، ۱۹۶

مونٹے نیگرو ۱۷۸

مڈغاسکر ۳۲۶

مکسر ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۵۲، ۳۶۳، ۳۶۵

مکون ۲۵۶

مکہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۴، ۴۶، ۴۹، ۵۰، ۵۳، ۲۵۵، ۲۹۵، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۱۸، ۳۲۵، ۳۲۷،

۳۳۳، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۹، ۳۸۰، ۴۰۲، ۴۰۵

مہابیر کھمدایت ۲۵۷

مہاراجا رنبیر سنگھ ۲۷۷

میخائل بودیں ۱۵۶

میخائل دی ایلڈر ۶۵، ۶۶، ۷۴، ۷۶، ۷۸، ۸۴

میخائیل ہشتم ۱۰۴

میرحسن ۴۲۰

میگلن ۳۵۶

میناویتو ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۷

میناس ۱۱۳

مینانگ کابو ۳۴۰

میزل ۱۵۵، ۱۵۶

منی لک ۳۲۴

میڈرڈ ۱۳۲

میکاریوس ۱۶۰

میکس ۱۵

میکنزی ۱۰۷، ۱۷۱، ۱۹۴، ۲۳۸، ۲۳۹

نائجیریا ۲۹۷، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۲۰، ۳۲۱

نائٹ ٹیمپلرز ۹۸، ۱۰۰

ناصرالحق ابومحمد ۲۰۶

ناصر بن قلاؤن ۱۱۷

ناصر خسرو سفرنامہ ۱۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناقوس ۶۹، ۱۳۹

نارنگر ۲۵۴

نجم الدین مختار الزاہدی ۲۲۱

نسطوری ۶۶، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰،
۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۵،
۲۱۶، ۲۱۷، ۲۳۰،
۳۸۸

نصرانی ۸۳، ۱۶۰، ۳۹۳

نعیم بن عبد کلال ۵۱

نماز ۱۸، ۲۹، ۳۱، ۳۵، ۳۹، ۴۲، ۴۸،
۴۹، ۵۱، ۵۵، ۶۳، ۶۷، ۶۹، ۸۱،
۹۸، ۱۱۱، ۱۳۲، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۱،
۱۸۴، ۱۹۱، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۹،
۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۵، ۲۵۵،
۲۵۹، ۲۶۲، ۲۷۱، ۲۸۶، ۲۹۸، ۳۱۵،
۳۲۷، ۳۳۳، ۳۴۵، ۳۷۹، ۳۸۱،
۳۸۲، ۳۹۳، ۳۹۵، ۴۱۴، ۴۱۵،
۴۱۷

نوبہار ۲۰۷

نومسلم ۳۷، ۴۲، ۵۲، ۵۵، ۶۲، ۶۳، ۷۰،
۷۹، ۸۴، ۹۱، ۹۳، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۸،
۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸،
۱۵۹، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۹۴،
۲۰۹، ۲۱۸، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۷،
۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۶۲،
۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۱، ۲۹۰،
۲۹۵، ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۰،
۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۴،
۳۵۶، ۳۶۷، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۷۹،
۳۸۰، ۴۰۰، ۴۰۷، ۴۱۳، ۴۱۶

نوبہ ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۳۰۵، ۳۱۳

نوبیا ۲۹۳

نورالاسلام ۲۶۹

نورالدین ابراہیم ۳۵۴

نورستاگر ۲۶۱

نورالدین ۲۶۱

نورالدین خوارزمی ۲۲۰

نوراللہ شوستری ۲۶۲

نوروز بیگ ۲۲۶

نومیڈین ۱۲۷

نکودار ۲۲۳

نکولس ۲۲۳، ۲۲۶

نکولس دی خانیکوف ۲۰۶

نکولس مارتل ۴۰۸

نیاسالینڈ ۳۲۱

نیپلز ۱۷۶

نیزبزی ۱۶۴

نیقیہ ۱۱۲، ۱۵۴، ۱۶۳

نیگرو ۱۱۷، ۱۵۰، ۲۹۷، ۳۰۸، ۳۱۳، ۳۱۴،
۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۲۹،
۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۷۵،
۳۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نینڈر ۱۲۸، ۱۲۹
نیوفیلس ۱۶۷
نیوگنی ۱۷، ۳۵۶، ۳۶۳، ۳۶۹
نیکوپلس ۱۹۲
واثنگ ششم ۱۰۷
وادی نیل ۱۱۱، ۱۱۳، ۳۰۵
الوار ۱۳۷، ۱۳۸
الوارز ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰
واسا آفندی ۱۸۰
واسلیف ۲۹۱
واصل بن الاعلی ۵۲
وانس لیمن ۱۱۵، ۱۱۹
وسٹن فیلڈ ۸۴
وشنو ۲۰۸، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۶۱
وشنوفرقے ۲۵۰
وصاف ۲۲۵
وفیات الاعیان ۲۰۷
ولادیمیر ۲۳۴، ۲۳۵
ولندیزی ۱۶۲، ۱۶۵، ۳۲۴، ۳۳۱، ۳۶۱،
۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۷۴
ولید بن عبدالملک ۲۷۹
ولیم ہوٹ ۳۸۹
ولیم ساکن روبروک ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۷
ولیم میور ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۸۵
ولیم ہنری کیولیم ۴۱۶
وٹن برگ ۱۰۱، ۱۶۴
وہابی ۲۶۵، ۳۰۲، ۳۳۲، ۳۴۳، ۳۷۷،
۳۸۹، ۳۹۰
ویلشو ۱۳۹، ۱۴۰
ولیم ۲۰۶، ۲۰۷
وینس ۹۴، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۷۳، ۱۸۴، ۱۸۷،
۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱
ویوین ڈی سینٹ مارٹن ۱۱۷
ہائیڈرا ۷۲
ہارون الرشید ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۸۵، ۹۲، ۲۹۷،
۳۳۱
ہاشم پیر ۲۵۸
ہالینڈ ۱۶۵، ۳۵۸، ۳۷۲
ہاٹن ٹاٹ ۳۴۳
ہدایہ الی شرائع دین الحق ۲۹۱
ہدیۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب ۴۰۷
ہرزبرگ ۱۷۸
ہرات ۲۱۲، ۲۱۳
ہرر ۳۲۴
ہرزبرگ ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۴
ہلال الصابی ۷۴
ہلاکوخان ۲۱۵، ۲۲۲
ہندوستان ۱۷، ۲۲، ۷۸، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۴۳،
۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸،
۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵،
۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰،
۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۱، ۳۲۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۱

ہنگری ۱۵۰، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۷۳، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۶۹، ۴۱۲

ہوئی بوئی ۲۷۹

ہوسا ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۵

ہیجس ۱۲۶

ہیپس برگ ۱۵۹

ہیراقلیس ۷۹

ہیروڈوٹس ۳۳۳

ہیلن ۲۱۶

ہیکٹ ۱۵۱

یاقیروان ۳۰۶، ۳۲۸

یاق داوتری ۹۶

یاقوت حموی ۷۷، ۱۹۲، ۱۹۳

یثرب ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۳۹

یحییٰ بن ابراہیم ۲۹۵

یزدگرد ۲۰۵، ۲۷۹

یعقوب بن لیث ۲۱۲

یعقوبی ۶۵، ۷۶، ۷۸، ۸۰، ۸۹، ۹۴، ۹۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۵، ۲۰۴

یعقوبی اسقف ۶۵، ۷۶، ۸۹، ۹۴، ۱۱۰

یمن ۴۰، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۲۶۱، ۳۳۷

یوٹیکس ۸۰

یوتی خیوس ۷۶

یوحنا دمشقی ۸۳، ۹۱، ۹۴

یوحنا نقیوسی ۱۱۰

یوحنس لوودو یکی ۱۶۱

یورپی تمدن ۳۳۴

یوسف بن تاشفین ۲۹۷

یوسف طبیب ۴۱۱

یوسف لبانی ۳۹۸

یوگنڈا ۳۱۹، ۳۹۹

یول ۲۱۷

یولوگیوس ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۶

یونانی کلیسا ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۳۴، ۲۳۵

یونگ چن ۲۸۵

یونون ۲۷۷

یونی خیوس ۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مائی ڈیئر لیڈی آرنلڈ!

میرے لیے یہ بیان کرنا ناممکن ہے کہ جب سر تھامس آرنلڈ کی ناگہانی وفات کی خبر ہم تک ہندوستان میں پہنچی تو ہم سب کو کس قدر دلدوز صدمہ ہوا۔ آپ کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ سر تھامس سے ان کے شاگردوں اور ان تمام لوگوں کو، جو ان سے واقف تھے، کس قدر محبت اور عقیدت تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ صدمے کے یہ الفاظ آپ کو اور آپ کی صاجزادی نینسی کو بہت کم تقویت پہنچا سکتے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے غم میں نہ صرف انگلستان بلکہ ہندوستان اور باقی دنیا کے ان تمام ملکوں کے لوگ شریک ہیں جہاں سر تھامس کا نام ایک مستشرق کی حیثیت سے معروف تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف برطانوی دنیائے علم بلکہ دنیائے اسلام کو بھی بے حد نقصان پہنچا ہے جس کے فکر و ادب کی خدمت میں آنجہانی نے تادم آخر کمی نہ آنے دی۔ میرے لیے یہ زیاں ایک ذاتی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ انہی کا اثر تھا جس نے میری روح کی تربیت کی اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیاوی نقطۂ نظر سے ان کی زندگی کا تابناک شعلہ اب خاموش ہو چکا ہے لیکن میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو سر تھامس کی طرح اپنی زندگی کو محبت اور خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں، ان کے لیے موت ''مزید روشنی'' کی مصداق ہے۔

میں تہِ دل سے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ ان کی شفیق روح کو جاوداں امن اور عافیت بخشے اور آپ کو اور نینسی کو یہ حوصلہ عطا کرے کہ آپ ان کی اچانک وفات کا صدمہ برداشت کر پائیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور ۱۶ جون ۱۹۳۰ء

فضلی بک سپر مارکیٹ

کتاب سرائے

042-37320318 :فون 042-37239884 :فیکس

Designed by: Naveed Ahmad 0321 840 1998